

فہرست مضامین معارف

جلد ۱۳۴

ماہ جولائی ۱۹۸۳ء تا ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	مضمون	شمار	صفحہ	مضمون	شمار
۱۶۹	حضرت ابراہیم اور مشرقتین	۵	۱۸۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵	شذرات	
۳۸۱	حضرت سلمان فارسی کی عمر	۶	۳۰۲، ۳۲۳		
۳۶۷	ڈاکٹر محمد الیمب قادری	۷		مقالات	
۱۳۵	شاہب اللہ آبادی	۸		اردو زبان و ادب میں قرآنی	
۱۲۸۵	علامہ بہان الدین مرغینانی	۹	۱۸۱	الحفاظ کا استعمال	
۰۳۴۱	صاحب دہلیہ	۱۱	۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷	اشعار و قصائد کلاسیکی ضخیمیت	۲
	علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت	۱۰		تمام کلاسیکی القرآن اور مشرقتین کے	۳
۲۶۱	تقدیر نگار		۴۰۵	اعترافات کے جوابات	
۶۲	عمدت اور پردہ	۱۱		ترکی کا ایک نامور صحافی حافظہ	۴
۲۶۶، ۱۹	کتاب سازی و ورقت	۱۲	۲۵	افرن ایسپیسٹ	

شمار	مضروب	صفحه	شمار	مضروب	متر
۱۳	مداوس عربیہ کا انصاب تعلیم	۳۸۷		ادبیات	
۱۴	مقتدرتین و مقتدرت	۲۳۵		تقریر	۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۳۵۷ ۱۱۵۲ ۴۵۱ ۴۵۰
۱۵	مطالعہ میرت و مقتدرتین	۸۹۰۹			
۱۶	مولامی عمر یوسف درنگی	۱۰۷			
۱۷	ہندوستان کا قدیم ہیکل			باب المقیظ والامتلا	
۱۸	درنگا ہوں پر ایک نظر	۲۷۱	۱	تاریخ محری	۴۶۶
	ہندوستانی جامعات میں عربی کی		۲	رسالوں کے خاص نمبر	۱۴۹
	دس و تیس	۲۳۵		مطبوعات جدیدہ	۱۵۳ ۱۱۳
	وفیات				۳۱۶ ۲۳۳
۱	مولانا ابوالجہل ندوی	۳۹۱			۴۷۲ ۳۹۷
۲	آۃ مولانا عبد الرحمن پرواز صوفی	۴۵۵			
۳	ڈاکٹر عبداللطیف مرحوم	۳۹۴	۱		
۴	آۃ: شاہ نصر احمد بیلواری	۳۹۵			
	تخلص تبصرہ				
	گوتم بدھ کی تعلیمات	۳۰۹			

فہرست

مضمون نگاران معارف

جلد ۱۳۴

ماہ جولائی ۱۹۸۳ء تا ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء
(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضمون کتاب	صفحه	شمار	مضمون کتاب	صفحه
۱	مروءات فاضله طبرستان کبری	۳۸۱	۵	سیاحتنامه الدیوبند	۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶،

مضمون نگار	صفحه	شماره	مضمون نگار	صفحه
عبدالله کوفی ندوی رفیق المصنفین	۲۲۱-۲۸۵	۱۱	جناب شیخ محمد علی گیلانی	۳۸۴
حافظ میر محمد بن دریا بادی ندوی	۴۰۵	۱۲	آفت اسلام لاہور	
رفیق دانا المصنفین			شعبہ ۶	
جناب فیضان اللہ فاروقی لکھنؤ	۴۳۹	۱۳	فیضانِ حق آزاد	
شعبہ عربی سنٹرل انسٹیٹیوٹ اسلام آباد			جہاں نوری	۴۰۰
مولانا محمد حقا الرحمن مرحوم سابق ناظم	۱۶۹	۱۴	جناب بنت کاربنت	۴۶
جمیعہ العلماء ہند			لکھنؤ	۴۰۰
جناب مولانا مفتی محمد رفیع انصاری	۱۰۶	۱۵	سید محمد شاہ جہاں پوری	۱۵۱
شیخ الاسلام محمد رفیع الدین لکھنؤ			دکتر افضل احمد بنی الامام	۱۵۲
جناب علامہ عبدالحق رحمہ اللہ ناظم	۱۹۸-۲۲۲	۱۶	دکتر ظفر الاسلام علی گڑھ	۴۰۰
جناب سید محمد رفیع لکھنؤ	۱۳۹	۱۷	بیت	
سید رشید علی سلم پورہ پٹیالہ			حسین قطرہ پٹیالہ	۱۵۱
دکتر رفیع احمد اسٹنٹ پرنسپل	۸۹-۹	۱۸	جناب وادے پٹیالہ	۲۰۱
دسویں تاریخ گرجی پورہ پٹیالہ	۲۸۸-۲۹۵		ایم۔ اے۔ مرقاچیان	

مار ۱۸۶۷

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ



.....: ﴿مُتَبِعًا﴾ :.....

سید صباخ الدین عبد الرحمن

.....>>✱<<.....

قیمت بیٹل روپے سالانہ

درختی در ایام المصطفیٰ اعظم کد

کاتب علیہ قبالہ (۱۵۶-۱۶۰)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
 - ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی
 - ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک بنی کتابوں کا بیچ چکا ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں منسل دور سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۸ روپے

جلد دوم

اس میں منسل فرمانروا بابر، ہمایوں، سوری خاندان کے شیر شاہ اور اسلام شاہ، پھر منسل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے سنی ہوئے واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

جلد سوم

اس میں اورنگزیب عالمگیر، اس کے بعد کے منسل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

..... (ترتیباً)
..... (ترتیباً)
..... (ترتیباً)

سید صباح الدین عبد الرحمن

جلد ۱۳۱ ماہ شوال الحکم سنہ ۱۳۸۲ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۶۱ء

مضامین

۸-۲ سید صباح الدین عبد الرحمن فذرات

مقالات

۲۸-۹۰ مطالعہ سیرت اور تشریقین ڈاکٹر شاد احمد سسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی تاریخ کراچی یونیورسٹی

۴۵-۲۹ ترکی کا ایک نامور صحافی حافظ اشرف ادیب جناب مولت ثروت صاحب کلاپی

(سنہ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء)

۴۱-۴۶ اشعار و قصائد کی دینی حیثیت مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈاگری

نیپال

۷۱-۶۲ عورت اور پردہ سید صباح الدین عبد الرحمن

ادبیات

۷۲ غزل جناب بخت کمار بخت بخت بخت

۸۰-۷۳ منظومات جدیدہ "محسن"

.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مشترک

اس سے تقریباً ۵۲ سال پہلے اساتذی معظمہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے تاریخِ ہندوستان کے اردین کا ایک جامع خاکہ پیش کیا تھا، جس کی تکمیل کے سلسلہ میں ملک کے ممتاز مؤرخوں کو تعاون کی کبھی خواہش ہوئے تھے۔

ان کا تعاون تو حاصل نہ ہو سکا، مگر دارالافتحین کے اندر یہ کام جاری رہا، احمد شہزادہ اس وقت تک اس کی ۱۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، امید کہ آئندہ یہ ملک کی قومی ادبی و تاریخی کمیوں میں مفید ثابت ہوں گی، بشرطیکہ ان کا مطالعہ سیاسی زاویہ نگاہ کے بجائے خالص تاریخی پس منظر میں کیا جائے، لادھو مال ہی میں اس سلسلہ کی تین جلدیں 'ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی و عوامی زندگی کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں، اسلام میں مذہبی رواداری کی جو تعلیمات دی گئی ہیں، ان کو بھی جاننے کی ضرورت تھی، اس نے اسلام میں مذہبی رواداری کے عنوان سے ایک عمدہ جلد مرتب کی گئی ہے، اس میں قرآن مجید اور احادیث میں جو تعلیمات ہیں، ان کو واضح کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکومت کے دہانے میں جیسا کہ جو خصوصی مراعات ہیں، ان کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

جب پورا جزیرۃ العرب فتح ہو گیا تو آپ نے جو ان کے جیسا کہ ان کی جائیں ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کے احوال، ان کے حاضر و غائب ان کے قلعے، ان کے سفر و آمد، ان کی خوشی و غم، ان کی امن و امان اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں تغیر نہ کیا جائے گا، ان کی جائیں جو تیس بجھاڑی جائیں گی، ان کا کوئی امتیاز ہوگا، مذہب، کنہ کا کوئی مستطام اپنے عہد سے ہٹایا نہ جائے گا، ننانوے جاہلیت کے کسی جرم یا ظلم کا بدلہ نہ لیا جائے گا، ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی، اور ان سے کوئی

لکھا جائے گا اور اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی، ان میں سے جو شخص اپنے کسی ہی کام مبارک کہے گا، اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ (فتوح البلدان باذنی مہمور مصر ص ۶۶)

میرسلوں کے ساتھ اسلامی حکومت کا یہ رہتا اصول بن گلدادی پر خلفائے راشدین کا عمل رہا، بعد میں مسلمانوں نے اس کی پابندی نہیں کی، اس نے اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کی، اور وہ مسلمانوں کی فکر میں جبرم رہا، مگر یہ وہ ترسلان مکران اسی کے پابند رہے۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی پہلی جلدیں یہ دکھایا گیا ہے کہ سلطان دہلی کی لنگا رواداری کا یہ نتیجہ ثابت ہے کہ ان کے عہد میں نظم و آراخی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی، اس نے گاؤں میں ان کی زندگی ویسی ہی رہی جیسی پہلے تھی، تجارت نہیں کے ہاتھوں میں رہی اس نے اس زمانہ میں نیچے ہستی کے ضروری امور اور اسی طرح سب میں مطابقت رکھی، علم ہندوؤں کے پوسٹ ملازم کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی، ان کے مذہبی اور معاشق و ہم دروازہ دیے ہی باقی رہے، جس سلطان اپنی زندگی میں بہت زیادہ مذہبی بنے لیکن ان کے مذہبی عقائد ملک کے نظم و نسق میں حائل نہیں ہوئے، ان کی مدد پر روٹا کوئی مذہبی عقیدہ نہیں ہوئی۔

مہمور لنگی کی بُت شکنی بہت مشترک جاتی ہے، مگر اسی کی معیت میں لالیوٹی نے ہندوستانی گہند مذہب کو جس طرح سمجھا ہے، اس کی طرف توجہ کم کی جاتی ہے، اس نے اپنی کتاب لنگی کو لالوں کو یہ دعوت دی کہ وہ ہند مذہب کو اچھی طرح سمجھیں، پھر صوفیائے کرام کی تعلیم و تحقیق سے امیر خسرو دیے تافرخہ کو انھوں نے ہند مذہب کو اسلام کے علاوہ دنیا کے اور تمام مذاہب سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کی اور ہندوؤں کی بہت پرستی میں سمجھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حقیت کی تحقیق کی۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی دوسری جلدیں یہ دکھایا گیا ہے کہ باوجود اپنے جانشینوں کے لئے یہ پیام چھوڑا گیا تھا کہ اپنے اور دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹا کر ہندوؤں کے طریقے کے ساتھ

انھوں نے اس سے ہمہ تن دھنوں کے دلوں کی تعمیر کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے قتل کے
 کرنا، کبر نے اسی پر عمل کیا۔ اس نے قتلوں کی تعمیر کے لئے اپنے ایک چھوٹے ایک نائب سب سے تم کیا گیا
 تبلیغ میں بالاکام رہا، مگر قتل کے ام۔ پینکر اس نے اپنے جانشینوں کے لئے اپنی حکمت کی کے سید میں تھی کیا
 چھوڑی (۱) ریاست قوی بنی ہے (۷) ہندوؤں سے ملے پیدھے (۳) پھر ہندوؤں کے متحد
 کیا جائے، جانتی اور شاہ جہاں کا مل ان ہی باتوں پر ملے کے۔ ام۔ پینکر نے اصرار کیا ہے کہ شاہ جہاں
 کے عدلیہ مغلوں کی حکومت قوی بادشاہت تھی۔

اورنگ زیب متنازعہ فیہ سمجھا گیا ہے، مسلمان کو بہت اچھا سمجھے ہیں تو ہندو اس کو بہت بُرا سمجھتے
 ہیں، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی تیسری جلد میں یہ دیکھیں، ایہیں پر فضائل بحث کی گئی
 ہے، جو ہندوؤں میں اورنگ زیب کو بہت برا سمجھتے ہیں، ان کے نام جدا جدا سرکاری ہیں، جنہوں نے اس کو بدترین
 حکمران ثابت کرنے میں پانچ جلدیں لکھی ہیں، مگر ان کی تحریروں کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو ان میں اتنا تضاد نظر
 آئے گا کہ وہ جو کچھ پورے دور سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ماسی دور سے دوسری جگہ اس کی تردید بھی کر دیتے ہیں۔
 انھوں نے اورنگ زیب اور شیواجی کی لڑائی کو ہندوستان اور فادر لینڈ کی جنگ کا رنگ دینے کی
 کوشش کی ہے، مگر ان کا خود بیان ہے کہ شیواجی کے داماد اچھا لکھا ہوا ہے اس کا لڑاکا داماد حاجی نرائن اپنے پوتے
 خاندان کے ساتھ اورنگ زیب کے طرفدار ہے، پھر انھوں نے ان مرہٹہ سرداروں کی ایک ایسی فرست بھی
 ہے جو اورنگ زیب کے وفادار ہیں اس کے داماد کے سر پر غصہ ہے رہے ماس سے یہ ظاہر ہے کہ وہ ساتھ ساتھ
 نے جن کو فادر لینڈ کی جنگ کہا ہے، وہ دراصل ذاتی مفاد کی جنگ تھی۔

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اورنگ زیب کی مذہبی ایڈلسائی کی وجہ سے راجپوت مغلوں کے تحت تاج
 سے اپنے برگشتہ ہوئے کہ وہ ان سے پھر قریب نہیں ہوئے، مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب اورنگ زیب
 نے ملک میں امن و امان قائم کر لیا اور اس کے نئے و تعمیر کے لئے خاص مقررے نہیں دیئے، تو ان حالات

میں راجپوتوں کو فتح میں کوئی عداوت نہیں لے لی، کیونکہ جنگ ہی ان کا پیشہ تھا، ان حالات میں ان کے گھرانوں کے حوصلہ مند افراد اپنے ہی رشتہ داروں اور اپنے ہی گھرانوں کے لڑنے کے لیے یا پھر لڑکھن کر کے پر آمادہ ہو گئے یا پھر اورنگ زیب سے جاگیر پانے کی خاطر اپنا مذہب چھوڑنے لگے، ریشی آت اورنگ زیب ۵۵ ص ۵۵-۵۴) اپنی فال آت دی موغل امپائر کی چار جلدوں میں ہندوؤں کے مختلف علاقوں میں مرہٹوں اور راجپوتوں کی باہمی خوں ریزی، غارت گری اور ستاکی کی جو ہوناک تصویریں کھینچی ہیں، ان کو پڑھ کر موجودہ دور کے مرہٹوں اور راجپوتوں کی گردنیں شرم سے سجھاتی ہوئی، یہ مرقعہ آرائی اس کے کی گئی ہے تاکہ انگریزوں کی حکومت رحمت الہی بھی جائے، انھوں نے بت خوش ہو کر لکھا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی حکومت مصیبت زدہ راجپوتوں کے زخموں پر پچا پچا گئی، مگر ان کو اس کا بھی دکھ ہے کہ راجپوتوں کی مردانگی مغلوں کی حکومت کے زوال کے بعد انھوں کا گریز ہندو سوتھی اور ان کی نسل نے انگلستان کی مشرق کی فتح میں ایک فوجی سہارا بھی پیش کیا کہ انہیں کی (خلافا

دی موغل امپائر ج ۲ ص ۵۷)

ایسے متضاد بیانات سے ان کی پانچوں جلدیں پُر ہیں، ان کو اورنگ زیب پر بت شکنی اور مذہب کی بے حرمتی کے الزام رکھنے میں بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے، مگر ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی تیسری جلد میں اورنگ زیب کے جو متعدد فرامین، دستاویزوں اور پروانوں کے متن پیش کئے گئے ہیں ان سے اس الزام کی پوری تردید ہو جاتی ہے، یہ فرامین اور پروانے خود ہندوؤں کے پیش کو پیش ہیں اور اورنگ زیب نے بعض مندروں کے خلاف تشدد آمیز کارروائیاں ضرور کیں، لیکن ان کی نوعیت ایسی طرح کی تھی جس طرح کہ ہماری موجودہ حکومت نے امرت سر کے سدھن مندروں کے خلاف کی ہے، ہندو ناتھ سرکار اس لحاظ سے بھی قابل شکایت ہیں کہ اھمگ زیب پر حملہ کرنے میں اسلام پر بھی حملہ آور ہو گئے ہیں اور ایک اہل اسلام کی خدمت میں لکھا ہے، جس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا ایک خاص ذہن ہونا چاہیے، جن کی بنا پر وہ لوٹ مار اور قتل کو خاص
مذہبی فعل سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں، ایک مذہب جو اپنے پیروؤں کو لاکھوں آدمی اور قتل کو
مذہبی فرائض سمجھنے کی تلقین کرے، وہ ان احمیت کی ترقی اور دنیا کے امن کا ساتھ نہیں دیتا
(چرٹری آف اورنگ زیب ج ۳ ص ۶۲-۶۳)

انھوں نے انگریزوں کی حکومت میں ایسی تحریریں ان کو پیش کرنے کے لئے لکھیں اور شاہی
کے صلہ میں ان کو سر کا خطاب بھی ملا، مگر ان کو ایسی اشتعال انگیز تحریریں لکھتے وقت یہ خیال نہیں
پیدا ہوا کہ جب ہندوستان میں قومی یکجہتی اور جلد بآتی ہم آہنگی کی تحریکیں چلیں گی تو ایسی تحریریں کتنی
مضر ثابت ہوں گی، اور واقعہ ہوئی۔

جدہ فاتحہ سرکار نے جا بجا اس کا اظہار کیا ہے کہ اورنگ زیب جگہ مسلمانوں کی ریاست و حکومت کے
مذہبی تحریک کی وجہ سے ہندوستانی قومیت کا بننا ناممکن ہو گیا، لیکن اپنے اس غلط قسم کے موقف کی تائید میں
شروع سے آخر تک جو طرز آئینہ زہر ناک اور دل آزار تحریریں لکھی ہیں، کیا ہندوستان کی متحدہ قومیت
کے بنانے میں معاون ہو سکتی ہیں، ان ہی کی مورخانہ تحقیقات کی جھوٹی انبیکس دکھا رہی ہے۔

اورنگ زیب کا سب سے بڑا کھانا یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کو سب سے پہلے اپنے دماغ میں غلط
وحدت خطا کی، جدہ فاتحہ سرکار لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اتنی بڑی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی جتنی کہ
اورنگ زیب کے عہد میں ہوئی غزنی سے چانگام اور کشمیر سے کرناٹک تک ہندوستان کا ہر صوبہ ایک ہی
حکم کا تابع ہو گیا، لہذا اور ملابار میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا، صوبہ کاکوئی کو وزیر خراج نہیں روک
سکتا تھا، اور نہ اس کی عدول مل کرنا، یہاں وہاں کچھ بناوٹیں ہو جاتیں لیکن ان کی ہمت ملحدہ حکومت قائم
کرنے کی نہ ہوتی (ج ۱ ص ۱۰۱) یہ اس حکمران کی تصویر ہے جس کو بدترین ثابت کیا گیا ہے، اورنگ زیب
نے ملک میں سالمیت پیدا کرنے کی خاطر راجپوتوں، مرہٹوں، ہندلیوں، اور پھر گولکنڈہ اور سیالپور کے

خلافت اسی طرح فوج کشی کی جس طرح گزشتہ ۳۳ سال کے اندر بہاری قومی حکومت نے حیدر آباد، کشمیر، گواتا، آسام اور سکھوں کے خلاف پنجاب میں کی، بہاری حکومت ایسی محاذ آرائی میں بالکل حق بجانب رہی، تو پھر اورنگ زیب کی سرکردہ آریاں کیوں نہ حق بجانب سمجھی جائیں، کے ہم پینیکر نے بڑی غرضی سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانے کی ساری لڑائیاں ہندوستان کو متحد کرنے کی کوشش ہی میں لڑی گئیں۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ مرہٹوں، راجپوتوں اور سکھوں سے ضرور لڑے، مگر ان کی لڑائی میدان جنگ یا قتلوں کے محاصروں تک محدود رہی، کبھی ہندو مسلمان شہزادوں پر نہیں لڑے، ان کی سادھے چھ سو برس کی حکومت میں ایسی خونریزی اور فحاشی کی مثالیں نہیں ملتی ہیں جو گزشتہ ۳۳ سال کے اندر حبشید پور، راولپنڈی، جبل پور، بڑودہ، مراد آباد، میرٹھ، آسام، بمبئی اور بھونڈی میں دیکھنے میں آئیں، خود حکومت کے ایک اہلکار میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ۱۶۹۶ء سے ۱۷۱۹ء تک چار ہزار دو سو اڑسٹھ ہندو مسلم بچے ہوئے ۱۶۹۶ء کی تعداد چار سو چوبیس تھی، یعنی ایک سال میں فساد کا اوسط روزانہ ایک سے بھی زیادہ رہا، اس کے مقابلے میں ہندوستانی کے مسلمان حکمرانوں کے طویل دور میں صرف فرنگ سیر کے حملوں میں احمد آباد میں ہولی کے موقع پر ہندو مسلمان کا ایک جھگڑا ہوا جو سختی سے دبا دیا گیا۔ (سیر التاخرین جلد دوم ص ۳۹۸)

مسلمانوں کی حکومت کے زمانے کے ہزیہ کے ٹیکس کی بڑی مذمت کی جاتی ہے، لیکن اس کی نوعیت کو کھیلے ذہن سے سمجھا جائے تو یہ فیصلوں کے لئے نفعت بھی جائے گی، اس ٹیکس کے ادا کرنے کے بعد غیر مسلموں کی جائیں، ان کا مذہب، ان کی جائیداد، ان کی عبادت گاہیں، ان کے مذہبی پیشوا، ان کے مذہبی توار، ان کے بچے اور معاشرتی رسم و رواج، اور ان کے پرسنل لا وغیرہ سب محفوظ ہو جاتے ہیں، ان کی پوری حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکمران ادا فرما دیتے ہیں، اسی فرض کی کوتاہی پر مسلمان حکمران اور عوام دونوں قابلِ مواخذہ

کے ہاتھ پر ہوا اور یہ سیکر حکومت اپنے مسلمان شہریوں پر بھی قائم کر دیا۔ مگر وہ اس کا
خفا مہزون جانے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا پناہ میں لے کر کہیں بھی بٹاری کی طرح اس کی ہوا کی ہوا پر
اور ان کی انتہائی بھیاں ک فادرت گری رہے۔ یہ مسلمان خوشی سے اس جزیرہ کی بڑی سے بڑی رقم دینے
کے تیار ہو جائیں گے۔

اوپر کے امپریکٹر کے اس خیال کا ذکر آیا ہے کہ شاہجہاں کے عہد تک بادشاہت قوی بادشاہت تھی مگر
بعد ازاں سرکار نے پورے مغل امپائر کو قزاقی (Brigandage) قرار دیا ہے، اور لکھے ہیں کہ بہن
مورخوں کی آنکھیں تخت طاووس امتناع عمل یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کی ظاہری چمک دیکھ کر فیوض
ہستی ہیں، ان کو مغلوں کا امپائر ایک قزاقی معلوم ہوگا، جس پر ایک زمین پر دو ڈراہم، ہی وجہ ہے کہ ہندوستان
کے وادیاں ریاست اور یہاں کے لوگوں نے انھیں ان کی حکومت کو آسانی سے قبول کر لیا (ہسٹری آف انڈیا کی ۱۲

اس تحریر سے جہد فتنہ سرکاک کے زمانے کی برطانوی حکومت کو ضرور خوش ہو گئی ہوگی، مگر اس قسم کے اشتعال انگیز بیانات کی جھین سے ملک کے اندر جو سیاست بنی اس کا اندازہ جہد فتنہ سرکار کو بھی ہوا ہو گا، اب بھی ایسے ذہیٹے بیانات شائع ہوتے رہتے ہیں، جن کی ضرورت سانی برابر دیکھنے میں آ رہی ہے، اب جب برابری حکومت قومی بن گئی ہے، اس کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو بھی پہنچنا ہے کہ حکومت کا قانون دستور، اکثریت کی مرضی، اور فوج کے ذریعہ سے ضرور عمل کرتی ہے مگر ہر دل عزیز حکومت کا اصل انھما دلوں کی تسخیر پر ہوتا ہے، جو نیت کی طاعت اور بے غرضی کے ساتھ عمل کی راہ داری، فراہمی، اور نیک نیتی سے حاصل ہوتی ہے، عدالت و مخالفت کے خدستان کو ہر وقت کا سرسبز اور شاداب جہنم بنانے کی خاطر خود بینی، خود مائی اور خود سرائی کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

مقالہ -

مستشرقین اور مطالعہ لیسریٹ

ۛ

ذکر منشاء احمد صدیقی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی تاریخ کراچی یونیورسٹی

(۲)

یہاں زیر بحث دور کے کچھ مشاہیر مستشرقین کا مختصر تعارف کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے،

(۱) جان جاک سیدیلو (Sedillot, J. J.) مشہور فرانسیسی مستشرق جس کا زمانہ (۱۸۴۶ تا ۱۸۳۲) تھا، متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک تاریخ عرب بھی ہے۔

(۲) دیورجے (Devergers, A. N.) فرانسیسی مستشرق، زمانہ (۱۸۰۵ تا ۱۸۶۶) اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں، تاریخ ابوالفدا سے سیرۃ النبی کا خلاصہ، متن و ترجمہ کے ساتھ، ۱۸۳۶ء میں شائع کیا، بلا عرب پر کئی مجلدات بشمول تاریخ خلافت، عدلیہ تک، مطبوعہ ۱۸۴۶ء (۳) ڈاکٹر پیرون (Perroux, A.) فرانسیسی مستشرق زمانہ (۱۸۰۵ تا ۱۸۶۶) مصنف کتاب نساء العرب قبل الاسلام و بعدہ مطبوعہ ۱۸۵۸ء نیز ترجمہ کتاب الطب النبوی، از جلال الدین ابی سلیمان داؤد مطبوعہ ۱۸۶۰ء (۴) ۛ

۴، گارسن دی تاسی (Tassard, G.) فریسی مشرق زمانہ ۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۴ء
 صاحب تصانیف دین اسلام، قرآن، مذہبی تعلیمات و فرائض وغیرہ (۵)، جوزف و ہاسٹ،
 ڈی (Wiet, J.) انگریز مشرق زمانہ ۱۸۷۴ء تا ۱۹۱۴ء اسلام اور نصرا نیت کے تقابلی
 مطالعہ پر مشتمل مقالات و محاضرات، اسلام اور غیر اسلام پر خطبات (۶)، ولیم رائٹ (Wright,
 G.H.) برطانوی مشرق اور مصنف، زمانہ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۹۹ء (۷)، ایڈورڈ ہرنی ہام
 (Palmer, E.H.) برطانوی مشرق اور مشہور مترجم قرآن، ترجمہ قرآن مطبوعہ آکسفورڈ
 ۱۸۸۵ء، زمانہ ۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۳ء (۸)، ڈی جونگ (De Jong, J.) ہالینڈ کا مشرق
 زمانہ ۱۸۳۲ء تا ۱۸۹۹ء، دوسرے ہم وطن مشرق ڈی جو جے (Goeje, M.J.)
 کے ساتھ ل کریمت ابن ہشام پر کلام کیا، متن اور لاطینی میں ترجمہ لیڈن سے ۱۸۸۱ء میں
 شائع کرایا (۹)، ڈی جو جے، ہالینڈ کا مشرق، زمانہ ۱۸۳۶ء تا ۱۹۰۹ء کثیر تصانیف،
 رقیات الاعیان اور ابن خلکان پر کلام کیا اور اپنے ہم وطن مشرق ڈی جونگ کے ساتھ ل کریمت
 ابن ہشام کے متن و ترجمہ کی اشاعت کی (۱۰)، فلاشر (Fleischer H.L.) جرمن
 مشرق تھا، زمانہ ۱۸۰۱ء تا ۱۸۸۸ء متعدد کتابیں لکھیں، تاریخ ابی الفدا کو متن و ترجمہ کے ساتھ
 اور تعلیقات و حواشی سے آراستہ کر کے لمپنرگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا، ایک اور کتاب
 تاریخ عرب قبل اسلام پر لکھی جو لمپنرگ سے اسی سنہ میں چھپی (۱۱)، ڈسٹنفلڈ (Huston,
 F.) جرمن مشرق، زمانہ ۱۸۰۸ء تا ۱۸۹۹ء زونلم مصنف تاریخ مکہ
 المکرمہ، سیرت ابن ہشام مع تعلیقات و حواشی (تین جلدیں) آفریقی مدینہ منورہ اور تاریخ شریف مکہ
 دیگر کتابیں اسکی یادگار ہیں (۱۲)، بیرزین (Berzina, E.) مشہور روسی مشرق (۱۸۹۷ء تا ۱۹۱۰ء)
 گویا روسی مشرقین کے زمرہ اساتذہ میں شامل متعدد تصانیف، مصادر اسلامی تہذیب و تمدن

اور اسلام کے دو بیان قلع پر گما ہیں، روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم و ادب پر متعدد مقالات ہی مشرق کے قلم سے ہیں (۱۳) بلاکو (White Joseph Blanco) مشہور مشرق برطانوی مذہبی مصنف (۱۷۵۰ء - ۱۸۲۱ء) مستند پادری، خاص کام کا میدان، انڈس کی تاریخ تھا (۱۴) ایڈورڈ سفاۃ مشہور معروف جرمن مشرقی، برلن میں مشرقی زبانوں کے کلیہ کا سربراہ، خود بڑا اسکالر اور زبان دان تھا، بقول مولانا شبلی، پروفیسر سفاۃ کی ہی خاص کوشش اور دیگر سائنس مشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط، سیرت نبوی میں کوئی تالیف نہیں شائع ہوئی (۱۵) اسلم نفل، روسی استشرق کی تاریخ میں اہم نام، استادوں کا استاد، مگر بل مشرقین روس میں سے ایک تھا، زمانہ (۱۸۲۸ء - ۱۹۰۲ء) تو وطن لبنان، کام فرانسیسی میں کیا، سیرۃ نبوی اور اسلام تعلیمات پر تصانیف (۱۶) فان کریمر (Vancromer) آسٹریا کا مشہور مشرق، ولادت ویانا میں ہوئی تعلیم بھی وہیں پائی، قوقی کر کے وزارت کے درجہ تک پہنچا اور وفات تک، وزارت خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دینا رہا، اسلامی مصادروں کی تقریبات میں عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا، ان میں سے واندی کی المعازی، مادری کی الاحکام السلطانیہ، نشوان کا قصیدہ الحمیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، اس نے اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارہ میں کثرت سے کتابیں لکھیں، جو جرمن زبان میں ہیں (۱۷) مردیم میور، مشہور انگریز مشرق، اس کا فیصلی تعارف مقالہ کے ابتدائی صفحات میں آچکا ہے، (۱۸) مینارڈ (Mynard, B. DE) فرانسیسی مشرق، زمانہ (۱۸۲۴ء - ۱۹۰۸ء) اس نے استشرق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کر رہا جزا فی تاریخ، ابلی لغت مرتب کی، مسعودی کی مروج الذهب کا متن و ترجمہ شائع کیا (۱۹) رینی باس (Basset, Rene) فرانسیسی مشرق، زمانہ (۱۸۵۵ء - ۱۹۲۲ء) بے شمار کتابوں

مصنف ملا المشرف العزیز قبل الاسلام، مطبوعہ سنہ ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء، نقد مشرقی و عربی
 مصنف وغیرہ وغیرہ (۷۰)، ڈاکٹر لیبان (Leban, D.G.)، فرانسیسی مشرق شناس، صاحب
 اور تمدن و حضارت مشرق کا جاننے والا، مورخ تھا، سنہ ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوا، متعدد ضخیم کتابیں لکھیں،
 تمدن مصر، تمدن عرب اور اندلس میں عربی تمدن پر کام قابل ذکر ہے، اس کا شمار ان مشرق شناس میں
 ہوتا ہے، جو انصاف پسند تھے، اور اسلامی خوبیوں کے قائل تھے (۷۱)، گولڈزیہر، ہنگری کا مشہور
 و معروف مشرق (۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۷ء)، کثیر التصانیف شخص تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت پر
 بے شمار دراسات شائع کیے، گولڈزیہر کی خاص بات یہ ہے کہ وہ لولہ کی کے نقد تصدیق آگے
 بڑھ کر انکار حدیث میں اس کا ہم نوا بن گیا، انکار حدیث کے بعد گولڈزیہر نے سیرت کے دوسرے
 مصادر کو بھی نشانہ بنایا (۷۲)، ولہا ورن، جرمن مشرق (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۸ء) بہت سی تصانیف
 یادگار چھوڑیں، مختلف موضوعات پر لکھا، تاریخ یہود، محمد بن عبد اللہؐ اسلام کے مطالعات،
 عبد بنوئیؑ میں دستور بدینہ، مکاتب بنوئی اور وفود، منقول از ابن سعد معین و ترجمہ، وہ پرنٹسٹ
 قیود و چین اور ہائیل پر عبور رکھتا تھا (۷۳)، ڈاکٹر ارنلنگ، معروف امریکی اسکالر اور مشرق
 (۷۴)، ۱۸۵۹ء تا ۱۹۰۷ء بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں، خصوصاً سیرت محمدؐ اور خلفاء پر
 دو جلدیں جو ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئیں، اس کی کتاب حیاۃ محمدؐ کا ترجمہ عربی میں شائع ہوا،
 (۷۵)، یوجین یونج (Eugen - young)، فرانسیسی مشرق شناس، متعدد کتابوں کا مصنف،
 ایک ضخیم رسالہ نور اسلام کی خاص کرن، دوسرا مشرق جس طرح اسے مغرب نے دیکھا،
 سیرۃ بنوئیؑ، زبان فرانسیسی وغیرہ وغیرہ، انتقال سنہ ۱۹۰۷ء میں ہوا۔

ادھر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ، قرون وسطیٰ کا ماضی
 بھی بدلتا چلا گیا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اگرچہ ان کے عزائم، اور مقاصد میں

فرق نہیں پایا، تاہم دین اسلام اور سہرت رسولؐ کے بارہ میں مستشرقین کا رویہ اور سلوک یکساں نہیں رہا، اور جیسے جیسے عیسائیت کی منزل قریب آتی گئی، مجموعی طور پر ان کے ظاہری رویہ میں محفویت کا رنگ نمایاں ہوتا چلا گیا، اور وہ خود پر محسوس کرنے لگے کہ تعصب اور تشدد کی انتہا پسندی، خود ان کے لیے اور ان کی تحریک کے لیے ضرور سزاں ہوگی، بہر حال اب ہم اگلے دور میں قدم رکھتے ہیں۔

عہد جدید | پچھلے دور جو بیسویں صدی کے ربع اول میں اختتام کو پہنچا، جیسا کہ ظاہر ہوا، تحریک اشتراک کا نقطہ کمال ثابت ہوا، اور ہر اعتبار سے اشتراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا، اب وہ دور جسے ہم عہد جدید سے تعبیر کر سکتے ہیں، بیسویں صدی کے ربع اول کو شروع ہوا اور تاحال جاری و ساری ہے۔

عہد جدید آیا تو اپنے جلو میں نئے رجحانات لے کر آیا اور سیاسی و عسکری اوجھڑائی دسواں صدی پر پھیلی بہت سی باتوں کو زیرِ ذکر کر گیا، چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجے میں مشرقی و مغربی ممالکوں پر ہمہ گیر اثرات، ذرا دیاتی طاقتوں کی بیداری، فظلم و استعمار کی مارکیوں کے خلاف حریت و آزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست و ریخت، ایجادات و اختراعات کا ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نمو اور تہذیب و تمدن کے تنوع نے حالات و مسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا، اور اشتراک کے حوالہ سے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تحریک اشتراک پچھلے دور میں جس نقطہ کمال تک پہنچ چکی تھی، ہر کلمے راز و مال کے مصداق، غالباً مزید پیش رفتی ممکن نہ رہی، اس لیے یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوا کہ کیا تحریک اشتراک رو بہ زوال ہو گئی ہے؟ و خصوصاً کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا، اسے بہ طور باقی رکھا جائے، دوسری طرف اسلام، پیغمبرِ اسلام اور عالمِ اسلام کے اعمال و احوال میں دلچسپی

ہناک، توجہ اور اسمان نظر، برتا جانے لگا، جزوقتی اسکالرز کے بجائے کلی وقتی علما نے جگہ حاصل لی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری جامعات میں قرآن و حدیث، فقہ و تصوف اور دوسرے اسلامی و مشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں، یہ مطالعہ لازماً خلوص پر مبنی نہیں تھا، مگر ان کے اشتغال و انہماک پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ اس سے خال خال مفید نتائج بھی پیدا ہوئے، اور کعبہ کو منہم خانے سے بعض پاسبان بھی مل گئے۔

مطالعہ سیرت کے حوالہ سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت ایسے جیسے دہلی، گوئٹے اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا، اس عہد میں بھی جاری و ساری رہی اڈالفاؤسز، ایچر، ٹائن بی، بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت و معدلت کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں، اسلامی مصادر کی تحقیق و دریافت، ان کی تجویب اور اشاریہ سازی کا کام نہ صرف آگے بڑھا، بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملہ میں اپنی محنت و دریافت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی، اور دوسری طرف، اسلامی و مشرقی مصادر پر نقد و جرح کے کام کو بھی وسیع پیمانہ پر انجام دیا جانے لگا، یہ غالباً تحریک انتشار کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر و مآخذ کا اعتبار اسی طریقہ سے اٹھ سکتا تھا۔ اور مشرقی اذہان و قلوب میں تشنگ و تذبذب کے بیج بوئے جا سکتے تھے، اس ضمن میں قرآن، سنت اور دوسرے مصادر سیرت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا اور مآلِ کاریہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نعوذ باللہ تعالیٰ منہم، مصلیٰ علیہ وسلم کے مفاہر بہت، سہمی رہ نہ تھے، اور مذہبی غلوں و دہلیان میں بہت کم تھی، اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے، ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔

بعض مستشرقین نے سیرت نبویؐ کا مطالعہ طبی اور معالجاتی (Pathological)

نقطہ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور سماجی عوامل سے متاثر ہو کر محض صلم کو محض

ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی، اور کچھ نے ان سبے مرکب و مرتب نظریہ قائم کیا، یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی و فکری پس منظر کی پیداوار تھے، طبی اور معالجاتی نقطہ نظر سے سیرت کے مطالعہ میں یہ موقف قائم کیا گیا کہ آنحضرتؐ (خاکم بدن نفسیاتی و دماغی امراض کا شکار تھے، انھیں مرگی کے دورے پڑتے تھے، اور ہنری لانس کی دُعا یہ ہے کہ یہ دورے حدودِ رجبِ شہوت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے، اس سے پہلے اس نقطہ نظر کی ترجمان مشہور برطانوی مستشرق اسپرنگو بھی کر چکا تھا، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر چکا تھا کہ بعد از آنحضرتؐ کا نظام اعصاب جو کھٹکتا تھا، اور آپؐ نمودِ بالندِ ہدیاء و اضطرابِ اعصابی، مریض تھے، اس لیے ان کے لائے ہوئے دین اور ان کی سیرت میں اس کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ طبی اور معالجاتی نقطہ نظر کو مزید تقویت، مطالعہ سیرت میں علم النفس کے اصول کو اطلاق سے ملی، اس کے تحت اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کی نفسیاتی تحلیل کی کوشش کی گئی اور اس معاملہ میں فرانز ہیل (Franz Buhl) اور طور اینڈریس (Tor Andrius) نے سبقت دکھائی، اور حق ترجمانی ادا کیا۔

زیبحث دور میں جن نئے رجانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا، ان میں اشتراکی نقطہٴ کو خاص اہمیت حاصل ہے، مارکس اور اینگلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنی حلقہٴ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت و فروغ اور پیغمبر اسلامؐ کی کامیابیاں دراصل سیاسی سماجی اور معاشرتی عوامل کی کار فرمائیوں کا نتیجہ تھیں، چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کراٹم (Hubert Grunze)

کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا، اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر اس کی دو کتابیں شائع ہوئیں، اس کی تحقیقات کا خلاصہ یہ تھا، کہ اسلام کو ایک مذہبی و دینی نظام کی یہ نسبت

ایک سماجی اشتراک نظام کی حیثیت سے سمجھا جاتا ہے، اور آخرت تک کو پیغمبر کے
 بجائے صرف ایک سیاسی سماجی اور معاشی مصلح سمجھا جاتا ہے۔ سیاسی سماجی اور معاشی
 نقطہ ہائے نظر کا رنگ مار گزرتا تھا۔ اور گرا گیا، اور اس نے اپنے مطالعہ سیرت میں آخرت
 کو صرف ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے پیش کیا، اور اپنی کتابوں اور مقالات میں یہاں تک لکھا کہ
 مکہ میں اپنی دکان سے لے کر مدینہ میں ایک ملک کی تعمیر تک ^{۲۳}تیس سال کا عرصہ لگا یا پھر دریدہ
 دہی کی اتھا کرتے ہوئے آنحضرت کو غزوہ بدر کا کوڑا کوڑوں کا سردار اور مدینہ کا ظالم و مستبد لکھنے میں
 بھی تکلف نہیں کیا، اطالوی مشرق پرش پون کتا خلع نے اپنے دیوپیکر کام کا حاصل یہ قرار دیا کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک ہالاک سیاست داں تھے، اور انھوں نے معاشی و سیاسی
 مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ راکم بدین محمد کے
 مفاد پرست تھے، اور اپنی سیاست بازی میں انھوں نے اپنی مذہبیت کو پس پشت ڈال دیا تھا
 مطالعہ سیرت میں۔ انتہا پسندی، خلاف حقیقت بھی تھی اور خود گروہ مستشرقین میں سے بھی بعض
 نے اسے پسند نہیں کیا، تاہم مشرقین نے بین بین رویہ اختیار کیا، مثلاً عبد جبار کا مشہور مروج ثنائی
 اپنی عظیم الشان تعریف مطالعہ تاریخ میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے، اور واقعات
 اصولوں کو اخذ کرتا ہے، پھر اسلام کے بارہ میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے، لیکن
 جب سیرت رسول پر قلم اٹھاتا ہے تو آپ کی حیات طیبہ کو دو مراحل میں تقسیم کرتا ہے، اس کے
 نزدیک پہلا مرحلہ تو وہ ہے، جب کہ آنحضرت کا قیام مکہ میں رہا، اس دوران ہی بقول ثنائی آپ
 کلیۃً مذہبی مشنری سرگرمیوں میں مہمک رہے، لیکن دوسرے مرحلہ میں مدینہ پہنچ کر انھوں نے بقول
 ثنائی بی، مذہبی مقاصد سے الگ ہو کر سیاسی سرگرمیوں کو جاری کیا، وہ بہر حال اس خیال کی
 پندور تردید کرتا ہے کہ آنحضرت ایک بہرہ دہیا تھے، ثنائی بی کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے

نزدیک حضرت ایک مٹائی بیگرنہ، پاشیر خند کی زندگی آپ کی حیات طیبہ کے مصادر
 بحث کرتا ہے، اور غلو سے بچتے ہوئے اس اہل بیت کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث و سیر کے
 ذخیرے میں بہر حال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید کی طریقوں سے جانچ پڑھ کر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے
 اسی قسم کا نقطہ نظر منگڑی دانت کا بھی ہے، مطالعہ سیرت کے ضمن میں دانت نے متعدد کتابیں تحریر
 کیں، دانت کی تصنیفات کو بہر حال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس کے
 نزدیک مصادر نے جہاں تک اہل بیت کی دانت میں ایک مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش کی،
 دانت کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال میں "علیت" نے جو ترقی کی ہے اس کا
 مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے، اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت
 اور رجوع و تنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دانت کا موقف
 مان بنی کے موقف سے زیادہ مختلف نہیں ہے، کہ وہ بھی انحضرتؐ کی شخصیت کو مکمل اور بہتر
 میں مختلف سمجھتا ہے۔

بہر حال عہد جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہد جدید کے مستشرقین
 اگرچہ اپنے انداز تحریر، اپنی علیت اور طرز رائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے
 ہیں، اور بہت سے معاملات میں انھوں نے بالکل رجوع کر لیا ہے، تاہم یہ بھی ایک ناقابل تردید
 حقیقت ہے کہ تمام توجہ دہریت کے علی الرغم، تحریک انتشار کا اصل محرک جذبہ ابھی کار فرما
 حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ عہد جدید کا ایک مصنف فرانسسکو جرنلی اپنی زبان قلم سے یہ اعتراف
 کہ طے پر مجبور ہے کہ پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری ہے۔ علاوہ ازیں اس صورت حال میں ایک
 اور جدید ترین مصنف ایڈورڈ، ڈبلیو، سمیڈ کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے
 کہ انتشار اور اس کی تحریک کا اہتمام و انضباط، بنیادی،

۱۔ مشرق و مغرب کے درمیان ایک ایسی فہم فہمیت ہے کہ وہ دونوں ممالک کے
 ممالک متشرف اور ممالک مشرق میں وقت ملنے لگا گیا جب کہ مشرق مغرب کے ممالک میں
 وینفل تھا، البتہ قوت و ضعف کے اسی تفاوت کے نتیجہ میں ان کے ممالک میں ایک اور ممالک میں
 مسکن، استشرق کے دو صورتیں دو صورتیں ہیں، ایک اس کا اعلیٰ اور پر مشیہ پہلو
 (Latham)، اور دوسرا ظاہری، خارجی رخ (Montet, ed.)، پہلا داخلی رخ تو
 جیسے ہے ایک ہے، جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھو گیا، جب کہ دوسرا ظاہری پہلو، متغیر تھا۔
 یعنی مشرقی معاشرہ و تہذیب، زبان، ادب، تاریخ و معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات کا تار
 ہوتے رہے، مختصر یہ کہ مشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشرق کے حوالہ سے آتی رہی۔
 لیکن داخلی جذبہ استشرق جیسے ہے آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا، اور کسی دلچسپی سے آشنا
 نہیں ہوا، (ایضاً ص ۲۰۶) بہر حال خلاصہ یہ کہ استشرق کسی مثبت اور تعمیری رویہ اور سلوک
 و دستور کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ مغرب کی ہاری کردہ موثر ملی روایت ہے، (ایضاً ص ۲۰۳)
 ہر ماحضر کے اس مختصر ملی جائزہ کے بعد مناسب ہے، کہ اس دور کے چند مشاہیر مشرقین
 کا تعارف پیش کر دیا جائے۔

- ۱۔ مونٹے (Montet, ed.) (۱۹۲۳ء) کی ملی یادگاروں میں اسلام
 حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۱۷ء)، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء)، تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۲۳ء)
 اور فرانسس میں ترجمہ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں، ۲۰ گز فرس ڈی مسابن۔
- ۲۔ فرانسس متشرق (Hilde Frey De Honbynes, K.) فرانسس متشرق (۱۹۲۲ء)
 ۱۹۱۷ء پیرس میں مشرقی علوم و اساتذہ کے شعبہ میں عربی کا استاد، متعدد کتابوں کا مصنف
 مثلاً اسلام میں نظم و سنہ، مکہ مدینہ (۱۹۱۷ء)، عالم اسلامی اور باطنی تعلیمات تک

مشرقین و مغربین (۳) کارولائن سٹونلینڈ، اطالوی مشرق، زمانہ (۱۸۵۲ء تا ۱۹۳۷ء)۔

یہ دو مصنفات مشہور عاتس سے منسوب ہیں، مثلاً فتوحات القرآن و بیگز (۱۸۵۹ء)۔

اسلام سے پہلے قبائل عرب کی گویہ و ترتیب (۱۸۵۹ء) تاریخ یمن قبل اسلام (۱۸۶۲ء)۔

الکعب عرب کی اسلام کے بعد عصر حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اساطیر، بائبل، زہیم و ہمال، فہرست خطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور معاصد کی تحلیل و تفسیر

وہ حیات محمدیہ اس کے انتقال کے بعد روم سے ۳۵ء میں شائع ہوئی (۱۸۶۲ء)۔

ذیلہ، انگریز مشرق، زمانہ (۱۸۶۲ء تا ۱۸۹۳ء) اس کی مشہور ترین کتاب دعوت اسلام

۴ (مطبوعہ لندن ۱۸۹۶ء) (۵) رابرٹ بریگٹ (۱۸۵۲ء تا ۱۹۳۷ء) -

Robert برطانوی مشرق، انگریز بحرین اور ناول نگار، مشہور ترین کتاب دی میلنگ آف
یہودی تھی (۱۸۶۲ء) اسٹین لین پول، مشہور برطانوی مشرق

زمانہ ۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۱ء، مورخ، ماہر اثریات، برٹش میوزیم میں پڑنے سکول کا محافظ

(۱۸۵۴ء تا ۱۹۰۹ء) تاریخ مسلمانان اندلس پر خاص کام ہے (۶) نکلسن، مشہور برطانوی

مشرق، متعدد تصانیف لیکن خاص کتاب عرب کی ادبی تاریخ (مطبوعہ لندن و نیویارک ۱۸۹۷ء)

اس کا مضمون محمد اور قرآن، نیز محمد کی ایک نامعلوم سوانح، نکلسن کا زمانہ ۱۸۵۴ء تا ۱۹۰۹ء

۷ (۸) لویجی، مشہور بحرین مشرق، زمانہ (۱۸۳۶ء تا ۱۸۹۳ء) تصنیفات زیادہ تر سبائی

زبانوں پر بعد تاریخ اسلام پر تفسیر قرآن کی اصل اور ترکیب پر بحث، تصدیق کے اسکول کا

مخبر، میرٹ پر ایک کتاب کا مصنف، مطبوعہ ۱۸۷۳ء تا ۱۸۷۴ء ہر گرونگ (Horsgren)

S. H. - اینڈ کا مشرق، زمانہ (۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۶ء) اس کے نام ہیں، ایک کالج، فقہ،

اسلامی سیاست، فوجی شامل ہیں، مذہبی عیسائی، زیادہ تر کام ولسن کی زبان میں ماہر سبائی

(۱۸) اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتدا سے ہی سائنسی تہذیب تھا، یہ رحمانی
 تہذیب کے بارہ میں بہت سی غلط فہمیاں تھیں، اور اس نے نئی اسلام اور سرکاری اسلام
 کے درمیان فرق متصور کیا (۱۹) (۱۰) ولسنگ، ولندیزی مشرق وسطیٰ (۱۹۳۳ء)
 لی ٹی یادگاروں میں یہود دین کے بارہ میں رسول اللہ کا موقعتہ جو اس کے ڈاکٹرٹ
 مقالہ کا مرفوع بھی تھا، اور لندن سے ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا، نیز محمد اور محمد اسلام
 (۱۹۱۱ء) وغیرہ خاص کتابیں ہیں (۱۱) زاخاؤ، جرمن مشرق زدہ (۱۹۳۵ء)
 (۱۹۱۱ء) جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ابن سعد کی طبقات اسی کی کوششوں سے روایت
 آراستہ ہوئی، (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۹۲) (۱۲) جوزف ہوروزر J. Herovitz
 ن مشرق زمانہ (۱۸۹۲ء، ۱۹۳۱ء) اپنے ڈاکٹرٹ کے مقالہ میں مغازی واقعہ پر
 اٹھایا، مطبوعہ ۱۹۰۵ء (۱۳) جوزف میل، جرمن مشرق زمانہ (۱۸۹۵ء، ۱۹۵۰ء)
 میں عربی تہذیب پر اس کی کتاب مشہور ہے (۱۴) کارل بروکھاں، جرمن مشرق زمانہ
 ۱۸۶۱ء-۱۹۵۶ء، بے شمار کتابوں کا مصنف، لیکن مشہور ترین تصنیف، تاریخ اقوام اسلام
 ۱۹۰۶ء اس میں آنحضرت پر تحریر قابل ذکر ہے، (۱۵) ہارٹھولڈ، روسی مشرق زمانہ (۱۸۶۶ء)
 ۱۹۳۱ء، تصانیف کثرت سے ہیں مثلاً اسلامی تہذیب، تاریخ پاکستان، عالم اسلام
 لغاتے راشدین اور حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ، (۱۶) ہموک لادویر (Zawner-S)
 ریکی نژاد، اہل علم و مشرقین، اس کی تصانیف کثرت سے ہیں، خاص طور پر مسیحیت اور اسلام
 کے تعلقات پر، اس کی دیگر کتابوں میں اسلام سے پہلے بلاد عرب، دنیا میں اسلام، حیات محمد،
 اسلام صحرائے عرب میں اور درخت نبوی وغیرہ ہیں (۱۷) ایچ جی، ولینز، انگریز مشرق زمانہ
 ۱۸۵۶ء، ۱۹۳۶ء، افسانہ نگار، ماہر عمرانیات اور مورخ، متعدد تصانیف لکھی ہیں

فوج عادی آٹھ لاکھ ہسٹری، میں محمد اور اسلام (۱۹۵۱) گب، اس عہد کا مشہور ترین بھارتی
 مستشرق ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا، اور ابھی چند سال پہلے وفات ہوئی ہے، گب کی تصانیف
 لکھ بیٹ سی ہیں، تاہم اس شہرت کتاب عملہ نرم سے ہوتی جو سوسیسٹہ میں شائع ہوئی، کتاب کے
 نام کے سلسلہ میں گب نے خود توہجیات پیش کی ہیں، لیکن یہ نام توہجیات خود اس کے شاگرد سمیت
 کو پسند نہیں آئیں، معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات
 میں ارتقاء واقع ہوا، اور وقت و حالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے جس کا
 ثبوت اس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے، اپنی عمر کے آخری ایام میں بہر حال اس نے اسلام کے
 بارہ میں نرم روی کا مظاہرہ کیا۔ (۱۹۰۹) دلفریڈ کینٹول، اسمتھ، گب کا شاگرد، جملانی ۱۹۱۱ء
 میں پیدا ہوا، پی، ایچ، ڈی کی سند ۱۹۳۰ء میں ایک اور مشرقی نلپ کے، مٹی کی زیر نگینی
 تحقیقی مقالہ جملانی لاہور، تجزیہ و تنقید پر حاصل کی، مذہب یا عیسائی، متعدد کتابوں کا مصنف، حال
 پروفیسر طہین ڈالوزی، یونیورسٹی کناڈا، (۲۰) جوزف شاخت، جرمن مشرق، پیدائش ۱۹۰۸ء
 میں ہوئی، خالص یہودی، اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد تصانیف ہیں، لیکن اصل کام قانون
 اور اصول فقہ اسلامی پر ہے (۲۱) برنارڈ لوئیس، عہد جدید کا مشہور انگریز مشرق ۱۹۱۱ء
 میں لندن میں پیدا ہوا، تصانیف کثرت سے ہیں لیکن مشہور کتابوں میں عربس ان
 ہسٹری و اسلام ان ہسٹری، کیسیرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلو پیڈیا
 آف اسلام کا مدیر و مقالہ نگار ہے۔ اسلام دشمنی کے لیے مشہور و معروف
 ہے۔ اور آج کل یہودی پستی اور اسلام دشمنی میں گرفت ہے۔

عہد جدید کے مشاہیر مشرقین کا مندرجہ بالا تعارف
 اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن تحریک اشتراق کے کیمتہ کم کا امداد

دوم، اسلام اور اسیان غیر میں بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں، اسلام کا نظریہ حیات، اس کا نظام فکر و عمل، اس کے تہذیب و تمدن کا اظہار یہودیت، عیسائیت اور دوسرے مشرکوں کے عقائد سے مختلف ہے، پھر دامنائے بلی، ختم الرسل نے اسلام کی جو دعوت پیش کی اس نے سب کو دلوں سے ہی، ادیان باطلہ کی نفی کر دی تھی،

.، اس لحاظ سے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ دوسرے مذاہب کے علمبردار اسلام اہل اسلام اور عالم اسلام کے بارہ میں سخت معاندانہ جذبات رکھتے ہیں، اور اپنے بعض دعوے کا اظہار ہر ممکن طریقہ سے کرتے ہیں، ان کا یہ رویہ اور ان کی شقاوت و قساوت و مصل نفرتیاتی اور فکری بنیادوں پر استوار ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم دیکھو گے کہ اہل ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہود اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے جو منوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہاں پہلے کہ ان میں مانگ بھی ہیں، اور مشائخ بھی، اور وہ تم پر نہیں کہتے۔

و اما بعد یہاں تک مستشرقینہ کا تعلق ہے، ان کے پورے گروہ میں نمایاں، یہود [نصاری] اور مشرکین ہیں، ان کو اسلام، اہل اسلام اور عالم اسلام کی سرفرازی کسی طور پر پسند نہیں، بلکہ جبروتِ ذک پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں، اس لحاظ سے تحریکِ مشرق کی اٹھان، اسلام دشمنی کے زیر سایہ ہوئی اور مستشرقین کی مساعی کا ہدف ہے پھر کہ اسلام اور غیر اسلام کو دنیا کے سامنے کیجیہ، منظر بنا کر پیش کیا جائے۔

۱۰، نظریاتی سبب کے علاوہ ایک سبب تاریخی بھی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ کا ایسا ہی القاب اللہ کی آیت میں چھپا دیا گیا، اور ان کے علمبرداروں نے انتہائی حقارت میں اس کا بیج دنیا کے دور دراز ممالک میں ہا کر لہرا دیا، اس پر مستزاد یہ کہ اپنی پیش قدمی میں اسلام نے

یہ دنیا کا پہلا عالمی فوجی اتحاد تھا جس کی بنیاد پر اس وقت کی علوم و فنون کی وہی طاقتوں نے جو اس وقت تک
 خود سے یوں سرنگوں کیا، کہ وہ صدیوں ختم ہو رہا، پھر حال اسلام کی دنیا کی فوجی قوتوں کے
 ساتھ دست و اشاعت نے جہاں ایک طرف سے نہایت مغرب کی مذہبی و فطریاتی فتنوں
 کو پادہ پارہ کر دیا، دوسری طرف سلطنت کے زور خیز قوتوں کو شام، فلسطین، مصر وغیرہ، یہ
 مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور چرچ کے مضبوط قلعے فتح ہو گئے، شمالی افریقہ کی فتوحات،
 اندلس اسلامی کی عرب فتوحات نے دنیا کے مغرب کو یہودیوں کو کر دیا، اور یوں اسلام اور
 مغرب کے درمیان عداوت کی مستقل بنیاد پڑ گئی، یہ تاریخی منظر مشرقین کی معاندانہ فوجوں
 اور خاصانہ کالہ اٹیوں کا بھی نقطہ آغاز ثابت ہوا۔

۱۰۰۰ء، عمارت صلیبی کو اگر ہم تحریک استشراف کا فوجی سبب قرار دیں تو غلط نہ ہوگا، صلیبی
 جنگوں کو تاریخ یورپ بلکہ تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے، اس کی
 تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے، البتہ اس حد تک نشانہ ہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عیسائی
 اسلام کے خلاف دنیا کے یورپ کی متحدہ کوششیں ہو کر ناکام و نامراد ہوئیں اور مسلمانوں
 سے ۱۰۹۵ء تک کے، مگر اسے صلیب و جلال کے ناکج اور باب کلیسا کے حق میں
 اچھٹہ ٹکھ۔ اس لیے انھوں نے عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد گویا یہ فیصلہ کیا کہ
 مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے علمی و فکری محاذ کو مستحکم کیا جائے، یہی فیصلہ بالآخر تحریک
 استشراف کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سلسلہ میں لازماً اپنی کا یہ مقصد قابل ذکر ہے، کہ فوجی
 اعتبار سے تو صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں، مگر یورپی لوگ دین اسلام اور اس کی تہذیب کے
 بارے میں تحریراً جن خیالات کا اظہار کریں گے، ان میں تعصب کے نشانات جہت

ایک فرانسیسی ¹⁸³⁰ *Marshall* اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب مسائی زکوں کے
 جنگ ہار گئے تو وہ ہرزہ مرائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ انھوں نے عیسائیت کا
 ست کا بدلہ میدانِ ادب میں لے لیا۔ چنانچہ تحریکِ اشتراکی کی صورت میں اہل ہند
 اور باب کلیسا کی فتنا میں پوری ہوئیں۔ اور اس طرح تحریکِ اشتراک کے جلو میں دنیا سے
 جب کا یہ منظم صلہ واقعتہً عسکری مائذ پر ان کے صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ
 (زناک ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام دشمنی کی جو چنگاریاں پہلے سے دی ہوئی تھیں وہ لپٹنے لگیں
 رفتہ رفتہ ان کی آتشِ عداوت دامنِ مشرق کو جلائے لگی۔

(۴) مشرق میں من حیث الجراح چاہے قدیم ہوں یا جدید، مغرب کے ہوں یا مشرق کے،
 اصل و نسب کے اعتبار سے بہر حال یہودی، عیسائی اور مشرک ہی رہے ہیں گویا خداوند
 رب کی بنا پر ان کے جذبات و خیالات تو پہلے سے ہی، مذہبی نفس و عداوت (1830-1831)
 ۱۸۳۱ء کے آئینہ دار تھے، اس پر متروا دیہ امر ہو کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے حقیقی ہتھی
 ۱۸۳۱ء، صدیوں جہالت و بے خبری اور عدم واقفیت کا شکار رہے، اس کا واضح نتیجہ ایک
 بن قویہ سامنے آیا کہ اسلام اور داعیِ اعظم کے بارے میں کم و بیش فی سوب صدیوں کے
 س دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جو کچھ لکھتے رہے اور پھیلاتے رہے، وہ ہر پلان و تنظیم
 ان کی پیداوار تھا، چنانچہ سر پار آیات، من گھڑت حکایات، فسانہ و فسوں پر تھے
 انہیں اور اسی طرح کا با تحقیق خام مواد مشرق میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی طرف اگلی تصویر
 بن کرنے کے لیے بڑی دیر میں کے ساتھ صدیوں استعمال کرتے رہے، جس کا کچھ اندازہ پہچنے
 رہی ہائزہ میں بھی سلسلے آچکا ہے، اور کچھ جھکیاں آئندہ فصل میں سامنے آئیں گی، پھر وہی

جب جماعت دیکھ لے گی کہ پردہ ہاک ہوا اور مشرقین اسے اپنی آفت کی کیفیت محسوس کر سکیں گے۔
 جسے ہم نے انہوں نے دیکھا ہے۔ اسے طور پر قرآن و احادیث سے لکھنے میں کوئی شکوک نہیں کیا۔ پھر
 مشرقی مصادیق کی ترتیب و تہذیب کے سلسلہ میں، تمام محققوں کے باوجود، فاضل قسم کی غلطیاں
 کرتے رہے۔ میرزا ابوالحسنی ازموغانیؒ جی ۱۱۰۰-۱۱۱۰ھ میں بحال ان تمام باتوں کا مقصد
 ایک تھا یعنی تشکیک و تذبذب کے بیچ بزرگ اسلام اور سرور عالم کے بارے میں مسلمانوں
 کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا اور انہیں آمادہ بہ نفرت کرنا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مشرقین
 اپنی تحقیقات کے پردہ میں بقول ایک مصنف ”ایسے خیالات کو خاموشی کے ساتھ اسلام
 کے نظام فکر میں دخل کر دیں جس کا اور اک راسخ العقیدہ لوگوں کے سوا دوسرے نہ کر سکیں۔
 انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ ان کی تحقیقات سے مرعوب ہو کر ان کی ہر بات کو بلا چون و چرا
 درست مان لیا جائے گا۔ چنانچہ علوم اسلامی کا ہر میدان انہوں نے اپنی جولا گاہ کے لئے
 منتخب کیا اور علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں انہوں نے غلطاب موئی
 کام نہ لیا ہو۔“

دہ، مسلمانوں کا زوال و انحطاط بحیثیت مجموعی تحریک استرقاق کے فروغ کا باعث
 ہوا، اور عالم اسلام سیاسی انتشار کا شکار ہوا۔ اندلس مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا، اور پھر
 سیاسی انحطاط، معاشرتی و اخلاقی زوال اور تہذیب و ثقافت کے تزلزل کا باعث ہوا۔
 تو اور مسیحی یورپ کی متمہ بلند ہوئی، بلکہ اندلس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس لیکر تو اتنا غرور
 پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر ہندو یورپی مدی عیسوی کے بعد سے
 سیاسی و دینی حاصل ہونے لگا تو اقوام یورپ نے ایشیا، افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں
 پر قبضہ جانا شروع کر دیا، اور یوں استعماریت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

اس کا نتیجہ واضح تھا، مغربی تہذیب کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ اور مغربی تمدن اپنا اثر جانے لگا تو مسلم ثقافت مغلوب ہونے لگی اور تمدنی چمک دمک ماند پڑ گئی اور اس طرح مستشرقین کو مروجہ ممالک وہ اپنے ہتھیار تیز کر لیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں، ان کے افکار و علوم سے واقفیت حاصل کی اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ مسلمانوں کے ماتخذ کو استعمال کر سکیں اور یوں اپنی تحریک کو آگے بڑھا سکیں۔

(۶) ہند رہیں ہدی عیسوی کے بعد یورپ نے پھر انگلستانی، اس کے بعد تاریک کا خاتمہ ہوا، اور ان کے ہاں علم و تحقیق بیدار ہوئی۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ یہ ان کے سیاسی فروغ سے ہم آہنگ تھا، اور انھیں ضرورت تھی کہ ایشیا اور افریقہ میں انھوں نے اپنی جو کالونیاں قائم کی ہیں، انھیں مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے مادی وسائل اور اسلحہ سے زیادہ توجہ علمی و ذہنی کا دشوں پر صرف کی جائے، چنانچہ استعمار مغرب کے تحفظ کے لیے بجائے خود تحریک اشتراک کی سرگرمی ناگزیر تھی یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے مفتوح ممالک کے تمام علوم و فنون کو حاصل کرنے اور تحقیقات کے پردہ میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہونے والی حکمرانوں کی تحریک اشتراک کی مکمل سرپرستی کی۔ یہ سرپرستی صرف مالی صورت میں نہیں تھی، بلکہ مستشرقین کو وہ تمام سہولتیں مہیا کی گئیں، جو ان کا تحقیق و تفتیش کے لیے ضروری تھی۔

(۷) مذہبی اور سیاسی محرکات کے ساتھ تجارتی مفادات بھی تحریک اشتراک سے وابستہ تھے، اقوام یورپ اور مشرقی ممالک میں رابطہ کی ابتداء تجارتی تعلقات سے ہی ہوئی تھی، پھر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ وہی تجارتی بالاخر سیاہ وسیلہ کے مالک اور حکمران بن گئے۔ تاہم مذہبی و مالی تجارت میں وہ اب بھی ہنہ کھنہ

مشرق و مغرب کے تہذیبی کتابوں کی جامعہ و شامیت، برصغیر کی کلاسیک و جدید
نوفت و مشرق کی تہذیبی مسلسل اضافہ و تہذیب کے تہذیبی اضافہ کے تحت
نور و کلامت بھی جو۔

اسباب و محرکات کا مختصر سا تجزیہ، تحریک اشتراکیت کے مختلف پہلوؤں کو
سمجھنے اور ان کے ملاحضہ کو جاننے کے لیے کافی ہے۔ اس کتاب ہم آگے بڑھ کر ایک
نظران اعتراضات، الزامات اور معتربات پر ڈالنا چاہتے ہیں، جو مشرقین کی طرف سے
ہمارے ہادی برحق سید الانبیاء و الرسل کی شخصیت و کردار کو (نور و کلامت) مجروح کرنے
کے لئے ان کی تحریروں میں باہموم پائے جاتے ہیں۔ (باقی)

مقالات جلد ششم

یورپ میں اسلام، اسلامی روایات، اسلامی تاریخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی مقدس و بابرکت اور تمام عالم کے بے باغ و رحمت زندگی کے مختلف پہلوؤں و وہاں کے
اسلام دشمن مشرقتوں نے بہت افسوس ناک غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں، مولانا ثناء اللہ اپنی
زندگی بھر ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو رفع فرماتے رہے، اور ان کے رویوں معقود
مضامین لکھتے رہے، ایک بڑی غلط فہمی انھوں نے کتب عامہ اسکندریہ کے خلاف پھیلا
رکھی تھی کہ مسلمانوں نے مصر کے ہمدیدیوں کے اسد میں قیمت اور عظیم کتب خانہ کو جلا کر خاک
کر دیا، مولانا نے ایک مضمون لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ کتب خانہ مسلمانوں کے مضرین و فاسد
داخل ہونے کے صدیوں پہلے جلا یا جا چکا تھا، مقالات کی جلد مشرقین کے اعتراضات کے
مضمون بھی قلم کے مضامین پر مشتمل ہے، قیمت ۱۰ روپے

ترکی کا ایک ناموصوفی حافظ اشرف ادیب

(۱۸۸۲ء تا ۱۹۶۱ء)

(از جناب ثروت صولت صاحب کراچی)

(۲۱)

سبیل الرشاد | مراد مستقیم کو اشرف ادیب اور ابو العلاء مار دین نے ل کر نکالا تھا، اور اسکی ملکیت مشترکہ تھی، کچھ عرصے کے بعد ابو العلاء مار دین، یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے، اودان کا تعلق مراد مستقیم سے ختم ہو گیا، اب مراد مستقیم کے تنہا مالک اشرف ادیب ہو گئے، ملکیت میں اس تبدیلی کے بعد نام بہ لحاظ فرد ہی سمجھا گیا، اشرف ادیب نے عاکف اور عباس حلیم پاشا سے نام کے بارہ میں مشورہ کیا، مختلف نام پیش کیے گئے جن پر اتفاق نہیں ہو سکا، اس پر عباس حلیم اپنے کمرے سے قرآن شریف اٹھالا اور کہا کہ اس میں جو نام نکل آئے وہ رکھ دیا جائے، عاکف نے قرآن کھولا، یہ آیت نکلی

”إِنَّمَا نُوَدِّعُكَ سَبِيلَ الشَّادِ“

چنانچہ سب نے اخبار کا نام ”سبیل الرشاد“ رکھنے پر اتفاق کیا، اب تک ”مراد مستقیم“ کے ایک سو دو کاپیاں شمارے سات جلدوں پر مشتمل تھے کل پچھتے، ۱۸۸۲ء میں شمارہ سبیل الرشاد کے نام سے شایع ہوا، اور اس کے ساتھ آٹھویں جلد کا آغاز ہوا،

سبیل الرشاد کس تاریخ سے مکمل شروع ہوا؟ اس بارے میں ترکی کتابوں میں صحیح تاریخ نہیں

مئی، ضیاء المکین نے اپنی کتاب ترکی میں جدید افکار کی تاریخ پیش کی تھی کہ قریب مستقیم
 ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۷ء فروری ۱۱ء تک جاری رہا، پھر ۲۲ فروری ۱۹۱۱ء
 سے مارچ ۱۹۲۳ء تک سبیل الرشاد کے نام سے جاری رہا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، صراط مستقیم
 ۱۹۰۶ء میں نہیں بلکہ ۱۹۰۸ء میں نکلنا شروع ہوا تھا، بعض کتابوں میں اشاعت کی تاریخ
 ۱۹۰۸ء دی گئی ہے، ترکی میں اس زمانہ میں ہجری کیلنڈر کے ساتھ یونانی کیلنڈر بھی رائج تھا،
 جس کی تاریخوں اور موجودہ انگریزی کیلنڈر کی تاریخوں اور سال میں فرق ہے، مصنفین سے عام
 طبع پر ان میں مطابقت پیدا کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے، یہی سبیل الرشاد کے ساتھ ہوا، بہر حال یہ
 طے ہے کہ سبیل الرشاد کا پہلا پرچہ اشرف ادیب کے الفاظ میں "صراط مستقیم" کے پورے سارے
 تین سال بعد نکلا، یہ ساڑھے تین سال فروری ۱۹۱۲ء میں پورے ہوتے ہیں، اس کے علاوہ
 یہ بات بھی معلوم ہے کہ صراط مستقیم کی اس وقت تک سات جلدیں نکل چکی تھیں، اور ہر جلد چھ
 ماہ پر مشتمل ہوتی تھی، سبیل الرشاد کے پہلے پرچہ کی جو فوٹو کاپی میرے پاس موجود ہے، اس میں جلد
 آٹھ لکھا ہوا ہے، اس لحاظ سے بھی فروری ۱۹۱۲ء ہوتی ہے، ضیاء المکین نے مبینہ صحیح لکھا ہے،
 اور سال غلط، اسی طرح سبیل الرشاد ۱۹۲۳ء میں نہیں، بلکہ ۱۹۲۵ء میں قانون تحفظ عادت
 کے تحت بند ہوا، یہاں بھی غلطی ضیاء نے سال غلط لکھ دیا، لیکن اس کا مینہ صحیح ہے، لہذا یہ
 صحیح معلوم ہوتا ہے کہ سبیل الرشاد کی اشاعت ۲۲ فروری ۱۹۱۲ء سے شروع ہوئی، اور
 مارچ ۱۹۲۵ء تک جاری رہی، اس کی تائید تورک دلی دانشی کلو پیڈی کے اس بیان سے
 بھی ہوتی ہے، کہ صراط مستقیم کے نام سے کل ایک سو اکیاسی شمارے نکلے، اس کے بعد ۸۲ شمارے
 شمار، سبیل الرشاد کے نام سے نکلا،

ضیاء المکین، ترکی میں جدید افکار کی تاریخ ص ۲۰۰ (قونیہ ۱۹۶۶ء)

سبیل الرشاد اگر یہ صراطِ مستقیم ہی کا دوسرا نام تھا، ادا کھنڈے والے بھی دہی تھے، لیکن ملکیت میں تبدیلی کے بعد اس کے اغراض و مقاصد کا از سر نو اعلان کیا گیا، اور وضاحت کی گئی کہ جریدے کا کسی فرقہ یا پارٹی سے تعلق نہیں ہوگا، اور صرف حق بات کی حمایت کی جائیگی، اب مدیر کی حیثیت سے ذمہ داری بھائے عاکف کے اشرف ادیب نے خود سنبھالی، متذلوگوں پر مشتمل ہیئتِ تحریر تشکیل دی گئی، اور مختلف موضوعات مختلف لوگوں کے سپرد کیے گئے تفسیر اور حدیث عاکف کے سپرد کیے گئے اور ہدایت کی گئی کہ ان آیات اور احادیث پر زہد دیا جائے، جو حیاتِ اجتماعی سے متعلق ہوں، حلیم ثابت کے سپرد تھے، حج اور خانہ کعبہ کی تاریخ کی گئی، فلسفیانہ موضوع عمر فرید قائم اور شمس الدین گونالتا می کے، تاریخِ عرب، شریف عبداللطیف اور زادہ کے اور سیاسی مقالات یوسف آچورو کے سپرد کیے گئے، اخبار کے بے مختلف ملکوں میں نامہ نگار مقرر کیے گئے، بلغاریہ میں ممتاز عالم دین احمد محمدی آقسیکی کو جو بعد میں ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے سربراہ ہوئے، نمایندہ مقرر کیا گیا، کاغذ بھی معیاری استعمال کیا گیا، مختصر یہ کہ سبیل الرشاد معنوی اور مظاہری دونوں اعتبار سے درجہ اول کا ایک مکمل جریدہ بن گیا، یہ سب کچھ عباسی حلیم بانشا کی مالی امداد کی وجہ سے ہوا،

اسی زمانہ میں روس کے مشہور ترک سیاح قاضی عبدالرشید ابراہیم مقبول آئے،

حلیم ثابت متوفی ۱۹۴۳ء کا زمانہ (روس) کے رہنے والے تھے، بعد میں اجتہاد کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا، اور سبیل الرشاد سے الگ ہو کر ضیاء لوگ اپ کے رسالہ "اسلام مجموعہ" کے ایڈیٹر ہو گئے، مزید حالات کے لیے دیکھیے میرا مضمون "حلیم ثابت" جو بلغارف لاہور اکتوبر ۱۹۷۷ء میں شایع ہوا، اسے احمد محمدی آقسیکی (۱۸۷۸ء تا ۱۹۵۷ء) ترکی کے ممتاز عالم دین تھے، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے سربراہ رہے، کئی اہم کتابوں کے مصنف تھے،

میں تم پر شاہ کو اس کی دعا سے بہت کچھ تھا اس پر شاہ کو اس کی دعا سے بہت کچھ تھا
 جو اس عیم پاشکے پاس گئے، جہاں عیم پاشا نے ایک ہفتہ تک ان سے ملا کر دیکھا کہ
 اور جو وہ ہاتھوں کے ان کے پروردگار میں کیا کہ وہ اسلامی دنیا کے ممتاز لوگوں کے میں سے
 سیاحت کے وہ ان نے، پتے فراہم کریں، جب یہ پتے فراہم ہو گئے تو جہاں عیم پاشا نے
 کو ایک رقم پیشگی دے دی تاکہ اس سے ان لوگوں کے چننے والے ان کے ان کے تمام سبیل ارشاد
 جلدی کر دیا جائے، یہ سیکڑوں افراد تھے، اور مصر، شام، عراق، حجاز، یمن، ایلان، افغانستان
 ہندوستان، ترکستان، روس اور جاپان سے متعلق رکھتے تھے، ان سب کے نام اور پتے کی
 بیٹیس تیار کر لی گئیں، اور ان کے نام سبیل ارشاد جاری کر دیا گیا،

اشرف ادیب لکھتے ہیں کہ اب سبیل ارشاد ایک مکتب ہو گیا تھا، اور اس کا دفتر ایک کلب
 بن گیا تھا، عاکف روزانہ دُعا کرتے، کھنے ملاں سے ملے، چائے ایک برتن میں ہر وقت کھاتی تھی
 اور اس کے دوسرے رہتے تھے، مہمانوں کو پلائی جاتی تھی، عاکف اپنی فہمیں اور اشعار سناتے
 جو ان کے پچے میں شایع ہونے والے ہوتے ہفتہ کے دن خصوصی اجتماع ہوتا، تمام کھنے والے جمع
 ہوتے، اصلاح و مشورے کرتے اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے،

سبیل ارشاد کو شروع ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ۱۹۱۲ء کو برطانیہ کو جنگ
 بلقان چھڑ گئی، بلقان کی ساری سبکی ریاستیں سلطنت عثمانیہ پر ٹوٹ پڑیں، حکومت اپنے اندر
 اختلافات کی وجہ سے جو متضاد عناصر کے جمع ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا، حملہ کا مقابلہ کر سکی، اور
 یورپ کے سامنے عثمانی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے، اور صرف وہ حصہ باقی رہ گیا، جو اب یہاں
 تک کہلاتا ہے، عثمانی مقبوضات میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، اور لاکھوں ہجر
 ہو گئے، بے گھر لوگ سبیل ارشاد کے دفتر میں آتے، اور مظالم کی داستانیں سناتے، عاکف

کی کئی پیمائشیں، اسی دور میں مل گئیں، سبیل الارشاد میں شایع ہوئیں۔

ملک بنگال کے بعد سلطنت عثمانیہ میں صرف وہی علاقے رہ گئے، جن کی آبادی مسلمان تھی۔ ان کے عرصہ تک کسی ترک اور عرب تھے، لیکن ترکوں اور عربوں میں برستی ہوئی قوم پرستی نے ان دونوں جہاز کو متحد نہیں ہونے دیا، سبیل الارشاد اس دور میں اتحاد اسلام کا سب سے بڑا علمبردار تھا، اس نے قوم پرستی کے مغربی تصور کی مذمت کی، اور ترکوں اور عربوں کو متحد کرنے پر زور دیا، قوم پرستی کے فروغ کے ساتھ ہی سبیل الارشاد کے حلقہٴ اوارت میں بھی نظریاتی اختلافات پیدا ہو گئے، اور قوم پرستوں کا وہ گروہ جو اسلام کی آؤادانہ تعبیر کرنا اور ترک قوم پرستی کی تائید کرنا چاہتا تھا، سبیل الارشاد سے الگ ہو گیا، اور اس طرح سبیل الارشاد کے مضمون نگاروں کا حلقہ قوم پرستوں اور اتحاد اسلام کے علمبرداروں اور گروہوں یا متحد پسندوں اور اسلام پسندوں کے درمیان میں تقسیم ہو گیا، متحد پسندوں نے ضیا گوک اپ اور اتحاد و ترقی کے تعاون سے 'اسلام مجموعہ' کے نام سے ۱۹۱۴ء سے ایک رسالہ نکالنا شروع کیا، جس کے ایڈیٹر حکیم شہناز شہنازی (رحمۃ اللہ علیہ) تھے، اس گروہ کے دوسرے کھنے والے شرف الدین یالت قیادہ شہنازی کو فالتا ہی تھے، لیکن یہ رسالہ چلا نہیں، اور صرف تیس شماروں کے بعد ۱۹۱۵ء میں بند ہو گیا۔ اس موقع پر سبیل الارشاد کی طرف سے اتحاد و ترقی کے مرکز عمومی کے رکن ضیا گوک اپ کو ایک یادداشت بھی بھیجی گئی، جس میں ترک قوم پرستی کے رجحانات کو مستقبل کے لیے نقصان دہ مانا گیا تھا، اور یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ متنازعہ امور پر علی انداز میں گفتگو کر کے مفاہمت کی راہ لے۔ عدنان آدیوار: علم و دین (استنبول ۱۹۵۰ء) ۷۷ شرف الدین یالت قیادہ شہنازی ۱۹۱۴ء احمد علی سے پہلے ترکی کے محکمہ امور مذہبی کے رئیس تھے، تیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے،

کھائی جائے، لیکن اس یادداشت کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

آزادی کی جنگ | جنگ عظیم میں ترکوں کو شکست ہو گئی، اعدائے کے ساتھ عرب بھی مصائب
دیکھنے لگے، ۱۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو جنگ بند ہو گئی، ۱۱ اگست ۱۹۱۹ء کو یونین نے
اپنی فوجیں از میر میں اتار دیں، ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادی فوجیں استنبول میں داخل ہو
اور ترکوں کو بدنام نانہ معاہدہ سیورے کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جانے لگا، جس کے تحت ترکی کو
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا، اب ترکوں کے لیے بقا کا واحد راستہ یہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے وطن
کی مدد کا دفاع کریں، اس طرح ۱۹۱۹ء سے آزادی کی جنگ شروع ہو گئی، جو ۱۹۲۲ء میں
فتح سے ہمکنار ہوئی،

اشرف ادیب نے اس زمانہ میں اپنے پرچے سبیل ارشاد کے ذریعہ آزادی کی جنگ کی
حمایت کے لیے قوم کو تیار کیا، ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو استنبول پر اتحادی قبضہ کے بعد وہ خان
کے ساتھ استنبول چھوڑ کر شمالی ترکی کے شہر قسطنطنیہ آ گئے، سبیل ارشاد بھی ان کے ساتھ قسطنطنیہ
منتقل ہو گیا، اس موقع پر عاکف نے قسطنطنیہ کی جامع نعر اللہ میں ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو چورچوشت
تقریر کی تھی، اعدائے جن انھوں نے معاہدے سیورے کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی عوام سے
پہل کی تھی، ترکی کی جنگ آزادی کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس تقریر کو جنوبی عاکف
کے کمانڈر نے ہزار ہا کی تعداد میں چھپو کر لوگوں میں تقسیم کیا، تاکہ عوام کے حوصلے بڑھیں سبیل
کے شمارے ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷ اور ۳۶۸، عاکف کی اس تاریخی تقریر سے
کھربے پڑے ہیں،

اشرف ادیب، سبیل ارشاد کے چند پرچے قسطنطنیہ میں شایع کرنے کے بعد ۲۷ دسمبر

۱۹۲۰ء کو قزوینہ عبداللہ قسطنطنیہ، محمد عاکف ۱۹۲۰ء، استنبول ۱۹۲۰ء

عاکف کے ساتھ قسطنطنیہ سے انقرہ منتقل ہو گئے، جہاں آزادی کی جنگ کا صدد دفر تھا،
 ان کا قیام بھی عاکف کے ساتھ درگاہ تاج الدین میں تھا۔ اسی جگہ عاکف نے ترکی کا غیر فانی
 استقلال اور پیشی میں تراز آزادی لکھا، یہ کتاب سب سے پہلے سبیل ارشاد کی، ۱۹۲۱ء
 کی اشاعت میں شایع ہوا، اس کے بعد ۱۲ راج کو ترکی کی مجلس کبریٰ نے اس کو قومی ترانہ
 کی حیثیت سے منظور کر لیا،

۱۹۲۱ء کے وسط میں جب یونانیوں نے ایسی فہر اور کوتاہیہ کی طرف سب جاپانی
 حملہ شروع کیا، تو اشرف ادیب نے قیصری جا کر عوام کو جنگ میں شرکت پر آمادہ کرنے کیلئے
 کتنے شایع کر کے تقسیم کیے،

۱۹۲۲ء میں آزادی کی جنگ ختم ہو گئی، اور غیر ملکی فوجوں کا آخری سپاہی تک ترکی
 کی سرزمین سے نکال دیا گیا، اس جنگ میں سبیل ارشاد نے جو کردار ادا کیا، اس کا اعتراف ممتاز
 ترک ادیب احمد کیلی اس طرح کرتے ہیں:

”عاکف نے سبیل ارشاد کو آزادی کی جنگ کے شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا تھا، اور
 ان کا یہ نعرہ کہ ہماری قوم جو ڈھائی ہزار سال سے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور رہی ہے، غلامی
 کی زندگی قبول نہیں کر سکتی، ہر طرف گونجنے لگا، یونان کے حملے کے آغاز کے وقت سے آخری فتح
 حاصل ہونے تک انھوں نے لوگوں کے حوصلے بلند رکھے، اور امید کی شمع روشن رکھی،“

ظاہر ہے اس اعزاز میں اشرف ادیب بھی عاکف کے برابر کے شریک ہیں،
 مئی ۱۹۲۳ء میں اشرف ادیب انقرہ سے استنبول واپس آ گئے، اور سبیل ارشاد

نے قورک دلی وادیائی اس کو پیرسی بلدر سوم صی۱۹۳۱ء مقالہ فرغن، اشرف ادیب و استنبول
 (۱۹۶۶ء) ص ۷۷ احمد کیلی: عاکف ص ۳۲ (استنبول ۱۹۶۲ء)

حکومت پر مشنوں سے شایع ہوتے رہا، لیکن اب وہ اس کو تمام محال رہ گیا تھا۔ جو صراطِ مستقیم کے آغاز سے اب تک ان کے ساتھ تھا، نو ذلیلہ و جمہور یہ ترکی کے غیر اسلامی رجحانات سے دل شکستہ ہو کر سنسکر کی معذافروں پابندیوں سے اکتا کر عباس علیہم پاشا کی قیادت پر اکتوبر ۱۹۲۳ء میں مصر چلے گئے، اور شرف ادیب نے نیا وہ مستقل حراچی کا ثبوت دیا، اور سبیل ارشاد کے ذریعہ اسلام پر کیے جانے والے حلوں کا جواب دیتے رہے، اس زمانہ میں انہوں نے کئی طویل مقالوں کے ترکی ترجمے قسط وار شایع کیے، ان میں ایک سعید عظیم پاشا کا مقالہ "اسلام میں تشکیلات سیاسیہ" تھا جو ۲۶ فروری ۱۹۲۳ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۲۳ء کے شماروں میں شایع ہوا۔ دوسرا عبدالعزیز چاوش کا مضمون "شراب کا انسانی زندگی پر مضر اثر" اور تیسرا انگریزی مکتبہ کے سوانامہ کا جواب "یہی عبدالعزیز چاوش کا تھا۔"

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ترکی ایک جمہوریہ بنا دی گئی، اس کے بعد ترکی کی اسلامی حیثیت کو ختم کر کے اس کو ایک یورپی ملک بنانے کے لیے مسلسل اقدامات کیے گئے سبیل ارشاد نام نہاد اصلاحات کے خلاف تھا، اور حکومت اس کے خلاف کارروائی کے لیے صرف بھانے کی منتظر تھی، جب ۱۱ فروری ۱۹۲۵ء کو ان لام نہاد اصلاحات کے خلاف ترکی میں شیخ سعید نے بغاوت کر دی، تو حکومت نے اشرف ادیب کو گرفتار کر لیا، اور ان کو نو تشکیل یافتہ عدالت استعلا کے سامنے پہلے انقرہ میں، پھر دیار بکر میں پیش کر دیا، اس کے بعد ان کو اس شرط پر چھوڑا کہ وہ آئینہ سبیل ارشاد شایع نہیں کریں گے، اس طرح سترہ سال تک وطن اور اسلام کی خدمت کرنے والا پرچہ ۱۹۲۵ء میں ہندوستان گیا، اور جب تک ترکی میں ایک پارٹی کی اتحاد حکومت رہی، سبیل ارشاد بند رہا، سترہ سال کی اس مدت میں صراطِ مستقیم اور سبیل ارشاد کے کل چھ سو اکتالیس شمارے شایع ہوئے۔

نقد و نظر | اشرف ادیب اس کے چار ہی بیکار نہیں بیٹھے اصناف پر پابندی لگی تو انہوں نے کتب نویسی شروع کر دی، اور آثارِ علمیہ کتب خانہ قائم کئے اپنی اور دوسرے مصنفین کی کتابیں شایع کرنے لگے، اصناف پر پابندی لگنے سے پہلے انہوں نے بسیل، ارشاد کے دفتر سے متعدد کتب میں شایع کی تھیں لیکن اب یہ ان کا واحد مشغلہ بن گیا،

۱۔ محمد عاکف احیات، تصانیف اور ستر مصنفین کے مضامین، یہ اشرف ادیب کی پہلی اور شاید پہلا اہم قلمی کتاب ہو، اس کی پہلی جلد جو سات سو صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۳۳ء میں، اور دوسری جلد جو تین سو بیس صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۳۹ء میں شایع ہوئی، یہ ضخیم کتاب ان کے دوست، مراۃ مستقیم کے ایڈیٹر اور ترکی کے شاعر اسلام محمد عاکف کی زندگی اور تصانیف پر سب سے مفصل اور مستند کتاب ہے، اس میں انہوں نے عاکف سے متعلق مختلف اہل قلم کے مضامین بھی جمع کر دیئے ہیں، کتاب میں عاکف کی پیدائش سے لے کر ۱۹۳۶ء میں انکی وفات تک کے حالات اور عاکف کے دوستوں کے حالات شامل ہیں،

۲۔ انقلاب کے بالمقابل عاکف اور فکر:۔ توفیق فکر (۱۸۶۶ء تا ۱۹۱۵ء) ترکی کے مشہور شاعر تھے، شروع میں وہ ہمارے جوش ملیح آبادی کی طرح صاحبِ ایمان اور دیندار تھے، اس کے بعد الحاد اختیار کر لیا، اللہ، قرآن اور اسلامی روایات کے خلاف اپنی نظموں میں بدزبانی کی، ایک مرتبہ عاکف اور فکر میں اس موضوع پر بحث بھی چل نکلی تھی، ۱۹۴۰ء میں استنبول کے اخباروں میں یہ بحث پھر چل نکلی، اور ایک کیونسٹ خاتون صبیحہ سرتیل نے عاکف پر بھی طعنے دیے، یہ کتاب اس کے جواب میں ہے، اور ۱۹۴۲ء میں آثارِ علمیہ کتب خانہ سے شایع ہوئی،

۳۔ گنجلیک و دان جیلر:۔ یہ کتاب بھی عاکف اور فکر کے مناقشہ سے متعلق ہے،

ہستوں نے جو اجندہ ان کے گرد جمع تھے، حاکم کے ترائے علی پر اعتراضات کو نہ صرف
ایضاح، اشرف ادیب نے کتاب (زوجان اور تان اخبار کا معلقہ) اسی کے جواب میں
رہنمایا کہ ترکی کی آزادی کا سرچشمہ حاکم کا ترائہ آزادی ہے، توفیق فکر کی نظم
یعن قدیم نہیں ہے، جس میں اللہ اور قرآن کو برا بھلا کہا گیا ہے، اور اسلاف پر لعنت بھی
اسے، یہ کتاب بھی مسئلہ میں طبع ہوئی،

۴۔ اسلام ترک معیہ المعارف۔ مسئلہ میں ترکی کی وزارت تعلیم نے یتن کی
انٹیکلو پیڈیا آف اسلام کا ضروری ترمیم و اضافے کے ساتھ ترکی میں ترجمہ کن شروع
اس پر اشرف ادیب نے ۱۹۴۱ء میں ایک کتابچہ شایع کیا جس کا نام میسینر لبر مشرقیان
دکری اسلام انسی کلو پیڈیسی فن علی ایستی (مسیحی مبلغوں اور مسیحیوں کی لکھی ہوئی
ماہی انساٹیکلو پیڈیا کی علمی حیثیت تھا اس میں انہوں نے مذکورہ انساٹیکلو پیڈیا کا ترجمہ
نے کو نقصان دہ بتایا تھا، اس کے بعد ان کی تحریک پر ایک علمی جماعت نے جو اشرف ادیب
معاذ غزل، اسماعیل حق، از میرلی اور کمال میراث پر مشتمل تھی، "اسلام ترک معیہ المعارف"
نام سے ایک انساٹیکلو پیڈیا مرتب کرنا شروع کر دی، جس کے چوتھرا جزاء شایع ہوئے
کے بعد اس کو رسالہ کی شکل دے دی گئی، جس کے ایک سو شمارے شایع ہوئے، اس
بعد کام رک گیا،

۵۔ پنہ کتاب (سرخ کتاب)۔ یہ چوتھہ صفحہ کا ایک کتابچہ ہے جس میں اشرف
بے چاہتیں مصنفین کی تحریریں جمع کر دی ہیں، ان میں توفیق فکر کی پر پانچ مختلف
وں سے تنقید کی گئی ہے، آثار علمیہ کتب خانہ نے ۱۹۴۳ء میں شایع کی،

تو رک دیلی وادیاتی انسی کلو پیڈیسی جلد سوم ص ۱۹۳۔ مقالہ اشرف ادیب فرعن۔

۱۹۳۲ء۔ جو پختہ میرزا دین گمانی (ہمارے بچوں کے لیے دینی کتاب) چار حصے (۱۹۳۲ء)

۱۹۳۹ء۔

۱۹۲۵ء کے بعد جب ترکی میں ایک پارٹی کی آمریت قائم کر دی گئی، قانون تفریقہ سلکون (تخصیصات) کے تحت تمام مخالف اخبارات بند کر دیئے گئے، اصلاحات پر تنقید کرنے والوں پر مقدمہ چلانے کے لیے خصوصی عدالتیں "ماتمائے استقلال" کے نام سے قائم کر دی گئیں، حزب اختلاف کے اکیس رہنماؤں کو پھانسی دے دی گئی، اہل دھڑیہ سورتہ نائوں کو جلاوطن کر دیا گیا، تو حکومت اپنی مرضی کی اصلاحات ملک پر عہدے میں آزاد ہو گئی تھی، اسی زمانہ میں دینی مدارس بند کیے گئے، عربی رسم الخط بدل کر لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا، اذان اور اقامت ترکی زبان میں کہنے کا حکم دیا گیا، اہل عربی زبان کو جرم قرار دیا گیا، عورتوں کو پردہ ترک کرنے پر مجبور کیا گیا، ہجری تقویم کی جگہ انگریزی کیلنڈر اختیار کیا گیا، جامع ایاصوفیہ کو میوزیم بنایا گیا، سوکٹر رینڈ اور آئی کے قانونی ضابطے نافذ کیے گئے، اور آئین سے یہ دفعہ نکال کر کہ "ترکی کا سرکاری مذہب اسلام ہے" ریاست کو سیکولر ریاست قرار دیا گیا، ان اصلاحات کو اتنی مستحق سے نافذ کیا گیا، کہ ان کے خلاف

ہلن موت کو دعوت دینا تھا، چنانچہ تفسیر کے استاد محمد مالف آفندی کو محض اس جرم میں ۱۹۳۶ء میں پھانسی دے دی گئی، کہ انھوں نے پردہ سے متعلق آیات کی تفسیر بیان کی تھی، اسی طرح دو افراد افراتعلی رضا اور حاجی عسکری کو بھی اس قسم کے جرم میں پھانسی دے دی گئی، یہ تینوں افراد تمام نہاد عدالت استقلال میں پیش کیے گئے تھے، جو اصلاحات کی مخالفت کرنے والوں کے لیے مخصوص عدالت پر قائم کی گئی تھی، لیکن ان تمام پابندیوں کے باوجود اس پورے دور میں جس

۱۹۲۷ء۔ قورک دلی وادیائی انسی کو پی سی جی ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱

تشریح کے خوف سے یہ لکھ کر اسلام پر جوئے والے شخصوں کو کھینچ دیا، اور
 احکام کی آپس کے مطابق تشریح و تفسیر کی، وہ بدیع الزماں سعید نورسی کی ذات محمدیہ
 سے ۱۹۵۸ء تک مسلسل پچیس سال تک یا تو قید خانوں میں رہے۔ یا نظر بند اور اس عدوان پر
 ان پناہ دہان کی قہریروں پر سیکڑوں مقدمے چلائے گئے، اشرف ادیب ان کی شخصیت سے
 بہت متاثر تھے، اور شاید وہ پہلے اہل قلم ہیں جس نے امریت کا وہ دم ختم ہونے کے بعد ان کے حق پر
 قلم اٹھایا، اشرف ادیب نے اس سلسلہ کی پہلی کتاب:

۷۔ رسالہ نور مولفی بدیع الزماں سعید نورسی، حیاتی، اثری و مسلکی، ۱۹۵۵ء میں لکھ کر:

اس کے بعد انہوں نے اس سلسلہ میں ڈومرید کتابیں بھی لکھیں، یعنی (۸) بدیع الزماں نور
 محمد جو لکھ انتقید و تکمیل (۱۹۶۲ء)، (۹) رسالہ نور معارفہ یا ذلزل اسناد و رد حنفیہ علی بدیع
 (رسالہ نور پر اعتراض کرنے والے مصنفوں کے الزامات کا ٹکڑی تجزیہ) ۱۹۶۵ء،

۱۰۔ قرآن غرب متشکر لہ گورہ (قرآن مغربی مفکروں کی نظریہ) ۱۹۵۷ء
 اشرف ادیب مغربی اہل قلم کی ان قہریروں کو یکجا کیا ہے جن میں انہوں نے قرآن کی عظمت
 اعتراف کیا ہے،

۱۱۔ دین دہ رفر مجولر (دین میں اصلاحات کرنے والے) ۱۹۵۹ء، ترکی میں قیام
 جمہوریت کے بعد ہی یہ تحریک چلی تھی، کہ اسلام میں اسی طرح اصلاحات کی جائیں جیسی مغرب
 پروٹسٹنٹ تحریک اصلاح دین کے تحت کی گئی تھی، اشرف ادیب نے اس موضوع پر:

۱۲۔ بدیع الزماں سعید نورسی کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے میری کتاب "بدیع الزماں سعید"
 شایع کردہ ادارہ معارف اسلامی، کراچی ۱۹۷۷ء،

دعائے خیر اور شوق علی خاں باگل، نور الدین توپچو، اسماعیل خانی دانش مند اور حفیظ
اوغلی کو لکھنے کی دعوت دی، چھپن صفحہ کا یہ کتابچہ ان ہی تحریروں کا مجموعہ ہے، کتابچہ کے
شروع میں خود اشرف ادیب نے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، جس میں ترکی میں تحریک اصلاح دین
کا پس منظر بتایا ہے،

۱۲۔ قرآن کتاب رکابی کتاب یہ اس کتاب میں اشرف ادیب بتایا ہے کہ قیام جمہوریت
کے بعد ملت کو کس طرح دھوکا دیا گیا، اور دین پر کس طرح حملے کیے گئے، یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں
شایع ہوئی تھی، ۱۹۶۹ء میں اس کی وجہ سے حکومت نے اشرف ادیب پر مقدمہ چلایا، لیکن
وہ عدالت سے بری کر دیئے گئے،

اشرف ادیب کی تالیفات میں تین اور کتابیں کے نام ملتے ہیں، ایک حج رہبری: جے
انہوں نے اے علوی اور طائف کے تعاون سے لکھا تھا، دوسری ارغاک کے نمودگان کے خطوط
جمہوریت: تیسری مناسرت کے اسماعیل خانی کے خطوط کا مجموعہ۔ یہ اشرف ادیب نے خود مرتب کی تھیں،
ان کی تاریخ اشاعت معلوم نہیں ہو سکی،

ان کتابوں کے علاوہ اشرف ادیب کے بے شمار مضامین جو بڑے اہم موضوعات پر
ہیں، ابھی تک صراطِ مستقیم اور سبیل الرشاد کی قانونوں میں بند ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے تو کئی
جلد علی خاں باگل (۱۸۹۳ء تا ۱۹۶۷ء) ممتاز ترک مفکر اور قانون دان، آزادی فکر کی تحریک کے

عظیم دار، فرانس کے فاضل تھے، اور ترکی میں دینی تعلیم کے نظام کی بحالی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے،
نور الدین توپچو (۱۸۹۰ء تا ۱۹۶۷ء) پریس کی سربوون یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا، ترکی میں اسلامی تحریک
کے ممتاز مفکر تھے، کئی کتابوں کے مصنف، بعد اسلامی رسالہ حرکت کے ایڈیٹر تھے۔

تھے اسماعیل خانی دانشمند (۱۸۹۹ء تا ۱۹۶۷ء) ممتاز ترک مورخ تھے،

جدید چارہ چکائی میں، مثلاً عدالت مستقل میں اشرف ادیب پر جو عہدہ چاہیگی، سودا
دو ٹیڈا پچاس قسطوں میں شایع ہوئی ہے، ترکی کی جنگ آزادی میں سبیل الرشاد کے کاندہ
اشرف ادیب کا مضمون تیس قسطوں سے زیادہ میں چھپا ہے، بلکہ ایک مضمون مضمون تھا
کے اصلاحات کے بارے میں ہے، جس کی اتیسویں قسط سبیل الرشاد ستمبر ۱۹۲۸ء میں موجود ہے،
معلوم نہیں اسکے بعد کتنی قسطیں اور شایع ہوئیں،

سبیل الرشاد کا آخری دور | ترکی مصافت کی تاریخ میں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک کا زمانہ
پابند مصافت کا زمانہ کہا جاتا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب سرکاری جہازوں پر پارٹی یا پیپلز پارٹی
پارٹی بلا شرکت غیرے حکمران تھی، اور اس کی نافذ کردہ اصلاحات کے خلاف ایک خطا نہیں
کہا جاسکتا تھا، اس دور میں صرف اخبارات ہی نہیں، تمام مطبوعات پر حکومت کی کڑی نگرانی
رہی، لیکن اس کے بعد سیاسی پابیاں قائم کرنے اور آزادانہ اخبار رائج کی آزادی بحال کر دی
گئی، چنانچہ اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشرف ادیب نے بھی یکم مئی ۱۹۲۸ء سے سبیل الرشاد
پھر شایع کرنا شروع کر دیا، جو ۱۹۶۶ء تک جاری رہا، لیکن سبیل الرشاد کا یہ دور پہلے
دور سے کتر تھا، اشرف ادیب اپنے مخلص ترین ساتھی عاکف کی خدمات سے محروم ہو چکے
تھے، وہ خود بھی بوڑھے ہو چکے تھے، اور پہلے دور کی طرح محنت نہیں کر سکتے تھے، عباس علی بیگ
کوئی سرپرست بھی موجود نہیں تھا، ذاتی طور پر ان کے پاس کوئی بڑا سرمایہ نہیں تھا، ادیب
سے بڑی بات یہ کہ حالات سازگار نہیں تھے، اگرچہ ان کو اخبار نکالنے کی اجازت مل گئی تھی،
لیکن آئین میں سیکولرزم کی دفعات اور اس پر عمل درآمد کرانے کے لیے قانون تحریرات کی
لے تورک دلی و دیباقی انسی کلو پیڈیسی جدا اول ص ۳۲۴-۳۲۵، لکھ ایضاً جلد سوم
مقالہ اشرف ادیب فرغ۔

دعوتِ اسلامی بنیاد پر کام کرنے والوں کی راہ ہی بہت سادہ تھی، چنانچہ سبیل الرشاد پندرہویں
 ہی صدی اسلامی میں ہی شکلِ دعوت کے لحاظ سے اور کثرتِ اشاعت کے لحاظ سے دورِ اول کے
 سبیل الرشاد کا مقابلہ نہیں کر سکا، اس زمانہ میں سبیل الرشاد کا ایک شمارہ سولہ صفحات پر
 مشتمل ہوتا تھا، بہر حال ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۶ء تک ترکوں کی دینی سرگرمیوں، اور اسلام
 اور مغربی تصورات کے درمیان ہونے والی کشمکش کا حال معلوم کرنے کے لیے اس دور کا
 سبیل الرشاد ایک اہم ماخذ ہے۔

اس دور میں سبیل الرشاد کی اشاعت بھی بے قاعدہ رہی، میرے پاس اس دور کے
 سبیل الرشاد کے چوالیس پرچے ہیں، جو جون ۱۹۵۷ء سے مارچ ۱۹۶۵ء کی مدت تعلق
 رکھتے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۱۹۶۵ء تک سبیل الرشاد کے کل
 تین سو انسٹہ شمارے شایع ہوئے تھے، حالانکہ سترہ سال کی اس مدت میں ایک ہفت روزہ
 کی حیثیت سے سارے آٹھ سو کے لگ بھگ شمارے شایع ہونا چاہیے تھے، شمارہ ۱۴۹
 جو اپریل ۱۹۵۳ء کا ہے، میرے پاس موجود شماروں میں آخری شمارہ ہے، جس میں اندرونی
 لوح پر "سیاسی، دینی، علمی، ادبی اور اخلاقی ہفت وار مجموعہ" لکھا ہوا ہے، حالانکہ پانچ سال
 کی مدت میں کم از کم دو سو شمارے نکلنا چاہیے تھے، اس کے بعد میرے پاس شمارہ ۱۵۵
 سے شمارہ ۲۱۴ تک موجود نہیں، شمارہ ۲۱۴ پر جو فروری ۱۹۵۶ء کا ہے، ہفت روزہ
 کا لفظ موجود نہیں اور صرف "سیاسی، دینی، علمی، ادبی اخلاقی مجموعہ" لکھا ہوا ہے، معلوم ہوتا
 ہے کہ اشرف ادیب نے حالات کو ناسازگار پاکر ہفت روزہ کو اہوار کر دیا تھا، لیکن اب ان
 کے لیے اہوار در سالہ شایع کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا، ۱۹۶۳ء (شمارہ ۳۵۱) کے بعد شمارہ
 ۳۵۲ دسمبر ۱۹۶۳ء میں نکلا، ۳۵۳ اپریل ۱۹۶۴ء میں، اس کے بعد

شمارہ ۳۵۸ تک رسالہ پابندی سے ہوا نکلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد پھر نئی شہادتیں
 شمارہ ۳۵۸ نومبر ۱۹۶۲ء میں نکلا، اور شمارہ ۳۵۹ جو میرے پاس موجود ہے آخری شمارہ
 مارچ ۱۹۶۵ء میں نکلا، اس وقت اشرف ادیب کی عمر ترائس سال تھی، ۱۹۶۵ء میں اس کی شہادت
 بند ہو گیا، ماحول شمارے بھی سولہ صفحات پر مشتمل ہوتے تھے۔

اس وقت میں اشرف ادیب کی ذاتی زندگی کے دو واقعات قابل ذکر ہیں، ایک شمارہ
 میں وہ مصر جا کر اپنے دوست عاکف سے ملے، یہ غالباً ترکی کے ہمارے ان کا پہلا سفر تھا، دوسرا
 واقعہ نومبر ۱۹۵۷ء میں اخبار وطن کے ایڈیٹر احمد امین یلغان پر ملاحظہ میں قاتلانہ حملہ ہے،
 احمد امین یلغان کو ترک مسلمان عام طور پر دوعہ (یعنی وہ یہودی جو ظاہری طور پر مسلمان بنے
 ہوئے ہیں) کہتے ہیں، انہوں نے ترکی کے پہلے مقابلہ حسن کی سرپرستی کی تھی، جس پر کسی شخص نے
 انے ان کو قتل کرنے کی کوشش کی، اس واقعہ کے بعد ترکی میں اسلام پسندوں کی پکڑ
 دھکڑ شروع ہو گئی، ترک قوم پرستوں کی تنظیم ترک میت جید و رنگی کی تمام شاخیں
 بند کر دی گئیں، اور اگرچہ اشرف ادیب کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن ان کو گروہ
 کر لیا گیا، اور دواہ تک قید میں رکھا گیا،

سبیل الرشاد بند ہونے کے بعد اشرف ادیب نے اخبار بنی استقلال شمارہ
 ۱۹۶۵ء (اور جوگون شمارہ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء) میں مضامین لکھے، شمارہ ۱۹۶۵ء میں
 روزنامہ بنی آسیا کے مالک مصطفیٰ پولاد کے کہنے پر انہوں نے اپنے خود نوشت حالات
 لکھنا شروع کیے، لیکن ابھی ۱۹۶۲ء تک ہی پہنچے تھے کہ ۱۹۶۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا
 یہ حالات ان کی وفات کے کئی سال بعد بنی آسیا میں ۷ جنوری ۱۹۶۵ء تا ۷ جنوری
 ۱۹۶۵ء میں بائیس قسطوں میں شایع ہوئے، اشرف ادیب نے توحید افکار، بنی صباح

نت اور دیانت میں بھی مضامین لکھے،

کتاب خانہ سبیل ارشاد سے جسے بدین انہوں نے آثار علمیہ کتب خانہ کا
 نام دے دیا تھا، جو اہم کتابیں شایع کیں، ان کے لیے ایک مستقل مضمون درکار
 ہے، اس سلسلے میں اہل پاکستان کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی، کہ
 مشرف ادیب آخری عمر میں دارالمصنفین عظیم گدڑہ کی سیرۃ النبی ﷺ
 سیر الصالحین اور تاریخ اسلام کا ترکی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے، جسے منصوبہ کے
 تحت یہ کام دس ہزار صفحات پر مشتمل پچیس جلدوں میں پورا ہوا تھا، اس سلسلہ
 کا تین جلدیں عصر سعادت کے نام سے ۱۹۶۲ء تک شایع ہو چکی تھیں، اور
 ماجرین کے حالات پر مشتمل تھیں، چوتھی جلد سے انصاری صحابہ کے حالات
 شروع ہو رہے تھے، اور اس کا بھی ترجمہ ہو چکا تھا، اور اشرف ادیب
 نے اس پر ایک مقدمہ ہجرت کی اہمیت پر لکھ دیا تھا، لیکن معلوم نہیں
 کام بعد میں کہاں تک مکمل ہوا، عاکف کے داماد اور اشرف ادیب
 کے رفیق عمر رضا دوغزل نے شبلی کی افادوقی کا ترکی میں جو ترجمہ
 کیا تھا، وہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے کتب خانہ میں ہو چکا
 ہے، یہ بھی غالباً آثار علمیہ کتب خانہ سے شایع ہوا تھا،

لے آثار علمیہ کتب خانہ سے جن ممتاز مصنفوں کی کتابیں شایع ہوئیں، ان میں عاکف،
 مامیل حامی دانشمند، عمر رضا دوغزل اور احمد نعیم کے نام قابل ذکر ہیں۔

شمارہ ۲۵۰ تک رسالہ پابندی سے ہوا نکلتا رہا، لیکن اس کے بعد پھر کچھ چھپ گیا اور
 شمارہ ۳۵۸ نومبر ۱۹۶۲ء میں نکلا، اور شمارہ ۳۵۹ جو میرے پاس موجود آخری شمارہ ہے
 مارچ ۱۹۶۵ء میں نکلا، اس وقت اشرف ادیب کی عمر تراسی سال تھی، ۱۹۶۵ء میں پہلی بار
 بند ہو گیا، احوال شمارے بھی سولہ صفحات پر مشتمل ہوتے تھے،

اس مدت میں اشرف ادیب کی ذاتی زندگی کے دو واقعات قابل ذکر ہیں، ایک ۱۹۶۲ء
 میں وہ مصر جا کر اپنے دوست عاکف سے ملے، یہ غالباً ترکی کے ہامران کا پہلا سفر تھا، دوسرا
 واقعہ نومبر ۱۹۵۷ء میں اخبار وطن کے ایڈیٹر احمد امین لیان پر مطالبہ میں قاتلانہ حملہ ہے،
 احمد امین لیان کو ترک مسلمان عام طور پر دوعہ (یعنی وہ یہودی جو ظاہری طور پر مسلمان بنے
 ہوئے ہیں) کہتے ہیں، انہوں نے ترکی کے پہلے مقابلہ حسن کی سرپرستی کی تھی، جس پر کسی شخص نے
 نے ان کو قتل کرنے کی کوشش کی، اس واقعہ کے بعد ترکی میں اسلام پسندوں کی پکڑ
 دھکڑ شروع ہو گئی، ترک قوم پرستوں کی تنظیم ترک ملیت جیدہ درنگی کی تمام شاخیں
 بند کر دی گئیں، اور اگرچہ اشرف ادیب کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن ان کو گرفتار
 کر لیا گیا، اور دو ماہ تک قید میں رکھا گیا،

سبیل الرشاد بند ہونے کے بعد اشرف ادیب نے اخبار بنی استقلال (۱۹۶۵ء
 تا ۱۹۶۶ء) اور بوگون (۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء) میں مضامین لکھے، ۱۹۶۶ء میں
 روزنامہ بنی آسیا کے مالک مصطفیٰ پولاد کے کہنے پر انہوں نے اپنے خود نوشت حالات
 لکھنا شروع کیے، لیکن ابھی ۱۹۶۲ء تک ہی پہنچے تھے کہ ۱۹۶۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا
 یہ حالات ان کی وفات کے کئی سال بعد بنی آسیا میں ۵ جنوری ۱۹۶۸ء تا ۱۹ جنوری
 ۱۹۶۸ء میں بائیس قسطوں میں شایع ہوئے، اشرف ادیب نے توحید افکار، بنی صباح

قت اور دیانت میں بھی مضامین لکھے،

کتاب خانہ سبیل الرشاد سے جسے بعد میں انھوں نے آثار علمیہ کتب خانہ کا نام دے دیا تھا، جو اہم کتابیں شایع کیں، ان کے لیے ایک مستقل مضمون دیا گیا ہے، اس سلسلے میں اہل پاکستان کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی، کہ اشرف ادیب آخری عمر میں دارالمصنفین عظیم گندھ کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سیر الصحابہؓ اور تاریخ اسلام کا ترکی زبان میں ترجمہ کروا رہے تھے، منصوبہ کے تحت یہ کام دس ہزار صفحات پر مشتمل ۲۵ جلدوں میں پورا ہوا تھا، اس سلسلہ کی تین جلدیں عصرِ سعادت کے نام سے ۱۹۶۲ء تک شایع ہو چکی تھیں، اور مہاجرین کے حالات پر مشتمل تھیں، چوتھی جلد سے انصاری صحابہؓ کے حالات شروع ہو رہے تھے، اور اس کا بھی ترجمہ ہو چکا تھا، اور اشرف ادیب نے اس پر ایک مقدمہ ہجرت کی اہمیت پر لکھ دیا تھا، لیکن معلوم نہیں یہ کام بعد میں کہاں تک مکمل ہوا، عاکف کے داماد اور اشرف ادیب کے رفیق عمر رضا دغزل نے شبلی کی افادوقی کا ترکی میں جو ترجمہ کیا تھا، وہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے کتب خانہ میں ہو چکا ہے، یہ بھی غالباً آثار علمیہ کتب خانہ سے شایع ہوا تھا،

ملے آثار علمیہ کتب خانہ سے جن ممتاز مصنفوں کی کتابیں شایع ہوئیں، ان میں عاکف، اسماعیل حامی دانشمند، عمر رضا دغزل اور احمد نعیم کے نام قابل ذکر ہیں۔

اشعار و قصائد کی دینی حیثیت

از

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈاگری، ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈا اننگ نیپال
شروع شاعری کی قیمت اسلام کی نگاہ میں کیلئے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا درجہ
دیا ہے؟ اصحابِ نبی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اشعار سے کیا دلچسپی رکھتے تھے؟ مندرجہ ذیل تحریر میں
ان تمام چیزوں پر کچھ روشنی پڑے گی۔

امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں کہ سورہ شعراء میں مام شاعر
کی مذمت کے بعد شعراء اسلام کو اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا
کہہ کر اللہ تعالیٰ نے خود مستثنیٰ فرمایا ہے، حضرت حسان بن ثابتؓ عبد اللہ بن رواحہؓ کعب بن زہیرؓ
شعراء اسلام اسی ذمرہ میں شمار کئے گئے ہیں (بیہقی ج ۱، عاشر باب شہادۃ الشعراء ص ۲۳۵، ادب المفرد

(۱۳۵)

ظاہر ہے کہ محاسن اسلام و معارف دین اور نعتِ نبویؐ سے متعلق و نشین و موثر مضامین شعروں
میں باندھنے والے شعراء کرام آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے ذیل میں داخل ہیں، عموماً اصحابِ کرامؓ
اچھے ہی اشعار کہتے تھے، امام بیہقی رد لکھتے ہیں کہ ایسے اشعار جو نصیحت آموز ہوں اور اسلامی تعلیمات
پر مشتمل ہوں، اُن کا پڑھنا، سنا سب شروع و درست ہے (بیہقی ج ۱، ص ۶۹) شاعر میں خواہ مخواہ شاعرانہ
غزل کا لطف نہ آئے اور خواہ کوئی شوقی و تیزی باقی نہ رہ جائے مگر اس کے مضامین معرفتِ الہی و حب
رسول و تقویٰ و فیو اسلامی تعلیمات ہی سے متعلق ہونا چاہئیں۔

بیوقوفوں میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنْ الْبَغْرِ لِحِكْمَةٌ
بعض اشعار میں دلائل کی باتیں ہوتی ہیں پس دراصل ایسے ہی بصیرت افروز، ہم آموز اشعار شریعت
کی نظر میں مستحسن ہیں (بیوقوف ج ۱ ص ۶۵)

علامہ خازنؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں عن ابن عباس قال جاء اعرابي الى النبي
صلى الله عليه وسلم فجعل يتكلم بكلام فقال ان من البيان لسحرا وان من الشعر
لحكمة (ابوداؤد) (تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۴۳) یعنی ایک بدو کے کلام پر آپ نے فرمایا کہ بعض
بیان جادو اور بعض شعر حکمت ہیں

اشارہ کے متعلق ایک فیصلہ امام بخاریؒ کی الادب المفرد میں ایک باب کا عنوان یہ ہے کہ الشعر
حسن کحسن الکلام ومنہ قییم یعنی جس طرح نثری عبارت میں اچھے برے مضامین ہوا کرتے
ہیں، اسی طرح شعروں میں بھی اچھے برے مضامین و مواد ہوتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک فیصلہ فرمایا الشعر بمنزلة الکلام حسنه کحسن الکلام وقبيحه کقبح الکلام
(الادب المفرد ص ۱۲۵ مطبع خلیل آراء ص ۱۳۰) یعنی اشعار کو عام گفتگو کی طرح سمجھو
جیسے بعض کلام اچھے ہوتے ہیں ویسے ہی بعض اشعار بھی اچھے ہوتے ہیں، اور جس طرح بعض کلام برے
ہوتے ہیں اسی طرح بعض اشعار بھی قبیح و ناپسندیدہ ہوتے ہیں،

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں الشعر منه حسن ومنہ قییم خذ من الحسن ودع القبح (الادب
المفرد ص ۱۲۵) یعنی اشعار اچھے برے ہر قسم کے ہوتے ہیں تو تم کو اچھے اشعار کا انتخاب کر لینا چاہئے
اور ناپسندیدہ قبیح اشعار کو ترک کر دینا چاہئے،

اشعار کی سادگی و پاکیزگی حضرت حسان بن ثابتؓ وہ شاعر اسلام میں جو حقائق دینی و مصلحتیہ اسلام
و حب رسولؐ وغیرہ پر سادہ و پر شکوہ اشعار کہتے تھے، ان کے کلام میں اسلام سے قبل والا

لنگ نہ چکر گئی نے ان سے کہا اور شعر عربی فی الاسلام میں تخلصے اشعار میں جو رنگ اسلام سے قبل تھا اب وہ باقی نہ رہا، اب تمہارے اشعار بوڑھے معلوم ہوتے ہیں، اس کا انھوں نے خوب جواب دیا کہ اسلام کذب بیانی سے مانع ہے اور اشعار کی زینت مبالغہ آرائی اور کذب بیانی سے یعنی رانی کو پرست بنا کر دکھانا، قطرہ کو سمندر کر دکھانا، شعروں میں لطف کی چیز سمجھی جاتی ہے، اور یہ چیزیں اسلام میں منع ہیں، شاعر اسلام حضرت حسانؓ کا یہ مقولہ ان الاسلام یمنع من الکذب وان الشعر یمزینہ الکذاب، شعراء کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے

اشعار کو کذب و مبالغہ | اشعار میں کذب و غلو اور غصہ کے وقت جو ناجائز ہے اس طرح شعر گوئی سے پاک ہونا چاہئے | میں ایسا انماک و اشتغال بھی ناجائز ہے جس سے ذکر الہی، تلاوت قرآن کریم اور فرائض کی ادائیگی میں غفلت و کوتاہی ہونے لگے، امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ کی یہ بات ہے، اور انھوں نے اپنی کتابوں میں مندرجہ ذیل باب بھی قائم کیا ہے باب ما یکنہ الی یکونہ العتاب فی الاصلان الشعر حتی یصلہ عن ذکر اللہ والعلو والقرآن (بخاری) ج ۱ ص ۱۵۱ بیہقی ج ۲ ص ۲۲، ایضاً الادب المفرد ص ۱۲۱ مطبع خلیفہ ادرہ)

لیکن امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ کی یہ بات کچھ شعر گوئی کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ جس مباح عمل اور مشروع امر میں انماک و اشتغال کسی دوسرے فرض کے ترک و ضیاع کا باعث ہو تو وہ بھی ناجائز ہوگا مثلاً مطالعہ کتاب یا تصنیف و تالیف یا تلاوت قرآن پاک یا شوقِ قرآن میں اگر اس قدر توفیق ہو کہ اس کی وجہ سے نماز کا وقت نکل جائے یا نماز وغیرہ سے غفلت دے پر وہی پیدا ہو جائے یا کرے تو یہ امور باوجود جائز ہونے کے ناجائز ہو جائیں گے (ملاحظہ ہو بیہقی ج ۲ ص ۲۱۹)

مدحیہ اشعار میں مبالغہ کی مانعت | اشعار میں مبالغہ و اطباء بھی عموماً شاعروں کی عادت ہے،

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت منع فرمایا ہے، بظاہر ظاہر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک شخص کی بے حد تعریف کر رہا ہے تو فرمایا کہ اے خلیفہ و پاک کہو، یہاں پر فرمایا کہ اگر تعریف ضروری ہو تو بھی حد سے زیادہ مبالغہ نہیں کرنا چاہئے، و بظاہر کتاب الشہادۃ باب ما یکمل من الاطباء من الکلام

جو میں مبالغہ اور غلو پسندیدہ ہے | جو میں مبالغہ اور غلو کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے، فرمایا کہ دو قسم کے آدمی جرم ہیں، ایک وہ شاعر جو پورے قبیلہ کی جو کر رہا ہے دوسرے وہ آدمی جو اپنے باپ سے اپنی نسبت کو الگ کر رہا ہے (الادب المفرد، مطبوعہ ۱۳۶۶ء) آج کل معاملہ برعکس ہے، مدح ہوتی ہے تو افراط اور غلو کا پہلو نمایاں، اور جو منہات کی نوبت آتی ہے تو تقریباً کا پہلو غالب رہتا ہے، ظلم، طور سے اخلاقی، اصلاحی، انقلابی شہادت کم نظر آسکتے ہیں، ایسی حالت میں ہیں اپنے ذوق کے مطابق شہاد کا اچھا انتخاب خود کر دینا چاہئے، زبان نبوت میں اس کی طرف رہنمائی موجود ہے،

پیشہ ور مہمانے والے | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الرجل ینکلم بالکلمۃ ینحلف بها شاعروں کا انجیل | جلسہ شاعرانہ بھی، بھامہ، بعد من (الغریب) یعنی محض مہمانے کی خاطر شعر و شاعری کرنے والے یا گپ بازی کرنے والے ثریا سے بھی زیادہ بلندی سے بستی کی طرف پھینک دیئے جاتے ہیں، (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۰)

آنحضرت کا اشعار سننا اور پسند فرمنا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشعار کو سنتے اور پسند فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے ذوق لطیف کا اظہار بھی فرماتے تھے (استیعاب لابن عبد البر ج ۱ ص ۱۰۰) استیعاب میں حمد نبوی کے شعراء کا مفصل تذکرہ ہے، حسان بن ثابتؓ اور عمو بن قیسؓ روایت اور کتب میں ان کے شعر و نثر کی تحفے معین (اچھے شاعروں) میں شہد کے پوتے (پیش ج ۱ ص ۱۰۰)

ذیل میں اشعار کے سلسلہ میں چند روایات نقل کی جاتی ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔
میر اسلام کا موقتہ داغ جو چھپا ہے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کئی روایتیں فرماتے تھے کہ
ایمان تک کہ تمہارے اشعار کیا ہو گئے؟ میں کہتی اچھا بیانی تھی، یا رسول اللہ! میں کہتی
کہ حضور! میرے بہت سے اشعار ہیں آپ کس قسم کا شعر سننا چاہتے ہیں؟ میں فرماتی ہوں کہ
آپ فرماتے اپنے وہ اشعار سناؤ جو خدائے تعالیٰ کی شکر گزاری میں ہیں آپ کو سناؤ جو میری
جو الہامی عبادت تہ کر رہے ہیں۔

امام بخاریؒ ادب المفرد میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی آپؐ کے
اشعار و قصائد کے علاوہ دوسرے شعراء کے اشعار بھی مجھ کو حفظ تھے (الادب المفرد ص ۱۲۸)
اشعار سننے کی فرمائش عرب میں عورتیں بھی عموماً شاہوہ ہوتی تھیں، غنارہ ایک یمنیہ شاہوہ
تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائش کر کے اشعار سننے اور ان کے اشعار کو بہت پسند
فرماتے تھے، وہ سناتی جاتی تھیں اور آپؐ فرماتے یہ کہ یا غنارہ! یعنی اے غنارہ! یہی اللہ
سناؤ (استیعاب کتاب النساء ص ۴۲)

اشعار کی تعریف اسبغہ معلقہ کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے ان اشعار کو آنحضرتؐ خود بھی فرماتے
اور ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے کہ یہ کتنے چمکے اور اچھے اشعار ہیں

الاکل شئ ما خلا الله باطل وکل ضعیف لا معالۃ لاشئ

وکل امرء لیسوا صیغہ لم یسعیدہ اذا انکسخت عند اللہ المصل
(ترجمہ) اللہ کے سوا ہر چیز معدوم ہونے والی اور تمام چیزیں ذوالنیوے ہونے والی ہیں اور
قیامت میں جب ہر شخص کو عمل کا نتیجہ ظاہر ہو گا تو اسے اپنی کوشش کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی۔

الحمد لله الذي هدانا لهذا

ما كنا لنهتدي لہدایہ لولا انہدینا لہدایہ
الحمد لله الذي هدانا لهذا ما كنا لنهتدي لہدایہ

والحمد لله الذي هدانا لهذا ما كنا لنهتدي لہدایہ
الحمد لله الذي هدانا لهذا ما كنا لنهتدي لہدایہ

و ترجمہ میں اپنی فراست سے آپ کی ذات میں بھلائی گوتاڑ گیا، اور اللہ خوب جانتا
کہ میری نگاہ نے قطعی نہیں کیا آپ وہ نبی اکرم ہیں جن کی شفاعت سے قیامت کے دن کس
محروم رہتا اس کے شومی قسمت کی دلیل ہے،

حضور کا ایک نشست میں ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایک وفد میں حضور ﷺ تھا تو آپ نے میرا
ٹوٹا ہوا شمار سننا | اہل صلت کے اشعار سننے کی مجھ سے فرمائش کی، چنانچہ
میں سننے لگا تو آپ کا یہ حال تھا کہ ہر شعر سننے کے بعد فرماتے کہ اور سناؤ یہاں تک کہ میں
ٹوٹا ہوا شمار سنائے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹)

امام بخاری ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ کی مسلسل فرمائش پر
سمائے۔ (الرواہ للبخاری ج ۱ ص ۱۱۱)

اور دیکھیں کہ حضور ﷺ کی طبیعت کا امانہ ہوتا ہے اور یہ چاہتا
ہے کہ آپ اپنے اصحاب سے کہنے کے لئے مشتاق رہتے تھے، نیز صحابہ کرام اچھے اشعار کو لوگ
رکھتے تھے،

میں نے اشعار سننے سننے کی اجازت | مسجد میں بھی اشعار سننے کی اجازت تھی، چنانچہ

حضرت سید الشہداء حضرت علیؓ میں حضور کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اپنے استاد کا ہاتھ دھو کر کہہ کر | کعب بن زہیر نے جب اپنے منہ سے اذان پڑھ کر
 بھی گئے تھے کہ دعوت دینا | اہل بیت ساداتِ اطہرؑ نے اسے دھری دھری سے گلے لگائے۔

ج ۱۱۱۱۱ اور دوسرے حاضرین کو بھی شریک مجلس ہونے کی دعوت دی، چنانچہ عام ہفت روزہ
 لکھا ہے کہ داماد بکمدہ الی الخلق لیا تواللہ معوامینہ یعنی سب کو ان کے شرف و توقیر
 حضورؐ نے اشارہ سے بلا لیا تاکہ سب لوگ اگر سنیں اور لطف اندوز ہوں، (بہارِ جنت ص ۲۴)

حضرت عباسؓ کے مدحیہ اشعار | جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے
 تو آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! انی اری یثربن امتک جلعول یعنی اے اللہ
 کے نبی میں آپؐ کی مدح میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا قل لا یغضض اللہ فالہ
 ساء اللہ تمہارا منہ ترومازہ رکھے، چنانچہ انھوں نے ایک طویل مدحیہ نظم کی جس کا آخری
 شعر ہے:

فمن فی الدار الضیالہ فی النور سبیل الرشاد یخترق

(ازاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۱)

(ترجمہ) ہم لوگ آپؐ کے ضیاء نبوت اور آفتاب ہدایت کی روشنی میں راستہ لے رہے ہیں،
 فتح مکہ کے موقع پر | مزار بن خطاب قریش کے بڑے زبردست شاعر تھے، فتح مکہ کے بعد وہ
 مبارکبادی کو اشعار | ہوئے اور آپؐ کی خدمت میں یہ مبارکبادیہ ہوئے حاضر ہوئے جس میں
 قریش کی درخواست بھی گزاری تھی، یہ قصیدہ بھی طویل ہے اس کا ایک شعر خطابؓ:

یا بنی الہدی الی الجباہ حیٰ قریش واینت خیرہ
 (ترجمہ) اے اہلِ اہدٰ اگر تم آپؐ کی ولایت قبیلہ قریش کی چاہو تو اہلِ اہدٰ کی ولایت سے خیر ہے چاہو تو
 (اس باب ص ۱۱۱)

قبول فرمائی کہ قلمی میں | انھوں نے خواہ مخواہ لکھ کر کہ کہوں یہ اسلام قبول کیا تو
اسلام کا بڑا راز ہے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے رشتہ و اطلاق کو
ظاہر کرتے ہوئے اشارت لکھی۔

اصد و انائی جلالہ اعظمیؒ و انھیں وہاں اعلیٰ انتساب سے تھے۔

یعنی میں جان بوجھ کر محمد سے اعراض کرتا رہا جسکی طرف مجھ کو چاروں چاروں مہسوب ہوتا ہے،

تھراہ انی یوم اعمل رایۃ انتعلیٰ خیل اللات خیل محمدؐ

ہم جس میں تپکے اہل مروجی کا جھنڈا اٹھاتے تھے تو مجھ پر یاد رکھو کہ محمدؐ کو انصارات کو انصار پر غلبہ پاتے تھے۔

ہدائی ہادغیر نفسی و دلق علی اللہ من طرقتہ کل طرقتہ

آج مجھ اس ذات نے اللہ کی طرف ہدایت دی جسکو میں ہر طریقہ سے ہر موقع پر دنیا سے ٹھیکیل فیٹا جا رہا تھا۔

بعض دوسرے شاعروں نے بھی اسلام لانے کے موقع پر اشعار ہی کا تذکرہ پیش کیا ہے۔

چنانچہ ایک صحابی مالک بن عوفؓ نے مجھے شاعر تھے اپنے اسلام لانے کے موقع پر حضورؐ کے

سامنے اپنے چند اشعار لکھے ان میں ایک شعر یہ تھا

ملان سلوت ولا سمعت بما اری فی الناس کلہم کذل محمدؐ

یعنی جانتک میں نے نظر دوڑایا اور دیکھا اور سنا، دنیا میں محمدؐ کی مثال نظر نہیں آتی۔ کہ یہ نہ کہ

کسی نے اردو میں کیا خوب ترجمہ کیا ہے

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے کوئی دین محمدؐ سنا نہ پایا ہم نے

قبول اسلام پر قصیدہ کا نمونہ | اسی طرح نابذہ جدی بڑے شاعر تھے جب یہ مسلمان ہوئے

تو انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آئینہ اور طویل قصیدہ سنا جس کے دو شعر

وہی ہے جس نے انہیں ہدایت دی ہے۔
 ہم انہیں ہدایت دیں گے۔
 یعنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حاضر ہو کر آپ نے یہ بات فرمائی
 ہے کہ تم میں جو انسان کی سفید بھاری کی طرح سفید ہے میں تمہیں پر راضی ہوں جس سے
 عداوت کروں گا اور جہنم کی آگ سے پرہیز کروں گا۔
 علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ قیدہ تقریباً دو سو اشعار پر مشتمل ہے جسے حضور نے سنا
 ہے کہ فرمایا ابعثت لا یغضن اللہ مالک یعنی تم نے خوب کہا، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی عذوبہ
 رکھے، (استیعاب ج ۳ ص ۳۲۲) اس واقعہ سے بھی اچھے اشعار کے متعلق دعویٰ نظر
 کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بیادوں کی شاعری | جب کہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ طیبہ
 پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا اکثر اصحاب کو ناخوش ہوئی، حضرت بلالؓ بیدار ہو گئے اور حضرت
 ابو بکرؓ بھی بیدار ہوئے، حضرت عائشہؓ ضعیفات کو حاضر ہوئیں تو سب نے بیاد پرسی کے جواب میں پانچ
 اشعار سنائے، حضرت بلالؓ نے بڑی تمنا سے دہن لاون کی یاد میں یہ شعر سنایا:

الایات شعری علی البیت لیلۃ
 لیلۃ وحولۃ الخضر جلیل
 (استیعاب کنز العمال ج ۴)

(ترجمہ) کاش مجھ کو یک دم اس رات میں رات گزاریا نصیب ہوتا چکے اور اگر وہ حضور میں نہ ہو
 گی میں نہیں

اسی ماحول میں حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تو میرے کو سب کے لئے محبوب بنا دے اور
 خوشگوار کر دے (سنن ابوداؤد)

کے بعد آپ کے لئے جو دوسرا شعر کا حصہ پیش

جو اس شخص میں لکھے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی
میں میرے اس شخص کو پتا چلتے ہیں اور اسے لایا جاتا ہے، آپ کے والد کو کم کر دیا
ان کی شکایت کے جواب میں کیا لکھا جاتا ہے، انھوں نے اس کے کو خطاب کر کے آپ کے سامنے
لے گئے،

انما الطريق ذو نفاق بالذي طرقت به دوني فعلى منهل
وہ مصیبت جو تجھ پر آئی ہو گیا مجھ پر آئی ہو اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں
لما بلغت السن والحق بالقي اليك مدى ملكوتك فراك كحل
میں اپنے اس سن کو پہنچا جو میری امیدوں کی جگہ اور میری ترناؤں کا مرکز ہے۔

بعثت حزاني فاطمة وفاظلة كالك انك المنعم المتفضل
نے مجھ کو سخت کلائی و درشت مزائی دکھائی، کیا میرے اس آقا کو ایسا ملے گا جو یا تو میری بھڑکتی
نظمت کا اہم تر حق ابوتی کا ایسا فعل ہو جس سے الجوارح و عاقل
تو میرے پدری حقوق کا گمانیں کرتا تو کم از کم اتنا ہی کرے گا کہ ایک پڑوسی و دشمن پڑوسی
ساتھ کرتا ہے۔

معاذ سید علیؑ بروایت یحییٰ نقل کرتے ہیں نبیؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بجلیب ابنہ وقال انت وما لك لا يلهي عنك شيء فوجدوا شدة سكره في
الكرن يكره فاما ان تواسي بالمال سبب تيرى لپ كاس (خاصی و مفصل)
لے ذریعہ و کرامت کا جواب، جو واقعہ اس کا جواب بھی شریف کر دیا جاتا تھا مثلاً حضرت

ان بنی ثعلبہ اکثر کفار کے تھے اور اعتراض کا جواب دینے اور سرور کا کلمہ کہنا کفار کے لئے

محسوس تھا۔ **عند اللہ فی ذات البیضاء** **عند اللہ فی ذات البیضاء**

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمہاری بدگوئیوں کا جواب دینا یہاں اشارہ ہے

سب کی امید بکھاروں۔

فان ابی ووالدتی وعرضی **نقض محمد منکم وقاتل**

بنی میری عزت اور میرے ماں باپ سب سرور کائنات کی عزت کیلئے تیار ہیں نہ یہ نہ یہ نہ یہ

جلس نبوی میں اشعار خوانی | امام سہتی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام جب حضور کی مجلس میں شعر گوئی و شعر

خوانی کرتے تو آپ بعض اشعار کی لطافت و ظرافت پر مسکرا دیتے اور ہم فرماتے دینی بیگم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں باہم شعر خوانی کرتے

جسے خود آپ بھی سنتے تھے،

صحابہ کرام سے اشعار | علامہ ابن عبد البر حضرت ابوالدرداء کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی نے

سننے کی فرمائش | ان سے کہا مالک لا تقول بالشعر وکل لیبیب من الانصار قال

الشعر آپ کیوں نہیں شہوت کرتے حالانکہ انصار کے تمام ذی ہوش لوگوں نے اشعار کہا ہے، فرمایا کہ میں بھی

شعر کہتا ہوں لو سنو!

یرید المرء ان یوتی مناک **ویابی اللہ الا ما اراد**

یقول المرء فائدتی و مالی **و تقوی اللہ افضل ما استقا**

یعنی آدمی چاہتا ہے کہ اس کی تمام آرزوئیں حاصل ہوں، مگر ہوتا ہے وہی جو اللہ چاہتا ہے، آدمی کتنا بڑا

کہ یہ میرا مال ہے یہ میرا نفع ہے مگر اللہ کا تقویٰ ہی اعلیٰ دولت ہے (صفوۃ الصفوۃ ص ۲۷۷)

جلس مشاعرہ کا انعقاد | امام شعبی سے روایت ہے کہ کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے نام حضرت

مرکز شاعرانہ کا گہوارہ ہے اس میں شعراء ہیں ان کا طلب کر کے سب کا جلیب اور ان کے
 زانو کے اشاروں سے ان کی روحانیت میں بھی لکھ بکھ، چنانچہ بغیرہ بن شعبہ نے ہمیں شاعرانہ
 کی انہوں نے سب پہنچا لید بن ابیہ سے کہا انشدنی صاقلات من الشعر فی الجاصلیۃ و
 الاملاہم یعنی نہانہ جلیب اور اسلام میں تم نے جو اشارہ کے ہیں ان کو سننا انہوں نے جواب
 دیا سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی نعمت پانے کے بعد میں نے شعر کا چھوڑ دیا، انہوں نے مجھے
 یہ نعم الہل حاک کیا۔ اب مجھے اشعار میں کوئی لذت محسوس نہیں ہوتی، پھر اغلب مجل سے کہا کہ تم اپنی
 شعر مجھے سناؤ، اس نے کہا ارجزا ترد ام قصیدۃ القد سالت ہتیا موجوداً اور لوگوں سے
 بھی اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ جب حضرت خیرؒ نے یہ ساری باتیں لکھ کر حضرت عمرؓ کے پاس
 بھیجیں تو انہوں نے حکم دیا کہ اغلب کے وظیفہ میں سے پانچ سو ماہوار گھٹا کر لید کے وظیفہ میں پانچ
 ماہوار اضافہ کر دو۔ آخر اغلب حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور اپنا وظیفہ بحال کرالائے، اور لید کا بھی
 پانچ سو ماہوار وظیفہ انھیں تا عمر بیت المال سے ملتا رہا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۳۱)

ادب، زبان، شعر و خطابت کا مقابلہ خود حضورؐ نے بھی کر لیا ہے (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۲)
 حضرت عمرؓ کو لید کا ادبی ذوق بہت پسند آیا جس کی وجہ سے وہ قرآن کی
 ادبی فصاحت و بلاغت اور معنوی لطافت کے سامنے اشعار عرب کو بے قیمت اور بے لذت خیال
 کرتے تھے، ان کی یہ ادا حضرت عمرؓ جیسے تہذیب شناس غلیفہ کو بھاگ گئی۔

قطع مسافت کیلئے | بیعتی میں حضرت عمرؓ کا وہ اس سفر حج کا واقعہ ہے جس میں ان کے
 اشعار خوانی | ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی تھے،

جب ان دونوں نے غمات شاعر سے طراہ کے اشارہ سنانے کے لئے کہا تو حضرت عمرؓ فرمادے کہ میں نے
 فرمایا کہ تم خود اپنے اشارہ سناؤ۔ چنانچہ وہ خود اپنے ہی اشارہ صبح تک ان حضرات کو سناتے رہے۔

تلمیذ کے استاد خوانی | طرف ہی ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ صاحبی صاحبی صاحبی
 عمران بن یحییٰ کے ساتھ ایک سفر میں کوڑے بھرے ایک ایک اس سفر میں ہر شے کو فرواگا
 پر ہم قیام کرتے اور حضرت عمران قناعت کر کے مجھ سے مشاعرہ کرتے، (ادب المفرد ص ۵۲)
 حضرت عمرؓ نے بعض اشعار سنوائے | حضرت عمرؓ جب زہیر بن ابی سلمیٰ کا یہ شعر پڑھتے تو اس نے ہم سے
 کا مصداق خود خود کو بھلائے کے متعلق کہا ہے،

ولو كنت من شعبي سوى بشر كنت للفق لليلة البدر
 یعنی اے مدوح اگر تم انسان کے سوا کچھ اور ہو سکتے تو میں کہتا کہ ماہ کامل یعنی ہدیں روشنی پس
 کرنے والے نہیں ہو۔

تو حاضر بنی مجلس سے کہتے کہ اس شعر کے مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوڑا
 دوسرا نہیں ہو سکتا، (مسند احمد ج ۱ ص ۹۱)

شعرا کو انعام | سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض شعرا کو خوشی میں انعام بھی مرحمت
 فرمایا ہے، (بیہقی عاشر ص ۲۲)

شاعروں اور زبان دانوں کے | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال کے ذریعہ اپنی آبرو
 ساتھ حسن سلوک کا حکم | لوگوں نے پوچھا کہ مال دے کر آبرو بچانے کا کیا مطلب ہے؟ فرما

تعطون الشعراء من تخالوت لسلانه (یعنی جس کی زبان سے ذلیل ہو جانے کا خطرہ ہے)
 شاعر و غیرہ تو ان کو مال دے کر آبرو بچالو) (مسند احمد ج اول ص ۲۲)

حضرت عمران بن یحییٰ کے پاس ایک شاعر آیا، آپ نے رخصت کے وقت اس کو کو
 عطیہ دیا، کسی مصاحب نے دریافت کیا کہ شاعر کو کس قسم کا انعام دیا گیا ہے؟ فرمایا کہ عورت و آبرو کی
 کس کو نہیں عزیز ہے، (ادب المفرد ص ۵۲)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے قریبی غطفان کا وفد بھیجا تھا، اپنے چند اشعار پڑھا کر پوچھا کہ یہ کس کے شعر ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ انہی کے، فرمایا انا اشعر شعراء کہ یعنی یہ تمہارے سب شاعروں میں بڑے شاعر ہیں، (مرآة الجنان ص ۱۷۱)

سرایہ والے کے خلاف حضرت عمرؓ کے پاس زبیر بن عوفؓ نے عطیہ شاعر کے جو کہ شکایت کی تحقیق شاعری کی شکایت پر توجہ سے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عطیہ نے دانی جو کہ ہے تو اس کو بلا کر میل خانہ میں ڈال دیا، وہاں سے عطیہ نے لکھا کہ میں تو قید میں ہوں میرے بچے بھوکوں مر رہے ہیں، آخر حضرت عمرؓ نے اس کو جیل خانے سے نکالا اور پوچھا کہ تم کیوں کسی مسلمان کی بھوکرتا ہے، اس نے کہا کہ شاعری ہی میری کمائی، اور زبیر بن عوفؓ میری قوم میں دولت مند ہے اس کو میری کمزوری اور میرے کثیر العیال ہونے کی خبر ہے، لیکن کبھی اس نے خود سے خیال نہیں کیا، اور جب میں سوال پر مجبور ہوا تو اس نے سوال کے باوجود بھی محروم رکھا، وہ خود تو مزے اڑاتا اور ادب کی طرح ڈکاراں لیتا ہے اور میں اپنے بال بچوں سمیت روٹی کے سونے لکڑیوں کا محتاج تھا، یہ سن کر حضرت عمرؓ ناراض ہو گئے انہیں ڈبڈباتیں، آپ نے اس کے بال بچوں کی تعداد معلوم کر کے سب کا خرچ سال بھر کے لئے دیدیا اور فرمایا کہ ختم ہونے کے بعد پھر میرے پاس آنا، (منتخب کنز العمال ص ۳۱۷)

شاعر کے لئے سفارش و عطیہ حضرت عمرؓ نے عطیہ شاعر کو اس کی بدگمانی اور جو گوئی پر قید کر دیا تھا، کیونکہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے ان اعظم الناس جرماً شاعر یجھو القبیلة من اسوھا (الادب المفرد ص ۱۳۱) یعنی وہ شاعر بڑا گھروں ہے جو پورے خاندان کی بھوکرتا ہے۔

بہر حال جب جو گوئی کے جرم میں عطیہ قید ہوا تو عطیہ نے حضرت عمرؓ کے پاس چند شعروں کے ذریعہ رہائی کی درخواست کی کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے ایک نگہبان کو آپ نے قید میں

الغیت کا سپہرہ فی قصر مظلمۃ فاحمد عبدالعزیز بن عبداللہ

یعنی اپنے بچوں کیلئے کتابچہ والے کو تاریک میل خانہ میں ڈال رکھا ہے اسے عمر تو کم مگر عداوت میں دہشت گردی
حضرت عمرؓ نے لوگوں کی بدگوئی نہ کرنے کا وعدہ لیکر اس کو آزاد کر دیا، اس کے بعد اس کا
کہہ کر اشارہ ہی سے میری کمائی ہوتی تھی، جسے آپ نے روک دیا، اس نے علقمہ بن علقمہ کے پاس
آپ ایک سفارشی خط لکھ دیجئے، انھوں نے بعض صحابہ سے مشورہ کے بعد علقمہ کو خط لکھ دیا
مگر یہ جب خط لیکر وہاں پہنچا تو لوگ علقمہ کا تحیر و تکھنن سے غلط فہم ہو کر واپس آ رہے تھے خط پہنچنے
اس کے لڑکے کو حضرت عمرؓ کا خط دیا، لڑکے نے پوچھا کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو تم کو ان سے
ملنے کی کیا امید تھی اس نے کہا کہ سو ایسی ادھنیاں جن کے پیچھے ان کی اولاد بھی ہوتی، لڑکے نے
یہ سہتے ہی سو بچوں والی ادھنیاں اس کے حوالہ کر دی، (مرآۃ الجنان ص ۳۳۳)
"اگر پدر تو ماند پدر تمام کند" کے ایسے مظہرے پھر کہاں نصیب ہوں گے۔

امام زین العابدین کا عطیہ | مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حج میں ہشام بن عبد الملک طوائف کے بعد
فرزدق شاعر کے لئے حجر اسود کا بوسہ دینا چاہتا تھا، لیکن کثرت اثر و دام کے سبب نہ دے سکا
تو ایک اپنے مقام پر امرائے شام کے ساتھ جا کر الگ بیٹھ گیا، یہاں ایک امام زین العابدین علی بن
حسین بن علی بن ابی طالب آئے جو بہت خوبصورت تھے، اور جن کے بدن سے خوشبو نکلتی تھی، انھوں نے
بڑے سکون و اطمینان سے طواف کیا اور جب حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھے تو لوگوں نے انکی عظمت
و احترام اور تقدس کی بنا پر جگہ خالی کر دی، یہ منظر رؤسائے شام کے سامنے ہوا، ایک سرور ہائے کہا
کہ یہ کون جلیل القدر اور عظیم المرتبت ذات ہے، ہشام نے کہا لا اعرفہ (مجھے خبر نہیں ہوگا کوئی)
فرزدق وہاں موجود تھا اس سے نہ رہا گیا اور فوراً بول پڑا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو ساری حوائج
سمان رہی ہے، یہ کہہ کر اس نے امام زین العابدین کی شان میں ۲۵ شعروں کا ایک قصیدہ پڑھا

عورت اور پردہ

از

سید صباح الدین عبدالرحمن



اس خاک ر کے پاس دہلی کے بیت المحکمہ کی طرف سے ایک سینار کے لئے جب دعوت نامہ پہنچا تو اس میں فرمائش تھی کہ میرا مقالہ "عورت اور پردہ" پر ہر کچھ میں نہیں آتا کہ اس چبائے ہوئے نوالے کو کس طرح چبایا جائے، اس پرانی بحث میں کوئی نیا بات کی جاسکتی ہے جواب تک نہیں کی جاسکتی، مقالہ لکھنا تھا اس لئے اس خیال سے لکھ بیٹھ گیا کہ یہ پرانی بات شاید کسی نے انداز میں بیان ہو جائے تو پہلے پردہ سے متعلق ذرا دل تھام کر احکام الہی سامت فرمائیں، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ سے فرماتے ہیں:

"مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی حصص کی حفاظت رکھیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے کھلا رہتا ہے، اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ان لوگوں کے سامنے جیسے شوہر یا اپنے شوہر کے باپ اپنے بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بیویوں کے بیٹوں، اپنی عورتیں اپنے غلام و مرد خدمت گاروں جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا ایسے لڑکوں جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوتے ہیں، وہ پردہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ ان کا غنچ زبور معلوم ہو جائے، (المائدہ ۳۳) پھر سورۃ الاحزاب میں ہے:

”اے نبی! جو یوں بیٹھیں اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی بیٹیوں
کے برے حکام کیا کریں۔ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور تصانیف نہ بنیں
اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (الاحزاب: ۸۰)

ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد عورتوں کے لئے حجاب لازمی ہو گیا، مگر وہ باہر نکلیں
تھیں جس کے لئے وہ نقاب یا حجاب یا برقع استعمال کرتی رہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ باہر نکلنے میں عورتوں کو اضطراب یا ناگزیر حالات و ضروریات
میں ہاتھ یا سرے کا کوئی حصہ کھولنا پڑے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ چہرہ اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ
حصہ سر میں داخل نہیں ہے۔ عہد رسالت میں عورتیں نقاب یا حجاب کے ساتھ برابر نکلتی رہیں، بلکہ
غزوات میں بھی شریک ہوئیں، جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے
لا دلا کر لاتی تھیں اور لڑنے والوں کو پانی پلاتی تھیں، اسی جنگ احد میں ام سلمہؓ اور ام عاتکہؓ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں ہر طرف رہ کر آپؐ کی حفاظت کے لئے جہاں لڑائی ہوئی نظر آتی تھی
ام عاتکہؓ تو دشمنوں کے ہاتھوں زخمی بھی ہوئیں، اسی جنگ میں ربیع بنت معوذہ خواتین کی ایک جماعت
کے ساتھ زخیب کی مرم پٹی میں مشغول تھیں، اور مجروحین کو اٹھا اٹھا کر مدینے لے گئی تھیں، جنگ خندق
میں ام سلمہؓ ایک خبر ہاتھ میں لئے پھر رہی تھیں کہ اگر کوئی مشرک ان کے قریب آیا تو وہ اس کا پیٹھا
پھاڑ دیں گی، غزوہ خندق میں حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ نے بڑی بہادری دکھائی، بنو قریظہ
کا ایک یہودی وہاں پہنچ گیا پہلے تو تھیں، حضرت صفیہؓ نے اپنے خیمہ کے ایک ستون سے اس کو
کیا، ام علیہؓ رسول اللہؐ کی سات لڑائیوں میں آپؐ کے ساتھ رہیں، کیمپ کی حفاظت کرتا، سپاہیوں
کے لئے کھانا پکا کر، زخیبوں اور پیادوں کی تیمارداری کرتا ان کے سپرد تھا۔ حضرت عائشہؓ تو
جہاں کی سربراہی خود ہی کر رہی تھیں۔

ان مثالوں سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی ضرورت اور مصیبت کے وقت عورتیں گھر سے باہر نکل کر میدان جنگ میں بھی کلام کر سکتی ہیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ضرورت مصیبت اور لڑائی ہو یا نہ ہو، عورتوں کو عکس جنگ میں کوئی نہ کوئی ملازمت ضرور دہی جائے، کیونکہ عہد رسالت میں خواتین میدان جنگ میں کلام کرتی رہیں یا ان کو کمانڈر ان چیف اس نے مقرر کیا جائے کہ حضرت عائشہؓ سپہ سالاری کا فرض انجام دے چکی ہیں، حضرت عائشہؓ یہودیہ جنگ میں خدمات انجام دینے کے بعد اپنے گھروں ہی کی طرف پلٹ آئیں، کیونکہ اسلام کی تعلیم کے مطابق عورت کی اصلی راہدہائی اس کے شوہر کا گھر ہے، جہاں بخاری شریف کی حدیث کے مطابق وہ حکمران بن کر رہتی ہے اور وہیں اپنی اس حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جواہد ہے،

(بخاری شریف کتاب الاحکام باب قول النبی ﷺ الطبیعو اللہ والطبیعو الرسول واولی الامر)

وہ گھر کے اندر اس لئے نہیں رہتی ہے کہ مرد اس پر ظلم کر کے اس کو چار دیواری میں مقید کر دیتا بلکہ وہ نسوانیت کی حیا، شرم، عظمت اور سلطوت کا پیکر بن کر گھر کی زینت بنی رہتی ہے، اسی میں انکی نسوانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت اسماءؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اے رسول اللہ! مرد ہم سے ہازی لے گئے، رسول اللہ نے پوچھا اے اسماء کس طرح؟ عرض کیا مرد کے لئے نماز جمعہ فرض ہے، وہ اس کا ثواب سمیٹتے ہیں نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہیں، جہاد میں جا کر شہید ہوتے ہیں یا غازی اور عورتیں گھروں میں بیٹھ کر ان تمام ثواب سے محروم ہیں، وہ صرف بچے پالتی ہیں، مردوں کے لئے کوئی پکاتی ہیں اور چھلے جھونکتی رہتی ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسماء تم عورتوں سے کہہ دو جن کی نمائندہ بن کر تم آتی ہو کہ مرد باہر کے اتنے کام کر کے مدد مانگ پاتے ہیں، عورتیں گھر میں رہ کر بچوں کو تربیت دیتی ہیں، مردوں کے لئے کھانا پکاتی ہیں، گھر کا سکون بہم پہنچاتی ہیں تو درجے میں تم دونوں برابر

نہیں کہ مرد کو زیادہ دھت میں لاد کر رکھیں۔

گھر کے اندر رہنے کے باوجود کہان ایسے تمدنی، معاشرتی اور معاشی حقوق ہیں جو ہر تہذیب میں ملے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ عورت پر بھی فرائض ہیں ویسے ہی اس کے حقوق بھی ہیں۔
 آں عرب میں ہے کہ جس تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہ کروں گا۔ (نور ۳۰)
 ہوا عورت تم سب ایک دوسرے کی جنس ہیں، (آل عمران ۴۰)

اور آج یورپ یا امریکہ کو اپنی صحیح یا غلط فہم کی آزاد دینی نسواں پر جتنا بھی ناز ہو لیکن یہی عورت ابتدائی دور کے انڈیا اور اویلیٹ کے بارہا میں تر تو رہاں اور کرائی سوسائٹم کی تعلیم یہ تھی، عورت ماں کے آئے گا اور ماں شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی خدا کے کافلوں کو توڑنے والی، مرد کو ت کرنے والی، ایک ناگزیر برائی، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک طاقت گرد برائی ایک آفاتہ مصیبت ہے، مگر تقریباً اسی زمانہ میں رسول اللہ نے ماں، بیوی، بیٹی کے جوہر آج کے اس پر آج بھی انسانیت ناز کر سکتی ہے، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! بھیر حسن سک سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا: تیری ماں کا، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں کا، اس نے پوچھا رونی؟ فرمایا: تیری ماں کا، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ۔ اللہ نے تم پر ماں کی تفریق رقی مٹھی حرام کر دی ہے، (بخاری کتاب الادب)

اسی طرح اپنے فرمایا کہ دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے، (نسائی کتاب النکاح)
 بھی فرمایا کہ جس نے دوڑا کیوں کی پرورش کی وہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اسی طرح آئیں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں (صحیح مسلم کتاب البر)
 (اصول باب فضل الاحسان الی البیات) خود رسول اللہ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اپنی محبت کے جو نمونے پیش کئے ہیں ان سے ہم معنوں میں نسوانیت کا درجہ بلند ہو گیا ہے۔

گر ہمارے تہجد پسند حضرات ان مولویانہ مواظک پر وہ کی حمایت میں موجود ہیں تو ان کے لئے تیار نہیں۔ وہ تو قرآن حکیم، حدیث شریف، اور اسلامی روایات کی ایسی کادیں اور قیصری چاہتے ہیں جن سے موجودہ دور میں عورتوں کو وہی آزادوی حاصل ہو جو غلطیاں کھمبہ مغربی ممالک میں ہے، اب سے بہت پہلے جسٹس امیر علی کی اسلامی حیت اور غیرت پر مسلمانوں کو نالائق، انھوں نے اسپرٹ آف اسلام اور ہسٹری آف سرائیز لکھ کر مسلمانوں کے بگڑے ہوئے ذہن کو اسلامی بنایا، مگر انھوں نے اپنے زمانہ یعنی ۱۸۹۹ء کا ایک انگریزی رسالہ مسیحیت پیچیدہ میں یہ لکھتے ہیں تال نہیں کیا کہ

یہ مبارقہ، نقاب اور خمار بطریقوں کے آخری زمانہ میں رائج ہوا، اور جس قسم کا پڑا
آج کل مسلمان ہند میں رائج ہے خلفاء کے زمانہ میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا،
بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں، ساتویں
صدی ہجری کے وسط میں جب خلفاء ضعیف ہوئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت
کو دھم برہم کیا تو اس وقت اس پر نزارع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ منہ اور پاؤں
اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں کہ نہیں؟

جسٹس امیر علی کی اس پر مذکور برکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی بیوی ایک انگلتانی خاتون
تھیں، ان کی موجودگی میں وہ اس پردہ کی حمایت کیسے کر سکتے تھے جس کے احکام قرآن حکیم میں
ہیں، مولانا شبلی نے ایک طویل اور مدلل مضمون میں اس کا جواب دیا کہ پردہ کے متعلق تمام دنیا
میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر
نہیں نکلتی تھیں، اور بجز کسی خاص حالت کے نا عزموں سے منہ چھپاتی تھیں، یہاں تک کہ یہ امر
معاشرت کا سب سے بڑا اور مقدم مسئلہ بن گیا تھا، (پردہ اور اسلام، مقالات شبلی جلد اول ص ۱۱)
مگر اب مسلمانوں کی معاشرت کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ یہ بنا ہوا ہے کہ پردہ پہننے کے لئے ہے یا نہ

بالک مدد بھی ہوئی ہے کہ جو رتیں پردہ میں کیوں رہیں اس کے مقابلہ میں یہ آواز ضرور اُٹھتی
 کیوں نہ رہیں مگر اب یہ آواز لاخف اور کمزور ہوتی جا رہی ہے، مگر دونوں فریقین کے ممالک
 جو فرق ہے وہ قابل غور ہے، بے پردگی کے حامی مستقبل کو سامنے رکھ کر اپنے دلائل دیتے ہیں جن
 بات، ظلمات اور احتمالات کو زیادہ دخل ہوتا ہے، پردہ کے حامی جو کچھ کہتے ہیں وہ انہی کے
 ہدایت، تجربات اور یقینیات پر مبنی ہوتا ہے، بے پردگی کے حامی کہتے ہیں کہ سائنس کی ترقی و
 معمولی تمدنی، معاشرتی، صنعتی اور معاشی انقلابات پیدا ہو رہے ہیں ان میں اپنے نصف بہتر
 حصے باہر نکال کر ان کو فعال اور محرک بنایا گیا تو ترقی یافتہ ممالک کی طرح ہمارا معاشرہ بھی
 ترقی مند تو ناخوشحال اور شاندار ہو سکتا ہے، ہم نے بھی گولڈن ایمر ہسٹریز لکھ دی ہیں اور مسز تھیو
 رکے تو ہماری سیاست بھی بہت آگے بڑھ سکتی ہے مگر ممکن ہے کہ یہ محض خیالی جنت ثابت ہو
 بلکہ کوئی ضروری نہیں کہ ہم جو سمجھیں یا خواہش کریں وہ ہو بھی جائے۔

پردہ کے حامی صدیوں کے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر کہتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک کا
 اشارہ خوشحال اور مادی حیثیت سے شاندار ضرور ہے، مگر وہ قلند اور صحت مند اس لئے نہیں
 اچھا سکتا ہے کہ ان کے یہاں کی بے پردگی کی وجہ سے ان کی خانگی، خاندانی، اخلاقی اور روحانی
 سرتیں چین لی گئی ہیں، اور کیا تصور کرنا صحیح ہو گا کہ ہر زمانہ میں مسز تھیو اور مسز انڈرا گاندھی بیدار
 رہتی رہیں گی، انگلستان میں وزارت عدلیہ کے لئے کوئی ڈس رائی، کوئی گھنڈا اسٹون، کوئی چمبر لین
 دی چرچل اور اٹلی تو پیدا ہوتا رہے گا، لیکن ایک مسز تھیو صدیوں کے بعد ہوئی ہیں، اور شاید صدیوں
 کے بعد ہی دوسری مسز تھیو پیدا ہوں، ہندوستان کی پوری تاریخ میں صرف ایک مسز انڈرا گاندھی
 پیدا ہوئیں، اس کی تو امید کی جاسکتی ہے کہ ہر زمانہ میں ہندوستان میں کوئی نہ کوئی مرادھی ڈیسا
 اور چرن سنگھ پیدا ہوتے ہیں مگر شاید دوسری مسز انڈرا گاندھی نہ پیدا ہو سکیں ان کی تالیف میں

ولید بن عبد الملک ہارون رشید، عبد الرحمن ناصر، نور الدین دکنی، صلاح الدین ایوبی وغیرہ
 غزنوی، شمس الدین اہلتمش، اکبر شاہ جہاں اور اورنگ زیب جیسے حکمران پیدا ہوئے۔
 مسلمانوں کو آج تک ناز ہے۔ مگر اس پایہ کی کوئی مسلمان عورت حکمران نہیں گذری۔ خود اللہ تعالیٰ
 نے ان کی تخلیق کا مقصد بھی یہی قرار دیا ہے کہ وہ جلیل القدر فرمانروا کیا بلکہ انبیاء پیدا کر سکتی
 ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو نبوت نہیں دی، عیسائیوں نے حضرت مریم کو تثلیث
 کے ذریعہ سے الوہیت کا درجہ دیا لیکن کلام پاک نے اسکی نفی پورے طور پر کی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت
 کاملہ سے حضرت مریم کے بطن سے بن باپ کے حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا لیکن حضرت مریم کو نبوت عطا نہیں
 کی، نسوانیت کی تکمیل بلکہ معراج اسی وقت ہوتی ہے جب عورت کی گود بھر جاتی ہے، خواہ یہ گود بھر زوالا آگے
 چل کر نبی ہو، یا فلسفی یا ادیب یا مولف یا سائنسدان یا دفتر کا ادنیٰ کلرک۔ یا فیکٹری کا مزدور ہی کیوں نہ ہو۔
 پردے کے حامی اپنے ماضی کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ عورتوں کی خانہ نشینی کی وجہ سے معاشرے
 کے توانا، تندرست، خوشحال اور شاندار ہونے میں کب رکاوٹ ہوئی۔ بنو امیہ نے جو عرب اسیا
 بنایا، تو اوڈور ڈگن کا بیان ہے کہ یہ دو سو دن میں طے ہوتا قلعہ اسکی سرحد ہندوستان اور تاتاریوں
 کے علاقہ سے پھیل کر بحر ہند یا فوس کے ساحل تک تھی، بنو امیہ کی ایک شاخ نے اندلس میں جا کر
 حکومت قائم کی، تو بقول موسیو لیبان یہ یورپ کی حکومت کی سر تاج بن گئی، بنو عباس کے بعض حکمرانوں
 نے رومن امپائر سے ٹکرنے کے بعد ان کو جزیرہ اور خراج ادا کرنے پر مجبور کیا، دولت عثمانیہ نے تورک منسلک
 کو ختم ہی کیا، اور ان کا امپائر رومن امپائر سے زیادہ شاندار بن گیا تھا، ہندوستان کی مغل حکومت
 بقول کے۔ ام پینکر شاہ جہاں کے دور تک آتے آتے دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور ترین اور متحدہ
 ترین حکومت بن گئی تھی، ان تمام حکومتوں کے زمانہ میں عورتیں چراغ خانہ ہی بنی رہیں، میدان
 جنگ یا دفروں یا کارخانوں میں کام کرتی نہیں پائی جاتی تھیں۔

ظہورِ حق سے اقبال کی نظر اسلام کی پوری تاریخ پر رہی، اس نے انھوں نے محبت کی
 ایسی کا مقصد اہمیت قرار دیا ہے جس کی تکمیل جوت کی ہو جس میں نہیں بلکہ خدمت کی خوبی
 رہ جاتی ہے، ان کے نزدیک اہمیت اپنی تکمیل کے بعد شفقت پیغمبری سے قریب ہی جاتی ہے،
 اسی اہمیت سے قوموں کی سیرت بنتی ہے، کہتے ہیں :

نیک اگر بیسی اہمیت است	ناگہ ادباً بانہوت نسبت است
شفقت و شفقت پیغمبر است	سیرت اقوام را صورت گزشت
اذا اہمیت پختہ تر تعمیر ما	در خط سیمائے او تعمیر ما

(دروازے خودی ص ۱۴۹)

اقبال نے اسلامی احکام ہی کے مطابق یہ قرار دیا ہے کہ عورت کا اصل نگہبان مرد ہی ہوتا ہے
 کہتے ہیں :

اک زندہ حقیقت میرے سیز میں رہتا	کیا کچھ گادہ جس کی رگوں میں ہو سوتا
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی ہو	نسوانیت زن کا نگہبان ہو قطعاً ہو
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نبھایا	اس قوم کا غور شد بہت جلد ہو اند

مگر مرد کی نگہبانی میں رہنے والی عورت ہی مردوں کی سیرت بنانے والی، ان کے ہاوس کا پھوڑ
 رکھنے والی قوت دیں، اس قوت اور ایمان نعت میں حق اور سوز دیں ہوتی ہے۔ مخدراتِ اسلام
 سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں :

لے رویت پردہ ناموس را	تاب تو سراپا یہ فنا فوس را
طینت پاک تو ما را رحمت است	قوت دین و اساس ملت است
کو دکھ ماچوں لب از شیر لاشست	لا الہ آموختی اورا نمشت

در نفس ہائے آلودہ و نجس

نہ این خست آنجی حق

(روز بے خودی ص ۱۵۲)

اقبال کے نزدیک عذرات اسلام سے مراد وہ خواتین ہیں جو چراغِ فانی بنی ہیں، وہ ہیں جو شمعِ محفلِ بنی کی کوشش کرتی ہیں جن کے بارے میں اقبال نے کہا ہے

ہاں تھی آغوشِ نازک پیکرے خانہ پرورد نگاہش عشرے
فکر از تابِ مغربِ روشن است ظاہرِش زنِ باطنِ او نازک است

(روز بے خودی ص ۱۵۰)

آخر میں یہ کہنا ہے کہ پردہ سے متعلق احکامِ الٰہی ہوں یا حکمِ الامت کی فسطحِ ازلی ہوا اس پر تھوڑی دیر کے لئے مذاکرہ، مناظرہ، مجادلہ اور مباحثہ تو کر لیجئے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں بے پردگی کی جولہ نہیں بلکہ جو سیلِ رواں چل کھڑا ہوا ہے وہ روکے نہیں رک سکتا، اسلامی ملک کی عورتوں کی اکثریت باہر نکل پڑی ہے اور وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ وہ مردوں کی طرح اشرف المخلوقات میں داخل ہیں تو کیوں نہیں کائنات کی کھلی فضا میں کائنات کی تمام چیزیں مستفیض ہوں، وہ چار دیواری کے اندر کیوں ہیں، عورت اپنے جسم کی ساخت اور دوسری حیثیت سے مردوں سے چاہے مختلف کیوں نہ ہو، وہ جب مردوں ہی کی طرح شہسواری کر سکتی ہے، موٹر چلا سکتی ہے، پانکٹا بن سکتی ہے، بندوٹ چلا سکتی ہے، پیر کر دیا عبور کر سکتی ہے، ہاکی کھیل سکتی ہے، سیاست کی گتھوں کو ٹھہرا سکتی ہے، تصنیف و تالیفِ افسانہ و ناول لکھ سکتی ہے، سائنس کے تجربات میں حصّے لے سکتی ہے، ملک کے فلاحی کاموں کو بہتر سے بہتر انجام دے سکتی ہے تو وہ چار دیواری کے اندر صرف الامت کے فرائض کیوں انجام دینے پر قناعت کرے۔ کیوں نہیں مردوں کی طرح زندگی کے تمام لوازمات سے مستفیض ہو۔ ان کو نئے اخلاقی اور معاشرتی قدریں مردوں سے مختلف کیوں متعین کی جائیں، وہ ان کے تردیدی جواب

ہتھ کے لئے تیار نہیں، مگر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ پر دگی میں بھی وہ سب کچھ ہو سکتی ہیں جو اسلام
چاہتا ہے۔

زمانہ ان کے حق میں قیامت کی طرح چل چکا ہے، اس لئے اب احکام الہی کے پابند بڑے بڑے
زمانہ کو آئندہ کی نئی نسلوں کے حوالہ کر دیں کہ وہ استلزام کریں، اور دیکھیں کہ بے پردگی سے جو معاشرہ
آئندہ کے لئے بنے گا اس میں عورتیں، خدیجہ، عائشہ، فاطمہ، زینب، ام اشاعر، ام سلمہ، ام
حلیہ، اور ام حارثہ وغیرہ بن کر رہیں گی، ان کے بیٹے ان کی نافرمانیوں کو حرام قرار دیں گے، ان کی بیٹیاں
اپنے باپ کو قیامت کے روز رسول اللہ کے ساتھ چلتے دیکھیں گی، وہ مردوں کی ناموس کی پردہ دانا کو
سوائے ناموس کی کتاب، دین کی قوت اور ملت کی اساس ثابت ہوں گی، یا بے پردگی سے ایسا معاشرہ
بنے گا، جس میں یہ عورتیں مردوں کی محض ذوق نظر اور سوز جگر کی تسکین بن کر رہ جائیں گی، یا یہ
معاشرہ مرد نمونٹ، زن مذکور بوائے فرنیڈ، گرل فرنیڈ، کورٹ شپ آزادانہ خوش وقتی، عریانی،
جوڑواں ناچ، کنواری ماؤں، حسن گاہوں، بانہوں کو خوبصورت بنانے اور بال سوارنے کی دکانوں
الٹ کدوں، حسن کی نمائش کے بے پناہ جذبہ افشش کے قیمتی لباسوں اور حسن افزائی کے مختلف النوع
سلطانوں کی حرص کا معاشرہ ہو جائے گا، زمانہ خود بتائے گا کہ آئندہ کون سا معاشرہ مرتب ہو کر رہے گا۔
اسے اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کہہ کر فاش مجبور ہیں، معذرت ہیں مردانِ خردمند

سیرۃ النبی جلد ششم

اس میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور فضائل و رذائل اور اسلامی ادب کو قرآن و حدیث
و اسوۂ رسول کی روشنی میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہو گا کہ پیغمبر اسلام
کا مقصد عبادات کے ساتھ اخلاق کی بھی تعلیم دینا تھا، جن کو اختیار کے بغیر کوئی کامل مسلمان نہیں ہو سکتا
دونوں لازم لزم ہیں، قیمت ۱۔۔۔ ۴۰ روپے۔

الحیات غزل

از جناب بنت کمار ایڈوکیٹ، صاحب گنج کھنڈ

منزل پر کھینچ لائی رو پر خطر مجھے
آیا جو میکے میں تو چھلکے گلے میں جام
دیر و حرم سے کو چہ جانوں کو لے گیا
میں ہم کلام جلوہ فوراً ازل سے ہوں
بر نیے سے ہو گئے پیانہ و سبو
وہ راہرو ہوں جس کی ہو منزل کو جستجو
ترک تعلقات بیباک شہر ہے
میں نے کیا سوال نظر سے تو نہیں دے
دیکھا مجھے تو دیکھ کے چپ ہو گئے ہیں وہ
منزل نے بڑھ کے چوم لئے راہ میں قدم
یہ ہے نصیب اپنا یہ ہے اپنی اپنی بات
آنسو بہا کے جھوٹے مجھے بس میں کر لیا
دلت سے تھا تلاش میں شیخ حرم کی ہیں
ترک تعلقات پر پھپھار ہے جو کیوں

دہزن لے تھے یوں تو کئی کام پر مجھے
اٹھا تو دیکھنے لگے دیوار و درجے
لے جائے گا کہاں یہ فریب نظر مجھے
دنیا سمجھ رہی ہے ابھی بے خبر مجھے
جب وہ سما و ست اٹھی دیکھ کر مجھے
آواز دے رہی ہے ہر اک رہ گزر مجھے
آنا نہ اب سے یاد کہیں بھول کر مجھے
کیا مختصر ملا ہے جواب نظر مجھے
انجان بن گئے ہیں وہ پہچان کر مجھے
عزم و یقین نے دے دیا رختِ سفر مجھے
اُن کی خوشی لی تو ملی حشیم تر مجھے
باد و جنگا کے چپ ہے تری چشم تر مجھے
ڈھونڈا تو میکے میں کل آیا نظر مجھے
کہوں یاد کر کے روتے ہوشام دگر مجھے

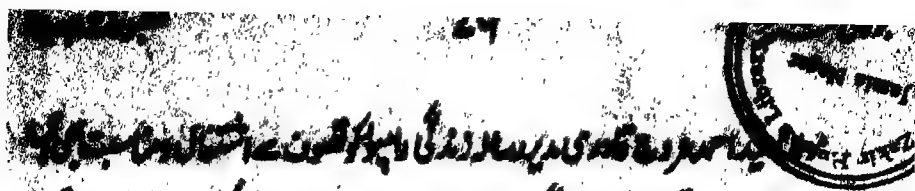
چتا رہا میں راہ و صداقت پر اسے بہت
بہکا کے نہ راہزن در راہ ہو مجھے،

مطبوعات جدیدہ

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (مرتبہ جناب ثروت مولت صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ،
حصہ اول، دوم و سوم) کتابت و طباعت اچھی، صفحات بالترتیب ۱۰۰، ۱۲۰، ۵۵۶،
۲۲۲، قیمت ۳۶۱، ۲۶۷ و ۳۶۷ روپے، پتہ: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۳۱ ای ٹی ٹاؤن
لارکٹ، لاہور، پاکستان۔

جناب ثروت مولت پاکستان کے اچھے اہل قلم ہیں، اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں
ان کے مضامین اور کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، اسلامی تاریخ اور دنیا کے اسلام کے حالات
و مسائل ان کی دلچسپی اور توجہ کا خاص موضوع ہیں، انھوں نے اس کتاب میں ملت اسلامیہ
کی سرگذشت اور رد واد قلبند کی ہے، اس اعتبار سے یہ گذشتہ چودہ سو برس کی مسلم حکومتوں کے
اہم واقعات و حالات کی تاریخ اور ان کے عروج و زوال کی داستان ہے، جو چار حصوں میں منسلک
ہوگی، ہمارے پیش نظر تین حصے ہیں، پہلا حصہ ۲۳ ابواب کا مجموعہ ہے، یہ ساتویں صدی ہجری کے
نصف تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اس کی ابتدا آغاز اسلام یعنی عہد نبوی سے ہوئی ہے اور اختتامہ
زوال بغداد پر ہوا ہے، شروع میں اسلام سے پہلے کے بعض مذاہب اور دنیا کے حالات کا ذکر ہے،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گئی و مدنی زندگی کے ضمن میں آپ کے مختصر سوانح اور کلام بھی تحریر
کئے ہیں، ایک باب میں مدینہ کی ریاست اور معاشرہ کے خط و خال کا تذکرہ اور اس کی نمایاں خصوصیات
بیان کی گئی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا اور جس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر
مبنی تھی، پھر خلافت راشدہ اور اس عہد کی فتوحات اور اہم کارناموں کا ذکر ہے، اسی جلد میں اموی و
عباسی سلطنتوں غرض ہیں، سلطنتوں اور خودیوں کے واقعات کا تذکرہ ہے، آخر میں اندلس میں اموی

حکومت کے قیام و زوال مشرقی میں عباسیوں کی حکومت کے خاتمہ، سقوط بغداد اور حکمرانوں کے بے گناہ
 ذکر ہے، بغداد کے عروج کے عنوان سے دو ابواب میں عباسیوں کے عہد میں مختلف حیثیتوں سے اس کی
 ترقی دکھائی گئی ہے، آخری باب مسلمانوں کے عروج کے دھماکوں کے خاتمہ، عہد میں عباسیوں کی
 مجموعی فوجیوں اور خصوصیات پر تھمرہ کیا ہے، دوسری جلد ۲۶ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں مسلمانوں کی
 زیر نگین ملکوں اور حکومتوں کی اس زمانہ تک کی تاریخ قبلہ کی گئی ہے، جب اسلامی فوجیں مغرب کا تسلط و
 اقتدار قائم ہوا، اس طرح اس جلد میں ساتویں صدی کے نصف آخر سے بارہویں صدی کی ابتدا تک
 کے واقعات زیر بحث آئے ہیں، اس کی ابتدا چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں کے تذکرہ سے ہوئی ہے،
 اس میں پہلے ایلخانی حکمرانوں، وسط ایشیا کے تیموری فرمانرواؤں، مصر کے ملوک سلاطین، شمالی افریقہ
 کے موہدین، مشرقی افریقہ اور مشرق بعید میں اسلام کی اشاعت اور وہاں کی مسلم حکومتوں کا تذکرہ ہوا
 اور آخر میں سلاطین دہلی، دولت عثمانیہ، وسط ایشیا کے انک اور ہندوستان کے مغل فرمانرواؤں کا ذکر
 ہے، مغلوں کے انحطاط اور یورپ کے عروج کے ضمن میں محمد شاہ سے بہادر شاہ کے عہد تک کا تذکرہ ہے
 اسی سلسلہ میں شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کی تحریک جہاد، نادر شاہ اور احمد شاہ قاجار اور افغانی
 حکمرانوں احمد شاہ ابدالی وغیرہ کا ذکر ہے، آخر میں آل عثمان کے زوال اور شمالی اور مغربی افریقہ پر
 انگریزوں کے تسلط کا حال بیان کیا ہے، اور آخری باب اسلامی دنیا کی بیداری میں عہد میں محمد علی
 سعودی حکومت، سنوسی تحریک اور جمال الدین افغانی کی اصلاحی کوششوں کا ذکر ہے، تیسری جلد
 میں موجودہ دور کے مسلم ملکوں کی تاریخ پیش کی گئی ہے، اس میں انڈونیشیا، فیلیپائن، برونائی، پاکستان
 بنگلہ دیش، کشمیر، افغانستان، ایران، ترکی، عراق، شام، لبنان اور اردن کی حکومتوں کے موجودہ حالات
 و مسائل پر بحث و گفتگو کی گئی ہے، باقی ملکوں کا تذکرہ چوتھی جلد میں ہو گا۔ پہلے بطور پس منظر اسلامی
 تاریخ کے امتیازی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے، پھر مغربی و اسلامی نظریات کے تضاد پر گفتگو کی ہے اور



اور وہ صاحبِ نسبت و تعلق بھی ہیں، مگر وہ خاص اسلامی تصوف اور اس کی غریب کے جوہرِ حق و معترف ہیں وہاں سرتوہ تصوف اور اس کے بعض اعمال و اشغال اور تقاضے کے ناقد بھی ہیں، مثلاً اس سے اس کتاب میں انھوں نے تصوف کی مندرجہ ذیل تین اہمات کے کجا مٹھ لیا ہے (۱) کشفِ محبوب (حضرت سید علی ہجویریؒ) (۲) فوائد الغواہ (ملفوظات حضرت خواجہ غلام الدین دہلویؒ) (۳) کشتِ اہلباب حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، لائقِ مصنف نے ان کتابوں کے بارہ میں اپنے مطالعہ کے نتائج پیش کئے ہیں، پہلے انھوں نے ان کتابوں کا مختصر تعارف کرا کے ان کی اور ان کے مصنفین کی عظمت بیان کی ہے، پھر ان کے مندرجات کا جائزہ لیکر ان کی بعض مفید اور قیمتی بحثوں کو نقل کیا ہے، آخر میں ان کتابوں کے بعض ایسے مندرجات کی نشاندہی کی ہے جو ان کے نزدیک کتاب و سنت کی تصریح اور اسلامی تعلیم و ہدایت کے منافی ہیں، اس سلسلہ میں ان کتابوں کی بعض بے سرو پا حکایتوں اور روایتوں کی تردید بھی کی ہے، کتاب کا خاتمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ایک بیان کی تردید پر ہوا ہے، جو حضرت مجددِ صاحبؒ کی مدح و منقبت پر مشتمل ہے، لیکن یہ مصنف کے بعض خیالات سے کچھ لوگوں کو اتفاق نہ ہو، مگر ان کا یہ موقف درست ہے کہ انھوں نے ان کتابوں کے مندرجات کے رد و قبول کا معیار کتاب و سنت کو بنایا ہے جو نہ صرف تصوف بلکہ دوسرے فنون کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی صحیح و مناسب معیار و اصول ہے۔

تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر (عربی) : مرتبہ مولوی عبدالرحمن عبید اللہ

رحمانی مبارکپوری، تقطیع متوسط، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۴۰،

قیمت تحریر نہیں، پتہ : مکتبہ رحمانیہ، رانی پور، اعظم گڑھ، اتر پردیش۔

مولوی عبدالرحمن مبارکپوری نے اپنے والد بزرگوار مولانا عبید اللہ رحمانی کے ایام سے یہ سالہ

لکھا ہے، جس حدیث کے مصلحت کا تعریف و ترویج کی گئی ہے، یہ دراصل ان کے دلائل و اسرار کی تمام باتیں تصنیف مرآۃ المفاتیح کا دیا ہے جو حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی بڑی شرح ہے، مصنف نے عام فائدہ اٹھانے کی حدیث کی سہولت کے لئے اسے طوماروں کی صورت میں بھی شائع کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ دوسرے اڈیشن میں مزید وضاحت کے لئے، مصطلحات فقہ کی مثالوں کا اضافہ بھی کریں گے، اصول و مصطلحات حدیث پر متعدد درجے لکھے گئے ہیں یہ بنیادی ان میں ایک اچھا اضافہ ہے جو حدیث کے طلب کے مطالعہ میں آنے کے لائق ہے۔

میری سیاسی سرگزشت : مرتبہ جناب مظفر حسن صاحب، تقطیع متوسط،
کائنات کتابت و طباعت بہتر صفحات ۹۹ جلد مع گرد پوش، قیمت پندرہ روپے، پتہ:
از مصنف، لال باغ، لکھنؤ۔

جناب مظفر حسن شروع ہی سے کانگریس سے وابستہ تھے، ایک زمانہ میں وہ صوبائی کانگریس کے سرکردہ لیڈر اور اتر پردیش حکومت کے اہم وزیر خیال کئے جاتے تھے، یہ کتاب ان کی گزشتہ سیاسی سرگرمیوں کی داستان ہے، اسکی ابتدا ہوم رول لیگ سے ہوئی ہے، اس کے بعد خلافت، نان کوآپریشن کانگریس کی جنگ، آراء انقلابی جدوجہد کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں جماعتی اور اسمبلی انتخابات، مسلم لیگ اور خود کانگریس کے مختلف گروہوں کی باہمی کشمکش وغیرہ کا ذکر بھی آگیا ہے، اس سرگزشت کا خاتمہ کانگریس کے دو حصوں میں منقسم ہونے اور جنتا پارٹی کی تشکیل اور اسکے افسوسناک انتشار پر ہوا ہے، مصنف کانگریس کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو نام و نمود اور عمدہ و منفعت کے بھانگ دوڑ کرنے کو بجائے بے لوث خدمت اور ایثار و قربانی کو ہر چیز پر مقدم خیال کرتی تھی، اس لئے یہ سرگزشت اصلیت اور واقعت پر مبنی ہے، البتہ مصنف کا تعلق آباد کو ہے، اس لئے انکی سرگزشت کا خاص طور یہ اور اسکے متصل اضلاع ہی ہیں، تاہم اس میں صوبہ کانگریس کے اکثر مشہور قومی کارکنوں کا بھی

تذکرہ ہے، یہ قطاق ہے کہ ہندوستان کے گزشتہ اور موجودہ وزیرِ عالم اور کئی عظیم شخصیات کا تعلق بھی اسی شہر سے ہے، مظفر صاحب نے ضلع اور صوبہ کی سطح پر ان سب سے اپنے تعلق و تعلق کی تفصیل بھی کہیں کہیں دی ہے، وہ ایک پرانے اور تجربہ کار قومی کارکن ہیں اس لئے ممکن تھا ان مسائل کے بارہ میں ان کی رائے بآزمنہ ہے، ایک جگہ لکھے ہیں:

”لال بہادر جی کی عجیب شخصیت تھی، ہم لوگوں سے پوری ہمدردی رکھتے اور ان لوگوں سے خفا، وہ لوگ بھی ہم سے کم ان سے برگشتہ نہ تھے، لیکن شاستری جی کی کیا مثال کہ پٹنہ جی سے کبھی بہاری صفائی میں یا ان کے خلاف جلسے سے کچھ نکلتے، ہمارے خلاف قدم اٹھانے میں بھی ورینہ کرتے وہ تو لیڈر کے چشم و ابرو کو دیکھ کر اسی کے مطابق قدم اٹھاتے شاستری جی نے جو اتنی بڑی ترقی کی اس کا بس یہی ناز تھا، یہاں سے اوپر تک جو جو بھی پارٹی ہندی ہوئی دونوں طرف بٹے مٹھاس کا تعلق رکھتے اور کافی خاکساری دکھاتے، پھر اپنی بڑی کا پھرا پونا قائدہ انھیں کوٹتا، (ملاحظہ)

جتنی پارٹی کے انتشار اور اس کے بعض لیڈروں کے خط و خال نمایاں کرتے ہوئے بھی بڑی بے لاگ رائے دی ہے، مصنف کی پوری زندگی سیاسی جنگاں میں گزری، تصنیف و تالیف ان کا مشغلہ نہ تھا، اس لئے چاہے یہ کتاب زیادہ مربوط نہ ہو مگر اس سے گزشتہ قومی جدوجہاد کا مدوجہد کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

نندہ کہتے: مرتبہ جناب عروج زیدی صاحب، تقطیع توسطہ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر صفحات ۱۳۶ جلد مع خوبصورت گرد پوش قیمت بیس روپے، پتے (۱) مکتبہ جامعہ ملیک، اردو بازار، دہلی۔ (۲) نصرت پبلی کیشنز، امین الدولہ پارک، کھنؤ، (۳)

جناب صاحب زیدی اردو کے طرز اور فن کی شلوں میں اس کتاب سے اندازہ ہو گا کہ ان کی
نثر نگاری کا بھی اچھا سلیقہ ہے، اس میں انھوں نے اردو کے مندرجہ ذیل چھ شاخوں کے بارے میں
اپنے تاثرات و مشاہدات قلمبند کئے ہیں۔ (۱) شادمانی، (۲) جگر مراد آبادی، (۳) لوحِ ندوی،
(۴) رازِ مزدانی، (۵) شفیق جوہری، (۶) ماہِ نقادری، ایسے متاد اور مخصوص دلکش طرزِ تخیل
کے حامل شعرا کو موضوع بنا بھی عروجِ صاحب کی خوش مذاقی کا ثبوت ہے، یہ کتاب محض ان کے
دچھپ تاثرات و مشاہدات ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں مذکورۃ الصد شعرا کی سرگزشتِ حیات
بھی قلمبند کی ہے، اور ان کی ادبی و فنی حیثیت و اہمیت بھی واضح کی ہے، لائقِ مصنف کے ہر شا
کے بارہ میں مختصر مگر چمکانا جو تبصرہ کیا ہے، اس سے ان کے اچھے ادبی ذوق اور ادب و زبانِ کنکری
سے واقفیت کا اندازہ بھی ہو گا ہے، اس طرح یہ شعراء کا ایسا خاکہ جو دچھپ اور مطہراتی جو
کی بنا پر اباب ذوق کے لئے خاص کی چیز ہے، مصنف کی تحریر کی شگفتگی اور طریقہ ادا کی رعنائی بھی
قاری کو متاثر کے بغیر نہیں رہتی۔

سطحِ آئینہ : مرتبہ جناب فیاض ہاشمی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتاب و طباعت بہتر

صفحات ۲۰۰، جلد مع گرد پوش، قیمت ۱۲ روپے، پتہ : مغربی بنگال اردو

اکادمی سندری موہن ایونیو، کلکتہ ۷۰۔

جناب سہیل واسطی مرحوم اچھے ادیب و شاعر تھے، ان کو غزل گائی سے زیادہ مناسبت
تھی مگر ان کی نظیں بھی خاصے کی چیز ہیں، یہ مجموعہ نظموں ہی پر مشتمل ہے، اس سے ان کی حواسِ طبع
ورسندوں، نثر و مشاہدہ کی قوت اور عمدہ و ماحول سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے، یہ نظیں ایک ایسا
آئینہ ہے جس میں دورِ حاضر کے لوگوں کے اصلی خط و خالی دکھائی دیتے ہیں، اس میں دراصل ان
ذہنی و خیالی اور فکر و رجحان کی موجودہ پستی، اخلاقی و معاشرتی انحطاط اور سماج کے مختلف طبقوں

کی زندگی کی ناہمواری اور کچی کی عکاسی نوثر اور عبرتناک انداز میں کی گئی ہے۔ مصنف نے حالات کے قتل و کتل میں تضاد، کمر و فریب، داؤں پیچ اور دیا و نمود کی لٹانے بھی کی گئی ہے۔ ان حالات کے گھٹناؤں نے نہ ہی کو دکھانے کو کھانے کو کھانے کیلئے بلکہ اس کا انسانی ہمدی سے معمور ملک اپنے کرب کا اظہار بھی کرتا ہے، یہ عجوبہ مصنف کی نظر ثانی کے بغیر شائع ہوا ہے اس لئے اس میں کب کبیں نہیں وہ طریقہ ادب کی خامیاں بھی ہیں، تاہم اس میں ظاہر کئے گئے خیالات و جذبات نیک ہیں، مغربی بیگمال اردو اکیڈمی کی یہ ادب نوازی لائق تحسین ہے۔

جنوبی ہند کی اردو صحافت (۱) مرتبہ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال، تقطیع متوسط، کانپور

(۱۹۵۷ء سے پیشتر) کتابت و طباعت بہتر صفحات ۱۳۶، قیمت غیر ملحد

۱۵ روپیے، لاہوری ادیشن ۱۸ روپیے، پتے: (۱) بک ڈپوٹ انڈیا پریس اردو اکیڈمی

حیدر آباد دکن، (۲) مکتبہ جامعہ ملیٹ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

اردو صحافت پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں جنوبی ہند کی قدیم صحافت پر کم لکھا گیا اور اس کتاب میں وہاں کی شہداء سے پہلے کی اردو صحافت کا ذکر پہلے صفحہ کی اہمیت دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کی ابتدا کا ذکر

اور ہندوستان و جنوبی ہند میں لکھنے اور دوسری علاقائی زبانوں میں صحافت کے آغاز اور ہندوستان کے فارسی

اخبارات کا تذکرہ ہے، اسکے بعد ہندوستان میں اردو صحافت کے آغاز اس زمانہ کے اخبارات مختلف جگہوں میں

اردو صحافت کی روداد قلمبند کی ہے، پھر جنوبی ہند میں اردو صحافت کی ابتدا اور اس کے سائے پر رونے پر پتہ

اور اخبارات کے متعلق معلومات درج ہیں، اس میں صفحہ ۱۵ کے بعد دو اخبارات کا ذکر بھی اس نے کیا

ہے کہ ان کے سہ اشاعت کے بارہ میں غلط بیانی کی گئی تھی، مصنف نے ہر اخبار کا بارہ اشاعت کی

فہم کی ہیں اور ایڈیٹر کا مختصر تذکرہ بھی لکھا ہے، آخر میں جنوبی ہند کے شہر کی قلم و کلام مطابقت اور اس کی

خدمات و مطبوعات کا تذکرہ ہے، مصنف نے اکثر مولو کو سلیقہ اور محنت سے جمع کر کے اس پر اختلاف بھی کیا ہے

اور بعض غلطیوں کی تصحیح بھی کی ہے، مگر احوال کے بجائے کئی جگہ احوال لکھا ہے جو کھٹکتا ہے، د م

ہندستان کے مدنی کا فوجی نظام

کسی فرماں روا خانان یا فرماں روا اشخاص کی غفلت و شائنیت سے دتزل کا اندازہ ہمیشہ
ملک کی فترحات اور فوجی حالات سے کیا جاتا رہا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی آرائیں بھی لکھی جاتی تھیں
خود ہندوستان کے غفلت فرمانہا خانوں کی آرائیں بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں اور ان میں ان
کی فترحات اور جنگوں کی تفصیل لکھی گئی، جنہوں نے بابر سے لے کر ظفر شاہ تک چار پانچ سو برس اس
ملک پر حکومت کی اور بڑی بڑی فترحات حاصل کیں اور اپنے عقوبات کا دائرہ اس کی گاری سے
ہرات اور کابل تک پہنچا دیا، ان کی تاریخ بھی مرثیہ ان کی جنگوں کی اور فترحات کی تاریخ ہی لکھی
اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا کہ ان کا فوجی نظم و نسق کیا تھا، ہزار ہائی کے طریقے کیا تھے، کس قسم
کے اسلحے استعمال ہوتے تھے، میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب کیا ہوتی تھی، ان کی غفلت و غمروں کے
نام کیا ہوتے تھے، پھر ان کی ذمہ داریاں کیا ہوتی تھیں، وغیرہ وغیرہ، جب سید صباح الدین محمد علی
صاحب دارالمنین کی رفاقت میں آئے اور ان کو انگریزی کا شعبہ یاد کیا، تو سید صاحب نے ان کو یہی
کچھ موضوع دیا، جس کے لئے مواد کا تلاش کرنا پڑا، جسے شیر لانے سے کم نہ تھا، انھوں نے
دس بارہ سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے یہ مرثیہ جنہوں کے عہد کے بلکہ ہندوستان کے پورے
عہد وسطیٰ کے فوجی نظام پر ایک ضخیم کتاب تیار کر کے پیش کر دی، اس میں عہد وسطیٰ کے فوجی نظام
آلات حرب، آتش اسلحہ، بحری بیڑے، فوج کا کوچ، صف آرائی، ترتیب، میدان جنگ، جنگی چال و چل
میں لگا ہیں، غفلت فوجی عہدہ داروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل نہایت لمبے پیمانے
میں بیان کی گئی ہے، یہ اپنے موضوع پر اردو میں منفرد کتاب ہے، قیمت ۱-۲۲ روپیہ

مرتبہ

”فیجر“

سید صباح الدین محمد علی

قبرہ الاسلام دہلی کی بعض اہم تصنیفات

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری
ان کے جمادات بعد استیلاء مسائل اور فقہ
عقلی کی خصوصیات (زیر طبع)

سوانح مولانا دوم، مولانا جلال الدین دہلوی
کی فضل سوانح عمری اور ان کی شاہکار تصنیف شریعت
شریف پر مبنی تبصرہ، (زیر طبع)

موازنہ انیس ڈیویر، مشہور مشین نگار میٹریس کا
شاعری پر دیوہ، اور مرزا دیر جہان کا موازنہ
زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ
قیمت: ۱۱ روپیہ

کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا
مجموعہ جو انہوں نے مسجد کانپور جنگ طرابلس
غزوہ بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کا
حلقہ کہیں، قیمت: ۹ روپیہ

مکاتیب شبلی: مولانا کے دستوں غزویں
شکوہ کی ماحول کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ

سیرۃ النعمان اس میں نہایت عمدہ تفسیر و ترمیم کی
ملاحظہ فرمائیے، لیکچرنگ کے حالات معلوم
کا تفصیل اور اس پر تبصرہ، قیمت: ۲۹ روپیہ
سیرۃ النعمانی حصہ دوم، اقامت امن و تاسیس خلافت اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و مسائل کا
مفصل بیان قیمت: ۱۱ روپیہ

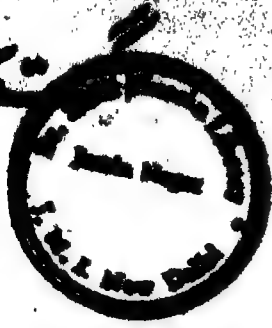
الغاروق حضرت عمر فاروقؓ کی فضل سوانح عمری
اور ان کے جمادات اور کائناتوں کی تفصیل مولانا
شہد کے قلم کی شاہکار کتاب، جس پر مصنف کو بھی
ناز تھا، قیمت: ۲۲ روپیہ

الغزالی جوہر الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ کی
سوانح عمری اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل مولانا کی
تمام تصانیف پر ایک جامع تبصرہ، قیمت: ۱۱ روپیہ

الامامون خلیفہ اماموں الرشید کی سوانح و حالات
کے علاوہ اس کے عہد حکومت کے سیاسی علمی مذاہب
اخلاقی تمدنی حالات بھی اسے دولت عبادیہ بندہ کے
مروج و کمال کا پورا تاریخ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے
قیمت: ۱۱ روپیہ

۱۹۸۲ء

جسٹریٹ نئی دہلی۔ ۱۱۔



معارف

۲۶/۱۱/۸۲

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

..... ﴿عُرْتَبَّهَا﴾>>>.....

ستید صباخ الدین عبد الرحمن

.....<<<.....

قیمت بیس روپے سالانہ

دفتری کراچی المصنفین اعظم کراچی

کاتب علیہ قبالہ (۱۰۱-۱۰۲)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
 - ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی
 - ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک بنی کتابوں کا بیچ چکا ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں منل دود سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۸ روپے

جلد دوم

اس میں منل فرمانروا بابر، ہمایوں، سیدی خاندان کے شیر شاہ اور اسلام شاہ، پھر منل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے سب سے بہترین واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

جلد سوم

اس میں اوزبک، گزیب عالمگیر، اور اس کے بعد کے منل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، زیر طبع

..... پیچھے (ترتیباً) پیچھے
.....

سید صباح الدین عبد الرحمن

جلد ۱۳۲ مہ ذی قعدہ ۱۳۰۲ء مطابق ماہ اگست ۱۹۸۵ء

مضامین

شذرات سید صباح الدین عبدالرحمن ۸۱-۸۸

مقالات

- مطالعہ سیرت اہل سنت و اہل فتنہ ڈاکٹر نثار احمد اسٹنٹ پروفیسر ۸۹-۱۰۶
- شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی
- مولانا مفتی محمد یوسف ذنگی محل جاناچ لانا مفتی محمد رضا انصاری ذنگی محل ۱۰۷-۱۳۳
- چیرمین اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ
- اشعار و قصائد کی دینی حیثیت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا انگری ۱۳۴-۱۳۲

نیپال

شاہ محب اللہ آبادی محمد مسعود انور علوی کاکوروی ۱۳۵-۱۳۸

ریسرچ اسکالر شعبہ عربی و اسلامی یونیورسٹی

علی گڑھ

بَابُ التَّحْقِیْقِ وَالْإِنْتِقَادِ

رسالوں کے خاص نمبر - ض ۱۲۹-۱۵۰

ان بیس

- غزل چند پرکاش جوہر مجذوبی ۱۵۱-۱۰۰
- غزل محمد حسین فطرت مجملی ۱۵۱-۱۵۲
- غزل ڈاکٹر طفیل احمد مدنی آبادیونٹولا ۱۵۲
- مطبوعات جدیدہ - ض ۱۵۳-۱۶۰



شکست

گزشتہ صفحے کے خذرات میں ہندوستان کے ہندو مورخ جی وناٹھ سرکار کی تاریخ نویسی کی نوعیت کا ذکر آیا تھا، ان کی مورخانہ حیثیت کا جائزہ لے کر اور ذرا دیر نگاہ سے لینے کی ضرورت ہے۔

وہ اس ملک کے مثل حکمرانوں کے عہد اور خصوصاً مالگیریات کے جیسے مستند مورخ سمجھے جاتے ہیں، ان کی ہسٹری آف انگلک زیب کی پانچ جلدوں، سیوا جی پرلیک جلد اور فال آف دی موزل امپائر کی چار جلدوں کی بڑی شہرت ہوئی، ان کو ان تحقیقی خدمات کے صلہ میں بڑے اعزاز حاصل ہوئے، برطانوی حکومت کی طرف سے سر کا بھی خطاب ملا، ان کتابوں میں ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کو ہر نئے وقت پر اثر ہو گیا ہے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں اس میں بڑی سحر و نصیب اور حقیقت پروری ہے جس کو تسلیم کے بغیر کوئی اور چارہ نہیں، اس اثر کے پیدا کرنے میں ان کی تحریر کی روانی اور جرسنگی اور پھر وسیعان کے ساتھ ان کے طرز استدلال، مخالف آئینز معطلات اور تعیران بہت زیادہ معاون ہوئیں لیکن ان دسوں جلدوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے کہ یہ یاقا نگریزوں کے اشارے سے یا ان کی خوشنودی کی خاطر لکھی گئیں۔

انگریزوں نے مغلوں کی حکومت کو ختم کر کے اس ملک پر اپنا قابضانہ تسلط قائم کیا تو اس پر پردہ ڈالنے کو خاطر ان کی خواہش ہوئی کہ مغلوں کی حکمرانی کی بہت سی جہاں تک تصویر پریش کی جائے، اس کے لئے ضروری تھا کہ نہ صرف ان کے حکمرانوں بلکہ ان کے مذہب کی بھی زیادہ سے زیادہ بڑی مرتع آبادی کی جائے، پھر انگریزوں کو مسعود ثابت کرنے کے لئے اس زمانے کے ملک کی بد حالی، اتاری و افشار پسندی کا نقشہ بھی یہاں پیش کیا کہ برطانوی حکومت کو یہاں کے لوگ رحمت الہی سمجھنے پر مجبور کئے جائیں

مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں جو کلام اعلیٰ اور ڈاؤس نے اپنی تاریخ ہند کی دس جلدوں میں

انہم دیا وہی ہر وقت سرکار دہشتہ اندام میں اپنی ذمہ داریاں جملہ میں انہم سے کہ مگر یہ دن
خارج حقیقت حاصل کرتے رہے، انہوں نے اپنی ہسٹری آف انڈیا لکھ چکے ہیں۔ باب میں ایک مختصر لکھا
اسٹیٹ چیمبرن انڈیا کے نام سے قائم کیا جس میں لکھتے ہیں کہ کسی فرقہ کے ساتھ دھندلے کا اہلکار مسلم
ریاست میں گناہ کیا جائے، مسلم ریاست کا یہ نصب العین رہا ہے کہ سادی آبادی سے اسلام قبول کر لیا جائے،
اور جو اہلکار اسے اس کے ختم کر دیا جائے، پھر مسلم اسلامی حکومت کے شہری نہیں سمجھے جاتے۔ وہ اچھا اس میں بھی
نہ گھوڑے کی سواری کر سکتے، نہ ادا کر سکتے، اس سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں، جیسا کہ گذشتہ ماہ کے شمارے میں
ذکر آیا ہے کہ مسلمانوں کا ایک خاص ذہن بن گیا ہے، وہ لوٹ مار اور قتل کو خدا کی راہ میں انسانیت کا خاص
ترین فعل سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں، ایک مذہب جو اپنے پیروؤں کی ڈاکہ زنی اور قتل کو مذہبی فریضہ سمجھنے کی
تلقین کرتا ہو، وہ انسانیت کی ترقی اور دنیا کے امن کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ کافر کشی ایک مسلمان کے لئے دھمکنا ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے نفس
کو قابو میں رکھے، برائیاں کو دور کرے، یہ بھی اس کے لئے ضروری نہیں کہ اپنے میں زیادہ سے زیادہ رعایت
پیدا کرے، وہ اپنے انسانی ساتھیوں کے ایک خاص فرقہ کے لوگوں کو قتل کر دے، ان کی دولت اور زمین
کو لوٹ لے، تو بس اس کی روح ہشت کی مستحق ہو جائے گی، (ہسٹری آف انڈیا لکچر ۲ ص ۱۲)
ایسی بے بنیاد اشتعال انگیز اور مذہبی تحریک اسلام کا انتہائی دور کا معاندی لکھ سکتا ہے، مسلمانوں میں
مظہب کی حکومت کی مذمت جس طرح کی ہے اس کا ذکر بھی گذشتہ صفحے کے شمارے میں آیا ہے، وہ مظہب کے
لپٹا کر گرفتاری کرتے ہیں، ان کو جابجا پھینک دیتے اور اسلام کی قوت کھنکھاتے بھی لکھتے ہیں کہ ان کی نسل حق
سے فیاض اور صنف بالا کے فیاضانہ بہادری دکھانا نہیں جانتی تھی (اورنگ زیب ج ۱ ص ۱۷۰)

اور چونکہ مسلمان اورنگ زیب کو ایک اچھا حکمران سمجھتے ہیں اس لئے ہر وقت ہر کارنامے پر ہادر کرنا
کی کوشش کی ہے کہ وہ ایسا بدترین حکمران ثابت ہو کہ اس سے زیادہ کوئی اور بدتر تصویریں کیا جاسکتا

ہے (اسٹڈیز ان موغل انڈیا ص ۶۲-۶۰) اس کو راون (اودنگ زیب ص ۳ ص ۸۳) کا نام (ایضاً ص ۱۳۶) جھوٹا اور دھاباز (ایضاً ص ۲ ص ۹۴) سنگ دل اور ضمیو خلی (ایضاً ص ۱۰۰) ہر شونک ناتھ سے فائدہ اٹھانے والا (ایضاً ص ۶۵) اپنی جنسی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہونے والا (ایضاً ص ۳) ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور شروع سے آخر تک یہ اثر پیدا کیا ہے کہ اس نے پچاس برس تک اس لئے حکومت کی کہ وہ قرآنی سیاست کے مطابق ہندوؤں کی زندگی کو ناقابل برداشت بنا دے، ان کو بچا رکھا ان کو حکومتوں کی ملازمتوں سے محروم کر دے، وہ مباشرتی اور بلا واسطہ تا آتش ہو کر زندگی بسر کریں (ایضاً ص ۵ ص ۸۵) ان کے مندرجہ ذیل کو منہدم کرتا رہے، ان کے علوم و فنون کو برباد کر دے، راجپوتوں کی جلاوطنی کو کچل کر رکھ دے، قادر لینگ کی محبت میں لڑنے اور ہندوئی سوراہیہ قائم کرنے والے مرہٹوں کو تیس تیس کئے اورنگ زیب پر جو پانچ جلدیں ہیں، ان میں توجہ و تاحہ سرکار نے یہ دکھایا ہے کہ اس کے خفاں مرہٹوں کی جنگ بیشلزم کی تھی، انھوں نے مغلوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکا، اور اپنے قادر لینگ کو بھروسہ کے استیلا سے محفوظ کیا (اورنگ زیب ص ۱۲ ص ۱۲) اور پھر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ راجپوت حب الوطنی کے جذبے میں لڑتے رہے، تاکہ وہ غیر یکجہلی کی حکومت سے آزاد ہوں اور اپنے بنی راجاؤں کے ماتحت رہیں اپنی سرزمین کو گنگے کے پانی اور ہمسایہ کی بیٹیوں سے دھوئیں (ص ۵ ص ۶۹۲) مگر خال آف دی موغل ہسپارک کی چار جلدوں میں یہی مرہٹے اور راجپوت کچے اور نظر آتے ہیں،

ان چاروں جلدوں میں مرہٹوں کی سرگرمیاں جہاں بہت کچھ لکھی گئی ہیں وہاں وہ یہ بھی لکھے ہیں کہ نواب علی وردی خاں کی جہاں حکومت باقی نہیں تھی وہاں مرہٹے طاقت گزرتے رہے اور گاؤں میں ناقابل برداشت مظالم کئے، اور ان کی صفائی سے پورے بنگال میں بڑی مصیبت رہی، لوگوں سے چاندی اور سونا چھین کر ان کے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ دیتے، عورتوں کے ساتھ ہر قسم کا جرم کرتے، مندرجہ ذیل کو لگا دیتے، کچھ لوگوں کو چنگ کر جوتوں سے مارتے، ان کا نعرہ ہوتا رو پیو رو پیو، اگر روپے نہیں ملتے تو

لوگوں کی تاگوں میں پانی بھر دیتے یا جس دم کہے لگاتار (قتل و سزا ۵۰-۱۲۹)

فادر لیزا میں ہندوئی سدا بید قائم کرنے والے مرٹوں نے راجپوتانہ میں جو غارتگری کی، اس پر مختلف ابواب میں قبضہ کرنے کے بعد ہندو فتنہ سرکار لگتے ہیں کہ راجپوتانہ میں مرٹوں کی سسرگرمیاں چائیں جس تک یعنی ۱۹۵۷ء تک ایسی رہیں کہ راجپوتوں کے دلوں میں ان کے خلاف ایسی نفرت پیدا ہوئی جو اب تک قائم نہیں ہوئی ہے (ایضاح ۲ ص ۲۶۲) اسی نفرت کی بدولت پانی پت کی تیسری جنگ میں مرٹوں کی شکست فاش پر راجپوت خوش تھے، ہندو فتنہ سرکار کا یہ بھی بیان ہے کہ اس شکست کے بعد دکنی تسلط کے خلاف ہر طرف بغاوت قمی، گنگا کے دہاب، بندھیل کنڑا، راجپوتانہ اور اودھ میں ان کے خلاف شدید شتمی (ایضاح ۲ ص ۳۶۹) ہے پھر کے ملاحوں نے تو اس زمانہ کے مسلمان امرا رنجیت اور یعقوب علی اصغر کو کٹا اور کچی کے راجپوت راجاؤں سے مل کر مرٹوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی ملاح شاہ عالم کو ایک مضبوط طعراں بنا چاہا، لیکن یہ سعی زیادہ کارگر نہیں ہو سکی، خود ہندو فتنہ سرکار نے یہ لکھا ہے کہ سید علی ہمدانی سندھیا پہل دفعہ شاہ عالم کے حضور میں حاضر ہوا تو تخت کے سامنے سجدہ میں گر پڑا اھانہ پنا سر شاہ عالم کے پاؤں پر رکھ دیا، یہ منظر بادشاہ مرٹوں کی ساری غارتگری اور چہرہ دستی کو بھول گیا، اور اس کو پنا فرما دیا (قال ۲ ص ۲۳۱)

مرٹوں کی اس کردار نگاری کے ساتھ ہندو فتنہ سرکار نے راجپوتوں کے بیکر بیکر کی یہ تصویر کھینچی کہ ایک راجپوت زمین کی خاطر ہر قسم کے جرم کا ارتکاب کر لیتا، باپ بیٹے، اور بیٹا باپ کو قتل کر دیتا شریف ترین خاندان کی عورتیں اپنے بہت ہی قابل اعتماد و شہہ داروں کو زبردستی دیتیں، راجہ اپنے وفادار وزیروں کی جانیں لے لیتے، اپنے خانگی جھگڑوں میں بیسہنی ڈاکو کی بھی مدد حاصل کر لیتے (قال ۲ ص ۱۳۱)، وہ یہ بھی کہتے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا ہے کہ اورنگ زیب نے سارے علاقے فتح کئے، ہر جگہ امن وامان قائم ہو گیا، کہیں لڑائی لڑنے کی ضرورت نہیں رہی، تو راجپوت بے روزگار

ہو گئے، پھر تو وہ اپنے مشتہ داروں ہی سے لڑنے لگے، یا ڈکیتی پر آمادہ ہو گئے، یا
 اورنگ زیب سے جاگیر پانے کی خاطر اپنا مذہب بھی تبدیل کرنے لگے (مہملی تن
 اورنگ زیب ج ۵ صفحہ ۲۴۴) محمد شاہ کے زوال کے زمانے سے راجپوتوں
 میں انتشار، لوٹ مار، اقتصاد بر باد، اور لفظی زبانوں میں اتنا بڑھ کر ہی (کل ج ۱ ص ۱۱۳)
 راجپوت راجا عیاشی میں مبتلا رہنے لگے، بکثرت بیویاں رکھنے کے باوجود شائیں بھی رکھنے کے عادی ہو گئے
 جو محل کی سازشوں میں شریک رہتیں، ان کی وجہ سے راجپوتوں میں تباہی اور بر باد پاتی رہی، انہیں کا
 کیریکٹر بر باد ہو کر رہ گیا (ایضاح ۲ ص ۷۲)

جد فائقہ سرکار نے اس زمانے کے جاٹوں کی حالت گری کی بھی پوری تخیل لکھی ہے کہ کس طرح
 انہوں نے آگرہ اور دہلی کو لوٹا، لاکھوں کی رقم لے گئے، جہتوں کی بے جوتی کی، مکانات منہدم کر دیئے، وہ
 مرہٹوں اور راجپوتوں کے لئے بھی درد سبب بن گئے، پھر ان سے عاجز آکر مرہٹے، راجپوت، روہیلے اور اودھ
 کے لشکری آپس میں متحد ہو گئے، اور مغل بادشاہ شاہ ظلم کی قوت کو مؤثر بنانے کی کوشش کی تاکہ جاٹوں
 کی نوزائیدہ حکومت کا خاتمہ ہو جائے، مگر یہ کوشش بھی بلحاظ میں ہوئی (خال ج ۲ ص ۱۵۱-۱۵۲)

اس زمانے کے سکھوں کے متعلق جد فائقہ سرکار نے یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر مرہٹوں
 کی طرح بلک میل کرتے، جس طرح مرہٹے ملک گیری یا چوہہ وصول کرتے، اسی طرح وہ راکھی حاصل کرتے
 اگر کوئی یہ راکھی دینے سے انکار کرتا تو اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑتا،

جد فائقہ سرکار نے یہ ساری تفصیلات پھیلا کر خال آف دی موغل پائیکل چار جلدوں میں لکھی ہیں
 جن میں اپنی محنت، سروریت اور حقیقت پسندی کا اظہار صرف یہ دکھانے کے لئے کیا ہے کہ جب ملک بہ
 ہر طرف پر آگندگی، زبان حالی، ابتری اور افروختگی تھی تو اگر یہ نمودار ہوئے، اور یہ وقت پہنچے، اور
 کو اپنی تحریروں کے غمی پر پڑے پڑے خوش اسلوبی سے لاتے ہیں، ان کے ہم صوبہ ہندوستان پر ڈی۔ ایس۔

اب سادات کی کچھ بیویاں انہی میں ہارڈ ویل کے ساتھ کرتوں کی تحصیل کئے کہ اس کو اپنے
انہ کا سید بکلا دیں کہ ہر گرجہ و مانعہ سرکار نے اس کی اسی تعین کی ہے جیسے غلوں کے ہمارے کا کوئی ہوتی
پنے شہر آٹھ کی کرتا ہے اس کی موت و غیر و کانت ہمارے کر دی اس کا فوق نظری بصیرت اس کی
یہی قوت اپنے مقصد کا ایسا ہی کی گیل میں غیر معمولی جلت کے ساتھ اس کے عمل اقدام اور عادی ہوتا
الی قوت اور وی کی مدد ہی مل کھول کر کہ ہے اس کی فوج کے ہرزل ایک کہ کئی تیزی کی مدد رکھ کر دی
ایسی ہی تیاری سے ایک مہار قائم ہوتا ہے (قال: ج ۲ ص ۶۸-۶۹)

وہ لکھتے ہیں کہ دیئے سندھ سے گنگا کے طے میں غلام آزاد کی تھی، انیسویں صدی کے آغاز میں
برطانوی فتوحات کے بعد ہی ختم ہوئی، (قال: ج ۳ ص ۱۰۵) وہ خوش ہو کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ غلوں
کی حکومت قرانی تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے دہلیا سیاست اور یہاں کے لوگوں نے اس کی حکومت
کو اتنی سے قبول کر لیا (قال: ج ۱ ص ۶۵) انھوں نے اس پر بھی اپنی خوشی کا ادا کیا ہے کہ برطانوی
دست مصیبت زندہ رہی جنوں کے زخموں کا پھایا بن گئی (قال: ج ۱ ص ۳۳-۳۴)

اور پھر انگریزوں کی حکومت کی مدد سے اس کا حکم بالکل نہیں تھا، لکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت
کی وجہ سے ہندوستان میں جو نفاذ مانہ ہوئی، وہ دنیا کی تاریخ میں کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی، پہلی
سوسائٹی ایس کی ملک زوال پذیر ہو گئی تھی، لیکن اس زمانے میں یورپ کی حکمرانی ترقی پذیر رہی
قوت کے ساتھ اپنی اپنی سب سے پہلے ایک ایسا ادارہ کار گزار کہ تمام سلطنت ملک میں قائم ہو گیا جس سے اس
بحال رہا، اقتصاد ترقی ہوئی اور مثال سوسائٹی کی شک ہڈیوں میں خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ساحروں
کی چھڑی سے حکمت پیدا ہوئی، پھر ایک ایسی نفاذ مانہ ظہور میں آگئی جو قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد
کی نفاذ مانہ سے گری وین اور انتظامی تھی (قال: ج ۲ ص ۳۴)

ہر دمانہ سرکار یہ بھی کہ گئے ہیں کہ برطانوی حکومت ڈیڑھ سو برس تک دوشن خیالی کی حکومت رہی

ہو گئے، پھر تو وہ اپنے دشمنہ داروں ہی سے لڑنے لگے، بالآخر کین پر آمادہ ہو گئے، یا اورنگ زیب سے جاگیر پانے کی خاطر اپنا مذہب بھی تبدیل کر کے (مہلی تھن اورنگ زیب ج ۵ صفحہ ۳۴۴) محمد شاہ کے زوال کے زمانے سے جتنا میں انتظار، لٹ مار، اقتصادی بربادی اور حقوقی زبوں حالی انتظار کر رہی (خارج ۲ ص ۳۳) راجپوت راجا جیوتاشی میں جتنا رہنے لگے، بکثرت یہاں رکھنے کے باوجود دشمنان بھی رکھنے کے مادی ہو گئے، محل کی سازشوں میں شریک رہیں، ان کی وجہ سے راجپوتوں میں تباہی اور بربادی مانی رہی، اسلئے یہ کیرکٹر برباد ہو کر رہ گیا (ایضاح ۲ ص ۷۲)

جد دنا تھ سرکار نے اس زمانے کے جاٹوں کی حالت گری کی بھی پوری تفصیل لکھی ہے کہ کس طرح انھوں نے آگرہ اور دہلی کو لٹا، لاکھوں کی رقم لے گئے، عورتوں کو بے حرمتی کی، مکانات منہدم کر دیئے، مرہٹوں اور راجپوتوں کے لئے بھی درد سہاگئے، پھر ان سے عاجز آکر مرہٹے، راجپوت، روہیلے اور اودھ کے لشکری آپس میں متحد ہو گئے، اور محل بادشاہ شاہ عالم کی قوت کو موثر بنانے کی کوشش کی تاکہ جاٹوں کی نوزائیدہ حکومت کا خاتمہ ہو جائے، مگر یہ کوشش بھی بلحاظ ریس ہوئی (خارج ۲ ص ۵۱-۵۲) اس زمانے کے سکھوں کے متعلق جد دنا تھ سرکار نے یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر فوج کی طرح بلیک میل کرتے، جس طرح مرہٹے لٹ گیری یا چوتھ وصول کرتے، اسی طرح وہ راکھی حاصل اگر کوئی یہ راکھی دینے سے انکار کرتا تو اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑتا،

جد دنا تھ سرکار نے یہ ساری تفصیلات پھیلا کر خال آف دی موڈ لکھا تاکہ پاور بلدوں میں کم جن میں اپنی محنت، معروفیت اور حقیقت پسندی کا اظہار صرف یہ دکھانے کے لئے کیا ہے کہ جب کہ برطانیہ پر انگڑی، زبوں حالی، ابتری اور انفرقہ پھیلتی تھی تو انگریزوں کو ہمارے لئے، اور میرج وقت پہنچنے سے، کہ اپنی تحریروں کے غمی پردے پر بڑی خوش اسلوبی سے لاتے ہیں، ان کے ہم صوبہ ہندوستانی ڈی۔ ایس۔

کتاب مذاہن اور کتب دیگر میں اور ڈویل کے سارے کرتوتوں کی تفصیل لکھ کر اس کو اپنے
 زندہ لاش کے ساتھ لے کر اپنے گھر کو واپس کرانے اس کی ذی شعرت کی ہے جیسے مغلوں کے ہمارے کانوں کو توڑ
 اپنے شامی آٹا کی کرتا ہے اس کی موت اور گورکھ کے ساتھ اس کی اس کا فوق مغربی بعیت اس کا
 تنگی تو اپنے مقصد کا ایسا ہی کی گیل میں غیر معمولی جلت کے ساتھ اس کے علی اقسام اور اسی جوت
 والی وقت اور وہی کی مدد سے مل کر کی ہے، اس کی فتح کے جرنل ایک کو لگی تیلی کی حاکم لکھ کر دیا
 کر ایسی ہی تیاری سے ایک ہزار قائم ہوئے (قال: ج ۲ ص ۶۸-۶۹)

وہ لکھتے ہیں کہ دیئے سندھ سے گنگا کے طے میں عظیم آباد کی تھی جنہوں میں صدی کے آغاز
 برطانوی فتوحات کے بعد ہی ختم ہوئی، (قال: ج ۳ ص ۱۰۵) وہ خوش ہو کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ غلام
 کی حکومت ترقیاتی تھی یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے ممالک اس وقت اور یہاں کے لوگوں نے انگلستان کی حکومت
 کو تسائی سے قبول کر لیا (قال: ج ۴ ص ۱۵۵) انھوں نے اس پر بھی اپنی خوشی کا اعلان کیا ہے کہ برطانوی
 حکومت معیت زندہ رہی تو اس کے زخموں کا پھایا بن گئی (قال: ج ۴ ص ۱۶۱-۱۶۲)

اور پھر انگریزوں کی حکومت کی مدد سے یہاں کا حکم بدل گیا جس میں شک، لکھتے ہیں کہ برطانوی
 کی وجہ سے ہندوستان میں جو نشاۃ ثانیہ ہوئی، وہ دنیا کی تاریخ میں کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی، ہمارے
 سوسائٹی ایس کی حد تک زوال پذیر ہو گئی تھی، لیکن اس زمانے میں یورپ کی حکمرانی ترقی پذیر اور
 قوت کے ساتھ آہستہ آہستہ پہلے ایک ایسا ہمارا اور کارآمد نظام سلطنت ملک میں قائم ہو گیا، جس سے
 بحال ہوا، اقتصادی ترقی ہوئی اور نیشنل سوسائٹی کی شک پڑاں میں خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ما
 کی چھڑی سے حکومت پیدا ہوئی، پہلے ایک ایسی نشاۃ ثانیہ ظہور میں آگئی جو قسطنطنیہ کے سقوط کے
 کی نشاۃ ثانیہ سے گری وین اور انقلابی تھی (قال: ج ۴ ص ۱۶۲)

ہم دانتہ سوار یہ بھی لکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت ڈیڑھ سو برس تک روشن خیالی کی حکومت

۱

تاریخ
 ہندوستان
 کی
 پہلی
 کتاب

ہو گئے، پھر تو وہ اپنے مشفقہ داروں ہی سے لڑنے لگے، یا دیکھیں ہر آلودہ ہو گئے، یا
اورنگ زیب سے جاگسہر پانے کی خاطر راجا مذہب بھی تبدیل کرنے لگے (درسلطنت
اورنگ زیب ج ۵ صفحہ ۲۴۴) محمد شاہ کے زوال کے واسطے راجپوت
میں انتشار و بے بساری، اقتصاد برادری اور خلیفہ کی بڑوں حالی انتہا درجہ کی رہی (قلعہ ج ۲ ص ۳۳۳)
راجپوت راجا پٹاشی میں مبتلا رہنے لگے، بکثرت بیویاں رکھنے کے باوجود شائیں بھگد رکھنے کے عادی ہو گئے
بوہل کی سازشوں میں شریک رہیں، ان کی وجہ سے راجپوتوں میں تباہی اور برادری تباہی، انسان کا
کیرکٹر برباد ہو کر رہ گیا (ایضاح ج ۲ ص ۶۲)

جد فائقہ سرکار نے اس زمانے کے جاٹوں کی حالت گری کی بھی پوری تفصیل لکھی ہے کہ کس طرح
انہوں نے اگرہ اور دہلی کو لوٹا، لاکھوں کی رقم لے گئے، عورتوں کی بے حرمتی کی، مکانات منہدم کر دیئے وہ
مرہٹوں اور راجپوتوں کے لئے بھی دردِ دہن بن گئے، پھر ان سے عاجز آکر مرہٹے، راجپوت، روہیلے اور اودھ
کے لشکر کی آپس میں متحد ہو گئے، اور مغل بادشاہ شاہ عالم کی قوت کو مؤثر بنانے کی کوشش کی، تاکہ باہن
کی نوزائیدہ حکومت کا خاتمہ ہو جائے، مگر یہ کوشش بھی بلحاظ میں ہوئی (قلعہ ج ۲ ص ۵۱-۵۲)۔

اس زمانے کے سکھوں کے متعلق جد فائقہ سرکار نے یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر مرہٹوں
کی طرح بلیک میل کرتے، جس طرح مرہٹے ملک گیری یا چوہہ وصول کرتے، اسی طرح وہ راکھی حاصل کرتے
اگر کوئی یہ راکھی دینے سے انکار کرتا تو اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑتا۔

جد فائقہ سرکار نے یہ ساری تفصیلات پھیلا کر خال آن دی مولیٰ پٹا کی چار جلدوں میں لکھی ہیں
جن میں اپنی محنت، مصروفیت اور حقیقت پسندی کا انداز مرہٹہ دیکھنے کے لئے کیا ہے کہ جب ملک میں
ہر طرف پر آگندگی، زہن حالی، ابتری اور افترقی تھی تو اگر یہ نمودار ہوئے، اور صحیح وقت پر ہوئے، وہ قلیل
کو اپنی تحریروں کے غمی پردے پر بڑی خوش اسلوبی سے لاتے ہیں، ان کے ہم صوبہ ہندوستانی ڈی۔ ایس۔ پٹا

کتاب ملازمت میں لکھی گئی اور ان دنوں میں ہارڈ ویسٹل کے ساتھ کر توں کی تفصیل لکھ کر اس کو اپنے
 زمانہ کا ایک بکلیوں پر لکھ کر دیا تھا سرکار نے اس کی اس تصویر کی ہے جیسے مغلوں کے ہمارا کوئی ہونہ
 اپنے شاہی آٹا کی کرتا ہے اس کی صورت میں جو کھانا کھاتا ہے کہ وہ اس کی اذوق و نظریہ بہت اس کی
 تنگی قوت اپنے مقصد کا مانی کی تکمیل میں غیر معمولی محنت کے ساتھ اس کے عمل اتمام و دعاوی ہوتا
 والی قوت اور وہی کا یہ اسی بل کھول کر کہ ہے، اس کی فوج کے جنرل ایک کو لکھی تیری کی خاطر لکھ کر دی
 کہ ایسی ہی تیاری سے ایک بہار قائم ہوتا ہے (قال: ج ۲ ص ۶۸-۶۹)

وہ لکھتے ہیں کہ دیانے سندھ سے گنگا کے طے میں غلام اڑا کی تھی، انیسویں صدی کے آغاز میں
 برطانوی فتوحات کے بعد ہی ختم ہوئی، (قال: ج ۳ ص ۱۰۵) وہ خوش ہو کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ مغلوں
 کی حکومت قزاق تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے دہلیانہ سیاست اور یہاں کے لوگوں نے انگلیس کی حکومت
 کو کھانی سے قبول کر لیا (قال: ج ۱ ص ۵۱) انھوں نے اس پر بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے کہ برطانوی
 حکومت مصیبت زدہ راجہوں کے زخموں کا پھل بن گئی (قال: ج ۱ ص ۳۳-۳۴)

اور پھر انگریزوں کی حکومت کی مدد سے کہنے میں وہ کاظم باکسل میں تھا، لکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت
 کی وجہ سے ہندوستان میں جو نشاۃ ثانیہ ہوئی، وہ دنیا کی تاریخ میں کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی، پہلی
 سوسائٹی ایس کی حد تک زوال پذیر ہو گئی تھی، لیکن اس زمانے میں یورپ کی حکمرانی ترقی پذیر اور
 قوت کے ساتھ آہنی ہوئی، سب سے پہلے ایک ایسا ادارہ اور کارکردہ نظام سلطنت ملک میں قائم ہو گیا، جس سے اس
 بحال ہوا، اقتصادی ترقی ہوئی اور ریشل سوسائٹی کی خشک ہڈیوں میں خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ساحر
 کی چھڑی سے حرکت پیدا ہوئی، پہلے ایک ایسی نشاۃ ثانیہ ظہور میں آگئی جو قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد
 کی نشاۃ ثانیہ سے گری وینچ اور انقلابی تھی (قال: ج ۲ ص ۳۴)

جدد و فاتح سرکار یہ بھی لکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت ڈیڑھ سو برس تک دو خوش خیالی کی حکومت رہی

۱۷۴۷ء (۱۱۵۷ھ) ہندوستان کی سیاسی اعتبار سے برطانوی سامراجیت کی ایک بدولت چار (چار) سالوں میں (۱۷۵۰ء) اس ڈیڑھ سو برس میں سرحدِ اوسط اور نیپو سلطان کی بھی شہادت ہوئی، جس کے رونگٹے لہڑے کرنے والے واقعات بھی پیش آئے، بہادر شاہ ظفر اور ان کے شہزادوں کے ساتھ جو کچھ جو ان کی تفتیش کو پڑھ کر آنکھوں سے خون کی بوندیں اب بھی ٹپک پڑتی ہیں، اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوئی سوامی قائم کرنے والے سریشوں اور حب الوطنی کے جذبے میں سرشار رہنے والے راجپوتوں کی گردنوں میں غلامی کے طواغیٹ ڈال دینے لگے، ان سب کو جدِ و ناتھ سرکار نظر انداز کر گئے۔

جدِ و ناتھ سرکار کی زندگی ہی میں روٹ ایکٹ نافذ کیا گیا جیسا ناولم لڑائی کی ہون لیاں بھی پیش آئیں گئیں جی نے برطانوی حکومت کو شیطانی حکومت کہا۔ اس کے خلاف آنادی کی جنگ شروع ہو گئی جس میں ہندو مسلمان دونوں نے پوری جان بازی اور سرفروشی سے کام لیا، وہ جیل گئے، ان کے بچے جمع کے سینوں کو لاپرواہی سے چلنی کیا گیا، ان سب کو پس پشت ڈال کر جدِ و ناتھ سرکار مریموں، راجپوتوں، جاٹوں، سکھوں، ہندوؤں کا متاثرہ پسند تحریک کا طریقہ، بدکار ملائع اور عیاش قرار دے کر انگریزوں کو ایک پانڈا اور کارگردار نظامِ سلطنت کی اپنی قوتِ عمر کے ہندوستان کے اندامِ ایک نئی درج چھوٹے والے اندام اپنی سماجی انا چھڑھیں سے نشاۃ ثانیہ کا پیام لانے والے ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ سرحدِ و ناتھ سرکار کیوں نہیں ہوتے، مگر اب ہم کو آپ کو یہ غور کرنا ہے کہ انھوں نے محبتِ وطن محمد بن کراچے ملک کی تاریخ کو سونا رہا ہے، یا خاص اغراض کی تکمیل کی خاطر اس کو بگاڑا ہے، کیا ان کا تاریخی طرزِ ہندوستان کی موجودہ جذباتی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی میں معاون ہو سکتا ہے،

مستحق کے آئندہ شذرات میں جدِ و ناتھ سرکار کی تحقیقات کی تضاد بیانی اور ان کی تحریروں کی شہرِ گری پر تبصرہ ہوگا۔

مقالہ ۲

مطالعہ سیرت اور متشرعین

از

ڈاکٹر نثار احمد اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی

(۳)

اعترافات، الزامات، منکرات و مہفوت | متشرعین کی جانب سے اسلام کے لئے بالعموم اور آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بالخصوص جو طوطیوں میں اختیار کیا گیا، اس کا مختصر سا خاکہ گذشتہ صفحات میں
 گذر چکا ہے، اب جہاں تک سیرت رسول کے حوالے سے ان کے اعترافات اور الزامات کا تعلق ہے، اس مختصر
 مقالہ میں ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، یہ اس لئے بھی ممکن نہیں کہ اعترافات و الزامات کی کوئی حد نہیں
 ہے اور وہ متشرعین کی تحریر میں، ان کے پیدا کردہ لٹریچر میں، اور ان کے خرافات کے ذخیرہ میں
 بکثرت صدیوں سے پائے جاتے ہیں، ان کے ہاں الزامات و اعترافات کی بہتات اس لئے بھی قابل فہم
 ہے کہ الزامات و اعترافات قائم کہہ کے (خواہ وہ کتنے ہی بے بنیاد کہوں نہ ہوں) سیرت رسول کے بارے
 میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، متشرعین کی حکمت عملی کا مستقل لازمی حصہ رہا ہے، کہو نگاہ اس بات سے
 یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ معصوم الذہن لوگ اور وہ افراد جن کا فہم و مطالعہ سیرت نہیں، ان کے پروپیگنڈے
 سے بآسانی منفعیل و متاثر ہو سکتے ہیں، حق تو یہ ہے کہ متشرعین کے تمام اعترافات و الزامات کو مرتبہ کے
 ان کا منفعیل جواب دیا جائے، لیکن اس کی نہ فرصت ہے نہ موقع، تاہم ذیل میں ہم مختصر سیرت رسول

۱۔ اہل مستشرقین کے اعتراضات و الزامات بلکہ مقررات کو نقل کر رہے ہیں تاکہ عام قارئین یہ اعلان
 یحییٰ کہ سیرت نبویؐ کے باب میں مستشرقین نے کیا کیا نکل کھلائے ہیں اور کیسے کیسے الزامات و اعتراضات
 مانگے ہیں، انہیں سے بیشتر اعتراضات ایسے ہیں جن کے بوجہ میں کوہم پڑھا کہ اسلامی ہی محسوس کیا
 ام حسب نسب | (۱) یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ پیغمبر اسلام کا نام ہی اہم گامی۔ محمد۔ صلی اللہ
 علیہ وسلم نہیں تھا بلکہ ماہومت (Mahomet) تھا، بعض نے دل کی انتہائی کدورتوں کے ساتھ
 "ماہوند" (Mahound) یعنی بقول ان کے "شہزادہ تاریکی" کا نام تجویز کیا، اور بعض کے نزدیک بافوت
 Baphomet) اور بافسم (Bafum) تھا، (۲) بیخ ذلت (Lowly) تھے (العیاذ باللہ) اس الزام کو خاص طور پر مارگو لیٹھ نے بڑی شد و حد کے ساتھ اپنی کتاب محمد بنیڈ و ہائیٹو
 آف اسلام" مطبوعہ لندن (۱۸۸۷ء) میں پیش کیا۔ اس الزام کو نہ صرف یہ کہ دوسرے مشہور برطانوی مستشرق
 سرولیم میور نے (لائٹ آف محمد ایڈنبرا سوسائٹی ۱۸۷۷ء، ۱۸۷۸ء) ہی مسترد کر دیا بلکہ یہ ایک تاریخی
 صداقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شریف و عظیم تھے، عجب شریف ترین گھرانے کے فرزند تھے
 آج بھی جہاں جہاں شہر تھے جن کے ذمہ شہری حکومت تھے مین افادہ کی ذمہ داری تھی۔ اور وہ اس پائے کے آدمی تھے
 کہ روی امراء اور دفائی شہزادے اُن سے مخاطبہ کیا کرتے تھے۔ (لاحظہ ہو:۔۔۔ عیدتی مقرر الدین، ص ۳۴)
 (۳) محمد دراصل خود ایک مسیحی پادری (Cardinal) تھے، خواہش
 تھی کہ پوپ منتخب ہو جائیں، یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو انتہا آروی کلیسا سے تعلق منقطع کر لیا اور یہاں تک
 بالقابل ایک نئے مذہب اسلام کو ایجاد کر لیا، اور اپنے آپ کو مخالف پوپ قرار دے لیا۔ (۴) دنیا سمیت
 میں نے فرقہ کے بانی تھے، (۵) مخالف مسیح (Anti-christ) اور دشمن عیسیٰ تھے (۶) ترکوں
 کے پیغمبر تھے، (۷) بت پرست تھے (نمود باللہ) (۸) خود اپنے آپ کو مرکز پرست قرار دے لیا تھا، (۹) آپ
 بقول ایک مصنف "سب منافع و ناپاک تھے۔ (۱۰) جین برٹو (Gombard) کے نزدیک

۱۲ حیوان (beast) تھے، اور عرب حیوانی زبان یعنی عربی بولتے تھے، ان کے حیوانی سبب تھے (۱۱) آپ (ﷺ) شہوت پرست Lecherous تھے۔ خود بھی لوث تھے، (بھی لوث کیا، (۱۲) دھوکہ باز، مکار، کاذب، جھوٹے، خونخوار، تنگ بے شرم تھے، (۱۳) وہ ایک ہنرمند، مکمل سیاست دان تھے۔

نوت نتیجہ تھی ان کی طویل خود خیالی (Auto Suggestion) یا خود ایما کی کا، (۱۵) وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے، وحی بھی بطور خواب دیکھا کرتے تھے، (۱۶) خام خیالی میں مبتلا تھے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، حالانکہ یہ محض ایک دھوکے کا بھول بن جانے کے لئے کہ ان پر وحی اترتی ہے، محمد نے ایک مفید و حیوانی کے کہو تریا فاختہ تھا، جو ان کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفہ وقفہ سے چوچ اٹھا کر ان کے کان میں سے دانے اس طرح وہ دوسروں پر یہ تاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتہ ربانی (جبریلؑ) ان پر وحی نازل کر رہا ہے، (۱۷) انھیں (نعمو ذی اللہ) اعصابی مرض لاحق تھا اور وہ توہمات، فریب حتیٰ میں ۱۸ نزل وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔ (۱۹) مرگی زوہ تو نہیں البتہ جنونی ضرور تھا، زن اعصابی مزاج والے آدمی تھے۔ (۲۰) اعصابی دورے پڑتے تھے، اور وہ ہوجاتا تھا کہ تابع مدیکی کے ذہن کا اختراع اور بولاجی ہے، (۲۱) اپنے المامی اور المیاتی مشن کے بارے میں خود بے شب تھے۔ میونسکے نزدیک ابتداء انھیں بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے فرستلوہ طویل عرصہ تک شک و متذبذب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر آدھ پہنچ گئے۔ (میسور ٹاؤن لٹریچر، ص ۳۶، ۳۷) یہ الزام سرسرداقتات کے خلاف ہے، اھتار بھی اعتبار سے گمراہ کن ہے، اگر ہوتا تو اپنی زوجہ محترمہ خدیجہ کو، اپنے بھائی علی کو، اپنے جگری دوست ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور المیاتی کی تحلیل میں شام کے کسی اثرات کو بڑا دخل تھا، (۲۳) ان کو بائبل کی تعلیمات ۲۴ ایضاً، عدما مز کا مستشرق، وٹ اس کی تردید کرتا ہے: درگت ہے کہ یہ الزام میری جہاد

کاظم قاضی (۲۳) نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا یہ نظر کری گاٹ کا مفروضہ ہے، اس کی دلیل یہ دی ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ یہود مدینہ سے مطاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ان کو نبی اور رسول کی حیثیت سے تسلیم کریں (لاحظہ ہو تفصیل جناب منظر الدین صدیقی کا مضمون، اسلامک سٹڈیز اسلام آباد، جلد ۹ نمبر ۳)

(۲۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لغو خیال میں نبی کا ذب تھے، (۲۶) وہ دنیوی شخصیت مکار، دغا باز، مدعی کا ذب تھے، (۲۷) شیطان کے آژکار، اور ال کے توہین آمیز جاسوس تھے، (۲۸)

تروجک و اشاعت مذہب کے لئے تشدد کا سہارا لیا، (۲۹) اسلام تنویر کے زور سے پھیلا یا، (۳۰) صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں حضور کے ابتدائی حالات کا پتہ نہیں چلتا، اور اہل علم کے نزدیک ان کی کئی زندگی کے حالات محض افسانہ (fiction) ہیں، (۳۱) اصل استفادہ میسائیت سے کیا، چنانچہ عیسیٰ نظری

راہب بیکروے خاص ملاقات رہی، (۳۲) مستشرقین کے نزدیک ایک مقبول علم دینی علوم یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی کم تک پیغمبرانہ رہی، لیکن مدینہ جا کر بادشاہی میں بدل گئی، اور وہاں شکر کشی استقامت غوریزی کا بازار گرم کر دیا

کارہائے نبوت و رسالت، (۳۳) دنیا داروں کی سی حکمت علی اور ہمانہ جوئی اختیار کی، (۳۴) یہود کھتا، واقعات سیرت

کو اپنایا گیا اور اپنے مذہب کی انہیں بنیاد بنایا گیا، لیکن جب مطلب حاصل ہو گیا اور اقتدار حاصل ہو گیا تو ان سے برأت ظاہر کی اور پھر انہیں بالکل مردود قرار دے دیا، (۳۵) اسلام کو یہودیت سے بدلنے کی کوشش کی، واٹ لکھتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ جا کر یہ کوشش کی کہ اسلام کو مذہب قدیم یہودیت سے بدل دیا جائے۔ (۳۶) تحویل قبلہ، (ایک خاص وقت کے بعد یہودیت و عیسائیت سے بیزاری کی کوشش

حاشیہ ص ۷۷) ہے۔ محمد ہدف ایڈاسٹس میں، مکتوفہ فیورٹی پریس، لاہور، ص ۱۹۶، تفصیل دیکھئے

دیکھئے (صدیقی منظر الدین ص ۱۲۲)۔ تہ حلیہ ص ۷۷۔

(۳۷) شاید اسلام پر دیت کا ایک حصہ افریقہ میں جائے۔ (۳۸) محوئے سلاطین کو اپنے آپ کی پرستش کہ دلت دی (۳۹) شہر مدینہ (Charter of Madinah) میں حضور کا مقام و تہذیب و عین تھا۔ (۴۰) حضورؐ کی ہجرت سے قریش کے بڑے خوش ہوئے، مارگو لیتھ لکھتا ہے کہ میں ممکن ہے کہ قریشی سردار (محمدؐ کی ہجرت کے بعد) آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہوں کہ وہ اپنے ایک تکلیف دہ جو وطن سے بغیر کسی خون خرابے کے نجات پا گئے نہ (مدینہ منظر الہی میں) مارگو لیتھ کی یہ خیال آفرینی بھٹائیخی واقعات کے بالکل خلاف اور لغو ہے۔ (۴۱) محمدؐ نے قریش کے کو (بلا وجہ) اپنے خلاف بھڑکایا۔ (۴۲) غزوہ بدر میں لوٹ مار کی نہیں تھی بلکہ ماروہوں کی قربت و تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ، (۴۳) بعض یورپی مصنفین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا اعلان اور مذہبی اصلاحات اس لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھیں کہ وہاں کا ماحول دراصل ان کے موافق اور مناسب تھا، اور اہل عرب مذہبی معاشرتی تبدیلی کے متلاشی اور بیا سے تھے۔ (۴۴) جنگ موتہ اس جنگ کا مقصد متعین کرنا مشکل ہے۔

مستقرات (۴۵) ٹائٹل کی خیالی میں آنحضرتؐ محض قیصر عرب تھے یا ایک سیاسی لیڈر تھے، (۴۶) جے سی آر جے کے نزدیک محمدؐ محض ایک صوفی اور مجذوب تھے۔ (۴۷) آپؐ (نعم فی اللہ) رہنما قرآنوں سے یہ مستشرقین کا عام الزام ہے، اور وہ اس بات کے شدت سے قائل ہیں کہ غزوہ بدر اعلیٰ دار فاع مقاصد اور شوق شہادت کا نتیجہ نہ تھے بلکہ غریب و مفلوک املاہوں کی تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ اور لوٹ مار کے تحت مال و دولت کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ تفصیلات کے ملاحظہ ہو (قریشی، پروفیسر حفصہ علی، ماہنامہ اسلامک ریسرچ، ج ۱۷، شمارہ ۵، مئی ۱۹۶۵ء)

ص ۸۷، نیز شمارہ ۱۹ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۸۷

۱۶۲، ۱۶۳، ص ۱۶۲، دیکھئے صدیقی منظر الہی، ص ۱۶۲، ۱۶۳

کے سردار Robber chief تھے، (۴۸) اسلام ایک بد قسمت شہر بنی ہوا تھا اور غلاموں کی
میں مبتلا ہو کر مر گئے جو شدت بھوک کا بقیہ تھا، (۴۹) اسلام ایک اشرافیہ راجہ تھا اور محمد مصطفیٰ
ایک معاشرتی سماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر، (۵۰) وہ ایک موقع پرست، مفاد پرست تھے، (۵۱) اکثریت
ازدواج اور میل الی النساء۔ عورتوں کے دوست، سفیدگی اور معقولیت کے دشمن، بہت شایاں کر نیوٹا

(۵۲) آنحضرت اور قرآن، تہذیب و تمدن، حریت و آزادی اور سچائی کے بدترین مخالف اور فحش و
مرکش دشمن تھے، کہ ان جیسا دشمن صفہ ہستی پر نمودار نہیں ہوا، (۵۳) لوٹ پی غلام بنانے کی اجازت
دی اور اس پر عمل بھی کیا، (۵۴) داستان غرانیق، شیطانی آیات، نبی کو ہم علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے ایک دفعہ حرم میں نماز ادا کی اور قرآن کی بھی تلاوت کی، اس وقت وہاں کفار بھی موجود تھے جب
آپ نے سورہ نجم کی یہ آیت (۳۰) پڑھی وَمَا أَتَاكَ الثَّالِثَةُ إِلَّا هُمْ إِلَىٰ شَيْطَانٍ نَّاعٍ لِّكُلِّ بَلَاءٍ
سے یہ الفاظ نکلوا دیئے :- تَلَاكَ الْغُرَانِيقُ الْعَلَىٰ وَإِنْ شَفَاعَتُهُمْ (یعنی یہ بت معلوم و
محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے) اس شیطانی آیت کے بارے میں واقعہ کو مستشرقین بڑھا چڑھا

کر کے پیش کرتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے میرا نمبر ۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸)
(۵۵) واقعہ حضرت زید و زینب، حضور نے اپنی حقیقی بیوی زہرا بن کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ کا نکاح
کر دیا تھا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر ربی بڑھ گئی، آخر کار حضرت زید نے ان کو طلاق دیدی
حضور نے رسم جاہلیت مٹانے کے لئے اور حضرت زینب کی دلجوئی کے لئے خود نکاح کر لیا، حضرت زینب کا
انتقال ۲۰ سالہ میں ہوا مستشرقین کے نزدیک یہ صحیح ابوالموسیٰ تھی، (۵۶) ان کا آئینی ثابت خانہ کعبہ

۱۷۵ میرا نمبر ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱

میں دوستوں کے درمیان منتقل ہوا۔ (۵۵) اہل ایمان اپنی نیت کا جوا پیدا کرنے کے لئے تمام انبیائے
 بنی اسرائیل کو تسلیم کیا، لیکن جب قوت و اقتدار مل گیا تو سب سے بڑے نبی خود بن بیٹھے اور سلسلہ نبوت
 کو اپنی ذات پر عزم کر لیا، (۵۸) بانی اسلام سے معجزات کی نسبت محض انبیائے سابق کے ہم پلہ ثابت
 کرنے کے لئے قائم کی گئی، (۵۹) ایک نیا اور عجولانہ مہب جاری کیا، حالانکہ یہ انکا خود ساختہ تھا،
اختراقات | اگرچہ گذشتہ فصل کی روشنی میں مستشرقین کا انتہائی بے باکانہ، گستاخانہ اور معاندانہ
 رویہ بڑی حد تک سامنے آجاتا ہے تاہم یہ اُن کے مطالعہ سیرت کا صرف ایک رخ ہے، جواول تا آخر
 کذب و افتراء عبارت ہے۔ ایک دوسرا رخ وہ ہے جس میں مستشرقین کے بعض سرکردہ افراد اپنے
 تعصب و ظلم کا برملا اعتراف کرتے ہیں، اور جب ذرا انصاف و اعتدال سے کام لیتے ہیں تو اقرار
 کرتے ہیں کہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب منزه ہر الزام سے برتر، خلق و خلُق کی تمام
 خوبیوں سے مرقع دنیا سے انسانیت کا حاصل تھی اور اُن کی کامیابیوں، کامرانیوں اور کارناموں کی
 بنا پر اُن کا کوئی مثیل نہیں ہے، اس موضوع پر اگرچہ دفتر کے دفتر نقل کئے جاسکتے ہیں لیکن ہم یہاں
 صرف چند نمونوں پر اکتفا کر رہے ہیں

۱۔ اثر انگیز شخصیت |۔۔۔ حسین کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۶۹ء میں، مکہ میں وہ آدمی پیدا ہوا،

جس نے انسانیت پر تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اثر ڈالا: (ڈورسٹر)

۲۔ ناقابلِ فراہوش ۔ اگر متعدد کی غفلت، وسائل کی قلت اور ہجرت انگیز نتائج! ان تین باتوں کو مافی

تعلقل و تفكر كا معيار بلبر نا هائے، تو كون هے هو تاريخ كى كسى قديم يا جديد شخصيت كو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) كى

(The 100 A Ranking of the most ادب کی کتاب :-

refluent' as persons in history.) 1978 (p.33).

مقابل لانے کی ہمت کر سکے، لوگوں کی شہرت چوٹی کر انھوں نے خویش جا لائیں، تو زمین وضع کر رکھنے اور سلطنتیں قائم کر لائیں، لیکن غور طلب یہ ہے کہ انھوں نے حاصل کیا کیا بہ معرفت، ذی قوتوں کی جمع پونجی؟ وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے لٹ گئی، بس صرف یہی ایک آدمی ایسا ہے، جس نے نہیں بلکہ قوموں کو مرتب کیا، قوزن وضع کئے اور ملکیتیں، سلطنتیں قائم کیں بلکہ اس کی نظر کیا اڑنے لاکھوں متنفس ایسے پیدا کر دیئے جو اُس وقت کی معلوم دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل تھے، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر انھوں نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات و افکار کو، عقائد و نظریات کو، بلکہ روحوں تک کو بدل ڈالا، پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا، ایک ایسی روحانی امت کی تشکیل کر دی گئی جس میں ہر دماغ، وطن، قومیت کا حامل فوج موجود تھا، وہ ہمارے سامنے مسلم قومیت کی ایک ناقابل فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک ان دیکھے خدا سے محبت اور ہر معبود باطل سے نفرت (لامارٹن) (Histoire de la Turquie ج ۲ ص ۴۴-۴۶ پیرس ۱۸۵۲ء)

۳۔ جامعیت کبریٰ عالم الہیات، فصاحت و بلاغت میں یکتائے دور نگار، رسول (بانی مذہب) آئین و قانون ساز (شارع)، سپہ سالار فاتح اصول و نظریات، معقول عقائد کو جلا بخشنے والے بلا تصور مذہب کے مبلغ، بیسیوں علاقائی سلطنتوں کے معمار دینی روحانی حکومت کے کوسس، یہ میں محمد رسول اللہ (جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمتیں سرچ ہیں) اور انسانی عظمت کے ہر بیان کو سامنے رکھ کر ہم پیچہ سکتے ہیں، ہے کوئی جوان سے زیادہ بڑا، اُن سے بڑھ کر عظیم ہو؟ (لامارٹن ایضاً)

۴۔ بے مثال کارنامہ کسی انسان نے اتنے قلیل ترین وسائل کے ساتھ، اتنا طویل ترین کاہنہ انجام نہیں دیا، جو انسانی ہمت و طاقت سے اس قدمدار اور اتھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی فکر کے ہر دعوے اور اپنے عمل کے ہر نقشہ میں جس بڑے منصوبہ کو روپ عمل لائے، اُس کی صورت گری بجز اُن کے

کسی کی مروجہ منت نہ تھی، اور ملتی بھر مروجہ انہوں کے سوا ان کا کوئی معادون و مددگار نہ تھا، اور آئندہ کار ایک اتنے بڑے مگر دیرپا انقلاب کو برپا کر دیا، جو اس دنیا پر کسی انسان سے ممکن نہ ہو سکا، کیونکہ اپنے طور سے لے کر اگلی دو صدیوں سے بھی کم عرصہ میں اسلام، فکر و عقیدہ اور طاقت اسلحہ دونوں اعتبار سے سارے عرب پر، اور پھر ایک اللہ کا پرچم بلند کرتے ہوئے فارس، خراسان اور اندلس، مغربی ہند، شام، مصر، حبشہ، شمالی افریقہ کے تمام معلوم علاقوں پر جو متوسط کے جزیرہ پر اور اندلس کے ایک حصہ پر بھی چھا گیا۔ (لامارٹن ایضاً)

۵۔ تاریخ کی پوری روشنی میں یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی روشنی میں ہم حیات مسیح کے کچھ واقعات دیکھ سکتے ہیں، لیکن ان تین برسوں سے کون پر وہ اٹھا سکتا ہے جو انھوں نے (نبوت سے پہلے) گزرا جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے اگرچہ دنیا کی معلومات میں کسی حد تک اضافہ کر دیا ہے اور آئندہ مزید متوقع ہیں، تاہم ایک مثالی زندگی، کون جانے، کتنی قریب ہے کتنی دور! کتنی ممکن ہے اور کتنی ناہم بھی بہت کچھ نہیں جانتے۔ ہم ان کی ماں کے بارے میں ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں ان ابتدائی دوست احباب اور ان کے تعلقات باہم کے بارے میں اور اس سلسلہ میں بھلا کیا جانتے ہیں کہ مسند نبوت پر وہ بتدریج فائز ہوئے یا وحی پا کر یکدم خدائی مشن کے حامل بن گئے؟ بہر حال یہ ہی سوال ایسے ہیں جو ہم میں سے اکثر کے ذہنوں سے ٹکراتے ہیں مگر وہ بس سوالات ہیں جو اب کے البتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں صورت یکسر مختلف ہے، یہاں ہمارے پاس اندھیروں بجائے تاریخ کی روشنی ہے، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں جانتے ہیں جتنا کہ لو تھراو ملٹن کے بارے میں، یہاں واقعات کا دامن خیال محض، قیاس تخمین و ظن، مادائے فطرت روایات اور فسانہ و فہوس سے آلودہ ہونے کے بجائے حقائق سے آراستہ ہے، اور ہم یہ

حکوم کر سکے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہاں کوئی شخص خود اپنے آپ کو دجل و فریب میں مبتلا
 نہ کر سکتا ہے نہ دوسروں کو، یہاں ہر چیز دن کی روشنی میں جھگڑ رہی ہے، اس میں شک نہیں کہ انہی
 شخصیت کے ہست سے پرت ہیں اور ان میں سے ہر ایک تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے، تاہم محمد
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے متعلق ہم ہر چیز جانتے ہیں، ان کی جوانی، ان کی اٹھان، ان کے تعلقات
 ان کی حادثات، ابتدائی حالات اور پہلی وحی کے نازل ہونے تک کا طوطی سی سفا و ادا و تقار و غیرہ، نیز انکی
 داخلی باطنی زندگی کے متعلق بھی اور یہ کہ جب اعلان نبوت کر چکے تو پھر ہم ایک ایسی مکمل کتاب پاتے ہیں
 جو اپنی ابتدا، اپنی حفاظت اور متن وغیرہ کے کئی پہلوؤں کے لحاظ سے بالکل متوازن و منفرد ہے، اور ہر ایک
 ایسی کوئی معقول و مستند وجہ سامنے نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس کتاب کے خلاف کوئی شدیداعتراض
 کیا جاسکے۔ (باسورقہ اسمتہ محمد اینڈ ٹھرم، سندھ ساگر اکاڈمی لاہور ص ۱۱-۱۲)

۶۔ انقلاب، انقلاب، انقلاب! برمال غفر اُوب کے یہ معاشرتی اور مذہبی حالات تھے جن میں اگر
 ہیں والیہ کی زبان کے استعمال کی اجازت دی جائے، عرب کا رخ بدل گیا، انقلاب آگیا، انقلاب
 بھی کیسا؟ ایسا انقلاب کہ آج تک کسی سرزمین پر نہیں آیا، مکمل ترین، اچانک ترین اور سراسر غیر معمولی
 انقلاب! (باسورقہ اسمتہ ایضاً ص ۵۳)

۷۔ منفرد مقام | تاریخ مذاہب و ادیان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک منفرد مقام حاصل ہے، وہ
 نزولی تھے نہ فرشتہ، اور خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کر کے دکھایا، اس میں کوئی مافوق البشریت
 نہ تھی، اور ان کی عظیم شخصیت میں انسانی عمل کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز نہ تھی، جو عام حالات میں ان کو
 دوسرے مسلمانوں سے ممتاز و متمیز کر سکے۔ (بوڈلے دی میسج، ص ۳۸)

۸۔ مسیح بڑا انسان | دنیا کا مسیح بڑا انسان وہ ہے، جس نے دس برس کے عمر فرما دیے، ایک نئے
 فلسفہ، ایک نئی شریعت، ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم

پیدا اور ایک نئی طویل عمر سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ان تلم کارانوں کے باوجود وہ آتی اور نافرمانہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر! اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا۔ اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے۔ یہاں لانا سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی، مطبع معارف، انجم گدھ، ۱۹۵۷ء، ص ۷۰۰، نیز بیروت کے کسی اخبار الاصل نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک سیکی عالم (دادر جی اچھ) نے یہ تبصرہ لکھا تھا۔

۹۔ عظیم و غلص [اعظم]۔ محض اس لئے نہیں کہ وہ ایک روحانی پیشوا تھے، انہوں نے ایک عظیم ملت کو جنم دیا، اور ایک عظیم سلطنت قائم فرمائی۔ بلکہ ان سب آگے بڑھ کر یہ کہ ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ مزید برآں اس نے بھی (اعظم تھے) کہ وہ اپنے آپ سے بھی غلص و فادار تھے، اپنے امتیوں سے بھی غلص تھے اور اپنے اللہ سے بھی غلص و فادار تھے، ان باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک کامل سچا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی تکلیف گرائیوں سے نکال کر نور و صداقت کی رفعتوں سے پہنکار کرتا ہے۔ (لیونارڈ اسلام ہیرمڈل اینڈ انیسری ٹیوٹل دی ولونڈن، ۱۹۲۷ء، ص ۲۱-۲۰)

۱۰۔ مقام و مرتبہ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول تھے نہ کہ صوفی، یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ کوئی کہہ کر بھی شرمندہ ہو جائے۔ وہ لوگ جو ان کے گرد جمع ہوئے اور جملت اسلامیہ کے اولین ارکان تھے۔ وہ قانون کی اطاعت، توحید الہی پر راضی تھے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور ان کے اسوہ کو پورا پورا پابند بننے والے تھے، وہ مطمئن تھے کہ وہ ایک سید سے سادے اور مضبوط دین کے پیرو ہیں جو مختصر و باریک

الچند اسم پر مشتمل تھا۔ (گاڈ فرے ڈی مہائرس مسلم نیشنلوشن، لندن ۱۹۷۵ء، ص ۲۰)

•۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے از خود کبھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ ایک موقع پر تو ایسی وحی

نلال ہوئی جس میں انھیں تسمیہ کی گئی کہ انھوں نے ایک ہفتت شہری سے بات کرنے میں بکا
منزکوں مولد، پھر انھوں نے اس دسی کو شائع بھی کیا، یہ وہ آخری دلیل ہے جس کی روش
بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ وہ (نوذبانہ) ایک مدعی کاذب (Imposter) تھے

یہی اس عظیم عرب کو الوام دیتے ہیں: "بیت محمد زعم لاہور سنہ ۱۲۵۷ھ ص ۲۱

۱۰۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا جو مذہبی نظام قائم فرمایا وہ نہ صرف یہ کہ ان کے

کے فم والوں کے مطابق تھا، اور اس ملک میں پائے جانے والے رسوم و رواج اوسان کے
جذبات سے ہم آہنگ تھا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ عام انسانی حالات و نظریات سے بھی
دہم آہنگی رکھتا تھا کہ جس کے نتیجہ میں تمام انسانوں کی نصف سے زیادہ آبادی نے اسے قبول کیا
چالیس سال سے بھی کم عرصہ میں ہو گیا، (کادٹ ڈی بولین ولیمز (de mehusset
شرط دم سنہ ۱۲۵۷ھ ص ۲۲-۲۳)

۱۱۔ روشنی | پس وہ روشنی آگئی، عربوں کی تاریک دوحوں کو منور کرنے کے لئے، ایک ایسی
کی نقیب تھی، چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی، زندگی اور آسائش کا جاہ و جلال لے ہوئے
"دسی نکما، اور لانے والے فرشتہ کو جبرئیل۔ اور ہم ابھی تک سوچ رہے ہیں کہ اسے کیا نام دیں
ذوالجلال کی طرف سے اشارہ ہے، ہمارے کچھنے کے لئے کسی چیز کی سہائی اور حقیقت جاننے کی
ایک روحانی عمل ہے، جس کے بارے میں ہر منطق اور قیاس ہوا میں تیر چلانے کے مترادف ہے
ایک خدا پر اعتقاد کا اعلان، کیا ایک معجزہ سے کم تھا؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود کامل
حقیقت اور سچائی کے نور سے مستنیر تھا" (کارلائل وی ہیردایز اسے پرافٹ)

۱۲۔ نور ہی نور | عرب قوم کو یہی نور ظلماتوں سے نکال کر روشنی میں لایا، عرب کو اسی کے ذرا

ٹی، بھیڑوں بکریوں کے چرنے والے لوگ، جوازل سے، صحراؤں میں بے گھٹکے، بے روک قوم

تھے کہ ایک تہیر و پیغمبر بن کی طرف بھی آگیا، ایک پیغام کے ساتھ جس پر وہ ایمان لا سکتے تھے، اور پھر سب نے دیکھا کہ جو کسی کے نزدیک قابل اعتناء نہ تھے، دنیا بھر کے لئے قابل ذکر بن گئے۔ (۱۱) لکھنؤ ۱۳ عظیم فاتح فتح کہ کے اس موقع پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی اور وہ قابل تعریف ٹھہریں گے کہ اُس وقت جب کہ اہل مکہ کے اصفیٰ کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انھیں جتنا بھی ہیش آئام تھا اور ان کے آتش انتقام کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا، مگر انھوں نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر تم کے خون حرام سے روکا، اور اپنے اللہ کے سامنے انتہائی ہندگی و عہدیت کا مظاہرہ کیا اور شکرانہ بجا لائے، صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے جنھیں پہلے سے ہی ان کے وحشیانہ رویہ کی وجہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان میں سے بھی صرف چار کو قتل کیا گیا، لیکن دوسرے فاتحوں کے وحشیانہ افعال و حرکات کے مقابلہ میں اسے بہر حال انتہا درجہ کی شرافت و انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا، (مثال کے طور پر صلیبیوں کے مظالم، کہ ۱۹۰۹ء میں فتح بردشلم کے موقع پر انھوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا، یا وہ انگریز فوج جس نے صلیب کے زیر سایہ لڑتے ہوئے مسلمانوں میں ڈا کے سنہری ساحل پر ایک شہر کو زندہ آتش کر ڈالا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فتح در حقیقت دین کی فتح و سیاست کی فتح تھی، انھوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو پس پشت ڈالا اور کروڑ شاہی کے ہر نشان کو مسترد کر دیا، اور جب قریش کے مغرور و تکبر سردار ان کے سامنے سرنگوں ہو کر آئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ ”رحم! اے سخی و فیاض برادر! رحم! وہ بولے:“ جاؤ تم آزاد ہو۔“ انھوں نے فرمایا: ”اور تم کلین دی سرسبز لندن“ (ص ۸۵-۸۴)

۱۲۔ صاحب غنِ عظیم [انطلاق و عادات میں وہ درجہ سادہ تھے، طبیعت اپنے معمولات میں وہ محتاط تھے، اُن کا کھانا پینا، اُن کا لباس اور فرنیچر وغیرہ وہی معمولی درجہ کا تھا اور ہمیشہ جبکہ وہ اپنی طاقت و حکومت کی معراج تک پہنچے، انھیں تخت و تہجد کی بے پناہ قوتیں اور صلاحیتیں

ودیت ہوتی تھیں، ان کا ذہن سنا تھا اور نازک سے نازک جذبات و احساسات کا ہر تہ قبول کر لیتا تھا، کہا جاتا ہے کہ وہ پردے کے پیچھے بھی ایک کھواری سے زیادہ باحیا، حفت مآب اور شریعہ تھے، اپنے چھوٹوں سے انتہائی رعایت کرتے اور یہ پسند نہ کرتے کہ ان کی کمزوریوں کو تلاش کر کے مذاق اڑایا جائے، ان کے خادم ہنس نہتے ہیں کہ میں دس سال تک ان کی خدمت میں رہا لیکن انھوں نے کبھی اُن تک نہ کہا، انھیں بچوں سے بہت محبت تھی ۱۵ انھیں راستے میں روک لیے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، انھوں نے زندگی میں کسی کو نہیں مارا، اگر کسی کے بارے میں انتہائی برائی بیان کرتے تو بس اتنا کہتے کہ اُسے کیا ہو گیا ہے، اس کی پیشانی خاک آلودہ ہو، جب اُن سے کسی کے ہاتھ میں بددعا کرنے کی درخواست کی جاتی تو فواتے میں بددعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، وہ بیماروں کی عیادت کرتے، کوئی جنازہ ملتا تو پیچھے چلتے، غلام کی دھو کو بھی قبول کر لیتے، اپنے کپڑوں کی مرمت خود کر لیتے، بکریوں کا دودھ خود دودھ لیتے اور دوسروں کا ہوتن انتظار کر لیتے، وہ اپنی ازدواج کے ساتھ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے معمولی مکانوں میں رہتے تھے، وہ آگ خود جلا لیتے، فرش کی جھاڑ دے لیتے، تھوڑا بہت کھانا جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، اس میں وہ لوگ ہمیشہ شریک ہوتے جو وہاں موجود ہوتے، اُن کے گھر کے باہر ایک چھپر (صفہ) تھا، جہاں ایسے متعدد غریب افراد موجود رہتے جنکی گذر بسر کا تمام تر انحصار اُنہی کی غیاضی پر منحصر تھا (لین پول دی اسپرینگز اینڈ میل ٹاک آف دی پرافٹ محمد، لندن ۱۸۸۲ء، ص ۲۹-۲۷)

۱۵۔ سنجیدگہ اخلاصہ وفاداری | ۱۰۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کارلائل کے خطبات کے بعد مسخرب کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنجیدگی پر یقین کرنے کی معقول وجوہات موجود ہیں، اپنے ایمان و عقیدہ کی خاطر مظالم سہنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا، اُن پر اعتقاد رکھنے والوں کا اُن کا اخلاق و کردار اور اُن کی طرف امام و پیشوا کی حیثیت سے دیکھنا، پھر آخر کار ان کی عظمتیں اور کائنات

یہ سب دلیل ہیں اُن کے افلاسِ کامل کی، اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک مدعی کا ذنب (Imposter) قرار دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے، بلکہ اور پیدا ہو جاتے ہیں مزید برآں تاریخ کی کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جسے مغرب میں اس قدم سر اٹھا ہوا ہو جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُس نے اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ بھی سمجھنے کی نیت رکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن میں دیانت و انفرادیت اور مقصد سے ان کے خلوص اور دُعا کی قائل ہو جائیں اگر ہم اُن غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ماضی سے ہم نے ورثہ میں پائی ہیں تو ہمیں ہر سالہ اُن کے خلوص اور دیانت کو بہر حال پیش نظر رکھنا ہوگا جب تک کہ کوئی الزام اُن کے خلاف پوری طرح ثابت نہ ہو جائے۔ (واٹ محمد ایٹ کم، آکسفورڈ، ۱۹۵۳ء، ص ۵۶)

۵۔ یہ بات ان کی زندگی کے ہر واقعہ سے ثابت ہے کہ ان کی زندگی اغراض و مفاد پرستی، کلیتہً خالی تھی، مزید یہ کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اپنی نگاہوں کے سامنے دین کے مکمل قیام و استحکام اور لامحدود اختیارات حاصل ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی ذات اور ان کی تسکین کا کوئی سامان ہم نہیں پہنچایا، بلکہ آخر وقت تک اُس سادہ طرز و انداز کو برقرار رکھا جو اُن کے دن سے اُن کے بواش سے نمایاں تھا۔ (ڈیون پھٹ اپالو لوجی فار محمد لینڈ دی قرآن لندن، ۱۸۶۹ء، ج ۱، پ ۱۷۱)

ص ۱۳۳-۱۳۴

۱۶۔ مشن کی سچائی: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا شک و شبہ یہ مشن کی سچائی پر یقین تھا وہ اس پر مطمئن تھا کہ اللہ کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے انھوں نے ملک کی تعمیر و اصلاح کی ہے، ان کا اپنا مشن نہ تو تھا، اور نہ فریب دہی، جھوٹ و اقترا پر مبنی تھا، بلکہ اپنے مشن کی تعلیم و تبلیغ کرنے میں نہ کسی لالچ یا دھوکا قبول کیا اور نہ زخموں اور تکالیف کی شدتیں ان کے راہ کی رکاوٹیں بن سکیں، وہ سچائی کی تبلیغ کرتے رہے۔ (ڈیون پھٹ اپالو لوجی)

- ۱۷۔ پتے رسول اسماءات جن کا معاملہ اکثر و بیشتر مسیحیوں کی طرف سے مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں ہوتا رہتا ہے، انھوں نے اس کا جواب دیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس وقت کی قوم میں ایک خدا پرست تھے، اور دوسرے خدوں کی نفی کرتے تھے، انھوں نے یہ تاکید راست بازی اور دینداری کو کہہ کر حشر چھڑا دیا، اور بعد ہر فرض متعدد نمازوں کی بھی وہ قیوم خدا کے لئے ادا کی، تمام ان اہل کی عزت و احترام، اور سب کے ساتھ رحم و شفقت برتنے پر زور دیا، ہر قسم کی فتنہ آفرینوں سے پرہیز ہر معاملہ میں عدل و توازن، اور قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین، ان کے دین و مذہب کا حصہ تھی، لہذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نفس و مافیہ کے مالک اور ایک پتے رسول تھے، مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے وہ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے اور اور سرچشمہ روحانی سے ان پر وحی اترتی تھی۔ (لنڈ سے مضمون، مطبوعہ ڈورلڈ، انچسٹر، اگست ۱۹۷۹ء)
- ۱۸۔ استحسان سخت سے گزرنے ان سے پہلے کوئی پیغمبر تہ سخت استخوان سے گزرا تھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکہ منصب نبوت پر سرفراز ہوتے ہی انھوں نے اپنے آپ کو سب سے پہلے اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا جو انھیں سب سے زیادہ جانتے تھے اور جو ان کی بشری کمزوریوں سے بھی سب سے زیادہ واقف ہو سکتے تھے، لیکن دوسرے پیغمبروں کا معاملہ برعکس یہاں کہ وہ سب جگہ سب کے نزدیک معزز و محترم ٹھہرے آئیہ کہ جو انھیں اچھی طرح جانتے تھے۔ (لنڈ زوال سلطنت رومہ ص ۱۰۸)
- ۱۹۔ آسمانوں کی بادشاہت زمین پر اسلام کے ذریعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دس سال کے اندر ہی عربوں کی شدید ترین نفرتوں کو، انتقامی جذبات کو، مزاج و انتشار کو، رقابت و عداوت کو نکال پھینکا، ان کا فتنہ عورتوں کی ذلت، سود خواری، شراب خواری، قتل و غارت گری، و غیر گشتی کی رسومات قبیلہ کا استیصال کیا، اور انسانی قربانیوں، سفیانہ خیالات و توہمات اور مادیت و اشیاء پرستی سے نجات دلوائی، پھر اسی مذہب کے ذریعہ آسمانوں کی اُس بادشاہت کو انھوں نے عملاً اس زمین پر قائم کر دیا، جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی۔ (لنڈ ایضاً ص ۱۱۶، ۱۱۷)

۲۰۔ ہمہ گیر اصلاح [ممكن ہے یہ سوچا جائے کہ وہ آدمی جس نے اتنی بہت سی اور تادیر قائم رہنے والی اصلاحات کیں، انواع و اقسام کی بہت پرستی کے بدلے جس میں لوگ بد توں سے مبتلا تھے، ایک خاص کی عبادت کا داعی بنا، جس نے دینگر کشی کی رسم قلع کو مٹایا، شراب اور دوسری نشہ آور اشیا کو حرام ٹھہرایا، جوئے کی ممانعت کی نسبتاً ایک دائرہ میں رہتے ہوئے تعدد ازواج کو محدود کیا، وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اُس کا خدائی مشن اس کے ذہن کی محض اختراع تھی؟ اور کیا وہ جھوٹ کو جانتے بوجھے نبھاتا رہا؟ نہیں، ہرگز نہیں! محمد (ﷺ) کو درحقیقت سچے مذہبی اور اکات اور روحانی احساسات حاصل تھے، جن کے سبب انھوں نے اپنے مشن کو انتہائی مستقل مزاجی پامو و استقلال سے آگے بڑھایا اور نہ اُس کے جھٹلائے جانے کی پرواہ کی، نہ اس کی راہ میں مصائب و مشکلات کی۔ یہ سچائی، یہ حق کی معرفت انھیں ابتدا سے انتہائیک حاصل رہی یعنی حضرت خدیجہ کے منشا پہلی دہائی کے نزد سے لے کر حضرت عائشہؓ کی بیاہوں میں آخری سانس یے تک: (ڈیون پورٹ)

۲۱۔ غفلتوں کے نشان [حالات مواقع، اور وقت سب نے محمد (ﷺ) کا ساتھ دیا، اور مختلف موطن نے مل کر ان کی زندگی میں کامیابیوں کی اور ان کے بعد اسلام کی توسیع و ترقی کی راہ ہموار کی۔ عملہ علیہ السلام کی ذات میں صفات و کمالات کا جو حسین المزاج موجود تھا، اُس کی تین جہتیں تھیں۔ ایک نبوت کا فیضان، دوسرے سیاست و حکمرانی میں اُن کی بصیرت، اور تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے ان کی مہارت و صداقت اور تمام مناصب پر اہل ترین افراد کا انتخاب۔ جب کوئی اسلام کی ابتدائی تہذیب اور سیرت محمد (ﷺ) پر جس حد تک نظر ڈالتا ہے وہ اُسی حد تک ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ حالات نے انھیں کس درجہ سازگاری عطا کی، اس طرح کے مواقع تو کسی کو شاذ و نادر حاصل ہوتے ہیں، بالکل وقت کی آواز بن کر، ایک پیغمبر اور ایک منتظم کی حیثیتیں انھیں اگر حاصل نہ ہوتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پیچھے ایک خدا پر انھیں غیر مترنزل اعتقاد نہ ہوتا

اور اگر وہ اس یقین محکم سے بہرہ ور نہ ہوتے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو شاید تاریخ ان انیت کھلیک
ہم اور قابل ذکر باب رقم ہونے سے رہ جاتا ہے (واٹ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیشنرین، انگسورڈ پریس)

(۱۹۶۱ء، ص ۳۶-۳۷)

۲۲۔ صدق وصفاً | یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدق کی دلیل قاطعہ ہے کہ ان سے قرب رکھنے والے
لوگ اُن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ اُن کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف تھے، اور اگر انھیں انکی
صدقت میں ذرہ برابر بھی شبہہ ہوتا تو ان پر وہ ہرگز ایمان نہ لاتے (ایچ، جی ویلز بحوالہ ذکر کیا ہاشم
ذکر یا، ص ۲۷۰)

۲۳۔ اتمام دالکال | محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام فیکمل نہیں رہا
آپ ایک سلطنت کی، جس کا ایک سیاسی و مذہبی دال سلطنت مقرر تھا، بنیاد ڈال چکے تھے،
آپ نے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں
ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا (مارگو لیتھ بحوالہ البنی
جلد چہارم از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳۹۹)

مقالات شبلی جلد ششم

مجلہ ان افسون نگ غلطیوں کے جو یورپ میں اسلامی تاریخ کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں، ان میں ایک ناقصہ
اسکندر کے کتب خانہ کے جلّے جانے کا بھی ہے، اس واقعہ کو یورپ نے جس بلند آہنگی سے شہور کیا ہے، وہ نہایت
تعجب انگیز ہے، تاریخیں، ناویں، حکایتیں، مثالیں، افسانے، قصے، قصہ طلب حوالے، روزمرہ کے محاورے
ایک چیز بھی اس حد سے خالی نہیں، روایت و لٹریچر تو الگ ہے، منطق و فلسفہ تک اس کے اثر سے محروم
نہ رہے، مولانا شبلی نے اس پر ایک مدلل مضمون لکھ کر ان کی غلط فہمی کو رفع کیا، اور لکھا کہ اسکندر یہ کہانیہ
کتب خانہ مسلمانوں کے مصر میں فاتحانہ داخل ہونے سے بہت پہلے برباد ہو چکا تھا، مسلمان جب آئے تو اس کا
نام و نشان تک نہ تھا، یہ مضمون اور اسی طرح کے دوسرے مضمون مقالات کی اس جلد میں ہیں۔

قیمت :- ۱۱ روپے

مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی علی

از

جناب مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی علی، پیر من اتر پرب دیش اردو، اکاظمی، لکھنؤ
مفتی عدالت اودھ مفتی محمد اصغر کے اکلوتے بیٹے، محمد یوسف کی پیدائش ۱۲۲۳ھ میں ہوئی دریا
کی تکیں والد ماجد نیر مفتی محمد ظور اللہ فرنگی علی اور پیر ریاضی دہیت مولانا محمد نور اللہ فرنگی علی کے ایسے
تمثلاً اساتذہ خاندان سے کی۔ وسیع النظر فقیہ ممتاز، پرمعقولات، صاحب درس و تدریس اور صاحب انصاف
کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

والد کی وفات (۱۲۵۵ھ) کے بعد مفتی محمد یوسف جب کہ ان کی عمر اکتیس برس کی تھی، ان کی
حکومت اودھ میں مفتی عدالت لکھنؤ ہوئے۔ یہ محمد علی شاہ (اودھ کے تیسرے بادشاہ) کا زمانہ تھا، متزاع
سلطنت اودھ (۱۸۵۶ء) تک، پھر مزید ایک سال ۱۸۵۷ء تک (لکھنؤ میں انگریزی راج کے زمانے میں)
بھی مفتی عدالت رہے۔ اس طرح اٹھائیس سال تک انھوں نے اودھ کی سرکاری خدمات انجام دیں، ۱۸۵۷ء
کے ہنگاموں میں ان کا گھر بار لٹا، اس بربادی میں ان کا ذاتی کتب خانہ بھی شامل تھا، بے روزگاری اور
تنگدستی کا دور اس کے بعد شروع ہو گیا، مگر انگریزی حکومت کی ملازمت کو قبول نہیں کیا، حالانکہ ۱۸۵۷ء
کے بعد انگریزی حکومت استحکام کے ساتھ اودھ میں قائم ہو گئی تھی، انگریزی ملازمت سے انکار کا سبب
کیا ہوا ؟

انگریزی ملازمت سے انکار | لکھنؤ میں ۱۸۵۷ء میں دوبارہ انگریزی راج قائم ہو جانے کے بعد انگریزی
سرکار کو جو نوابی دور کے شرعی نظام عدالت کو برقرار رکھنا چاہتی تھی، تجربہ کار ملازمین عدالت دو کار تھے

اور مفتی صاحب کی شخصیت اس پہلو سے متعارف اور متاثر تھی۔ ان پر سرکار کی نظر سب سے پہلی گڑ جو مواد ایک واقعہ کے نتیجے میں برعکس ہوا، واقعہ کے راوی کا یہ دید بیان حسب ذیل ہے :-

”ایک انگریز فرنگی محل میں مفتی محمد یوسف کو پوچھتا ہوا آیا، میں اُن کے دو دانے تک اُسے لے کر گیا اور مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا ”ایک انگریز ملے آیا ہے“ وہ ہر سیدہ چائی پر بیٹھے کچھ تحریر کر رہے تھے، اُسے اند بُلایا، ایک شکستہ موندھے پر بٹھایا، اُس نے نکاح‘ طلاق سے متعلق بعض مسائل دریافت کرنے کے بعد مفتی صاحب سے استفسار کیا کہ جناب کی سرادقات کی کیا صورت ہے؟“ فرمایا ”بظاہر اسباب کچھ باقی نہیں رہا ہے“ اُس شخص کو ملازمت کی پیش کش کی تو فرمایا ”مذہبوں شرع کے احکام جاری کر چکا ہوں، خدا سے شرم آتی ہے کہ اس عمر میں خلاف شرع احکام دوں، اور انگریزی حکومت میں یہ ضروری ہوگا“ انگریز نے جواب دہ کافائنشل ڈیویشنل کیشنر تھا تو دیا کہ اسی ملازمت نہ ہوگی جس میں خلاف شرع حکم دینا پڑے، اور کہا کہ آپ کے لئے رجسٹری کا عمدہ تجویز کرتا ہوں، بس ایک کمرہ دیدیجئے، ایک منشی اس میں بیٹھ کر سب کام انجام دے لے گا۔ سہ پہر کو آپ صرف رجسٹر پر اور دستاویزوں پر دستخط کر دیا کریں گے، رجسٹری کا دفتر آپ ہی کے یہاں رہے گا“ مسلمان منشی نے جسے فائنشل اور جوڈیشل کیشنر دوسرے دن خود پہنچانے آیا تھا دن بھر کام کرنے کے بعد سہ پہر کو رجسٹر میں دستاویزات بغرض دستخط پیش کیا، مفتی صاحب نے پہلی دستاویز کو پڑھنا چاہا منشی نے کہا ”اس رجسٹری کی ضرورت نہیں ہے میں نے جانچ لیا ہے سب صحیح و مکمل ہے“ مفتی صاحب نے فرمایا ”بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر پڑھے دستخط کروں دستخط تو بمنزلہ شہادت (گوہی) ہوتے ہیں“ رجسٹر کھولا پہلی ہی دستاویز سودی قرضے کی نکلی، چہرہ سرخ ہو گیا، رجسٹر اٹھا کر پھینک دیا، منشی سے کہا ”ابھی یہاں سے نکل جاؤ“



منشی نے کسٹرن صاحبے جا کر صورت حال بیان کی، وہ اس خیال سے دوسرے دن منشی کو بلو کر پھر فرنگی محل آیا کہ منشی کی کسی االافتی پر مفتی صاحب بہم ہو گئے ہوں گے۔ جیسے ہی انگریز سامنے آیا، اُس پر برس پڑے اور کہا تبہ دین سے اس کے سوا توقع ہی کیا ہو سکتی تھی، میری ہی غلطی تھی کہ ایسے کے کہنے میں آگیا، اور زار و قطار دنا شروع کیا وہ چُپ بیٹھا ہوا، کچھ وقفے کے بعد اس نے استدعا کی کہ آخر ارشاد ہو منشی نے کیا غلطی کی، فرمایا: سودی قرضے کی تادیب پر میرے دستخط لینا چاہتا تھا جب کہ حدیث شریف میں سودی قرضے کی دتاویز لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے سب پر لعنت آئی ہے۔

کسٹرن نے بہت معافی چاہی اور کہا اب ایسی صورت تجویز کروں گا کہ یہ زحمت بھی نہ ہو، مفتی صاحب نے بالکل نام منظور فرما دیا۔ اس کے بعد بھی یہ کسٹرن کبھی کبھی ماسں دریافت کرنے آیا کرتا تھا۔

چشم دید رادی مصنف تذکرہ علماے فرنگی محل مکے والد تھے، واقعہ کے زمانے میں چشم دید

رادی کی عمر ۱۳ سال کی تھی (۲)

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد تقریباً پانچ برس، اسی عُمرت اور خانہ نشینی میں گذارے یہاں تک کہ مفتی صاحب کے عزیز اور شاگرد رشید مولانا محمد عبد اکلیم قرنگی محل (حضرت مولانا عبدالحی قرنگی محل کے والد ماجد) نواب سالار جنگ کی طلبی پر جب حیدرآباد دکن ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۱ء میں پہلے لگے تو انھوں نے حاجی امام بخش دہس جو پور (مدرسہ امامیہ حنفیہ جو پور کے بانی) سے اپنی جگہ اپنے اُستاد کو مامور کر دیا مولانا عبد اکلیم قرنگی محل تقریباً نو برس اس مدرسہ کے صدر مدرس رہے تھے، مگر مفتی صاحب کے درس کا فیض جو پور میں اس قدر عام ہوا کہ تمام مشرقی اضلاع میں ان ہی کا مسکہ چلنے لگا۔ یہاں ان کے حلقہ درس سے ایسے ایسے فضلاء روزگار نکلے جو خود نوادر العرش ثابت ہوئے۔

مفتی صاحب کے تلمذ کسی کو بھی اپنے استاد کا ٹیل مانے کو تیار نہ ہوتے تھے، ان کے ایک شاگرد
 تلمیذ مولانا محمد رفیع صاحب چریا کوٹی نے، جنہوں نے مدرسہ امامیہ خفیہ جو پورہ میں مفتی صاحب کے سامنے
 زانوئے شاگردی تک کیا تھا، اپنے استاد کی شان میں جو فارسی مثنوی کہی تھی، وہ مبالغہ اور غلو کی تمام
 مشرقی روایات کے باوجود اس گہرے تاثر کو برہ حال ظاہر کر رہی ہے جو مولانا چریا کوٹی کے لیے فاضل پر
 اپنے استاد کا تھا، چند اشعار مثنوی کے یہ ہیں

چو براوج کمال خود رسیدم ز سنگ آستانے بس چیدم
 چرسنگے ؛ سنگ ایوان شہ دیں کہ داد از شریعت ملک و آئیں

مولانا محمد خدوق چریا کوٹی نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم اپنے بڑے بھائی (مدرسیت کے علمی رفیق) مولانا
 عزایت درمول چریا کوٹی (م ۱۳۲۳ھ) سے حاصل کی، ہیئت کا فن مولانا محمد رحمت اللہ فرنگی علی (م ۱۳۳۳ھ)
 باقی مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور سے، ہدایہ اور اصول فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی علی سے اور احادیث زادہ یہ برہطان
 مولوی ابوالحسن منطقی سے اور بعض علوم ملا محمد نعمت اللہ فرنگی علی (م ۱۳۲۹ھ) سے پڑھے، علوم معقول و منقول و
 ریاضی و ادبیات جملہ علوم پر ان کو عبور کامل حاصل تھا، یہاں تک کہ موسیقی کے فن میں بھی انہیں دست رس حاصل تھی،
 مختلف مدرسوں میں وہ مدرس رہے، سب سے پہلے چشمہ رحمت غازی پور میں مدرس ہوئے، پھر غلام گڑھ کے مدرس بنے، کابلنگر کی
 مدرس میں بھی مدرس کی، سسرلم کو مدرسہ قلعہ میں کچھ دنوں ہی ملا، بادکوبہ کے مدرسہ اجیاء العلوم میں بھی قیام پایا، ۱۳۱۶ھ میں جب
 ندوۃ معلما نے لکھنؤ میں پانچواں دارالعلوم قائم کیا تو صوف اس میں مدرس بنی مقرب ہوئے، جب مولانا شبلی نعمانی مرحوم
 (م ۱۳۲۷ھ) دارالعلوم کے مستقر ہوئے تو مولانا چریا کوٹی ترک ملازمت کر کے لکھنؤ میں وکالت کرنے لگے اور بعض دیگر
 حکام کو بھی پڑھانے لگے، آخر میں ۱۳۲۹ھ میں مولانا شبلی مرحوم نے پھر ان کو دارالعلوم میں مادیب دل کو خدوے پر بلا لیا
 چند روزہ کے غلائی پور گئے تھے کہا سب سلاطین یہاں آئے تھے کہ میں ۲۸ اکتوبر ۱۳۲۹ھ مطابق رمضان ۱۳۳۰ھ
 کو وفات پائی (۳) لطیفہ فصیح بستی میں ایک نثریہ کلکڑا رہی، دیوہر سٹ تھا جو مولانا خدوق چریا کوٹی کا شاگرد
 تھا، وہ فارسی و عربی کا بڑا عظیم ہو گیا تھا، وہ سب سے پہلے اسلام آباد میں گریزی میں کر کے گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجا تھا، کو
 وکیل کو گریزی میں بحث کرنیکی اجازت نہیں دیا تھا، والد میں بحث کرنے پر اصرار کرتا تھا، ایک صاحب کو ان کا نام پوچھا، انھوں

جناب استاد و کعبہ عبادہ دلیل راہ مردان حق آسمانہ
 صحابہ ساکب جود النوال ہمامہ صادقہ و طود الکمال
 کعبہ فی العالیث الامادی کسیم فی السندی غیث الایاد
 کریم یوسف مصر معانی عزائے مرتبہ فضلش غزالی
 چہ یوسف ہ مصر معنی راعزیزے نیرزد ملک جسم پیش بہ پیزے
 بہ صورت شمع بزم یوسف آمد بمعنی غیرت بو یوسف آمد
 بہ گیتی در کالے ہم سرش نیست جینے خالی از خاک درش نیست
 بشوق مکتب در سش خطاطوں دے دارد چو بام بادہ پرخوں
 ادب گیر دبستانش اسطو بہ پیشش بو علی تہ کرد زانو (۵)

مولانا فاروق چریا کوٹی کے شاگرد رشید علامہ شبلی نعمانی بھی (جنہوں نے مفتی صاحب کا زمانہ پایا)
 لفظات کا ثبوت نہیں ملتا، اپنے استاد محترم کے زیر اثر مفتی صاحب کی جلالت علمی سے اس درجہ
 متاثر تھے کہ مفتی صاحب کی وفات کے دس بارہ سال بعد جب مدظلہ امیہ حنفیہ جون پور میں مفتی صاحب
 لی سبب درس پر ایک اور فاضل درس و تدریس کے لئے بیٹھے تو علامہ شبلی نے اپنے ایک شاگرد سے جو اسی
 مدرسہ میں تکمیل درسیات کے لئے داخل تھا، اس صورت حال اور اس قحط الرجال پر اپنے صدمے کا اظہار
 ان الفاظ میں کیا :-

آؤخ از دست فلک کہ ہماں جائے افادات مفتی محمد یوسف صاحب الکنول ایس شعر بر زبان
 حال دارد

الہجوم چنداں در دیرانہ جانماند آن قدر آباد شد آخر کہ ما برقا ستم (۶)

بعض تلامذہ مفتی صاحب کے مدظلہ امیہ حنفیہ میں علامہ درس کی حیثیت سے ماہر ہوتے ہی بقول مصنف

حیاتِ شبلیؒ خود مدرسہ کی دھوم دھام دور دور پہنچی، اور لائق و مستعد طلبہ کا جھوم ہو گیا۔ لیکن مفتی صاحب کی شمعِ تدریس کے گرد علم کے پردانے بہت شروع ہوئے، جس سے جمع ہونے لگے تھے، اقتدار سرکاری کا عمدہ ۱۹۷۷ء میں سنبھالنے سے پہلے ہی مفتی صاحب نے تدریس شروع کر دی تھی، اور کئی برس کی عمر میں جب حکومتِ اودھ میں عمدہ سنبھالا تب بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل برقرار رکھا، ان کے ۱۹۸۶ء سے پہلے کے تلامذہ میں وہ حضرات ہیں جنہوں نے لکھنؤ میں ان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، ان میں ان کے خاندان کے افراد بھی شامل ہیں، جن میں مولانا عبدالکلیم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن کے نام اور مشہور عالمِ فرزند مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے شروع سے آخر تک اپنے والد ماجد ہی سے پڑھا تھا، اور مولانا عبدالحی کے وسیع ترین طبقہ درس نے جو کمال حاصل کیا اس کے پیشِ نظریہ کناسحق بجانب ہو گا کہ مفتی صاحب سے تلمذ کا سلسلہ (بیک واسطہ) اطرافِ ہند و بیرونِ ہند کے گوشے گوشے تک پہنچ گیا، جس طرح مولانا فاضل چریا کوٹی کے واسطے سے نہ صرف اولین فضلاء زندہ بلکہ مغربی اہل علم بھی اس سلسلہ تلمذ سے منسلک ہوئے دوسرے قابل ذکر فرنگی محلی طیبہ، مولانا محمد عبدالرزاق (مشہور مرشد، عالم اور قوی ولی رہنما مولانا محمد قیام الدین عبدالباری کے جدِ امجد) تھے، جنہوں نے فرائض، معقولات اور ہدایہ مفتی صاحب سے تحصیل کئے اور فاتحہ الفرائض بھی ان ہی سے پڑھا (۱) اگرچہ وہ شیخِ طریقت کی حیثیت سے معروف ہیں لیکن ان کی زندگی کا آغاز صاحبِ درس مفتی اور معتمد کی حیثیت سے ہوا تھا، مفتی صاحب کے تلامذہ کی نامِ بنام فرست تیار کرنا ممکن نہیں، تاہم ایک قلمی بیاض میں ان کے بعض بیرونی شاگردوں کے نام بھی نظر آئے جنہوں نے ۱۹۷۵ء سے قبل ان سے درسیات کی تکمیل کی تھی، قابل ذکر مفتی امیر احمد مینائی امیر، ان کے بڑے بھائی مفتی طالب حسین مینائی اور مولوی بندہ جس لکھنؤ امیر مینائی کے سوانح نگار ممتاز علی آہ نے بھی لکھا ہے :-

اتحاد ہویں، انیسویں برس مفتی (محمد) یوسف اور مولوی عبدالکلیم فرنگی محلی سے نقد اور

امول پہلے کہ قانون تحصیل ہونے اور فضیلت کی پگڑی باز ہو گئی۔

ارباب کے و ائمہ شاہ رفیع الزماں کے حوالہ تئیں قاضی فیض، متاخر مدرس اہل احباب علیہم
مولانا سید شاہ فرید الدین احمد عرف حکیم بادشاہ مرحوم کو بھی بعض تذکروں میں مفتی صاحب کا شاگرد کہہ
دیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دیگر حوالوں کی کتابوں سے ملتی عمر و صفت کے چند اہل علم کے نام ملتے ہیں جن کے
بارے ہیں۔

(۱) شیخ محمود بن مولانا کریم علی جون پوری (۲) مولانا مسعود حسین بہاری (۳)
مولانا اسلامت اللہ جیراج پوری (۴) مولانا شبلی بن سخاوت علی جون پوری (۵) مولانا شکر اللہ
صبر حدی (۶) مولانا عبد اللہ قازی پوری (۷) مولانا عبد اللہ جیراج پوری (۸) مولانا وکیل احمد
سکندر پوری (۹) مولانا شاہ عبد العظیم آستی قازی پوری۔
یہ تمام وہ حضرات ہیں جنہوں نے جون پور میں مفتی صاحب کے قیام کے زمانے میں ان کا پڑھا تھا۔
بعض تلامذہ کے تحت سطوبالامیں جو نام درج ہوئے تھے وہ (۱۰) مولانا عبد العظیم فرنگی علی (۱۱) مولانا
شاہ عبد الرزاق فرنگی علی (۱۲) امیر مینائی (۱۳) طالب حسین مینائی (۱۴) مولانا بندہ حسن لکھنوی۔
(۱۵) علامہ فاروق چریا کوٹلی،

علی ادبی اور علمی حیثیتوں سے یہ سب تلامذہ بجائے خود تاریخ کے مالک ہیں۔
مفتی صاحب کے بارے میں مولانا محمد عبد الباقی (فرنگی علی صاحب مدنی) نے لکھا ہے:-

وكانت له في الفقه و اصوله	مفتی صاحب کو فقہ اور اصول فقہ
البيد الطولى..... وكان	میں ید طولیٰ ماحصل تھا، ان کی تصنیف
تقریرہ افضل من تقریرہ	سے زیادہ بہتر ان کی تدریس تھی۔

مولانا عبد الحمید فرنگی علی نے جو بیک واسطہ مفتی صاحب کے شاگرد تھے اور معاصر بھی لکھا ہے:-

① تذکرہ علماء ہند (مصنفہ رحمان علی) میں مولانا شاہ فرید الدین احمد اربادی کے ذکر میں لکھا ہے:-

کان یوسف عصی فی الجمال شکل و صورت اور فضل و کمال ہیں
والکمال جامعاً للفرح والاصول اپنے عہد کے یوسف تھے، علوم میں نفا
حاویاً للمعقول والمنقول ذی اور اصول کے جامع، معقول اور منقول
مجاهدة وریاضة وعبادة کے ماہر و عبادت پر اہست، کشف و
مکاشفة متہجداً معتبلاً حقائق سے متصف، تمہید گزار کا مشابہ، دلی
شب روز کے معمولات | مفتی صاحب کے روز و شب کے احوال اُن کے ایک جون پوری مرید کی مدد وایت
کے مطابق اس طرح تھے۔

”مفتی صاحب معمول تھا کہ نصف شب کے بعد بیدار ہوتے، عبادت بعد ذکر باجمہر فرماتے،
نماز فجر کے بعد تلاوت، اس کے بعد ورزش اس کے بعد غذا نوش فرماتے اور شب بے روز
میں صرف اسی وقت غذا نوش فرماتے، اس کے بعد درس شروع ہوتا جو ۱۱ بجے دن تک

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) ”بیشمار لکھنؤ و خدمت علماء عصر یعنی مفتی محمد یوسف و مولوی نعمت اللہ مفتی محمد اصغر
و مولوی حسین احمد لکھنؤی فرنگی علی و آخون شیر محمد ولایتی تحصیل علوم متعارفہ و مستاد و نودہ“۔

شاہ صاحب کی خود نوشت سوانح عمری جو ہنگ علی تھی اور فرنگی محل کے ذخیرہ کتب میں راقم الحروف کو دستیاب ہوئی
تھی، شاہ صاحب کے خاندان کے سید مظہر حسن (سابق وزیر تعل و جل و پر ویش) نے مع اردو ترجمے کے شاہ صاحب کی
ہے، اس میں شاہ صاحب نے فرنگی محل میں اپنے اساتذہ کا اس تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کس سے کون کتائیں
پڑھیں۔ ان میں مفتی محمد یوسف کا نام نہیں ہے، ان کے اساتذہ میں مولانا محمد برہان الحق فرنگی علی مولانا محمد حسین
فرنگی علی مفتی محمد اصغر فرنگی علی مولوی محمد ولی اللہ فرنگی علی، مولانا محمد نعمت اللہ فرنگی علی، آخون شیر محمد ولایتی
شاگرد مفتی محمد ظہور اللہ فرنگی علی اور مولوی محمد اسماعیل لدنی (شاگرد علمائے فرنگی محل) ہیں۔ شاہ صاحب
ایک استاد مولانا حسین احمد لکھنؤی فرنگی علی کے نام سے تذکرہ علماء ہند میں مذکور ہیں، یہ علی فرنگی محل کے
شاگرد تھے، ریح آباد ضلع لکھنؤ کے رہنے والے، حدیث کا درس دیتے تھے، اس نے محدث نام کا جزیہ ہوگا، شاہ
عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے حدیث پڑھی تھی اور بعض علمائے فرنگی محل نے ان کی حدیث پڑھی۔

ہوتا اس کے بعد کچھ روز تک تعلیم خرا کر آدم فرماتے، پھر نادر پڑھتے، اس کے بعد پھر مدرس میں لڑتے، مگر کچھ بعد پھر تائیت و تصنیف میں مصروف رہتے، بعد
عش آدم فرماتے،

طریقہ درس سے متعلق واقعہ | مولانا محمد غایت اللہ زنگی علی نے مفتی صاحب کے درس کے سلسلہ میں یکجا اس جامعہ کو پڑھاتے ہوئے جن میں راقم بھی شامل تھا ایک واقعہ کا ذکر کیا تھا (مولانا غایت اللہ ۱۹۱۷ء میں ایک سال کے لئے ملک تلامیہ حنفیہ (جون پور) میں مد مدرس رہے تھے، اس لئے تک مفتی صاحب کے دیکھنے والے تیز مریدا اور بعض بلا واسطہ شاگرد، جو پور اور اطراف میں موجود تھے) ایک طالب علم نے جو مفتی صاحب کے درس کی شہرت سکرپائی درس گاہ کی تعلیم میں کمی کر کے جوڑا آیا تھا، کچھ دنوں درس میں شریک رہ کر محسوس کیا کہ اس درس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی جو باعث ترویج ہمد اپنا یہ اثنا اُس نے ہم درس طلبہ سے بیان بھی کر دیا، مفتی صاحب تک بھی غبر نہ ہوئی۔ اسے جاکر فرمایا کہ کل سویرے ہی سبق پڑھنے آجا، سویرے جن طلبہ کا درس مقرر تھا ان کی آمد پر ان سے کہنا کہ آج ان طالب علم کا سبق ہوگا، اور صبح اس کا درس شروع کر دیا۔ زیر درس عبارت کی تشریح میں عبارت اور فن کے رتبہ و نکات بیان کرنا شروع کر دیے، یہاں تک کہ اربع گئے، بعد ظہر بھی پھر بعد عصر بھی یہی سلسلہ جاری رہا، دوسرے اسباق اُس دن موقوف رہے، مغرب کے قریب طالب علم اُٹھنا کے قدموں میں سر رکھ کر گستاخی کی مصلحت چاہی مفتی صاحب دنگ نہ کرتے ہوئے فرمایا، اگر اسی طرح پڑھانے سے اطمینان ہو تو دوسرے تہام اسباق کے لئے وقت کہاں پہنچ سکتا؟ شاگردوں کی تربیت | مفتی صاحب زیر درس طلبہ کی تربیت پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے، درس و مقررہ وقت سے تاخیر پر، خواہ تاخیر کا سبب معقول ہی کیوں نہ ہو سخت سزا سناتے، اسی طرح لباس کا اہم مقام

کرنے والے طبقہ سے بھی برہمی ظاہر فرماتے، اس سلسلہ میں سید عبد المنان فرنگی علی کے دو واقعے ہیں۔
 تذکرے میں درج ہیں، اول یہ کہ مولانا کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی، مفتی صاحب کے دریا کی آغوش
 کتابیں پڑھ رہے تھے (اُس زمانہ میں مفتی صاحب اپنے پردادا کے ہاتھمالی مکان میں رہتے تھے جو فرنگی علی
 سے میل بھر کے فاصلہ پر سوت پٹی میں تھا، فرنگی علی سے سوت پٹی جانے میں ایک ہالہ پڑا تھا، جہاں
 اکثر دن میں بھی بھیڑ یا آجایا کرتا تھا، مولانا گھر سے جانے کے قریب معلوم ہوا کہ بھیڑ آگیا ہو
 اور ایک شخص کو زخمی کر چکا ہے لوگ بھاگ رہے تھے، مولانا بھی بھاگے اور گر پڑے، اس سے قدرے تاخیر
 ہو گئی، مفتی صاحب نے تاخیر بہت خفتہ کیا اور سبق پڑھا شروع کر دیا، سبق کے بعد فرمایا اٹھو مولانا
 دھو اور کپڑے منگا کر پہنائے اور خود گھر پہنچائے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے مشروع کا پانچواں ادبک کا کرتا بنوایا اور اس کو بہن کو مفتی صاحب
 کے مکان پر پڑھنے گئے، مفتی صاحب نے ملاحظہ فرماتے ہی کتاب بند کر دی اور فرمایا جب اس قدر جلد توڑ
 کا خیال ہے تو بس تحصیل علم ہو چکی، (مفتی صاحب مولانا کے حقیقی بڑے چھوٹے چچا زاد بھائی تھے، مولانا سے

① سوت پٹی، آج کل وہ سڑک چھ بگت خائن روڈ کے ہیں جو ٹیکس کال سے شروع ہو کر رفاہ عام اور
 کریمین کالج ہوتی ہوئی گولڈ گنج سے آگے چلی جاتی ہے اس میں وہ بڑا علاقہ جہاں سیٹل اسٹیشن رفاہ عام اور چھوٹی
 ریلوے لائن کے گزرنے کے لئے چھتے بنے ہوئے ہیں، یہ پورا علاقہ ریزیدنس ایکٹ سوت پٹی کہلاتا تھا جہاں بڑے
 بڑے باڈار اور محلات تھے، عام قبرستان بھی تھا (اس قبرستان میں مشہور اردو شاعر میر تقی میر کی بھی قبر ہے) مشہور
 کے ہنگاموں میں یہ بستی تیس تیس ہو گئی، بہت کچھ مڑ گئیں نکالنے میں کام آگئی، اور جگہ جگہ نئی تعمیریں
 ہو گئی ہیں، یہاں مفتی محمد مراد لکھنوی کا جو شہر کے ایک رئیس تھے مکان تھا، مفتی مراد، مفتی محمد یوسف کے
 پردادا کے حقیقی نانا تھے، مفتی مراد کی ایک ہی بیٹی تھیں، اس صاحب سے ان کی ملاک ان کی بیٹی کی ملاک
 کے تھے میں آئی۔

ی طرح سے گلاھاٹیا گیا اور اس کا کرنا پانجام ہوا، ایک کارکن گلاٹھے کے پانچاڑ کے ساتھ اور گلاٹھا
کارکن شریوڑ کے پانچاڑ کے ساتھ میں کرب کی بارمنق صاحب کے یہاں گئے اور انھوں نے دیکھ لیا تب
سین پر پڑنے کی ہدایت دی

بیعت [منقہ محمد یوسف نے چودہ برس کی عمر میں مولانا شاہ احمد انوار الحق فرنگی محل (۱۲۳۶ھ) سے
مسئلہ قاضیہ رتہ اقیہ میں بیعت کی تھی، ایک ہی سال کے اندر مرشد کا دھال چو گیا، مرشد کے خلیفہ اپنے
والد (اہل کے حقیقی پیر عجمانی) مولانا محمد عبدالولی (۱۲۴۹ھ) سے اوراد واذکار حاصل کئے۔
اور ان کے خلیفہ ہماز جوئے، منقہ صاحب مسئلہ قاضیہ رتہ اقیہ کی اشاعت بھی ہوئی، ان کے مرید بھی ایک
صاحب حافظ قدرت اللہ جو پوری بھی تھے جن سے منقہ صاحب کے معولت روز و شب کی روایت معین
تذکرہ ملے فرنگی محل نے کی ہے۔

مسئلہ جماد پر فتویٰ [منقہ صاحب کی سرکاری خدمت کے آخری سال میں اودھ میں ایک سانچہ پیش آیا،
وہ یہ کہ جو دھیا (فیض آباد) میں واقع ہونا گدھلی میں مغل دور کی ایک چھوٹی مسجد تھی جسے اودھ کی
حکومت کے ضعف کے زمانے میں شہید کر دیا گیا تھا، ایک صاحب شاہ غلام حسین نامی ایک جمعیت کے
ساتھ مسجد کی واکنداری کی کوشش میں جو دھیا پہنچ گئے اور باری مسجد میں قیام کر کے اپنے مقصد کے حصول
کی سعی میں مصروف ہو گئے کہ اچانک ایک سلاطین جمعی نے باری مسجد پر حملہ کر کے مسجد میں مقیم تمام
لوگوں کو قتل کر دیا، قرآن شریف کی بھی بے حرمتی کی، اس سانحے کے مشہور ہوتے ہی راجدھانی لکھنؤ میں
ہل چل مچ گئی۔ اودھ کے آخری حکمران واجد علی شاہ کا دور تھا، اور وزیر اعظم نواب علی نقی خاں تھے، جنھیں

سلاطین نے کہا جاتا ہے کہ رام چندر جی نے لٹکا کی فتح کے بعد اچھوڑ دیا کہ اس ٹیلے پر ہونا کو بٹھایا تھا اس بنا پر وہ
"ہونا بٹھک" کہلنے لگا تھا منظرہ دور میں اس بلند جگہ ایک چھوٹی سی مسجد بھی بن گئی تھی، شجاع اللہ
(نواب وزیر اودھ) کے زمانے میں جب وہ بکسری کم میں مصروف تھے، ایک تہیت نے وہاں چھپر ڈال کر ہونا
کی مورقی نصب کر دی، مسجد میں رہنے والے نوڈن نے اس موقع پر کوئی مزاحمت پیش کی۔

بادشاہ سے زیادہ انگریزوں کا وقار تاریخ میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

مسلم رہنما نے نواب علی نقی خاں سے وادری چاہی، انھوں نے ہومان گدھی میں مسجد بنوانے کا جوتہ مل جانے پر مسجد بنوادینے اور محرموں کو سزا دینے کا یقین دلایا، پہلے جانچ رپورٹ ثبوت مسجد کی گئی ہے دربار کی بیرونی اور اندرونی ریشہ دو انہوں نے مسترد کر دیا، دوسرا جانچ نکیشن مقرر ہو جس نے مختلف رپورٹ دی، اس دوران میں مولانا سید امیر الدین علی امیشوی کی قیادت میں ایک نجی لشکر تیار ہو گیا جس نے سرکاری وعدوں میں لیت و صل کا اندازہ کر کے خود بھیڑیا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، ماس پیش قدمی کو روکنے کی سرکاری تدبیروں میں سے ایک تدبیر یہ بھی اختیار کی گئی کہ محلے قریب سے مستعار کیا گیا اگر نجی لشکر کی پیش قدمی زمرہ جہاد میں داخل ہے یا نہیں؟ مفتی محمد یوسف سے بھی استفسار کیا گیا انھوں نے جو جواب دیا اسے سرکار کی حمایت سے تعبیر کیا گیا اور مفتی صاحب سرکاری عہدہ تھے بھی، اس صورت حال نے مفتی صاحب کو اچھا خاصا ملعونِ خلافت بنا دیا، فرنگی محل کے بیشتر علماء مولانا امیشوی کی طرف بھی تائید کر رہے تھے، اور غیر سرکاری استفسار جو تیار کیا گیا تھا اس کے جواب میں بعض محلے فرنگی محل نے فریضہ جہاد کا حکم بھی دیا تھا، جن میں خود مفتی صاحب کے شاگرد مولانا شاہ محمد عبدالرزاق فرنگی علی بھی شامل تھے، انہوں کو زیر بحث لگ کر نہ لایا جائے تو تواریخ و حوادث میں فقہار اور صاحبانِ اقدار کا اختلاف بہت عام بات ہے، مزید بحث معاملہ محض فقہی ہوتا تو اس اختلاف کی سنگینی اس قدر محسوس نہ کی جاتی، مگر اس معاملہ کا نائب پہلو جذباتی تھا۔

بہر حال مفتی صاحب کو اس دور میں اچھی خاصی دوسو سال کا سامنا رہا، عبارت استقامت مختصر اداء مفتی صاحب کا مکمل جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :-

عبارت استقامت | مولوی امیر الدین علی باسقام ہے ادبی کلام مجید و انہدام مسجد و کشتہ شہیدان

شہیدان اور حکمران برائے جہاد بہ ساری جوانان گدھی ی شونہ و در مقام دریا باد افواج
شاہی سدا راہ شدہ مخالفت کو چھی ساراند، مولوی صاحب فسخ و حیثیت فی ساراہ باد افواج

باعثِ سادہ حکمِ بالادست مجبور شدہ یہ مصلحت چننا یا مرنے والی ہی فریاد کریں
حال اگر... ہمارے وقت کا یہ زمانہ اور افراتفرافِ اسلام تو تو آید پس
مرگِ مسلمانانِ طریقت کیوں نہ ہو؟

دوسری امیر الدین علی گڑھ کے شاہی فوج کے روکنے سے روک نہیں پڑیں
بادشاہ، بالادست حکام (مراد انگریز) کی نافرمانی کے اندیشے سے مجبور ہو کر مولوی سنا
کو مصلحتاً چار دیواری کے لئے روانہ ہونے سے روک رہے ہیں، اس صورتِ حال میں اگر
ہمارے یہاں اور شاہی فوج میں تصادم ہو جاتا ہے اور اس میں لوگ کھمبے میں آدھوں
طرف کے ہائے جانے والے مسلمانوں کے ہائے میں کیا فرماتے ہیں طلباء دین؟
مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی نے تفصیل جواب لکھا (وہ بھی عدالت اور میں مفتی تھی
اور فتویٰ صادر کیا کہ مجاہدین کو آگے جانے کے بجائے واپس آ جانا چاہئے یہ جہاد نہیں ہے۔
مفتی سعد اللہ کی تصویب کرتے ہوئے مفتی محمد یوسف نے یہ جواب دیا۔

جواب فی الواقع فتحِ حریت ہی باید و در شہادت و شہداء است، والٹر اعظم کتبہ محمد یوسف
دو قحی آگے کا قصد ترک کر دینا چاہئے، شہادت کا مرتبہ پہنچنے کی بات ہے
سفرِ زیارت جب مفتی صاحب کی عمر عربی سا پچیس سال کے قریب پہنچی تو انھوں نے فریاد
ادا کرنے کا قصد کیا، اس سے قبل ایک دفعہ وہ سخت طویل ہو گئے تھے، حالتِ آخری ہو گئی تھی کہ خواب
میں ان کو بشارت ملی کہ ان کی موت حاجتِ سفر میں ہوگی
۱۲۹۹ھ میں وہ اپنی پوتی کے عقد میں جو مولانا احمد علی کے ساتھ ہوا، فرنگی محل میں آخری بار آئے
اور تقریباً چھ مہینے قیام کے بعد جون پور واپس آ گئے۔

شعبان ۱۲۹۹ھ کے آخر میں جون پور سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے اور پہلی رمضان کو بحری جہاز

سے پہلی روانہ ہو کر آخر رمضان میں جدہ پہنچے، وہاں ایک عیدینہ قیام کے آخر شوال میں مدینہ منورہ روانہ ہوئے، راستے میں طالت اس سال کبدی شروع ہو گئی، مدینہ منورہ میں حاضری نصیب ہو گئی اور جو اور رسول (علیہ وسلم) لا لہ الصلوٰۃ والسلام میں ۱۹ دفعہ جمعہ ۱۲۸۶ھ کو وفات پائی اور جنت البقیع میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی۔

بیان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد مدینہ شریف کے ایک بزرگ کو حضرت علی الشریف علیہ السلام کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اس شخص (مرحوم مفتی صاحب) نے جو ان کی مرنے دم تک کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

تصانیف | مفتی صاحب کی متعدد مفید اور مضامین اینڈ پرنٹل تصانیف ہیں :-

- (۱) شرح سلم حاسن پر حواشی (۲) شرح سلم قاضی مبارک پر حواشی (۳) شمس بازو پر حواشی
- (۴) حاسن کے شمس بازو پر حواشی کا مکملہ (۵) ابن سینا کی تصنیف کتاب الشفا کے طبیعات پر حواشی جو باتمام ہے (۶) شرح قطب جلد اول کے ابتدائی حصے پر حواشی (۷) تفسیر مہیاوی پر حواشی
- (۸) مجمع بخاری پر حواشی

اہل دیوان | مفتی صاحب کا عقد مولانا عبدالاحد (طابواہلہم) کے پوتے کی بیٹی سے ہوا، جن سے ایک بیٹے محمد مدنی اور دو بیٹیاں ہوئیں، بیٹیوں کا عقد فلانہاں ہی میں ہوا، ایک کا مولوی محمد فیض اللہ وفاقا اللہ مرزا کا بیٹا محمد انعام اللہ انعام و نعم کے ساتھ بیٹے محمد مدنی نے جن کی کفایت ابو ابھیش تھی درسیات کی تکمیل نالہا جد ہی سے کی، سلطنت اودھ میں مفتی عدالت کے منصب پر کچھ عرصے اپنے والد ماجد کی قائم مقامی کی، اگر بڑی حکومت کے زمانے میں رجسٹری کے عہدے میں ملازم ہوئے اور ان کا عقد مولانا عبدالکرم (طابواہلہم) کے پوتے کی بیٹی سے ہوا، جن سے دو بیٹیاں اور دو بیٹے محمد قاسم اور ابو محمد ہوئے ابو محمد کا استعجال شادی بیاہ سے پہلے ہی ہو گیا، بیٹیوں کا عقد فلانہاں ہی میں ہوا، ایک کے شوہر مولانا

ہام مولانا عبدالحی ننگی علی تھے، دوسری کے شوہر مولانا عبدالحی ننگی علی۔

مولانا محمد ہمدی کی وفات ۱۳۳۳ھ میں دہلی میں ہوئی، وہ فیض آباد گئے ہوئے تھے، وہاں ہی یہ حادثہ پیش آیا۔ ان کی تصنیف و تالیف درس و تدریس نیز بیعت کے سلسلے میں کئی حوالہ نہیں ملتا۔

ان کے بیٹے مولوی محمد قاسم نے اپنے نامور مد مفتی محمد یوسف سے کتب درسیہ پڑھیں، وہ حافظ قرآن بھی تھے۔ ان کے درسیات کی تکمیل اور بیعت وغیرہ سے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا، ان کا استاد خانہ ان میں حمزہ العلماء مولانا محمد ظہور علی کی بیٹی کے ساتھ ہوا (خانہ دن کی یہ شاخ حیدر آباد دکن میں بودجا رکھتی تھی) جن سے ایک بیٹے محمد یوسف بقید حیات رہے، جن کا عرف مفتی میاں رکھا گیا، خود مولوی محمد حیدر آباد دکن میں رہے، مولوی (ذبت مولانا محمد ظہور علی) کے انتقال کے بعد حیدر آباد ہی میں انھوں نے دوسرا عقد خانہ ان سے باہر کیا جن سے اولادیں ہیں، مگر ان کے احوال معلوم نہیں ہو سکے ۲۹۔ مولوی قاسم کی وفات ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔

حوالہ جات

- (۱) مقدمہ عمدۃ الرعاہ از مولانا عبدالحی ننگی علی (مطبوعہ عربی)، تذکرہ علماے ننگی محل
- از مولانا محمد عنایت اللہ (اردو مطبوعہ صفحہ ۱۰۴)۔ (۲) حیات شبلی از علامہ سید سلیمان ندوی (اردو مطبوعہ صفحہ ۴۵)
- (۳) تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی (اردو مطبوعہ صفحہ ۴۵-۴۶)۔ (۴) تذکرہ علماے ہند از مولوی رحمان علی (فارسی مطبوعہ صفحہ ۲۱۸)۔ (۵) حیات شبلی مذکورہ صفحہ ۴۹، (۶) انوار مذاقبہ از شیخ محمد الطاف الرحمن قدوائی (اردو مطبوعہ صفحہ ۵)۔ (۷) قلمی بیاض از شمس لعل از مولانا محمد نعیم ننگی علی (م ۱۳۱۸ھ)۔ یہ بیاض مولانا نعیم کے پر پوتے ادبغا نشین مولوی محمد ناصر مرحوم (م ۱۳۱۹ھ) کے

کے پاس تھی اس سے قائم انھوں نے کچھ چیزیں نقل کر لی تھیں اب یہ بیاض فلک کے گھر سے لاپتہ ہو گئی۔

(۹) مطالعہ امیرالامہ اکثر ابو محمد سحر (مطبوعہ اردو منٹ) (۱۰) تذکرہ علما سے ہند مذکورہ ص ۱۹۱ (۱۱) قطب دائرہ (ترجمہ مولانا شاہ شہر عطاء سنوئی (مطبوعہ) (۱۲) برکتہ اعظم والعل فی سکاں فرنگی محل از مولانا محمد عبدالباقی فرنگی محل حجاز مدنی (عربی مخطوطہ) (۱۳) مقدمہ عمدۃ الراعیہ مذکورہ بالا (۱۴) تذکرہ علما فرنگی محل مذکورہ بالا (۱۵) انوار الناقیہ مذکورہ ص ۱۶۷ (۱۶) انوار الناقیہ مذکورہ ص ۱۷۰ (۱۷) خیر العمل از مولانا عبدالحی فرنگی محل (مخطوطہ عربی) (۱۸) حدیقہ شہداء اہل ہنومان گدھڑی کی مسجد اور اس کے سلسلہ میں مولانا سید امیر الدین علی شہید امیٹھوی کے واقعہ کے موضوع پر حدیقہ شہداء نہ صرف معاصر تصنیف ہے بلکہ ایسے مصنف کے قلم کی لکھی ہے جو مولانا امیٹھوی شہید سے قربت رکھتا تھا اور اسے مولانا شہید نے شکر میں شامل ہونے سے باز رکھتے رہے راجدھانی لکھنؤ میں بطور سفیر خاص مقیم رہنے کا حکم دیا تھا، اس کی یہ کتاب اس واقعہ کے سلسلے میں لکھنؤ میں درباری اور عوامی رجحانات کے مشاہدات اور شکر مجاہدین کی بیرون لکھنؤ سرگرمیوں سے متعلق موصولہ اخبارات و اجتنو تحریرات پر مشتمل ہے، اس کا نقطہ نظر از روئے تاریخ غیر جانبدارانہ نہیں کہا جاسکتا ہے تاہم واقعات کے اعتبار سے یہ کتاب مستند و محض ہے، مصنف کا نام مرزا جان ہے جو قلمی نام معلوم ہوتا ہے، بچپن میں کانوں میں پڑا تھا کہ مصنف کا خاندانی تعلق شیخ زادگان لکھنؤ سے تھا، راقم کے سن شعور میں اس خاندان کے ممتاز فرد شیخ شوکت علی دیکل تھے جن کا احاطہ شیخ شوکت علی واقع رکاب گنج آج بھی معروف ہے کتاب اس سال چھپی جس سال مولانا امیر الدین علی شہید کا واقعہ پیش آیا۔

(۱۹-۲۰) حوالہ بالا (۲۱) خیر العمل مذکورہ بالا (۲۲) تذکرہ ص ۱۶۷ (۲۳) برکتہ اعظم والعل مذکورہ بالا

(۲۴) خیر العمل مذکورہ بالا (۲۵) مقدمہ عمدۃ الراعیہ مذکورہ بالا (۲۶) خیر العمل مذکورہ بالا (۲۷) حوالہ مذکورہ

(۲۸) تذکرہ علما فرنگی محل مذکورہ بالا (۲۹) برکتہ اعظم والعل مذکورہ بالا (۳۰) تذکرہ علما فرنگی محل مذکورہ

اشعار و قصائد کی دینی حیثیت

از

مولانا عبدالرؤف رحمانی مہمند انگریزی، ناظم جامعہ سراج العلوم جہانگیر، فیصلہ

(۲)

شاعر کی قدردانی | مروان بن ابوسفہ نے من بن زائدہ کی وفات پر مرثیہ کہا، حاتم وقت جعفر کی
انعام و اکرام | نے بلا کر پوچھا کہ من کی اولاد نے تجھ کو اس مرثیہ خوانی پر کچھ دیا، شاعر نے کہا کہ کچھ
نہیں دیا، پھر پوچھا کہ اگر من زندہ ہوتا تو تجھے ان شعروں پر کیا دیتا؟ اس نے کہا کہ تقریباً سو اشعار
جعفر پر کیے کہ من اور زیادہ دیتے، یہ کہہ کر حکم دیا کہ مکان روانہ ہونے سے پہلے ایک ہزار چھ سو
شرقی میرے فراخی سے لے لیتا، (مرآۃ البیان ج ۳ ص ۳۳)

کئی عجیب و غریب قسم کے سخی و فیاض تھے، آج چہرا رخ زیبائے کر ڈھونڈو تو اس کی
نظیر یہ ہماریک دنیا خالی نظر آئے گی،

انعام کی مقدار عظیم | خلیفہ ہمدی نے مروان بن ابوسفہ شاعر کو ہر شعر پر ہزار درہم دیا، اس طرح
ستر شعروں پر ستر ہزار درہم نقد حاصل ہو گیا، (مرآۃ البیان ج ۱ ص ۳۹)

ایک اور عظیم مقدار انعام | علامہ یافعی لکھتے ہیں کہ ایک عباسی خلیفہ نے صرف ایک بیت پر خوش ہو
تین لاکھ کی ایک تھیلی شاعر زہاں مروان بن ابوسفہ کو دے ڈالا، (مرآۃ البیان ج ۳ ص ۳۹)

ایک عجیب و غریب سرائی پر ایک عظیم انعام | یزید بن حاتم (حاکم افریقہ) کی تعریف میں ایک شاعر

دو شعر پڑھے

یا واحد العرب الذی
ماکان مثلاً آخر
فمنی ولیس للظفر
ماکان فی الدنیا فیتور

اے عرب کے واحد فرد اور بے مثال شخص، اگر تمہارے اند کوئی اور بھی دوسرا شخص ہو تو دنیا میں کوئی فقیر و محتاج نہ رہ جاتا،

یزید نے اپنے خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ خزانہ میں کتنی رقم ہے، اس نے کہا، سنے اور چاہی کے سکے اور سلیں لاکر میں ہزارا شرن کی مالیت ہے، یہ سن کر خزانچی سے کہا کہ سب ان کو دے دے اور شاعر سے کہا:

یا سخی معدنۃ الی اللہ تعالیٰ
ثم الیک واللہ لوکان
اے بھائی! یہ میری معدنیت قبول
کر دو کہ اس سے زیادہ میرے پاس
اس وقت کچھ نہیں ہے، ورنہ اگر کچھ
ہوتا وہ سب کچھ تمہارے حوالہ کر دیتا،
(مرآة البیان ج ۱ ص ۳۹۹)

شاعر کی ادنیٰ تحریک پر | فیاض زانہ بھیمی بن خالد پر کی کا قاعدہ تھا کہ سواری کے وقت جو بھی اس کے پیش قرار عطیہ سامنے آتا، اس کو دو سو درم دلاتا، ایک دن ایک شاعر سامنے آگیا۔

اس نے یہ دو شعر پڑھے

کل من تر فی الطمین علیکم
ما تاد سارہم لشل قلیل
قلہ من فاکلہما تان
حی منکم للقایس العجلان

یعنی سربراہ چلتے چلتے مل جانے والوں کو آپ دو سو درم دے ڈالتے ہیں، مگر مجھ جیسے فرد کو یہ رقم کافی نہ ہوگی۔ اس پر دو سو کے بجائے پیش ہزار درم منظور ہو گیا۔

بچہ کی ولادت پر مبارکباد | فیض نثار فضل بن یحییٰ برکی کے یہاں ایک بچہ تولد ہوا، تو شاعر نے
 فضل بن یحییٰ کا اکرام | مبارکباد دی، اور اشعار میں کا انعام حاصل کیا، ایک دینی شاعر
 نے برسرِ شرف ہوا:

دیفراح بالمولود من آل یحییٰ | ولا یتیمان کا من ولدا فضل
 آل برک کے ہر فردِ مہیدہ بچے سے لوگ خوش ہوتے ہیں، خاص طور سے جب وہ بچہ فضل بن
 کا ہو، (مرآۃ الجنان ص ۲۴۲)

فضل بن یحییٰ برکی نے خوش ہو کر اس شاعر کو دس ہزار اشعار کی ایک شعر پر دے دیا،
 اشعار سے عبرت پذیری | خلیفہ متوکل سے کسی شخص نے شکایت کی کہ امام بلوآمن عسکری طاعت
 اور قدر دانی | کی متنازعہ کتھے ہیں، یہ سن کر خلیفہ متوکل نے فرمایا، خفیہ چہا پر ہا جس مال
 میں ہیں، ان کو اسی حالت میں حاضر کر دو، وہ بال کارتر پہنچے ہوئے تھے، اور سوت کی چادر پر بیٹھے
 ہوئے تھے، اور قرآن پاک کی آیات کو ترجمہ سے پڑھ رہے تھے، اسی حال میں خلیفہ متوکل کے سامنے
 حاضر کیے گئے، خلیفہ نے ان سے کہا، انشد فی شعر، مجھے کوئی شعر سناؤ، امام عسکری نے فرمایا
 کہ میں اشعار بہت کم جانتا ہوں، خلیفہ نے کہا، کچھ نہ کچھ ضرور سناؤ، تو ان اشعار کو سنایا:

ناد اھم صلاخ من بعد ما قبر | این الاسراۃ والیتیمان والحمل
 میں الوجوۃ الحق کانت منصفۃ | من عدلھا لغریب الاستادوا تکمل
 فانضم القبور حین سائلہم | طلب الوجوۃ علیھا اللہ وقد مقتل
 یعنی کسی نے قبر میں جانے والوں سے پوچھا کہ تخت و تاج اور شاہی لباس دے کر کیا ہوئے،
 اور ناز و نعم میں پے ہوئے چہرے بن کے سامنے پر دے اور حجاب لگے رہتے تھے کہاں گئے، تو قبر نے کہا
 کہ دیکھو یہ چہرے موجود ہیں، اور کپڑے کوٹے ان پر ڈالے ہوئے ہیں،

متوکل بن شاعر سے متاثر ہو کر دیر تک مدد دیا، یہاں تک کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر چھپا کر تم پر کچھ قرض ہو تو ادا کر دیا جائے، انہوں نے کہا، چار ہزار اشرفی مجھ پر قرض ہو، متوکل نے چار ہزار اشرفی دے کر ان کو عزت سے رخصت کر دیا، (مرآۃ البیان ج ۲ ص ۱۶۱)

ایک شعر کے ذریعہ التماس | سیف الدولہ کے پاس مقام "ملب" میں قاضی ابو نصر شیشہ پوری آئے
فی الغر انتظام | اور یہ شعر پڑھا:

جنايت معتاد و معرک نافذ | و عیدت محتاج الی الفتح

یعنی آپ کی خدمت میں سب کی عافری ہوتی ہے، اور آپ کا علم سب کے لیے جاری ہوتا ہے، چکا یہ خاکسار فادم ہزارہ دم کے لیے خردمند ہے۔

قاضی صاحب کے اس سادہ التماس پر سیف الدولہ ہنسنے لگا، اور ایک ہزارہ دم فی الغر مولانا کے حوالہ کیا، (مرآۃ البیان ج ۲ ص ۶۳)

نفرین شکیل کے ایک لفظ کی اصلاح | نفرین شکیل بصری حدیث، لغت ادب و نحو کا امام گذرا ہے،
پر عظیم الشان انعام | ایک باز طفیف، امون رشید نے لفظ بیداد کو غلطی سے

سدا با نفع پڑھا، تو نفرین شکیل نے بیداد بالکسر بتا کر اصلاح کی، افسوس کہ اس میں عرب جاہلیت کا ایک شعر پیش کیا، امون نے اصلاح کو صحیح سمجھ کر بخوشی پیا ش ہزارہ دم انعام دیا، (مرآۃ البیان ج ۲ ص ۱۶۱)

شعرا کی عجیب قدر دانی | اگر کشی نے معجب میں شعرا کی قدردانیوں کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب

نقل کی ہے، اگر عربی زبان میں شعر کہنے والوں کو صلہ ادا انعام دینے کے لیے اندلس کے بعض امیروں نے اپنی اپنی زمینیں وقف کر رکھی تھیں، مساجد و مدارس جیسے تبرک مقامات کے لیے اوقاف تو مسلمانوں کا عام معمول رہا ہے، لیکن شعرا کے مصارف و انعامات کے لیے اوقاف تو اندلس ہی

کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے،

محمد ثنی کی شعری ذاتیت | امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا پرچا نہ پھیلتا، سیفان ثدیؒ نے شعبہ کی وفات کے موقع پر فرمایا مات الحدیث، یعنی آج علم حدیث کا انتقال ہو گیا ہے، وکان سراساق العربیۃ والشعر، یعنی یہ محدث یگانہ شعر و ادب میں بھی ممتاز تھے، (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۱)

علم فقہ وفن شعر | امام محمد بن حسنؒ شیبانی کا بیان ہے کہ میرے باپؒ تیس ہزار دم چھوڑا تھا اس میں سے پندرہ ہزار دم غزادہ شعر کی تفصیل پر میں نے صرف کیا، باقی علم فقہ پر (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ محمد ثنیؒ وقت بھی شعر گوئی میں وقت صرف کیا کرتے تھے،

امام شافعیؒ کی شعری مہارت | علم حدیث و فقہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ علم ادب و شعر میں امام شافعیؒ کو کمال حاصل تھا، ادب کے ماہرین آتے ادب اشعار ان سے حل

کراتے، ہذیل شاعر کے دس ہزار اشعار آپؒ کو زبان یاد تھے، (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۳)

اسی طرح جب خلیفہ ہارون رشید نے امام شافعیؒ سے قرآن و حدیث کے سوال و جواب کیے بعد شعروں کے متعلق پوچھا کیف معہ فک بالشعر، تو جواب دیا کہ ہر نوع دہر جو کے اشعار سے واقف ہوں، (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۴)

کسی نے امام موصوف سے کہا کہ نقیۃ مصر اشہب آپؒ کے لیے موت کی دعا کرتے ہیں، اس پر آپؒ نے بجاہتہ یہ شعر پڑھا:

تمنی و خیال ان امور دانت
فلک سبیل لست فیہا باوحد

(مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۵)

کچھ لوگ میری موت کی تمنائیں کر رہے ہیں، حالانکہ موت تو سب ہی کو آتی ہے، اگر میں بھی مر گیا تو

تو میں اس راہ میں مفروز نہ ہوں گا،

تفصیل علم کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کے حسب ذیل اشعار نہایت نصیحت آمیز
 ومن لعین ذی ذل التعلیم ساعۃ بجمع قول الجمل طویل
 یعنی جو شخص علم سیکھنے کے لیے ایک گھنٹہ کی دولت برداشت نہیں کر سکا، وہ
 کی رسوائی کے گھونٹ پی رہا ہے گا۔

ومن قائلہ التعلیم وقت شبابه فکعبہ علیہ اوجعالو
 یعنی جو شخص اپنی جوانی کے وقت علم حاصل نہ کر سکا تو اسے مردہ سمجھ کر اس پر
 حیاۃ الفتی واللہ بالعلم و التقی اذ الہیکو تالا اعتبارہ
 یعنی قسم بخدا انسان کی زندگی قابل قدر علم و تقویٰ کے ساتھ ہے، لیکن جب
 اور تقویٰ نہ ہو تو اس کی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ملاحظہ ہو آداب اللہ
 امام شعبیؒ کا حافظہ القصید ہونا، امام شعبیؒ فرماتے ہیں ما احفظ اقل من
 ان انشد لا شاعر ولا حمید بیتا ففعلت، یعنی میں تھوڑے
 ہوں، اگر میں چاہوں تو مسلسل ایک ماہ شعروں کو سماتا چلا جاؤں، او
 آئے پائے، (مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۲۱۷)

ابو بکر ہندیؒ سے امام شعبیؒ نے پوچھا کہ تمہیں شعروں کا ذوق ہے یا
 پر امام شعبیؒ نے فرمایا کہ اشعار کو علمائے قول اور ہمارے اکابر پسند کرتے آئے
 (۲ ص ۲۱۷)

امام شعبیؒ کو امرؤ القیس، زہیر، نابغہ، عدی بن زید، امر بن عبیدہ
 خواجہ جنبیہؒ کے حضرت خواجہ جنبیہ بغدادیؒ نے حضرت سری سقم
 رقعہ بھیجا، اس میں لکھا حدیثہ حیرت من سید
 عارفانہ اشعار

اشعار سات سو قصیدے بہتر ہیں،

ولمّا اذعیت المحبّة قلّت کلامی

قلی اری لاعضاء منافع کو اشیا

یعنی دعوائے محبت غلط ہے جب تک کہ اعضاء گل نہ جائیں،

فما المحبّة حتی یصلق انظمرها الخشاً

وَنَدَنَ بِلِ حَتّٰی لَا یَجِیْبُ الْمُنَادِیَ

یعنی محبت کی پہچان یہ ہے کہ پیڑ پیٹ سے چپک جائے، اور اس قدر دہلا دلا کر جو بٹے کہ

کسی پکارنے والے کو جواب نہ دے سکے،

وَنَحْلُ حَتّٰی یَبْقٰی لَمَّا الْعَدٰی

سوی مقلدہ تبکی بعدا و متلعجیا

اور اس طرح گل جائے کہ محبت سوئے رونے والی آنکھ کے کسی چیز کو باقی نہ چھوڑے

سلطان محمود کے مدبار | سلطان محمود اہل علم کا بڑا مرتبی تھا، وہ شعراء کے کلام اور علماء کی گفتگو
شعراء و علماء | کو بڑے شوق سے سنتا تھا، اور اس کی سرپرستی کی وجہ سے مشہور شاعروں

اور ادیبوں کا ایک بڑا طبقہ اس کے گرد جمع ہو گیا تھا، ایشیا کے ہر حصے سے اہل علم اس کے دربار
میں کھینچے جاتے تھے، شعراء اس کی مدح میں قصائد کہتے، اس کو خود بھی شعر و شاعری کا کچھ

ایسا ذوق ہو گیا تھا کہ بڑی سی بڑی ہم میں بھی وہ تھوڑا سا وقت بھی غزل اور اچھی باحیات
سننے کے لیے فرود بجا لیتا تھا، اس زمانہ کے جتنے ممتاز اور جید اہل علم تھے، سب اس کے گرد جمع

ہو گئے تھے، ان میں البیرونی جیسا مشہور ریاضی داں اور ہر ہیئت اور سنسکرت کا عالم بھی تھا۔ مثنوی

اور بہت سی جیسے مؤرخ بھی تھے، اور فارابی جیسا فلسفی بھی تھا، یہ شعر و شاعری کا دور تھا، اور محمود

کے مدبار کے شعراء کی شہرت تمام ایشیا میں پھیلی ہوئی تھی، ان شعراء میں غفاری کو سلطان محمود

ایک چھوٹے سے قصیدہ کے صلہ میں چودہ ہزار آدم دیئے تھے، اور عنصری اس حمد کے سبب بالکال

شاعر تھا، تاریخ فرشتہ کا بیان ہے کہ چار سو شعراء و علماء، نیز غزنین کے جامعہ کے طلبہ عنصری کی

شاگردی کا دم بھرتے تھے، اسدی، طوسی، مسودی اور فرقی علی محمود کی فیاضیوں سے سیلاب
 ہو رہے تھے، درج بالا مذکور اہل بیت مولانا اکبر الیشوری پر شاہ معارف عظیم گلدہ دہر (پیشہ)
 تیموری بادشاہوں اور شاہزادوں کا علمی حقوق، ان کے حصار کے فہمنا و شعرا کی
 قدر دانیوں کا مفصل حال بزم تیموریہ مولانا جناب سید صباح الدین عبدالرحمن میں پڑھے،
 بیاست حیدر آباد | حیدر آباد کے قطب شاہی عہد میں تلنگی شعرا، انعام و اکرام اور اشرافیہ
 قدر دانی شعر | اور دو سالوں سے نوازے جاتے تھے، چنانچہ ایک شاعر لکھا ہے کہ
 میرے جسم کو معطر کیا گیا، اور ایک نہایت عمدہ کیرسی رنگ کی شال میرے کاندھوں پر ڈال
 دی گئی اور محل سے بھرا ہوا اجراہرات کا ایک ڈبہ مجھے دیا گیا، اس کے بعد نظم سنانے کی
 فرمائش کی گئی،

۲، مرزا لطف علی دہلوی اسی دور میں حیدر آباد آیا تھا، اسطرح جاہ نے اسے تعظیم و توقیر
 کے ساتھ اپنا مصاحب بنالیا، اور دربار شاہی میں پیش کر کے چار سو اہوار اور پانچ سو سے سرفراز
 کیا، علی لطف نے آصف جاہ ثانی اور اسطرح جاہ کی مدح میں قصیدے لکھے، اور انعام
 و اکرام سے نوازا گیا،

۳، مرزا علی لطف دہلوی کی طرح مرزا قمر الدین منت بھی حیدر آباد آئے تھے، اور اس
 جاہ ثانی کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا، جس پر دس ہزار نقد اور دو سو روپے مامور کا منصب
 ان کو عطا کیا گیا،

۴، دہلی کے ایک جگت استاد شاہ نصیر الدین نصیر کو چند دلال نے چوتھی بار ۱۲۵۲ھ میں
 ساٹ ہزار روپے سفر خرچ بھیج کر طلب کیا، اور پچیس روپے یومیہ مقرر کر دیا، انعام
 و اکرام اس کے علاوہ تھا، شاہ نصیر آخر کار حیدر آباد ہی میں رہ گئے،

۱۵، شیخ خفیدہ فرمادیں جب حیدر آباد پہنچے اور مہاراجہ کی باگاہ میں تعینہ پیش کیا، تو انہوں نے ان کو خلعت اور ہنر مند پیچے مہاراجہ سے سرفراز کیا، انہوں نے اپنی خوش کلامی اور جادو بیانی سے خود میں دھماکے کو مسخر کر لیا، وہ ملک الشعراء سمجھے جاتے تھے، نازک دماغ اور خوش مذاق اس قدر تھے کہ ہر مہند ایک نیا لباس پہن کر دربار میں حاضر ہوتے، سکندر جاہ کے دربار میں باریاب ہونے تو یہ بھی تذکرہ گزری ہے۔

کوئی نام خدا لیکے حرم تک پہنچا	کوئی پوچھے ہوئے دیر صدم تک پہنچا
خوش حالی میری کہ لے کر میں نذر	تجہ جیسے سکندر کے قدم تک پہنچا
مہاراجہ کشن پرشاد کی	بہ بی پرسی مہاراجہ جہاں داشت بہ نشانِ مجد آثار و عطاء داشت
قدردانی کی تعریف	بایں دیادلی بدل و سخاوت بہ دوست کو تہ خود نامہ داشت

علامہ اقبال نے ان کی تعریف میں لکھا ہے:

آستانے پر وفادت کے ہوا میرا گند
برقع گیا جس سے مرا ملک سخن میں اعتبار
کی وزیر شاہ نے وہ عزت افزائی مری
چرخ کے انجم مری رفعت پہ تھو تھو نہ
اس کے فیضِ پاکِ منت خواہ کان بھل نہ
بھرگو ہر آفریں دستِ کرم سے شرمسار
نواب و ملا جاہ نواب حدیق حسن خاں صاحب مرحوم و مغفور کے دربار میں شکیل جلیل
دو نامی گرامی شاعر تھے، نواب صاحب ان کی بڑی قدردانی فرماتے، نواب صاحب کی کتابیں
پراکثر ان کی تقریحات ہیں انکے چند اشعار یہیہ ناظرین ہیں

ٹوٹ پڑا نہیں کس واسطے یارب نیک	کیوں زمین شن نہیں ہوتی یہ تماشہ کیا ہو
حائل منزل مقصود ہیں قطاعِ طریق	نقدایمان کے تحفظ کا طریقہ کیا ہے؟
نکبے دینوں کو بس یہی کہ ہر پتو	ال دنیا کاٹے دولتِ عقبی کیا ہے؟

دلچسپ اس سچا شوب میں ایمان قائم تو ہی رکھتے ہو وہ بھر دے کیا ہے
 کس لیے مدی ہو جو کوٹا ہر نہیں کرتا دیر عیسیٰ کے اتنے میں خدا کیا ہے
 قادیانوں کا جب اول اول قنہ اٹھلے، قنہ وقت یہ اشعار کہ گئے تھے، جو جاتے

طویل ہیں،

علمائے اسلام کی | علمائے دین، صوفیائے کرام، مشائخ زمانہ ہر دور میں شعر و شاعری کا ذوق
 اشعار سے دیکھی رکھنے والے ہیں گے، جو منتخب اشعار کو پسند فرماتے، اور موقع موقع سے
 ترنم فرماتے، اس قسم کے واقعات کو جمع کرنا مشکل اور طویل کلام کا باعث ہے، حافظ ابن حجر نے اپنی
 بیش قیمت تصنیف دررکامنه میں اور علامہ ابن الجوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں اور علامہ یاضی
 نے مرآۃ الجنان میں بزرگان دین و شیوخ اسلام کے حالات کے سلسلہ میں ان کی تصانیف و اسان
 کے منتخب اشعار سے اپنی کتابوں کو مزین کیا ہے، دودا آخر کے علمائے محدثین میں شاہ ولی اللہ
 شاہ عبدالعزیزؒ، ادب و شعر پر عبور رکھتے تھے، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے مولانا فضل حق خیرا
 کے عربی اشعار تصانیف پر بار بار اصلاح دی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی "طیب النعم" ان کے
 شعری ذوق پر خود شاہد عدل ہے، شیخ سعدیؒ کی گلستاں و بوستاں کے اشعار
 و قطعات و رباعیات، اور مولانا دہلوی کی مشنوی اور خواجہ حافظ کے دیوان حافظ سے اہل علم
 و فضل ہمیشہ سے صحیح ذوق اور وابستگی رکھتے رہے ہیں، ہمارے دودا آخر میں ہندوستان
 میں ایک بڑی نامی گرامی ہستی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دیوبند کی ہے، آپ کو بھی شعر و شاعری
 سے اچھا فاضل لگاؤ تھا ابانے دہلوی علوم دیوبند کے عنوان سے رسالہ دلائل العلوم میں جو مضمون
 شائع ہوا تھا، اس میں مولانا نانوتویؒ کے شاربہت نقل ہوتے رہے ہیں، دو شعر یہ ناظرین ہیں:
 دہ پیار کی باتوں میں خفا ہو گیا یا رب امید کرم ہم کو فنی کچھ اور زیادہ

کچھ بزرگ دعویٰ ہے مگر اپنا ہی سمجھ کر تو ان میں اپنی ہی قسم اندیاد
معارف میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی شارح مسلم کی وفات حسرت آیات
سید سلیمان ندوی ثنہ و فیات کے ذیل میں جب ان کا ذکر بحیل کیا، تو اس میں ان کے
خطابت اللہ و تقریر سے متعلق یہ تحریر کیا تھا کہ وہ اسلام کے مسائل، عقل و حکمت کے
کو بیان کرتے کرتے اکثر شاعری اکرال آبادی کے اشعار کو اس طرح موزوں اور حسب
پڑھ دیتے کہ پوری تقریر میں ایک جانی سی پڑ جاتی گویا یہ شعر شاعر نے اسی موقع
کہے تھے۔

ان کے تفسیری حاشیہ میں جا بجا ایسے اشعار موجود ہیں جو آیات و احکام کے
متعلقہ پر روشنی ڈالتے ہیں،

ہمارے دودھ آٹھ کے بدگھلا میں سید الطائفہ حضرت مولانا سید احمد شیدرا
اور حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی عظیم ہتیاں ہیں ان کے مخلص رنفا و جب
انڈمان میں قید تھے، تو یہ رنفا و ان حضرات کی یاد میں یہ شعر بڑے درد و سوز سے پڑ

اتنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یاد سے گزے
کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزے

شیخ العرب و انجم محدث بیگانہ حضرت مولانا | استاد اہل حضرت مولانا سید ندیر حسین
سید ندیر حسین صاحب کا حفظ اشعار کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا
کے مضامین و معارف کی تلقین کتے ہوئے درس حدیث کے درمیان موزوں شعر پڑھا کر
حضرت عائشہؓ سے ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواہو گئے، تو حضرت عائشہؓ
مضمین ادا کیا جو ایک شاعر نے باندھا ہے، یہ کہ مولانا سید ندیر حسین نے وہ شعر سنایا،

آخر آہوئے مشکیں کہ رسیدی نازا
پہنچا رفت و چکہ ہم چویدہ یادا

حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے اپنے ایک سفر نامہ میں شیخ
نصرت مولانا سید ندوۃ حسین محدث دہلویؒ سے اپنی ملاقات اودھان کے درس حدیث کی مجلس
ن شریعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ شرح حدیث میں بدلتی دیکھتے تھے اور یہی حضرت
اطہری سے درس دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کثرت سے موقعہ بہ موقعہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،
علمائے ہند میں ایک بزرگ عالم مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوری (رحمہ اللہ) کا تذکرہ کرتے ہوئے
مذکورہ بالا سبب میں مسجد نبویؐ کی زیارت کو حاضر ہوئے، وہاں کے پاک مناظر نے ان کے
پر ایک گہرا اثر کیا، چنانچہ ایک پاکیزہ شعر کے ذریعہ اپنی عقیدت مندی و تائید کو ظاہر کیا ہے:
کہاں میں اور کہاں یہ نکت گل نسیم صبح تیری مسد بان
(فضائل ج مولانا محمد زکریا صاحب)

مظاہر قدرت و مناظر قدرت کی دلکش مصوری اور لطیف احساسات و نازک جذبات اظہار کی
شعر و شاعری ہے، محدث یگانہ، فاضل اجل مولانا عبد العزیز صاحب رحیم آبادی (رحمہ اللہ)
نعمانیؒ اور قاضی سلیمان پٹیلوئیؒ کی شعر و ادب کے مکمل واقفیت اودھان کے ذوق صحیح
سے کون انکار کر سکتا ہے، حمد و نعت، مدح و غیرہ پر ان کے اشعار و قصائد ان کی کتابوں
موجود ہیں،

ہمارے بزرگ پیر و مرشد، محدث یگانہ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوریؒ صاحب
الاحدی شریعت تہذیب جیسے فاضل بے بدل اہل علم بے مثال تھے، وہ ایک دنیا کو معلوم ہے،
و عظام قرائتے، لیکن جب وعظ فرماتے تو موقع بہ موقع اشعار پڑھ کر وعظ کو بہت موثر
و نشیونہ کر دیتے،

شاہ محبت اللہ آبادی

از

جناب محمد ادریس علی صاحب دہلوی راجہ اسرار شاہ عری سلم بنوری علی گڑھ

شاہ محبت اللہ آبادی عہد شاہجہانی کے ایک مشہور عالم مذہبی فکراور صاحب نسبت و حال

بزرگ تھے۔ فلسفہ وحدت الوجود کے مؤید اور شیخ اکبر علی الدین بن عربی (۵۶۰/۱۱۶۵ء تا ۶۳۸ء /

۱۲۲۰ء) ادا مان کی تصانیف کے پندور مای و ہم نوائے تھے۔ ان کی شخصیت بڑی مختلف فیہ رہی ہے،

علمائے ظاہر کا ایک بڑا گروہ ان کو متحد و گمراہ قرار دیتا ہے جس کی وجہ غالباً یہی رہی کہ ان کی تصانیف

ان کے عقائد سے مختلف فیہ تھیں۔ لیکن اس کے برعکس بیشتر مونیائے کرام نے ان کو عارف باللہ اور

امرا و معارف کا سر مشیہ قرار دیا ہے۔

ولادت و نسب | ۲۔ صفر ۱۰۹۹ / ۱۵۸۷ء کو صدی پور ضلع خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب

حضرت بابا فرید الدین مسود گنج شکر تک اس طرح پہنچتا ہے۔ شاہ محبت اللہ (۱۱) بن مبارک (۱۲) بن پیر

(۱۳) بن پڑی (۱۴) بن مٹی (۱۵) بن قاضی رضی الدین (۱۶) بن علاء الدین (۱۷) بن محمد الدین (۱۸) بن

جمیل الدین (۱۹) بن رفیع الدین (۲۰) بن محبت اللہ (۲۱) بن رسم اللہ (۲۲) بن حبیب اللہ (۲۳) بن ابراہیم

(۲۴) بن علاء الدین (۲۵) بن قاسم (۲۶) بن عبدالرزاق (۲۷) بن عبدالقادر (۲۸) بن ابوالفتح (۲۹) بن عبدالسلام

(۳۰) بن جعفر (۳۱) بن شہاب الدین (۳۲) بن حضرت فرید الدین مسود گنج شکر،

تعلیم و تربیت | ابتدائی تعلیم صدی پور میں حاصل کی پھر مزید تعلیم کے واسطے لاہور گئے جہاں

لے زہد الخواطر۔ علامہ سید محمد علی امینی، ۵ : ۳۲۳

میر تقی اللہ شیرازی کے شاگرد مفتی عبدالسلام پوری (۱۲۸۱/۱۰۳۰-۱۳۴۲) سے جو علوم کا کاتب کیا
 مفتی عبدالسلام دیوبند کے شیخ محمد میر سائین سیوستانی اور محدث خان تھی جو تھی بھی ان کے ہم سنی ہے،
 باب محدث خان (۱۳۴۱-۱۳۵۵) کو حکومت کی جانب سے دہلی میں مذہب کا عہدہ تو فیض
 ہوا تو انہوں نے اپنی سابقہ دوستی کی بنا پر شاہ صاحب موصوف اور شیخ محمد میر کو دہلی بلا پایا۔ شیخ محمد میر نے دہلی
 عافیت دہلی کو ترجیح دی اور ہمارا گویا لیکن شاہ صاحب دوست کی جہی پر دہلی آئے۔
 غولت جو غولت لکھتے ہیں۔

”اندوت حضرت گچ شکر آدھے کے از اجدادش میل و دہلیت بہ دنیا نہ کردہ و دنیا نہ ہائے خود
 سوانہ تحصیل علم صوری و معنوی کا مذاشرہ اندوت غولت جو تھی شیخ از وطن خود قصبہ
 صدر پور کہ توابع قصبہ اندوت مضامینات اداہ است اکتساب صوری دانش ہلاہور دہلی
 و سوا تحصیل در سائنسہ ہدلی دہلیت محدث خان ذہلی از دقت طالب علمی آشنائے مستحضر
 یونخواستہ کا ادا از منصب سلطان ہزارہ در گردانہ
 محدث خان کی جہی پر دہلی آئے تو فرور گروہ میں طلب حق کی انگ تھی صاحب مراد اللہ
 لکھتے ہیں۔

”پہلے از تحصیل علم عقلی و نقلی فاضل شاداد اور طلب حق پدید آمد و اکثر ہنگام وقت مباحثات
 لا محالہ داخل درست بحث از غایت سہولت و سہولت دہلی دہلی
 بہت سے صاحبان مال کی خدمت میں حاضر ہوتے مگر کسی نے کشور کار نہ ہوا، ایک روز حضرت
 قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر مراقب ہوتے وہاں سے حکم ہوا کہ گلوہ ہاؤ اور مخدوم علاؤ الدین صاحب
 کلیری کے سلسلہ طریقت کے مشہور بزرگ۔ شیخ ابوسعید گلوہی (۱۲۴۹/۱۰۳۹) سے (شیخ جلال طائری
 صاحب زفار دہلی) شیخ وجیہ الدین اشرف کھنوی، مخدوم کتب خانہ دیہ خانداد کا علی گوری صاحب ۷۰۰ صفحہ ۵۲۸

میں نے خود کو گناہی کہتے ہیں، بیعت کرو۔

شیخ عبد اللہ بن اشرف نے فرمایا: ہاں۔

”آخرت زندہ ہرگز حضرت تھیں، السلام بخیر! اوشی! یا شاید کہ بروقت ملا شیعہ
 علی صاحبہم السلام است، ہنگامہ حضرت شیعہ و اہل تشیعہ کی گواہی اور حاضری کے زبیر
 پانچویں گلوہ رفت، شب مرشد آتش آتش شیعہ پانچویں گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت
 صبح دعا، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت
 گواہی ساخت اندکے شب باقی ماندہ بود کہ آنحضرت رسید و مرشد اکبر۔ شیخ ابو سعید
 دباصلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ خود کو گناہی کہتے ہیں، بیعت کرو، اور شرف یافت
 و ملوہ و تقیم حاضری ساخت و ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت، ہر گلوہ رفت

مرشد حق کی خدمت میں رہ کر ایک عرصہ تک ریاضات مجاہدات کے اجازت خلافت اور
 نہ بھی حاصل کیا، اس کے بعد اپنے وطن مدینہ پہنچے، پھر مدینہ میں رہ کر پھر شیخ احمد عبد الحق
 لوی (۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء) کے فرار پر انوار کی زیارت کے لئے مدینہ کی اصلاح باہر نکلے گئے۔ صاحب آفتاب السراج
 ہاجرے واپسی پر ان کے ہمراہ تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”بعد از چند مدت بہ قدم توکل و توجہ از خانہ برآمدہ بہ بیت دریافت سعادت زیارت قدس
 تہلکہ ہے شیخ محمد عبد الحق قدس سرہ و در قہر تبرکہ دہلی میں اتفاقاً امیر خیر نیر آغا و ازاد زراعتی
 اور نزل فقر فرمود آمد و صحبت گرم و مصفا واقع شد و طار ہندیدہ اور مشاہدہ خودہ بسیار مظلوم
 شد ہمیں بعد از چند روز جانب حضرت خدیوی قبلہ گاہے قدس سرہ و ازاد و بیات رخصت
 یافت و اتفاقاً بچہ گجراتی از مدینہ روانہ شدہ بخانہ رسید۔ چند روز بسبب الفت و محبت

دیگاہی و فقر خانہ توقف فرمایا شد۔

میر سید علی ہاشم شاہی سے ان کے بہت مرام تھے چنانچہ ان کی خدمت میں سید کاٹھری دہائی یوسف واصل کے سید ہادیہ کے عرصہ قیام کرنے کے بعد پیر و مرشد کے حکم سے الہ آباد روانہ ہو گئے۔ وہاں میں مخدوم شیخ حسام الدین ناچوری کے مزار پر حاضر ہوئے وہاں کے صاحب سجاد شاہ جال الدین نے مخدوم صاحب کے مکمل باطنی کے بوجب ایک دستار اور دو روپے نقد سکے۔

مولف بھر ز قار نے رشد ہستی کی ہانگاہ میں ان کی مقبولیت، قبولی سے روانگی اور الہ آباد کے سفر کا حال اس طرح مدح کیا ہے۔

”ہر اربعین شاد مہلہ نام نشہ بود روزے شیخ بر دیو چلہ آمدہ آواز دادے حب اللہ آنحضرت
تجارب داد کہ حب اللہ بہ کجاست فرمود کات تہم شاد ہو بروں شوقیاریہ تمام ہل نہایت
پس او انجور بر آمد چہ نہ دھرت پر ما کثر از زبان شیخ برآمدے حب اللہ الہ آبادی
پس ہا مادر خرقہ خلافت و نعمت و ملافت و مایائے دل پسند کردہ نصحت و طنز داد
او بعد از پور رسید مہم چہ نہ فاذم اللہ باد شد چوں با کچھ سید شرف نہایت شیخ حسام الدین
ناچوری شرف شد بوجب ہر باطن شیخ حسام الدین شاہ جال الدین پہلے نشین و ستار سرو
دود پڑ نقد آنحضرت پیش آواز دہاں و ستارہ سر تنارہ تلک رسانیدہ و نقد کیسہ کردہ
الہ آباد رفت۔“

الہ آباد میں قیام کرنے کے بعد شروع میں بڑی تنگدستی اور فاقہ کی صورت رہی لیکن ان کے ہایہ استقلال میں جنبش نہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ ولایت کی شہرت شروع ہوئی تلک جو حق و کتاب فیض کے لئے آئے تھے۔ دار الشکوہ خاص ملا متدوں میں ہوا۔ حقائق و معانی کے بیانات میں یہ طلی تہ تقریریں ایسی خوشنشین ہوتی تھیں کہ وحدت الوجود کے مخالف اور منکر علماء میں سے اکثر ان کے فیض صحبت کے قائل ہو گئے اور یہی مسلک اختیار کیا۔

[illegible]

گوئی میں نے حضور خداوند ظہور فرمود ہوا ہر اس شخص کو جس نے اسے سنا۔

تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف نے شاہ صاحب کی عظمت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”اتق من یزید من ائمه علیہ السلام من یزید من ائمه علیہ السلام من یزید من ائمه علیہ السلام“

موجودہ کے مؤلف تو آپ کی شان میں یوں رقم طراز ہیں۔

”آں فرماں فرمائے اہم طریقت، آں مجتہد کلمات تصوف و حقیقت، آں مرشد شاہکار دہادی

قلب جہانیاں حضرت شاہ عبداللہ آبادی از شاہیر معونہ نوری مراتب عالم برتر تصانیف شہ

علم تصوف لائقہ لائقہ“

ان کی اکثر تصنیفات شیخ اکبر کی کتابوں کی شرحیں ہیں ذیل میں چند دستیاب شدہ تصانیف کا

ایک اجمالی تعارف درج ہے جس سے ان موصوف کے افکار کا اندازہ ہوگا۔

(۱) ان کے مکتوبات کا ایک نادر نسخہ گلدستہ سلطانی لاہور میں (سبحان اللہ ۱۱۹۱ھ) میں موجود ہے

متوسط تقطیع میں چار سو بیس صفحات پر مشتمل ہے اس میں اسٹارہ مکتوبات درج ذیل مختلف شخصیتوں کے نام

ہیں جن میں شیخ مکیرواؤ فلسفہ وحدت اور جوہکی پنڈت دکانی کی ہے۔ یہ مکتوبات اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہیں

کہ ان کے ذریعہ شاہ صاحب کے نظریات و افکار کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اس نسخے کے آخر میں درج ذیل عبارت

”بتاریخ بست ششم محرم الحرام سنہ محمد اکبر بادشاہ مجاہد غازی اتمام گفت بہ یاد حاضر طالب علم

شیخ عظیم اللہ بموجب فرمائش مشفق تہذیب خواہ غلام نقشبند صاحب“

ابتدا میں فہرست نہیں ہے۔ مکتوبات درج ذیل ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں۔

لاہور جوہری صف ۱-۲۲، لاہور جوہری صف ۲۲-۴۰، لاہور جوہری (۱۳۱-۱۳۲) میر محمد قزوینی صف ۱-۲۲، لاہور جوہری صف ۲۲-۴۰

شمس باز غدی میں جنہوں نے رسالہ تسویہ میں حوالہ بیان لکھی تھی (۱۳۱) شیخ عبدالرشید جوہری صف ۲۲-۴۰

(۱۳۱) شیخ عطار الدین جوہری صف ۱-۲۲، لاہور جوہری صف ۲۲-۴۰، لاہور جوہری صف ۲۲-۴۰، لاہور جوہری صف ۲۲-۴۰

لے سالانہ اخبارات مکتوبہ سلطانی لاہور میں (۱۳۱) شیخ عظیم اللہ بموجب فرمائش مشفق تہذیب خواہ غلام نقشبند صاحب“

مہلذہر خیر ص ۱۲۰

۳۱، شرح نصوص حکیم رشی و شاکر علی دین بن علی کا شاہد مکتوبات کی شرح ہے شاہ صاحب کی
تالیف ۱۳۴۷ء، ۱۳۲۷ء کی ہے سلم و نمونی علی گڑھ میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ کل نسخہ بیب گنج
کلکشن (ن ۱۳۳) میں موجود ہے جو بڑی قطع میں سات سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا قصل العزیزین
نسخہ خیرہ شیخ قدس (۵۵) میں موجود ہے۔ یہ شرح بہت جامع اور اپنی نظر آپ ہے۔

شاہ غلام مصطفیٰ ہرود مٹھی اور محمد باقر آبادی کے مجدد و مجدد مکتوبات کی شرح کے ادارہ انیس اور آباد
سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۲، مخاطط عامۃ سلم و نمونی (ایونیٹس عربیہ و علوم) میں اس کا ایک نادر نسخہ موجود ہے، اس کا اول نسخہ
شاہ محمد علی آبادی کی مہر میں ہے۔ ابتدا میں نمبر کے اور شاہ صاحب موصوف کی تحریر ہے۔

هذا الكتاب من متعلقات احقر الانام اضعف العباد ابو الفضل ناصر۔
الدين محمد المشتمل على جمل العبادى عفا الله تعالى عنه۔
توسط قطع میں ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ہے۔

الحمد لله الذى هو الرحمن الذى علم اهله القرآن فخلق الانسان علمه البينا
مختلف مسائل کا بیان ہے۔ عوام میں پھیلے ہوئے غلط عقائد و وجہات کا تذکرہ ہے۔ حق تعالیٰ کی
روح کا جواز، ولایت، نبوت، رسالت، اس طرح ایک سو تتر مخالفوں کا بیان ہے درمیان میں مختلف
فصلیں بھی ہیں ہر جگہ شیخ اکبر کے اقوال بطور استدلال و دلیل کئے گئے ہیں۔

۳۳، رسالہ ہفت احکام سلم و نمونی (ن ۱۳۳) فارسیہ تصنیف میں اس کا موجود نسخہ تیس صفحات پر
مشتمل ہے۔ حمد و صلوات کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ گوید خیر خیر صاحب شاہ مہلذہر کہ چون دوکان ماعز و خاند و قصلیٰ لما خطا علیہ کہ تبتہ انان

مذکورہ بالا میں سے بعض اصولوں میں اس پر صرف ہفت مسائل ... حکم اہل علم
بہ حقائق استہدوم ملتا ہے جن کا ثبوت اشیاء ثنائیہ علم بطلب فی تعالیٰ مراداً بالمشروع،
یہ کہ وہ بعض مسائل میں علم انسان نفس خود ارجہت حقائق آں، حکم ساری علم خیال و عام
میں اصلاح علم پر مطلق داد ہے آں،

احکام کے بیان سے پہلے حقائق و معارف پر مشتمل ایک مقدمہ ہی ہے۔

انفاس الخالص فیہ صوم الحکم کی عربی شرح ہے۔ اسی انفاس پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک قدیم نسخہ کتب خانہ
انور بیکہ کوئی بی موجود ہے جوامہ ۱۰۰۰ کا کھانا اور اصل نسخہ سے مقابل کیا جوا ہے۔ زمانہ انگریزی راجہ (۱۷۹۰)
انڈیا کانس لانگریجی (۱۷۹۹) خط انش پٹنہ (۱۸۳۱) میں بھی اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ ابتدا میں ہے۔
الحمد لله الذی لا یحد لہما سواہ ولیس الخیار الا یاہ۔

انتمام پر یہ عبارت ہے۔

فمن لا یراہ لا یراہ لا یفقد فیہ القلب فانما لا تعی الابصار وکن تعی القلب
القی فی الصدور ہذا آخر الکتاب وانہ تذکرۃ للمستفین واما العلم ان
مکمل مکتوبین وانہ محسوس علی الکافرین وانہ لحن البقین فسیج باللہ یوبق
الغیظ قد رفع الفراع من کتابہ ہذا الکتاب۔

(۸) منظر جمال خواں بہ توسط تظہیر میں تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جادی انور بیکہ
کا کھانا ہوا کتب خانہ انور بہ خانقاہ کاغذ میں موجود ہے۔ مسمیٰ پیمانی علی گڑھ (ن ۳۳) شیفہ کلکشن میں بھی
اس کا ایک نسخہ ہے لیکن ناقص نظر نہیں ہے،

(۹) التوسیم میں القادہ والقبول، یہ شاہ صاحب کا سب سے شہور و معروف رسالہ ہے حقائق و معارف
کے ایسے بیانات درج ہیں کہ قول صاحب تفسیر شرح نمونہ۔

”کوئی عزت و مقام عرصے سے مانا جاتا ہے کہ یہاں سے پہلے ان کا حال متعلقہ ہے۔
 شیخ شہزادہ“

جب یہ سال مشہور ہوا اور اس کے سبب عالمگیر کی نظر سے گذر تو بہت عرصہ والا حکم یا کتب کو
 حاضر کردہ لوگوں نے کہا کہ ان کی وفات ہو گئی البتہ ان کے مریدوں میں تو وہی باقی ہیں ایک شاہ شہزادہ
 طاہر توحی کہنے لگا کہ اگر ان میں سے کوئی اس صائے کے مضامین کی مصدقہ شرح سے کہے تو خود
 رسالہ جلا جاتا ہے اور جس قصداں کے مرید ہیں وہ بیعت توڑ دیں کہو کہ اس کے طالب نہایت دشمن ہیں
 مثلاً آنحضرت علیؑ کی اٹھارہ ستم کے جبریل الہی کے ساتھ تھے یا ہر خبر کے جبریل نے ان سے اپنی زبان میں نہیں
 کہیں۔ طاہر توحی منصب دار شاہی نے تو بیعت توڑ دی کہ شاہ محمدی نے جواب میں لکھا کہ بیعت اسلام
 سے ابتدا و مکن نہیں البتہ شیخ نے جس مقام سے لکھی میری ابھی وہاں رسائی نہیں ہوئی عروج و ان پلین
 کی مطابقت آیات و احادیث سے کر دی جائے گی لہذا اگر اس سال کو جلا دینے کا حکم صادر ہے تو جس قدر
 اس کی تقلید میں جلا دیں تا ہی ابدی قیام میں فخر و خوش کے یہاں سے زیادہ اگ ہے۔ عالمگیر
 خاموش ہو گیا۔

”تاہم اگر کام کے موقع نے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ

”داں وقت کہ طالعہ ہر مرد سالہ سو بیٹے چھ لکھ آٹا ہی قدس سرہ جگہ بہا کہ نہ سلطان ملک
 زبیر نامہ شہزادہ دارا بند کا اید سالہ تین کاٹ شرع شریف و مرد سلطان کم از ہند
 کہ نہ ویشان قلم بعد از شاہی مادیہ کو سلطانہ حضارہ بعد از مقالہ ہر کلام استعمال نہایت شیخ
 محمد افضل الہادی قدس سرہ (۱۷۸/۵۹، ۱۷۸/۵۹، ۱۷۸/۵۹، ۱۷۸/۵۹) (۱۷۸/۵۹، ۱۷۸/۵۹)
 اندیشہ نہ کہ نہ وقت حالات زندہ ملک اشاد کہ نہ ہر چند دل شیخ قدس سرہ فی خواست کہ شہزادہ
 لکن داں ایک ایک آتش قدر سخت مشتعل ہو نہ کہ ہر تین ہم مصلحت غنی و ہند لاجرم آب و نظر لگان

جو میں نے چکھنا حاصل کیا ہے اس کی تائید کرتا ہوں کہ اس کتاب نے نہ تو فاسی کی گونہ خود بخود

نہا ہے غرض شیخ ایں کہ جنت علیہ السلام اور اس کی وکلاء باشند تمام شہدائے جنت و طہرے

نہ تو شہد ہوں کہ اس مال شاہ نے خود بخود اس کے حق حضرت سیدہ سے سرفراز است کا یہ حال

ہو نہ شک کہ وہ اللہ و اللہ کے فیاض اللہ ہی کے سرور ملکات و ملائکہ ہی گوید میں اس سال

ماہینہ بار سال و دیگر تصانیف حضرت سیدہ سے ایک ماہ ہلکا مہر جان دایم خود دلزم

لازم اس کے ظہور حال تک کے اختلاف کے باوجود ہندوستان میں اس کی مدح ذیل میں تحریر کی گئی۔

۱۔ شرح تسویر مصنف میری فیاض زہری گجراتی شاہ محبت اللہ آبادی (۲۰) شرح تسویر مصنف شیخ امان اللہ شاہی

۲۔ شرح تسویر تصنیف عبداللہ بن عبداللہ نقشبندی دہلوی (۳۰) شرح تسویر شیخ محمد فضل بن عبدالرحمن عباسی

اللیادی (۵۰) تفسیر شرح تسویر میرزا علی، مولانا عبدالمجید فرنگی بن مولانا امین اللہ انصاری قادیان بنگلہ مولانا علی

فرنگی علی ہاشمی، تسویر علی بن علی بن علی، تصنیف شرح تسویر فارسی مولانا حافظ شاہ علی اللہ خان کاکڑی

موجودہ شرح تسویر تمام سطح کے پیش نظر ہے اور یہ ہے کہ شاہ موصوف نے اس کے شرح و وضاحت کا

حق لکھا ہے۔ یہ شرح مع فارسی متن اربعہ اور ترجمہ مولانا شاہ فیہد قلند کا کوردی (خلف اور طرہ) کے ساتھ

کاغذ سے شائع ہوئی ہے راقم الحوادث کو خوب یاد ہے کہ مشہور محقق و دانشور مولانا امتیازی خاں صاحب عرشی

جب قادیان کاغذ پر اسے قلم سے غلطیات دیکھنے کے علاوہ اس شرح کے بارے میں استفسار کیا جس پر مٹا

کاغذ مال کے فاضل محقق برادر گرامی شامعاً فقہی جدد حجاز نے تصنیف کا ایک نسخہ پیش کیا جسے

عرشی صاحب مرحوم نے بڑی مسرت اور شکر کے ساتھ بے کئے ہوئے قبول کیا کہ شاہ صاحب میں نے ایسی عمدہ شرح

تسویہ کی دیکھی تھی اس کا وہ نادر و نایاب نسخہ کتب خانہ اوردیف قادیان میں موجود ہے جو ۵ رذی قمر ۱۲۰۳ھ

کا خطا کو تصحیف ہے۔ گویا شاہ صاحب نے اپنی وفات سے میں سال قبل لکھا تھا۔ اس کی ابتدا میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَارْحَمْہُمْ اَجْمَعِیْنَ

من مطلق بہ واصل مقام اوراق بقولہ تعالیٰ اینما لور کونیم تجہ اللہ واجبہ

والہ خیر الال و احسن الال

پانچ اوراق پرتل اس نسخہ میں اٹھارہ سطریں ملی دیتی ہیں۔ ہر سطر میں سات آٹھ الفاظ ہیں۔

آخر میں یہ عبارت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وجازنا بنی اسرائیل البحر فاتبعہم فرعون وجنودہ

بقیاع وعدہ...

اس نسخہ میں دو ایک مقامات پر شاہ صاحب نے کچھ الفاظ قلم زد بھی کئے ہیں۔ رسالہ نسویہ کا ایک دوسرا نسخہ سلم یونیورسٹی لائبریری (عبدالحی فرنگی محل کلکشن نمبر ۹۸) عربیہ تفرقات) میں محفوظ ہے جو مولانا عبدالحلیم فرنگی محل کا نقل کردہ ہے اس کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

تمت بارہ التسمیہ بین الافادۃ والقبول من الشیخ محب اللہ الابی افاض اللہ علیہ اللہ الیہ الفیض

الی رحمۃ علیہ الکریم محمد بن المرحوم الملا محمد بن محمد العاصی نسیب اللکھنوی و خطا و الخفی نہ بنیاد

القادی شرفانی بلدہ بکری صین رجو عین الحسین الشافعی زادہ اللہ شرفانی شہر مولدہ ۱۲۸۵ھ

اس نسخہ میں کل سات اوراق ہیں ہر صفحہ میں کل گیارہ سطریں ہیں۔ رسالہ نسویہ کا ایک نفا

ترجمہ سلم یونیورسٹی (فارسیہ ہب ۱۲۱) میں موجود ہے جو چھوٹی قطع میں ۴۴ اوراق پر مشتمل ہے۔
۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے۔

حمد ملوک کے بعد اس کی ابتدا یوں ہے۔

بدانکہ فیہ محب اللہ یعنی افغان باصفاعلیاں بادشاہ کا درمل جانت عربی قاجار بودند ہر سوئے

ترجمہ فارسی خود را در قیادہ ذکر رسالہ نسویہ تا ترجمہ فارسی، نوید۔

بَابُ التَّقْرِظِ وَالْمُنَاقَاةِ

اردو رسائلوں کے خاص نمبر

روزنامہ قومی آواز اردو بک [تقریباً ۱۰۰ روپے]، طبعی سائنس کا فنکارانہ لطافت

سیلرز اور پبلشرز نمبر [تقریباً ۱۰۰ روپے]، قیمت ۱۰۰ روپے، قومی نگار

بیر الٹاؤں، بہادر شاہ ظفر، رگ، نئی دہلی

اب چند برس سے اردو کا مشہور قدیم اردو قومی نگار لکھنؤ کے علاوہ کئی اور جیسے شہروں سے بھی شائع ہوتا ہے، یہ خاص نمبر قومی نگار سے نکلنے والے قومی نگار نے شائع کیا ہے جہاں اردو کے اشاعتی اداروں اور طبع و اشاعت کے مسائل کے علاوہ اردو سے متعلق متنوع مضامین کا ذخیرہ اردو کی حصول پر مشتمل ہے۔ اردو میں اردو نشر و اشاعت سے متعلق تقریباً دو درجہ مضامین درج ہیں جن میں سارا لکھنؤ، بمبئی، لاہور، علی گڑھ، حیدرآباد، ملتان، دہلی اور یوپی میں اردو کتابوں کی طبع و اشاعت کا جائزہ لیا گیا ہے، ہر ایک مضمون میں اردو میں اردو، بدھ، سکھ اور ہندو مذہب کی کتابوں کا اور ایک میں اسلامی کتابوں کا ذکر ہے، اردو کی بعد کے اردو کے علمی و ادبی رسائل اور ان کے اہم خاص نمبروں کے بارے میں بھی مضامین دیئے گئے ہیں جو کہ متعلق اردو لٹریچر کا ذکر بھی ایک مضمون میں ہے، اردو طباعت و اشاعت کے ناموں اور اردو کتابوں کی طبع و اشاعت کے مسائل سے متعلق بھی اچھے مضامین درج ہیں، منطوقات کا حصہ غزلوں و نظموں پر مشتمل ہے، غزلوں میں تیر و سہوہ اسے اتک کے غزل گو شعرا کا کلام پیش کیا گیا ہے، اردو نگاروں میں جو شعرا ان کے بعد کے ترقی پسند شعرا کا کلام درج ہے، تمیز احمد، وزن دار، مظاہرین کا مجموعہ ہے، اس میں موجودہ ادبی مسائل، نئی شاعری کے علاوہ ادبی ڈرامے، اردو میں طنز و مزاح اور اردو کے نصابی رسائل وغیرہ کے زیر عنوان امور اور صورت قلم کی نگارشات پیش کی گئی ہیں، اسی حصہ میں گوپی چند سنگ نے اردو رسم خط کے بدیسی ہونے کی تردید کی۔

اور مکتب ناتھ آفٹھ نے بھر مال کے ادنیٰ درجہ پر بحث کی ہے، ایک مکتبہ میں مدرسہ کے حسن منشی کو لکھ کر لکھا ہے، اور ایک مکتبہ میں انجن ترقی مدرسہ کی مختصر مرگہ شت تحریر کی گئی ہے، اس کے بعد مضافوں کا حصہ بھی لکھا ہے، ان میں اردو کے موجودہ مختلف اشاعتی اداروں کا مختصر تعارف، ان کی خصوصیات اور اہمیت بیان کی گئی ہیں، شروع میں بعض اداروں کے علاوہ مثلاً ہیر شعردا ہ کے نوڈ بھی دیئے گئے ہیں اور باہر مختلف اداروں کی مطبوعات کی فہرستیں بھی دی گئی ہیں، گو اس نمبر کے اکثر مضامین ماخوذ ہیں تاہم اس سے اردو کے موجودہ اہم اشاعتی اداروں کے متعلق مفید معلومات بھی حاصل ہوتے ہیں اور یہ آداری کے بعد اردو کی اشاعتی اور ادبی سرگرمیوں کی داستان بھی ہے۔

تحقیق علیا ہے ہمارا نمبر : مرتبہ جناب محمود عالم صاحب، تقیہ خور، کاغذ معمولی، کتابت طبعات اچھی، صفحات ۱۶۰، قیمت سات روپے، سالانہ چندہ ۲۵ روپے، پتہ : دفتر ترقی سلطان گنج پٹنہ انڈیا، رشتہ : نیا گروہار رسالہ ہے، اس کے اس خاص نمبر میں ہمارے تقریباً پچاس متونی علماء کا تذکرہ ہے، جو مختلف طبقہ و مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں اصحاب سلوک و عرفان بھی ہیں اور مسنوق و منقول کے جامع علماء بھی، مدرسین اور مصنفین بھی ہیں، اور فقہار و محدثین بھی، اہل حدیث اور حنفی بھی ہیں اور جماعت اسلامی اور بریلوی بھی اور حضرت سید احمد شہید کے مریدین و خلفاء بھی، حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ مینری، مولانا شہباز، ملا حبیب اللہ، مولانا غلام محی، مولانا سید ولایت علی صاحب، مولانا ابو محمد ابراہیم آردی، مولانا سید میاں لذیر حسین، مولانا شوق نیوی، مولانا شمس الحق علیاوی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ناصر حسن گیلانی جیسے ہندوستان بھر کے عالمگیر شہرت کے مالک، ناموں سے اس نمبر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، گو اکثر مضامین ماخوذ یا مختص ہیں تاہم اس سے نسب علماء کا یکجا تذکرہ شائع کرنا بھی کم اہم نہیں ہے۔

غزل

از جناب چند پر کاشش جوہر بخنوری

ابو بزم کساں لٹ گئی خدا جانے
سحر ہوئی تو نہ پھر شمع تھی نہ پروانے
وہ شوق کیا کہ جو شرح و بیاں کا ہو محتاج
وہ عشق کیا جسے تری نظر نہ پہچانے
رہنے تو اجل کا بھی رُخ بدل جائے
ابھی حیات نے پھیرے نہیں وہ افسانے
ایک چیز ہے منسوب اپنی فطرت سے
لباسِ شمع میں خود جل رہے ہیں پر فغانے
بے سلوک سے طے ہو رہی ہے راہِ جنوں
یہ کون ماہرِ عشق ہے حند ا جانے
وہ نامراد چاہاں ہوں کہ ڈوبنے جو گیا
تو ڈال لی شکن اپنی جہیں پہ دریا نے
ضامے دوست میں گم ہو کے رہ گیا ہوں میں
وصال و ہجر کی شرطیں مری بلا جانے
دب کی راہ میں ابھرا ہوں نقش کی موت
یہ اور بات ہے خیا ابھی نہ پہچانے
یہ ایسے اب بھی ہیں زندہ اپنا تشنہ لب جو تھر
جدھر نگاہ اٹھا دیں ہزار میٹانے

غزل

از جناب محمد حسین فطرت عظمیٰ بھٹکل

از عند لیب یا ز مزم سے صبا نہیں
ذوقِ لطیف ہو اگر صحنِ چمن میں کیا نہیں
رے جمودِ روح کی آج تو انتہا نہیں
قلب ہے اور غلط نہیں کب میں گرا نہیں
پیشم بصیر بند ہے، دیدہ شوق و امنیں
کونسی چیز میں بھلا جلوہ کسبیا نہیں

عشق میں وہ تڑپ میں ہیں وہ کیا ہیں
 حسن لباس ہے عبت قلب جو پارسا نہیں
 مایہ ناز ہو تو ہو مایہ جانفزا نہیں
 جوشِ فغاں ہے قلب میں سانیہ بے صدا نہیں
 ذوقِ نظر سے کام لے، رنگِ ہوس احسا نہیں
 حرفِ فغانِ نیم شبِ نالہ نارسا نہیں
 شائقِ عافیت، ترے درد کی کچھ دوا نہیں
 دیدہ اشتیاق میں غنچہ نیم دانہ نہیں
 شائقِ فصلِ نو بہار، عیدِ خزاں میں کیا نہیں
 فطرتِ بے نیاز کو خلق سے کچھ گلا نہیں

نقشِ جمالِ زندگی آج کیسے بلا نہیں
 غازہ روتے ناز سے جلوہ خوشنما نہیں
 دردِ جو مستقل نہیں، دردِ جو لادوانہ نہیں
 مطربِ نعمہ خواں نہ جا میرے لبِ خوشنما نہیں
 شائقِ حسنِ مادی فرق ہے اصل و نقل میں
 میری صدائے خویشیاں کو وہ عرش گیر ہے
 کاوشِ اندمالِ دل سعیِ عبتِ عشق میں
 باغ میں میرے سامنے زخمِ دل بہا رہے
 نقشِ و نگارِ رنگ و بو کا ہے عبتِ حریص تو
 ایک درالہ سے مجھ کو کد ہے واسطہ

غزل

لاڈلاکر طفیل احمد دہنی، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

خدا تو فین دے مجھ کو کسی کے کام آئے کی
 کہاں سے لاؤں جہتِ دوستو غمے مٹانے کی
 اجازت خاص پھولوں کو جہاں ہو مسکرانے کی
 اگر سبزے نے کوشش کی ذرا بھی ہلکانے کی
 وختوں کو اجازت تک نہیں ہے سہراٹھانے کی
 کہ ہوتی رہتی ہیں جب سازشیں ان کو بھلانے کی
 نہ عزتِ لالہ و گل کی نہ عظمتِ آستانے کی

کسی کا غم بٹانے کی کسی کی جاں بچانے کی
 وہ غم سے اپنا حال دل تو کہہ نہیں پاتا
 اسے گلشن سمجھنا دوستو تو ہیں گلشن ہے
 جہاں اہلِ چین پیروں سے اس کو روندتی ہیں
 جہاں پابندیاں عائد ہیں پھلے پھلنے پر بھی
 رہیں کیسے بھلا سرو و صنوبر مطمئن ہو کہہ
 کوئی شے بھی نہیں محفوظ گلیہوں کے ہاتھوں سے

مطبوعات جدید

خلافت عباسیہ اور ہندوستان - مرتبہ مولانا قاضی امجد علی، قلعہ کلاں، کاغذ

کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۵۵۸، قیمت جلد ۱۲ روپے، غیر جلد ۱۳ روپے، پتہ

مدرسہ المصنفین، حدود دار، جامع مسجد، دہلی، اٹک،

اسلام کے ابتدائی دور میں عرب ہند کے تعلقات مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس پر ان کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس میں خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور (۳۰۰ھ تا ۴۰۰ھ) کے دونوں ملکوں کے تعلقات پر بحث و گفتگو کی گئی ہے، جو پہلے عباسی خلیفہ سفاح سے متوکل کے زمانہ کو محیط ہے، اس دور میں سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقے خلافت عباسیہ کے زیر نگین تھے، اور انہی کی جانب سے یہاں امرامقرض ہوتے تھے، جو ان کی نیابت کرتے تھے، اس کے بعد یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں جو عباسی خلافت کے ماتحت نہ تھیں، مصنف نے اسی ابتدائی اور زریں دور کے ہر تقریباً ۱۱ برس پر مشتمل ہے، دونوں ملکوں کے تعلقات کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے، سندھ اور اس کے نواح کے علاوہ جن علاقوں میں ہندوستانی راجا حکومت کرتے تھے، ان سے بھی خلافت عباسیہ کے ایک گونہ تعلقات دکھائے گئے ہیں، انوی دور میں ہندوستان کے جو علاقے فتح ہو چکے تھے، عباسی دور میں ان پر کوئی اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ساری قوت ان علاقوں میں بغاوت و فساد ختم کرنے اور خود عربوں کی قبائلی مصیبت فرو کرنے میں صرف ہوئی، گویا عباسی حکومت کا زریں دور مدافعت میں گزرا، اور بعد میں جب وہ اضمحلال و انتشار سے دوچار ہوئی تو عرب امرامقرض نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں، اور عملاً یہاں سے عباسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، مصنف نے اس کتاب میں پہلے یہاں کے سیاسی حالات اور ان فوجی اقدامات کی تفصیل قلمبند کی ہے جو سرکشی و سترانی کرنے والوں کے ساتھ کی گئی، اس سلسلہ میں ان امرامقرض کی امارت اور ان کی خدمات کا ذکر بھی ہے، جن کو عباسی خلفائے مقرر کیا تھا، اسی ضمن میں عباسی خلفاء اور ہندوستان

کے درمیان خط و کتابت اور دلیا و تحائف کے مبادلہ کا تذکرہ بھی ہے، ایک طعنے باب میں جو اسی ملکات کی
الہیت بھر بھر پر بحث کی ہے، جو اسی حکومت کی خاص رکھاد ہے، اور جس کا مقصد ہندوستان کے سرحدی اور
سمندری علاقوں کی غارتگری وغیرہ کا استعمال تھا، اس باب میں اس ممانعت پر جو لوگ قائل تھے ان کا
اور ان کی جگہی ہم کا حال بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد مختلف خلفاء کے عہد میں ان علاقوں میں جو مراعات
کئے گئے، ان کا نام تحریر کر کے ان کے قبائل کے متعلق معلومات پیش کئے گئے ہیں، پھر ان کے نظم و نسق، علم و ادب
نوازی، محاصل و آمدنی، مذہبی آزادی و روحانیت وغیرہ سے اچھے برائے، عدل و انصاف اور تعمیری کاموں
کا ذکر ہے، ایک باب میں اس دور میں عرب ہند کے تعلقات دکھائے ہیں، اس سلسلہ میں مسلمانوں سے ہندوؤں
کی عقیدت و محبت اور مسلمانوں کے ان کے بارہ میں اچھے تاثرات و خیالات کے علاوہ ان کے علوم و فنون کی
ان کے معاملہ میں امن و انصاف پسندی، ان کے حسن و جمال کی تعریف اور ان سے شادی بیاہ وغیرہ کا تذکرہ
کیا ہے، ایک باب دونوں ملکوں کے تجارتی تعلقات کے لئے مختص ہے، اس میں ہندوستان میں درآمد ہونے
والی اور یہاں سے برآمد کی جانے والی چیزوں کا ذکر ہے، نیز مسلمان تاجروں کی ایمانداری اور سچائی اور ان کے
اچھے اثرات اور ہندوستان کے لوگوں کی تجارت میں مہارت دکھائی ہے، اس کے بعد کے باب میں ہندوستانی
علوم و فنون، حساب، ہندسہ، نجوم و فلکیات، طب، قصص، اساطیر، لغت، موسیقی، جنگ اور جنگی آلات مسلمانوں
کی دلچسپی کا حال اور ہندوستانی کتابوں کے عربی ترجمہ و اشاعت کا ذکر کیا ہے، پھر اس دور کے علماء اور مسلمان
فنون کے ان ماہرین کا تذکرہ ہے، جو سندھ اور اس کے قریب جوار کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، یا جنہوں نے
باہر سے آکر یہیں بود و باش اختیار کر لی تھی، لائقِ مہنت نے ان حضرات کے تعلیمی سفر، درس و افتادہ، رفائیت
حدیث، تصنیف و تالیف اور ان کے متعلق اس زمانہ کی اسلامی دنیا کے اہل علم کی رائیں بھی نقل کی ہیں، نیز فقہ
فقہ، تفسیر، قرأت، قضا اور زہد و تقویٰ وغیرہ میں ان کے امتیازات بھی دکھائے ہیں، آخر میں ہند سے تعلق رکھنے
والے اصحاب علم و ادب کی علمی خدمات اور مختلف فنون میں ان کی جامعیت کا تذکرہ کیا ہے، پوری کتاب

بڑی تحقیق و محنت سے لکھی گئی ہے، اور مصنف نے طے کیا ہے کہ یہ ملی زمین تیار کیلئے، ان کے خیال میں محمد فاروقی سے محمد عباسی یعنی تقریباً چار سو برس تک ہندوستان کے اسلامی مقبوضہ پر جو نظام جاری ہوا، مجموعی طور سے خاص اسلامی نظام حکومت تھا، اس کتاب میں اسی نظام حکومت کی کیفیت اور اس دور کے خیر و برکت اور اس کی نابانی و درخشاکی کی داستان سنائی گئی ہے، اور ہنہوا جس کے سیاسی، فوجی، علمی، تمدنی اور اسلامی کارناموں کی تفصیل قلمبند کی گئی ہے، اور دونوں ملکوں اوروں کی تہذیبوں کے امتزاج سے جو اسلامی تہذیب و وجود میں آئی اور مختلف شعبوں میں جو ترقی و وسعت ہوئی اور جو فوائد و تعلقات اور باہمی اعتماد و محبت کی فضا رونما ہوئی، ان سب کے متعلق مستند معلومات جمع کئے گئے ہیں، البتہ کتاب میں کس کس کی تکرار اور کتابت و طباعت کی غلطیاں ہیں، ایک جگہ بعض صفحے غلط لگ گئے ہیں، بعض جگہ عربی کے نام اوس اور اردو میں کم استعمال ہونے والے الفاظ اور جمع کھد گئے ہیں

قانون کا حقیقی تصور: از مولانا جمیل الدین احمد مرحوم، تطبیق متوسط، کاغذ، ۱۹۲۰ء

اور انسانی آزادی و طباعت معمولی، صفحات ۲۴۰، قیمت بارہ روپے پتے:

(۱) سید اصغر علی کاظمی، بازار روپ لال شاہ علی بندہ، حیدرآباد (۲) مینار بک ڈپلا

گلزار حوض، حیدرآباد دکن۔

اس کتاب میں قانون اور انسانی آزادی کے تصور پر بحث کی گئی ہے اور ازدواج کے بارے میں اسلامی قانون کی موزونیت اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے، پہلے قانون کا مفہوم وضع کیلئے اور اس کی تردید کیلئے کہ اسلامی قانون روغن لاسے ماخوذ ہے، مصنف نے اس پر خصوصیت سے زور دیا ہے کہ قانون سازی صرف خدا کا حق ہے، پھر مختلف حیثیتوں سے انسانی قانون کا مقابلہ کر کے اول الذکر کی بالاتری اور مناسبیت دکھائی ہے، اور مؤخر الذکر کا غیر مناسب ہونا روغن لاسے ماخوذ ہونے کی بنا پر ثابت کیا ہے، انھوں نے بقائے حیات کے قانون لباس، طعام اور ازدواج کے متعلق ہدایت الٰہی

کو انسانی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ بناتے ہوئے اس بارہ میں انسانی قانون خصوصاً یورپ کی بے راہروی ثابت کی ہے، اور صلح تمدن و معاشرت کے لئے خدا کی ہدایت اور فیوض کی حکومتی سے آزادی کو بھی انسان کا فطری جذبہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس بارہ میں بے اعتدالی تمدن میں ملتا ہے اور انسانی زندگی میں سنا کا باعث ہوتی ہے جس کے انداد اور نوح انسانی کی خدمت و فلاح کے لئے اسلام نے جنگ کا حکم دیا ہے، انھوں نے جہاد اور اسلامی حدود و تعزیرات کو وحیانہ قانون بتانے والوں کی مدلل تردید کی ہے، آگے چل کر آزادی کا مفہوم واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بے قیدی کے بجائے انسان کی پیدائش کے مقصد خدا کی عبادت اور خلق کی خدمت کی تکمیل کرتی ہے، اس سلسلہ میں مساوات کے اسلامی تصور اور مختلف مذاہب خصوصاً ہندو مذہب میں اس کے یکسر منقود ہونے کا ذکر کیا ہے اور اسلام نے غلامی کے انداد کی جو تدبیریں اختیار کی ہیں اور غلاموں سے حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے اسے پیش کیا ہے، کتاب فیہما کتاب پر مشتمل ہے، اور مصنف کا نقطہ نظر بھی درست ہے، مگر ترتیب کی خامی کی بنا پر مختلف مباحث ایک دوسرے سے مخلوط ہو گئے ہیں اور کچھ بجائے ربطی اور کہیں کہیں مطالب اور زبان و بیان کی غلطیاں بھی ہیں بشرط میں کتاب اور مصنف کے تعارف کے تعلق سے جو تحریریں درج ہیں ان میں یہ گنا بڑھ چکا ہے اور زبان و بیان کی غلطیاں ہیں۔

رد الاشرارک: تألیف مولانا محمد اسماعیل دہلوی، تہذیب مولوی محمد عزیز شمس صاحب

تقطیع متوسط، کاغذ وطہات عمدہ، صفحات ۱۷۲، قیمت دو روپے، پتہ ۱۱۔

المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ، لاہور، پاکستان۔

یہ مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی جی عربی تصنیف ہے جو ایک مقدمہ اور دو ابواب پر مشتمل ہے، اس کے پہلے اب کا خود مولانا نے اس وقت ترجمہ مزید فصاحت و تشریح کے ساتھ تقویت اللہ بیان کے نام سے کیا تھا اور دوسرے اب کا ترجمہ ان کے انتقال کے بعد ان کے تلمیذ مولانا محمد سلطان نے تہذیب الاخوان کے نام

کیا تھا ایہ دونوں کتابیں خصوصاً اول الذکر بہت مقبول ہوئی، اور اس کے متعدد ایڈیشن نکلائے گئے، اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن، جامعہ سلفیہ بنارس کے نوجوان فاضل مولوی محمد عزیز شمس علم و مطالعہ کے ذریعے بھیجا اور راز و نایاب کتابیں کی تلاش و جستجو ان کا محبوب شغل بھی رہا، انہوں نے اس کتاب کے کئی غلطیاں کا پتہ لگا کر ان کی مدد سے اس کا محقق متن اپنے حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے، پہلے باب میں شرک کی مختلف قسموں جیسے علم، تصرف، عبادت اور عادات و اطوار وغیرہ میں خدا کا شرک بنانے کی تردید ہے، دوسرے باب میں پہلے اتباع سنت و اجتناب بدعت کے وجوب، ایمان کی حقیقت اور صحابہ کرام کے فضائل کا ذکر ہے، پھر قبروں پر کی جانے والی اور تقلیداً رواج پانے والی بدعات کی تردید کی ہے اور آخر میں مختلف رسوم کا نا، بجا نا، حسب و نسب پر فقر، تعظیم میں حد اعتدال سے تجاوز، شادی بیاہ میں فضول خرچی، مہر کی کثرت، نکاح بیوگان سے پرہیز، نوہ، سوگ، زیب و زینت میں افراط، کفار کی مشابہت مردوں کا عورتوں کا اور عورتوں کا مردوں کا لباس اختیار کرنا، ممنوع لباس استعمال کرنا، قصور ساری اور گودنا وغیرہ کا ذکر ہے، مولانا نے ان امور کے متعلق محض آیات قرآنی اور احادیث نبوی جمع کر دینے پر اکتفا کیا ہے، اور ان کی کوئی تشریح و توضیح نہیں کی ہے، مرتب نے بھی صرف متن شائع کیا ہے اور حاشیے میں آیتوں اور حدیثوں کی تخریج کر دی ہے، شروع میں مصنف کے مختصر حالات بھی دیئے ہیں، اور مقدمہ میں اس کتاب کی اہمیت اور ان مخطوطات کے بارہ میں معلومات دیئے ہیں جن کا انہیں علم ہو سکا ہے، اس نایاب کتاب کی اشاعت قابل تحسین ہے۔

سبزہ و گل : مرتبہ جناب رئیس الدین فریدی، توسط تقطیع، کانڈکات و طباعت
بہتر صفحات ۷۶۰، جلد مع رنگین گردش، قیمت ۱۶ روپے، ناشر مغربی بنگال اور دواکیر
۱۷، سندری موہن ایونیو، کلکتہ۔

جناب رئیس الدین فریدی مدیر روزنامہ ہند کلکتہ مشاق اور تجربہ کار صحافی ہیں، وہ کلکتہ کے علاوہ

ممبئی، حیدرآباد اور دہلی کے مختلف اخباروں سے بھی وابستہ رہے، انھیں صحافت اور شاعری کے علاوہ شعرو سخن کا اچھا ذوق بھی ہے، سبزہ و گل ان کی ادبی و شعری زندگی کی سرگزشت اور ان کے کلام کا انتخاب ہے، اس کے پہلے حصہ میں انھوں نے اپنی شاعری کی داستان بیان کی ہے اور مختلف جگہوں کے حالات و مشاہدات تحریر کئے ہیں، ان کا دہن امر وہم ہے، مگر ان کی زندگی کا زیادہ حصہ ممبئی اور کلکتہ میں بسر ہوا، اور انھوں نے دہلی، حیدرآباد اور جلیپور میں کچھ عرصہ قیام کیا، اس کتاب میں ان سب جگہوں کی ادبی شخصیتوں اور انجمنوں کا بہت دلچسپ انداز میں تذکرہ کیا ہے، شروع میں نظم و نثر کا موازنہ اس طرح کیا ہے کہ دونوں ہی کی اہمیت و ضرورت تسلیم کی ہے، اس ضمن میں موسیقی اور قص و مصوری سے اپنی دلچسپی کا ذکر بھی انشراح کے ساتھ کیا ہے، پھر اپنی شاعری میں موروثی اور ماحول کے اثرات اور امر وہم کی ادبی اہمیت دکھائی ہے، اور جلیپور میں ابتدائی تعلیم، وہاں کے شاعرانہ ماحول اور اپنی شعر گوئی کی ابتدا کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد ممبئی جانے اور صحافت کے پیشے سے وابستگی اور وہاں کی ادبی و شعری مجلسوں اور ان میں شریک مقامی و بیرونی اصحاب ذوق کا مزہ لیکر تذکرہ کیا ہے اور ان سے اپنے ردِ احوال کا بھی بیان کیا ہے، پھر حیدرآباد کی ادبی سرگرمیوں اور وہاں کے شعرا و اصحاب کا تذکرہ ہے، دہلی میں بھی یہی سلسلہ مروجہ ہے، مگر یہاں ماضی ہونے والے شاعروں اور ادیبوں کا بھی دلچسپ ذکر ہے، آخر میں کلکتہ کے مختلف شاعروں اور اہم شخصیتوں کے بارہ میں تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب مصنف کی سرگزشت بھی ہے، اور اس سے مختلف باب شعرو سخن کے بارہ میں دلچسپ معلومات بھی حاصل ہوتے ہیں، دوسرے حصہ میں نظموں اور غزلوں کا سنہ وارا انتخاب دیا ہے، اس سے ان دونوں اصناف پر ان کی قدرت ظاہر ہوتی ہے، لائق مصنف نے اپنے مشاہدات و تجربات بیان کرتے ہوئے کہیں کہیں اپنی بے لاگ رائے بھی تحریر کی ہے، مثلاً غزل کو وہ لاجواب صنف سمجھتے ہیں (ص ۲۷) مگر جدیدیت کو اپنی سمجھ سے بالاتر بتاتے ہیں (ص ۱۲۷) دہلی کی شاعری کے وہ

بڑے عالم ہیں، اور کھنڈوں میں آتش کے سما کسی کو چوٹی کا شاعر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ان کا رنگ بھی خاص دہلوی ہے اور یہی حال حسرت کا بھی ہے (ص ۱۱۱) جگر کے وہ پرستار ہیں (ص ۱۱۱) مگر جوش کو اردو کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں (ص ۱۱۱) غالب کی عظمت پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ ان کو ان پر ترجیح دیتے ہیں (ص ۱۱۱) معنی کو قدرت زبان اور صفائی کا دورہ دیان اور لطافت نقابت مضامین کے اعتبار سے میر و سودا سے بھی متاثر قرار دیتے ہیں (ص ۱۱۱) ان کی یہ آئیں دوسروں کے لئے موضوع بحث ہو سکتی ہیں، خصوصاً اقبال کے متعلق جو یہ تحریر کیا ہے کہ..... انسانوں میں عقائد کی بنا پر فطرتی پیدا کی اور عظمت انسان کو اپنے ذاتی خیالات میں محدود کر کے ڈال دیا (ص ۱۱۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اقبال کا دقت نظر سے مطالعہ نہیں کیا ہے، ایک جگہ انھوں نے مشاعروں میں سامعین کی ہڑ بونگ کا ذکر کئے اس کی ملک گیر پیانہ پر اصلاح کی ضرورت ظاہر کی ہو مگر شعرا کی بے راہ روی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، ان کی تحریر میں بڑی شگفتگی ہے مگر مندرجہ ذیل جملوں میں نفا کشیدہ الفاظ قابل اصلاح ہیں اپنے احساسات سے دوسروں کو اطلاع دے سکتے ہیں (ص ۱۱۱) مگر اقبال کے متعلق میرا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ انھوں نے رومی کا چیلہ ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود..... (ص ۱۱۱) ایک مصرعہ میں نوم کو مذکر بانہ صاف ہے (ص ۱۱۱) جو غلط ہے ذیل کے مصرعہ میں صج جس میں ہمسوں کو میر نے غذا ہے نہ دوا (ص ۱۱۱) ہمسوں کا کھلتا ہے، سمندر پھر ملتا ہے : از جناب عرفی آفاق صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ کتاب

طباعت عمدہ، صفحات ۱۹۲، جلد مع خوبصورت گرد پوش، قیمت: ۲۰ روپے پتے

(۱) مکتبہ جامعہ ملیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، (۲) یونیورسٹی لائبریری، گولڈن گیٹ، ۲۰-۳۰-۱

یہ جناب عرفی آفاق کا پہلا شعری مجموعہ ہے، اس میں ۱۵۵ سے زائد اشعار تک کا منتخب کلام شامل ہے انھوں نے اسے دلکش پیرایہ میں اہل زمانہ کے نام منسوب کیا ہے، اس کے بعد خدا کے حضور میں دو شعر

خدا کے ہیں پھر اپنا ایک خاص انداز میں تعارف کرایا ہے، انتساب کے شعروں کے لئے اقبال اور
 تعارف کے لئے غالب کی زمینیں منتخب کی ہیں جو ان کی خوش بذاتی کاشت ہے یہ مجھ و نظموں پر کلا
 قطعات متفرق اشعار دو ہے اور ڈوسٹوئی (گیت) متنوع اصناف سخن پر مشتمل ہے، مضمون کا حصہ نیا جو
 جاندار ہے، ان میں جاہلی جدت و تازگی کے نونے ملتے ہیں، مصنف کے عوامی اندیشے اور نئی شکل زمینوں میں کامیاب
 طبع آدمی کی ہے، ان کی جدید شاعری پر بھی نظر ہے اور انھوں نے اردو کی کلاسیکل شاعری کا بھی مطالعہ
 کیا ہے، اس لئے ان کے کلام میں دونوں کا حسین امتزاج ہے اور وہ موجودہ دور کا عکاس بھی ہے ان کے
 یہاں نئے الفاظ و استعاروں، نئی ترکیبوں و تشبیہوں اور جدید علامتوں اور دونوں کے ساتھ ہندی زبان کے
 اثرات بھی نظر آتے ہیں، کلام کے دوسرے حصے بھی قابل توجہ ہیں، نظموں سے ان کی قدرت کلام، احسان
 کی شدت اور مشاہدے کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، ان میں طویل، مختصر آزاد اور پابند ہر طرح کی نظمیں
 اردو میں اب دو ہے کہنے کا رواج بڑھ رہا ہے، عرفی صاحب نے اس میں بھی نیا انداز پیدا کرنے کی کوشش
 کی ہے، ان کی شاعری ٹھکری گرائی و معنویت کی حامل ہے جس میں لب لہجہ کی جدت نے ایک مخصوص بک
 پیدا کر دی ہے، کتاب ظاہری حیثیت سے بھی دیدہ زیب ہے۔

فیوضات و زیریہ : مرتبہ مولانا وجیہ الدین احمد خاں قادری، متوسط تقطیع، کاغذ،

کتابت و طباعت درے بہتر، صفحات ۳۰۴، قیمت ۲۰ روپے، پتہ: مکتبہ وزیریہ، محلہ انگریزاں
 راجپور، یوپی،

راہپور کے صوفی مولانا وجیہ الدین احمد خاں کے مخطوطات کو ان کے نوادے مولوی وجاہت اللہ خاں صاحب نے

قلمبند کیا ہے اور مصنف کے مرشد مولانا وزیر محمد خاں مرحوم کے نام پر اس کا نام فیوضات و زیریہ رکھا ہے
 اس میں تصوف کے اشغال و اعمال اور ادب و وظائف کے علاوہ سلسلہ قادریہ مجدد و مجددانہ کے فقہائے حق
 اور اس سلسلہ کے منظوم و منثور شعرے بیان کئے ہیں، شروع میں مصنف کے اور آخر میں ان کے شیخ کے حالات و سوانح
 ہیں، اس میں اسلامی تصوف کے ساتھ مروجہ تصوف کی بھی بہت سی باتیں کا ذکر اور دیوبندیت و وہابیت پر بھی
 ہیں، اس سے مصنف کے خیال و مسلک کا پتہ چلتا ہے، یہ کتاب غیر مستند واقعات اور صوفیانہ شیطانیات سے بھی خالی
 نہیں، مگر حضرت شیخ علی قادری رحمانی کا حوالہ نقل کیا اور حاشیہ الاخر میں شیخ کے تذکرہ میں ۱۵۔

ہندستان کے فوجی نظام

کسی فرماں روا کا نام یا فرماں روا اس شخص کی غلط و نشانہستی و تنزل کا اندازہ ہمیشہ
 نہایت اہم فوجی حالت ہے کیا جاتا رہا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی آرائیں بھی لکھی جاتی ہیں
 ہندوستان کے مختلف فرمانروا خانانوں کی آرائیں بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں اور ان میں اور
 ان فتوحات اور جنگوں کی تفصیل لکھی گئی انہوں نے بارہے لے کر ظفر شاہ تک چار پانچ سو برس اس
 ملک پر حکومت کی اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور اپنے مقبوضات کا دائرہ واس کھاری سے
 ہرات اور کابل تک پہنچا دیا، ان کی تاریخ بھی مرثیہ ان کی جنگوں کی اور فتوحات کی تاریخ جو لکھیں
 اس کو سرحد کشا کا وہ بیان نہیں لیکر ان کا فوجی نظم و نسق کیا تھا، ہندوستانی کے طریقے کیا تھے کس قسم
 کے استعمال ہوتے تھے میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب کیا ہوتی تھی ان کی مختلف کمزوروں کے
 کی بات تھی پھر ان کی ذمہ داریاں کیا ہوتی تھیں وغیرہ وغیرہ، جب سید صباح الدین جہاں
 شہر المصنوع کی رفاقت میں آئے اور ان کو انگریزی کا شبہ دیا گیا، تو سید صاحب نے ان کو یہی
 لکھن سو مع دیا جس کے لئے مراد کا تلاش کرنا پڑا جسے جو شیر لانے سے کم نہ تھا، انہوں نے
 دس ہزار سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے نہ صرف انہوں کے عہد کے بلکہ ہندوستان کی وہ
 عہد و سلی کے فوجی نظام پر ایک ضخیم کتاب تیار کر کے پیش کر دی، اس میں عہد و سلی کے فوجی نظام
 آلات حرب آتش اسلحہ بھری بیڑے فوج کا کوچ، صف آرائی، ترتیب، میدان جنگ، چار دنیا
 کین کا ہیں، مختلف فوجی عہدہ داروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل نہایت پرمک
 میں بیان کی گئی ہے، یہ اپنے موضوع پر اردو میں منفرد کتاب ہے، قیمت ۲۲-۰۱ روپیہ

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن
 "فیخبر"



حقیر الاسلام مولانا شبلی کی بعض اہم تصنیفات

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانح عمری
ان کے اجتماعات و مسائل فقہیہ

حق کی خصوصیات (زیر طبع)

سوانح مولانا ادریس، مولانا جلال ملکی کی
کی فصل سوانح عمری ادریس کی شاہکار تصنیف شری

شریف پر مبنی تبصرہ، (زیر طبع)

مہاراجہ امیر دہلی، مشہور مشنر محمد یونس کی
شاعری پر دیو، ادریس کا بیرونی کا حوازیہ

زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ

قیمت: ۱۱ روپیہ

کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا
مجموعہ جو انہوں نے مسجد کا پورا جنگ طرابلس

غزوہ بلقان، اسلام لیگ، اسلام دیندیشی وغیرہ کے
متعلق لکھیں، قیمت: ۶ روپیہ

مکاتیب شبلی: مولانا کے دوستوں و غریبوں کے
فلکروں کے نام خطوں کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ دوم

۱۶ روپیہ، ۱۲ روپیہ

قیلانی حلقہ اس میں حضرت علیؑ کی سیرت کی
وادی بساوت ہے لیکر نیکو کے حالات و حالات

کی تفصیل ادریس پر تبصرہ، قیمت: ۲۹ روپیہ
سیرۃ نبویؐ حصہ دوم، اقامت انفا تیسرے حالات، ادریس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و مسائل کا
مفصل بیان قیمت: ۱۱ روپیہ

الفاروق حضرت عمر فاروقؓ کی فصل سوانح عمری
ادریس کے بیانات اور کارناموں کی تفصیل مولانا

شبلی کے قلم کی شاہکار کتاب، جس پر مصنف کو بھی
ناز تھا، قیمت: ۲۲ روپیہ

الغزالی جہد الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی
سوانح عمری ادریس کے علی کارناموں کی تفصیل ان کی

تمام تصانیف پر ایک جامع تبصرہ، قیمت: ۱۱ روپیہ
المامون خلیفہ مامون الرشید کی سوانح و حالات

کے علاوہ اس کے عہد حکومت کے سیاسی علمی مذہبی
اخلاقی تمدنی حالات بھی سے دولت جانیہ بغداد کے

عروج و کمال کا پورا تاریخ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے
قیمت: ۱۱ روپیہ

نمبر ۱۹۸۲ء

المجلد الثانی

مجلد
۱۹۸۲ء



مجلد المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

۲۶/۹/۸۴

..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾
..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾
..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾
..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾

سید صباح الدین عبد الرحمن

..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾

قیمت بینل روپے سالانہ

درفتر المصنفین اعظم کتب

کاتب علیہ قبالہ (۱۹۸۲-۱۹۸۳)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا تیدابو الحسن علی ندوی
 - ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحي
 - ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک نئی کتابوں کی پہنچ چکا ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں نخل دودھ سے پھلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فرارخ دلی، اڈانسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد دوم

اس میں نخل فرمازدابا، ہمایوں، سیدی خاندان کے شیرشاہ اور اسلام شاہ، پھر نخل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فرارخ دلی، انسان دوستی کے سبق پڑھنے والے واقعات کھ گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد سوم

اس میں اوزنگریب عالمگیر، امداس کے بعد کے نخل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فرارخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

..... (۱۰ روپے) (۱۰ روپے) (۱۰ روپے)

سید صباح الدین عبد الرحمن

جلد ۱۳، دہ ذی الحجۃ ۱۴۰۲، ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۲ء، شمارہ ۳۵۵

مضمین

۱۴۸-۱۴۶ سید عبدالحق الدین عبدالحق

شذرات

مقالات

۱۸۰-۱۴۹

مولانا محمد حفظ الرحمن
سابق ناظم جمعیت طلبہ

حضرت ابراہیمؑ اور تشریف

۱۹۰-۱۸۱

ڈاکٹر شرف الدین اجملی
اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام

اردو زبان و ادب میں قرآنی الفاظ کا

استعمال

۲۱۰-۱۹۱

جناب مولانا محمد عبدالحق
کاتو - بھیریا

کتاب سازی و اورات

۲۲۰-۲۱۱ مولانا عبد الرؤف جھنڈاگری فیصل

اشعار و قصائد کی دینی حیثیت

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں

۲۳۳-۲۲۱

سید عبدالحق الدین عبدالحق

پر ایک نظر

۲۴۰-۲۳۴

«ض»

مطبوعات جدیدہ

دیکھ ضروری (اطلاع)

کاغذ کی ہوش بآگرائی کی وجہ سے دارالمصنفین کی مطبوعات کی قیمت میں یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء سے

بیش فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور سالہ سالہ کچھ بھی جنوری ۱۹۸۲ء سے ہندوستان کے رئیس روپیہ

بیس روپے کے لئے ساٹھ روپیہ کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ دارالمصنفین اور معارف قدر دان اس معمولی

اضافہ کو بطیب خاطر گوارا کریں گے۔

منیر

مشکلات

گذشتہ مہینہ کے شذرات میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے نامور مورخ سر جے ایم سکرکار نے اپنی ساری تصانیف یا تو انگریزوں کے اشارہ سے یا ان کی خوشنودی کی خاطر لکھیں۔
 ان کی تاریخ نویسی کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اپنے زور بیان میں ایک جگہ جو کچھ کہ جاتے ہیں دوسری جگہ ان کی تحریکی روانی سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے، جس کا احساس ان کو نہیں رہا، ان کی تضاد بیانیوں کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے کچھ کی طرف توجہ ان سطروں میں دلائی جا رہی ہے، وہ بہت ہی پر زور طریقہ پر لکھ گئے ہیں کہ ایک مذہب (یعنی اسلام) جو اپنے پیروؤں کو ڈاکہ زنی اور قتل کو مذہبی فریضہ سمجھنے کی تلقین کرتا ہو، وہ انسانیت کی ترقی اور دنیا کے امن کا ساتھ نہیں دے سکتا (ہسٹری آف اونگ زب ج ۳، ص ۶۴-۶۴۸)

یہ کیسی اشتعال انگیز تحریر ہے، مگر آگے چل کر ہندوستان ریویو کے اپریل ۱۹۵۷ء کے ایک مضمون "اسلام ان اٹلیا" میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کو مسلمانوں نے یہ چیزیں دیں: (۱) اپنی حکومت کے نطرنے میں انھوں نے ہندوستان کے تعلقات بیرونی دنیا سے قائم کر لئے (۲) ان کی وجہ سے ہندوستان کو بیشتر علاقوں میں امن و سکون قائم ہوا (۳) ایک نئی قسم کے نظام حکومت سے تمام ملک میں یکسانیت پیدا ہوئی (۴) مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود لوگوں کے معاشرتی امور میں یک رنگی پیدا ہوئی (۵) تعمیرات میں ہندوئی اور اسلامی طرز کا ایک نیا اسٹائل پیدا ہوا، عمدہ قسم کی صنعتوں کو فروغ ہوا، شال، کھواب، قالین اور مرصع کاری ان ہی کے زمانے کی یادگاریں ہیں (۶) ایک مشترکہ زبان پیدا ہوئی، جو ہندوستانی یا ریختہ کے نام سے مشہور ہوئی (۷) ملکی سطح پر ترقی ہوئی (۸) مذہب میں توحید کے تصور کی تجدید ہوئی

اور قصور پھیلا (۹) تاریخی طور پر پیدا ہوا (۱۰) فون جنگ اور تھل کے مام شیوں کو فروغ دیا یہ ہیں
اسلام کے پیروں نے ہندوستان کو دیں جن کے بارہ میں جدونا تھ سرکار یہ لکھ گئے ہیں کہ اسلام انسانی
کی ترقی اور دنیا کے اس کا ساتھ نہیں دے سکتا،

وہ منوں کی حکومت کو قزاقی قرار دیتے ہیں (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۱، ص ۲۷) گمان کے قلم کو
یہ تحریر بھی لکھی ہے کہ ہندوؤں کی حکومت کے زمانے میں صوبے آزاد تھے، ان میں یکسانیت نہ تھی، سیاسی
اتحاد نہ تھا، قومیت کا خیال بھی نہ تھا، اس کے مقابلہ میں منوں کی دو سو سالہ حکومت میں یعنی اکبر سے محمد
شاہ کے عہد تک شمالی ہندوستان اور دکن کے بڑے حصے میں سرکاری زبان، ملکی نظام اور سکہ جات میں بڑی
یکسانیت اور یکسانیت پائی گئی، جو علاقے منوں کے زیر نگین نہیں رہے ان میں ہندو راجاؤں نے ان سے
نظم و نسق کے طریقے اور دباری آداب سکے منوں کے زمانے میں پختہ ہو چکے تھے، مگر ایک صوبے کے آدمی
کو دوسرے صوبے میں گھر کی راحت ملتی، تاجر اور سیاح ایک شہر سے دوسرے شہر ایک صوبے سے دوسرے
صوبہ تک تمام سہولتوں کے ساتھ سفر کرتے، اور اس پورے وسیع ملک کو ایک پالتے، اور تمام لوگ اپنے
کو ایک ہی امپائر کی برابر کی رعایا تصور کرتے (مؤرخ ایڈمنسٹریشن باب ۱۱، ص ۳۹-۳۸) کیا یہ
کارنامہ قزاقوں کے ذریعہ سے عمل میں آیا؟

ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ یہاں کے طویل قیام سے مسلمانوں کا بیرونی کیریکٹر زائل ہو گیا، ان پر غلام
ہندوستانی بھاپ پڑ گئی، یہاں تک کہ سترہویں صدی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ مشکل
مسئلہ پیدا ہو گیا تھا کہ بخارا، ایران اور صوبے جو مسلمان یہاں آئے، ان کو اپنے میں کیسے ضم کریں ہندو
آب و ہوا کی وجہ سے ان کی جسمانی ساخت بدل گئی، ان کے رنگ روپ میں بھی تغیر آ گیا، انھوں نے ہندوستانی
کے بہت سے مراسم، اعتقادات، غذائیں، لباس اور حتیٰ کہ ہندوستانی زبان اور رسوم بہ ہندوستانی (زبان ہندو)
کو اپنایا، مسلمان گزرنے کے بعد ہندوستانی مسلمان اپنے ایشیائی ملکوں کے بھائیوں سے بالکل دور ہو گئے، ان کے

میں نے ان پر یہ دیکھا ہے کہ وہ دین کے لیے اپنی تمام چیزیں قربان کر دی ہیں۔
 خصوصیات جاتی رہیں (۲۰) یہ طے ہے کہ میں ۱۹۲۲ء (۱۳۴۱ھ) میں (۱۳۴۱ھ) میں

لیکن جب انھوں نے ہندوستان ریویو میں اسلام ان ایڈیٹنگ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تو اس میں رقمطراز ہیں: ہندو لادو مسلمان ایک ہی سرزمین میں رہے، مگر دونوں میں آمیزش نہ ہو سکی، اس میں جو خلیج ہے اس کو کوئی چیز پاٹ نہ سکی، ہندوستان کے مسلمانوں کا رجحان ہندوستان کے بجائے باہر کی سمت رہا، آج بھی وہ نمازوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا منہ کہ کی طرف ہوتا ہے، وہ ہر زمانہ میں پختہ خنی شفا تو ان کی تہذیب و ملک کے استقامی معاملات اور نوشت و خواند کے معیار کے سلسلہ میں کوئی نمونہ تلاش کرتے تو وہ ہندوستان سے باہر عرب، شام، ایران اور مصر کا ہوتا، مسلمان باشندے اس ملک میں رہنے کے باوجود اکبر کے عہد تک اس کا جز بن کر نہیں رہے، اوپر کے دونوں اقتباسات میں کس بات کو صحیح سمجھا جائے۔

انھوں نے یہ بھی یاد کرانے کی کوشش کی ہے کہ اورنگ زیب ابراہین خاں مکران ثابت ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی اور بدتر تصویریں کیا جاسکتا (اسٹیجیٹن بوغلو، انڈیا ماس ۶۲-۶۰) مگر وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ وہ اپنی ذہانت، سیرت اور کارناموں کی وجہ سے ایشیا کے عظیم ترین حکمرانوں میں سے ہے اور غیر معمولی درجہ کا مصلحتی متحرک اور بااخلاق تھا، اس کو اپنے فرائض کا احساس برابر رہا، اس کے لئے پیش وراحت ممنوع تھی، وہ نفسانی خواہشات کے سخت غلام رہا، انسانی کمزوریوں سے وہ متاثر نہیں ہوتا، اس لئے اپنے زمانہ اور اپنے مذہبی عقائد کے بہترین روایات اور تخیلات کے مطابق اپنے لوگوں پر حکومت کی (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۵ ص ۱) وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت کے ابتدائی ۲۳ سال میں امن و امان سلسلہ خوشحالی رہی، اس کے راستے سے تمام دشمن ہٹ گئے، پوری سلطنت اس کی اطاعت گزار ہو گئی، ملک میں اس کی مضبوط اور بے پناہ حکومت کی وجہ سے جو امن و امان قائم ہوا تو دولت اور کچھ دونوں میں اضافہ ہوا تھا، وہ انسانی خوشحالی اور شوکت کے انتہائی واضح پرچم بن گیا، یہ اس کی زندگی کا تیسرا دور تھا (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۵ ص ۲۷)

وہ اورنگ زیب کو اردن (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۲ ص ۸۳) ظالم (ایضاً ص ۱۶۶)،
جھوٹا اور دغا باز (ایضاً ج ۲ ص ۹) سنگ دل اور غیر مے خالی (ایضاً ص ۱۰۰) ہر شرمناک واقعہ
قائدہ اٹھانے والا (ایضاً ص ۱۶۵) اور اپنی جنسی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہوجانے والا (ایضاً ص ۱۶۶)
کہے ہیں۔

مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کی دانشمندی اور خاکساری سے متاثر ہو کر دیباری امرا اس کے دست
بند رہے، جو زیر کی اس نے اپنی شہزادگی کے زمانے میں دکھائی، وہی بادشاہت کے دور میں بھی دکھاتا رہا، وہ
جہاں بادشاہی میں درویشی کرتا، اپنی نجی زندگی، لباس، غذا اور تفریحات میں بہت سادہ تھا، وہ گناہوں
سے پاک تھا، قرآن نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے، مگر وہ اس سے بھی کم رکھتا، وہ اپنی بیویوں کا دغا
رہا، حکومت کے نظام کی دیکھ بھال میں اس کی محنت و مشقت جوت انگریز حد تک تھی، وہ روزانہ دیباز کرتا
عدالت کے منتظم اور واروغہ دادخواہوں کو لاتے اور اس کے سرخسہ عدل سے سیراب ہوتے بعض ایسے
دادخواہوں اور مظلوموں کی التماس کو بھی سن لیتا، جن کی دادرسی امرا کی مداخلت کی وجہ سے صحیح طور پر
نہیں ہوتی، حرم کے اندر جاتا تو غریب عورتوں، بیواؤں اور یتیموں کی فریاد سنا، ان کو روپے جاگیریں اور زیورات
دے کر مطمئن کرتا، وہ چوکیں گھنٹے ٹھیں صرف تین گھنٹے ٹھسوتا، بڑی محنت و مشقت کی زندگی بسر کرتا، اس کے
دیباریں کام ہی کام ہوتا، کوئی تفریح نہ ہوتی (اسٹڈیز ان مغل انڈیا ص ۶۱-۶۲) ایک جگہ توجہ و تاسکوار
نے اس کو مافوق البشر اور آسمانی کی طرح لکھا ہے (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۲ ص ۲۳۵ ج ۲ ص ۲۷۹)
وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب کی زندگی ایک طویل المیہ کی داستان ہے، وہ اپنی ناقابل تہیز و
پوشیدہ صلاحیت کے خلاف بے قاعدہ جنگ کرتا رہا، انسان کی طاقت و در ترین کوششوں کو بروئے کار
لاتا رہا، لیکن زمانہ کی طاقتوں سے وہ دب کر رہا، اس طرح پچاس برس کی اس کی حکومت ایک بہت بڑی
ناکامی میں ختم ہو گئی (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۵ ص ۱) اس کی زندگی میں اس کی سلطنت کو زوال کی

نشانیوں شروع ہو گئی تھیں، اس کے آخری اٹھارہ سال میں اس کی قسمت نے اس کے ساتھ بد رشتہ کر

لیا اس کے آخری زمانہ میں اس کی پوری سلطنت میں ملال کی اور بد اپنی رہی (ج ۵ ص ۲۵۰)

مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس نے بیجا پور اور گوکندہ کی تسخیر، ساگر کا برادر سوار اس کا اٹھان

ہوا، جھکڑلو مرہٹہ راجہ پکڑ لیا گیا، اور اس کا پورا خاندان دارالسلطنت میں لایا گیا، اس طرح اوتھنگ

کی فتح و کامرانی میں کسی چیز کی کسر باقی نہیں رہی (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۵ ص ۳) اس کی حکمت میں

مغلوں کا ہلال بد رکال ہو گیا (ایضاً ج ۱ ص ۱۱۱) غزنی سے چانگام، کشمیر سے کٹنگ تک اس برصغیر میں یہی

کا حکم چلتا، عوبہ کا کوئی حاکم اس کی نہ عدول ملے کرتا اور نہ خراج روکتا، یہاں وہاں کچھ بغاوتیں ہو جاتیں

لیکن کسی نے اپنے سر پر تلج رکھ کر اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی (ایضاً ج ۱، تہذیب) اس نے اپنی حیرت انگیز

صلاحیت سیرت کی قوت اور فرائض کی انجام دہی کی سرگرمیوں سے اسی طاقت پیدا کر دی تھی کہ دہلی کی حکومت

کا ڈھانچہ مستحضر رہا، اور اس کی وفات کے بیس برس تک کوئی تبدیلی نہیں آئی (خال آف دی مغل امپائر ص ۱)

نادر شاہ کے حملہ تک مغلوں کا امپائر ایشیا کا مقبول ترین امپائر تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲)

انہوں نے اپنی ہسٹری آف اورنگ زیب کی پانچوں جلدوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

کہ اورنگ زیب نے راجپوتوں کی دل آزاری کی، ان کو تکلیفیں پہنچائیں ان کے مذہبی جذبات و احساسات

کو مجروح کیا، اس لئے وہ اس سے دور ہوتے گئے، مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ راجپوت اورنگ زیب کے دکن

کی مہم میں آخر وقت تک ساتھ دیتے رہے، ان کی ایک پوری نسل دکن میں رہی، اس نے نہ شہر دیکھا اور

نہ اینٹ پتھر کے مکانات دیکھے، ان کی زندگی غموں میں گزری، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور

شکایت کرتے کہ ان کی آئندہ نسل امپائر کی خدمت کرنے کے لائق نہ ہوگی، کیونکہ ان کی زندگی دکن میں گزرا

ہے، وہ نہ اپنے گھروں کو گئے ہیں اور نہ اپنے بچوں کی پرورش کی ہے (ہسٹری آف اورنگ زیب ج ۵ ص ۱۵۱)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب اورنگ زیب نے ہندوستان کے سارے علاقے فتح کر لئے اور تسخیر کے

خاص طور پر باقی نہیں رہ گئے، تو راجپوت بے روزگار ہو گئے، کیونکہ جنگ و جدل ہی ان کا پیشہ تھا، اپنی بروننگی میں راجپوت گھرانوں کے حاملہ مند اور اپنے ہی رشتہ داروں سے اپنے گھروں میں لڑنے لگے یا دکنیتی پر آواز ہو گئے، یا پھر اورنگ زیب سے جاگیر پانے کی خاطر اپنا مذہب چھوڑنے لگے (ج ۵ ص ۵۵-۵۶) پھر خال آف دی منغل امپائر میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ راجپوت اتنے عیاش، راحت پسند جھگڑالو، اور لاپرواہ دوست ہو گئے تھے کہ وہ کسی مصروف کے نہیں رہ گئے تھے،

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آخری دور کے منغل فرارزاد بھاری لشکر رکھنے سے غافل ہو گئے تھے راجپوتوں کی زندگی مردانگی، بے روزگاری، کاہلی اور مصیبت کی شکار ہو گئی، ان کے لئے کوئی باعزت اور خاطر خواہ پیشہ باقی نہیں رہ گیا، وہ اپنے بھروسے کے علاقوں میں محدود ہو کر رہ گئے، جس کے بعد ان کی کمزوری اس میں چلنے لگیں، راجستھان میں تٹا، لوٹ مار، اقتصاد، بربادی اور اخلاقی نیپوں کی انتہا و جدوجہد کی رہی، جد و ناتھ سرکار اپنی بے فبری میں یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ ہندو کیہ کٹر کے بہترین نمائندے راجپوت تھے لیکن میری رائے میں دہلی امپائر کے زوال کا سب سے غمناک پہلو یہ ہوا کہ یہ بہادر نسل انتہائی مذلت میں مبتلا ہو گئی، اور راجاؤں کا یہ استھان مایوس کن مصیبت میں گرفتار ہو گیا (خال آف دی منغل امپائر ج ۲ ص ۶۸)

جد و ناتھ سرکار کی تضاد بیانی ع اک مسم ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، اس کی محض تھوڑی سی جھلکیاں اوپر دکھائی گئی ہیں، ان کی مورخانہ تحقیق میں ان کی تحریر کی حیثیت محض ایک ایسی چنگاری ہے کہ ع ادھر علی، ادھر سلی، یہاں بھونکا ڈہاں بھونکا

انہوں نے اپنی ہٹری آف اورنگ زیب کی تیسری جلد کے ضمیمہ ۵ میں اورنگ زیب کا ہندو مند کے عنوان ان مندوں کی تفصیلاً لکھی ہیں بوس شہنشاہ کے زمانے میں ہندو کئے گئے، مگر ان کو یہ بھی دکھایا کہ ان کے اندام پر راجپوت راجا برہمن نہیں ہوتے تھے، مثلاً اورنگ زیب نے اور چھلے کے مند کو ہندو مند

کیا تو جہانگیر دینی سنگے کو وہ اشتعال پیدا نہیں ہو رہا ہو؟ وہ دھماکا نہ ہو سکا تھا، اس لئے
 ہیں کہ اس منہ کے اندام پر اور چھانکے گئے راجہ دیوی سنگے نے کوئی اعتراض نہیں کیا اس کو تو اس کے منہ کی
 بے رحمی کی جگہ اس کا بہاؤ اور مغرور قبیلہ کے لوگ نے کئے جائیں نہ تھیں مگر اس کی سبب کی سز میں کو اپنے گھوڑوں کے
 رکائیں اس گھر کی راجکایاں صحت زیادہ بدتر شرمک نہ گئی مگر نہ پر مجبور کی جائیں لیکن اس کو ان چیزوں کی بدولت
 نہ ہو، بعض اس لئے کہ اس کا علاقہ سلامت ہے، اور اور چھانکے گئے اس پر مٹ کر راجہ کلائے (مشرقی آف اورنگ زیب کا قتل)
 یہ کوئی مواخاتہ متعبر نہیں ہے بلکہ فرقہ دارانہ تعصب میں فرقہ دارانہ نفرت پھیلانا ہے۔

اب تو ڈاکٹر اجند پر شاد راجا بن محمد علی چند بن چند راجہ بنی اور پروفیسر لی۔ ان پانچ کے ذریعہ سے کچھ
 ہو گیا ہے کہ اورنگ زیب شہزادوں کی سرپرستی کے ان کو مالی امداد دیتا تھا، ڈاکٹر اجند پر شاد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے
 تاہم ڈیٹس لکھا ہے کہ الہ آباد کے مشہور مندر میں لکھا ہے کہ یوگ نام انگلیہ کے دو فرامین ہیں اس لئے کہ جو اس
 موضع میں ضلع بنارس کے مندر میں چور پر گئے ہوئی اور پڑت۔ بعد راجہ کو بھی جاگزیں مندر کو گودیں اس شہزاد کے
 مندر کو تلامانی کو کو شہزاد بن داس کو سو روپے کا وظیفہ ملا کیا (ص ۴۰-۳۲) یہی کو جن چند نے ایک تو بڑے اور بھاری
 پریل ۱۵۹۹ء اور اپریل ۱۵۹۹ء کو جو جن آف دی پکتان شہزادوں کو سواٹھیں تقریباتیں ایسے فرامین مندر اور پڑاؤں
 کے متن نقل کر دی ہیں جو اورنگ زیب ہندوؤں اور جینوں کو فورہ کو ان مندروں کے دیتا تھا، اسی طرح پروفیسر لی۔ ان پانچ کے ذریعہ سے
 ۱۵۹۹ء کو راجہ سجھاس اپنی ایک تقریر میں بتایا کہ مہا بلیشور، جین، ہالاجی مندر جیر کوٹ، اندامند، گوالی، شرورن جے کے
 مندروں اور شہزادوں کے مندروں اور گودوں کی مالی امداد کو اورنگ زیب نے خود فرامین جاری کیوں، ان کی فہرست
 کو یہاں ان کو پاس موجود ہیں انھوں نے اپنی اس تقریر میں یہی بتایا کہ اورنگ زیب نے بنارس کے شہزادہ مندر کو مندر کے لئے کیا کہ
 وہاں کو منت فرانس ایک چند و منصبہ رکھ کے ماراجہ کی مہارانی کی برہوتی آریزی کر کو اس پر تمام کو نپاک کر دیا تھا،
 اگرچہ جہانگیر کا زندہ رہتے، تو ان تمام نکشانات کے بعد وہ اپنی تحریروں کو پڑھتے، پھر اورنگ زیب کو یاد کر لکھتے:
 اس کی توجہ تلامانی بے یقین ہی یاد

کچھ ہم کو ہمدردی بھی تفسیر نظر آتی

مقالات

حضرت ابراہیمؑ اور مستشرقین

ان

جناب مولانا خٹا الرحمن مرحوم (سابق ناظم جمعیت العلماء ہند)

کلام پاک میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر جس طرح آیا ہے، اس پر بعض مستشرقین نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے آپ کی ذات مقدس سے متعلق شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اس پر مولانا خٹا الرحمن مرحوم نے اپنی مشہور کتاب قصص القرآن ص ۵۶ تا ۶۷ میں بڑی اچھی بحث کی ہے (ص ۵۶)۔ مستشرقین یورپ کی ایک جماعت اسلام دشمنی میں یدِ طولیٰ رکھتی ہے۔ اور بغض و عناد کی شعلہ آگ میں حقائق و واقعات تک کے انکار پر آمادہ ہو جاتی ہے، چنانچہ اس قسم کے مواقع میں سے کہ جہاں قرآن عزیز کے خلاف بے دلیل ان کی تنقید کی تلوار چلتی رہتی ہے، ایک موقع حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا بھی ہے۔

دائرة المعارف الاسلامیہ نے ڈننگ کے حوالہ سے نقل کیا ہے..... کہ سب سے پہلے اسپرنگر نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں ایک عورت تک حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کہہ کے باقی اور دین حنیف کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی البتہ عورت و راز کے بعد ان کی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا ہے اور ان کی ذات کی خاص اہمیت نظر آتی ہے، چونکہ یہ دعویٰ اپنی اجمالی تعبیر کے لحاظ سے ابھی تشہیر تکمیل تھا اس نے ایک طویل زمانہ کے بعد اسپرنگر کے اس دعوے کو سوکھ ہیکر دینیہ نے بڑے شرع و ضبط کے ساتھ پیش کیا، اور اپنے مرقومہ دلائل کے ذریعہ اس کو خاص آب و رنگ سے رنگین بنایا۔ اس نے کہا:-

”قرآن پاک میں جس قدر گئی آیات اور سورتیں ہیں ان میں کسی ایک مقام پر بھی اسمعیل علیہ السلام،

کا ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ رشتہ نظر نہیں آتا، اور نہ ان کو اولِ سلیمین بتایا گیا ہے، بلکہ ۵۵

سینکھنے پر پیغمبر کی حیثیت میں نظر آتے ہیں، ان کے تذکرہ کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جو ان کو موسس کہے۔ اسماعیل علیہ السلام کا باپ عرب کا پیغمبر و بادشاہ اور ملت حبشی کا داعی کاظم کرتی ہو، سورہ الذاریات، الحجرات، الصافات، الانعام، ہود، مریم، انبیاء اور عنکبوت جو سب کی سورتیں ہیں ہمارے اس دعوے کی شاہد ہیں۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد ﷺ پہلے سردین عرب میں کوئی نبی نہیں آیا، اور یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ البتہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدنی زندگی شروع ہوتی ہے تو مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کے وقت یہ تمام خصوصیات نمایاں کی جاتی اور اہ بیت کے ساتھ روشنی میں لائی جاتی ہیں،

ایسا کیوں ہوا؟ اور یہ اختلاف کیوں موجود ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدنی زندگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے تمام امور میں یہود پر اعتماد رکھتے تھے اور انہی کے طریقوں کو پسند فرماتے تھے لہذا اس وقت تک ابراہیمؑ علیہ السلام کی شخصیت کو بھی انہوں نے اسی نظر سے دیکھا، جس نظر سے یہود دیکھتے تھے، لیکن جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے یہود کو اپنے مشن اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور وہ آپ کے دشمن ہو گئے، اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فکر و تامل کیا اور خوب سوچا، آخر ان کی ذکاوت اور جودت طبع نے رہنمائی کی اور انہوں نے عرب کے لئے یہود کی یہودیت سے جدا ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جس کو یہودیت ابراہیمی کہنا چاہئے لہذا اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے قرآن کی مدنی سورتوں میں ابراہیمؑ علیہ السلام کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ ملت حبشی کے داعی، عرب کے پیغمبر، اسماعیلؑ کے والد، کہہ کے موسس نظر آتے ہیں۔

یہ ہے وہ دعویٰ اور اس کی دلیل جو اسپرنگر، سنوک اور وینک جیسے اسلام دشمن مستشرقین کی جانب سے محض اس لئے اختر معز کئے گئے ہیں کہ اس قسم کی پورنیا دوں پر ہیبت کی برتری اور اسلام کی تحقیر کا تیار ہو سکے، اور نیز یہ کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے متعلق یہ ثابت کیا جائے کہ ان کا حوہ کے ساتھ نہ نسلی تعلق ہے اور نہ دینی، لیکن جب ایک مورخ اور ایک نقاد مستشرقین کے اس دعوے اور دعوے کے دلائل کو صرف تباہی اور متعیدی حیثیت سے دیکھتا ہے تب بھی اس کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے حقائق اور واقعات سے قصداً چشم پوشی کر کے محض عداوت اور بغض و عناد کی راہ سے بے دلیل کہا گیا ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مکی سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق وہ اوصاف نظر نہیں آتے جو مدنی آیات میں پائے جاتے ہیں مگر ان فوس کے ساتھ کنا پڑتا ہے کہ یہ ستر تا ستر غلط بلکہ قصداً دارادہ کے ساتھ علمی بڑیاقتی ہے کہ کئی سورتوں میں سے صرف انہی کا حوالہ دیا گیا ہے، جن میں حضرت ابراہیمؑ کو فقط ایک پیغمبر کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے، لیکن وہ مکی سورت جو ابراہیمؑ کی شخصیت کو ہمہ حیثیت سے نمایاں کرنے کے لئے ان کے نام ہی سے مفعول کر کے نازل کی گئی یعنی سورہ ابراہیمؑ، اس کو نظر انداز کر دیا گیا، تاکہ قرآن عزیز سے براہ راست فائدہ نہ اٹھا سکے ولے حضرت کے سامنے جمالت کا پردہ چڑا ہے، اور کورانہ تقلید میں وہ ان کے غلط دعوے کو صحیح سمجھتے ہیں۔

سورہ ابراہیمؑ مکی ہے، اس کی آیات کا نزول ہجرت سے قبل کہہ ہی میں ہو رہا ہے، اور وہ حسبِ بنِ حقائق کا اطمینان کرتی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ عرب (حجاز) کے اندر قیام پذیر ہیں، اور خدا کے رسول کی حیثیت سے خود کو اور اپنی اولاد کو بت پرستی سے بچنے اور اس مقام کو امن عالم کا مرکز بنانے کی دعا کر رہے ہیں :-

کَيْتَ اجْعَلَنِي هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي
وَبَنِيَّ اَنْ يَّعْبُدُوا الْاَصْنَامَ رَبِّ
اے پروردگار اس شہر (مکہ) کو تو امن کا
مرکز بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کے

پرستش سے دوہرا کر دے پروردگار ہاشمہ	اِنَّهُمْ اَصْلَحُ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
ان (بچوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا	مَنْ يَّبْعُنِ فَاِنَّهُ يَبْعِيْ هٗ وَ مَنْ
پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میری بہت	عَصَانٍ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
میں سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے پس بلاشبہ	

اِنَّهُمْ اَصْلَحُ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

(۲) حضرت ابراہیم اقرار کرتے ہیں کہ سرزمین قہار (مغرب کا قلعہ ہے) ان ہی کی اولاد سے آباد ہوئی

اور انھوں نے ہی اس کو بسایا ہے، اور وہی اس قطبِ میدان میں بیتِ اکرام (کعبہ) کے بنائے ہوئے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار بیشک میں نے اپنی جان	رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْلَمْتُ مِنْ ذَرِیَّتِیْ اِیْوَدَ
ذریعت کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے	غُلَیْقَیْ ذُرِّیْعَہٗ حٰثِلُ الْمَحْرَمِ
گھوکھہ، کے نزدیک آباد کیا ہے، اور ہمارے	رَبَّنَا لَیْقُوْیْنَ الصَّلٰوۃَ فَاَجْعَلْ مَقٰلَہٗ
پروردگار یہ اسلئے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس	مِّنَ النَّاسِ تَقْوٰی اِلَیْہِمْ زُرَّعُوْہُمْ
تو لوگوں میں کچھ کہہ کر اس طرف پھیر دے کہ	مِّنَ الشَّرٰٓئِ اَتَعْلَمُوْہُمْ یٰۤاٰکُوْنُوْنَ
وہ اس کعبہ کی بذاتِ امان کی بنیاد ہی ہیں	(ابراہیم علیہ السلام)

اور ان کو پھیلے رزق سے نواز کر یہ شکر گزار بنائے۔

(۳) حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل و حضرت اسمٰعیل (علیہم السلام) کے والد ہیں، اور یہی اسمعیل علیہ السلام

کعبہ ہیں، اور حضرت ابراہیم اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ملتِ منیق کے شہادۂ صلوة کی اقامت کی دعا کر رہے ہیں۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ کو بڑھایا	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلٰی
میں اسمعیل اور اسمٰعیل بنے ہاشمہ میرا	اَلْکِبْرَیَا سَمُوْعِلَ وَاِسْمٰعٰلَ اِنْ رَّزٰی
پروردگار ضرور دعا کا سننے والا ہے آپ پر دعا	لَتَجْعَلَ اللّٰہُ عَادَہٗ رَبِّ اَجَلٰتِیْ مِنْہُمْ
مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے	اَلْخَلْقِ وَمِنْ ذَرِیَّتِیْ فَاَنْجِلْنٰی

فَقُلْ دَعَاؤُهُ رَبَّنَا اَعُوْذُ بِكَ
 یٰوَالِدَیَّ وَرَفَعُوْا صَوْتَهُمْ یَقُوْمُ
 اَلْحَسَابُ ۝ ۳۰-۳۱- (ابراہیم علیہ السلام)

اے ہمارے پروردگار ہمدردی دے اسے
 ہمدردی پروردگار تو مجھ کو اصرار سے والدین کو
 اور کل مومنوں کو قیام حسابے قیامت
 کے روز بخش دے۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کسی شخص کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ ان
 نوا اور بے سرو پا دعویٰ کی تصدیق کرے جن کو مشرقین یورپ نے اپنی جمالت یا ارادی جھوٹ کے ساتھ
 علمی تنقید کا عنوان دیا ہے، کیا یہ آیات بھی نہیں ہیں، اور کیا ان سے وہ سب کچھ ثابت نہیں ہوتا جو مدنی
 آیات میں مذکور ہے۔

(۴) اسی طرح سورہ ابراہیم کے علاوہ سورہ النعام اور سورہ النمل بھی مکی سورتیں ہیں، ان میں
 بعراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ شرک کے مقابلے میں ملت جنسی کے داعی ہیں اور ان کی شخصیت اس
 دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

اِنِّیْ وَصَّیْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ نَظَرَ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ
 مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (النعام)
 قُلْ اِنِّیْ هَدٰی رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ
 مُّسْتَقِیْمٍ ۝ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
 حَنِیْفًا وَّ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝
 (النعام، ۱۶۱، ۱۶۲)

بلاشبہ میں اپنے چہرہ کو اسی ذات کی طرف
 مجھ کا تاہوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے
 والا اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں
 (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ وہ بلاشبہ مجھ کو
 میرے رب نے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے جو
 کج راہ کو الگ مٹا اور سیدھا دین ہو کہ
 جو ابراہیمؑ کی، جو تو ایک خدا کی طرف جھکنے

ٹھٹھ اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے۔

پریش سے دھندلک اسے پرندہ گاجا شہ
ان (چھوٹے) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا
پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میری بہت
میں ہے اور جو میری نافرمانی کرے پس بلا شہ

نوحیہ و ابراہیم کے واسطے

إِنَّهُمْ أَضَلُّوا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ
مَنْ يَمَعِنَ فَإِنَّهُ يَمِينٌ هَ وَهَ
عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ه

(۲) حضرت ابراہیم اقرار کرتے ہیں کہ سرزمین حجاز (مغرب کا قلب ہے) ان ہی کی اولاد سے آباد ہوئی

اور انھوں نے ہی اس کو بسایا ہے، اور وہی اس پہلے میدان میں بیت اکرام (کعبہ) کے نوٹس میں۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ
غَيْرِ ذِي زَرْعٍ وَجَدَ بَيْنَهُ الْمُحْرَمِ
رَبَّنَا لِيَقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهْتَوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ
مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ
(ابراہیم ع)

اے ہمارے پروردگار بیشک میں نے اپنی جن
ذریہ کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تھے
گھوکھ، کے نزدیک آباد کیا ہے، اور وہاں
پروردگار یہ مسئلہ تاکہ وہ نماز قائم کریں پس
تو لوگوں میں کچھ کو اس طرف پھیر دے کہ
وہ اس کعبہ کی لذت، ان کی بہت مائل ہوں
اور ان کو پھیلے رزق عطا کر تاکہ یہ شکر گزار بنیں۔

(۳) حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل و حضرت اسمٰحق (علیہم السلام) کے والد ہیں، اور ہی اسمعیل و اسمٰحق

مجاہد ہیں، اور حضرت ابراہیم اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ملت صغی کے شعار صلوة کی اقامت کی دعا کر رہے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى
الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي
لَسَمِيعٌ الدَّاعِي رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ
الصَّلَاةِ وَرَبِّ زِدْنِي عِلْمًا وَرَبَّنَا

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے
میں اسمعیل و اسمٰحق بخشے، بلاشبہ میرا
پروردگار ضرور دعا کا سننے والا ہے آپر دعا
بھلا اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے

تَقْبَلُ مِنَّا وَهَذَا غُلَامُنَا وَكَ
لَهُ هَابٌ بِرُودٍ وَكَارِهُدٍ وَهَابٌ
يُؤَاتِيهِمْ وَيُؤَاتِيهِمْ وَيُؤَاتِيهِمْ
النَّبَا ۝ (۳۹-۴۰-۴۱) (ابراہیمؑ)
اور کل مومنوں کو قیام حساب قیامت،
کے روز بخش دے۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کسی شخص کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ ان
لغو اور بے سرو پا دعویٰ کی تصدیق کرے جن کو مستشرقین یورپ نے اپنی جہالت یا ارادی جھوٹ کے ساتھ
علمی تنقید کا عنوان دیا ہے، کیا یہ آیات ٹکی نہیں ہیں، اور کیا ان سے وہ سب کچھ ثابت نہیں ہوتا جو مدنی
آیات میں مذکور ہے۔

(۴) اسی طرح سورہ ابراہیم کے علاوہ سورہ انعام اور سورہ انفل بھی مکی سورتیں ہیں، ان میں
بہر امت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ شرک کے مقابلے میں ملت جنسی کے داعی ہیں اور ان کی شخصیت اس
دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ
الْسَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَ
مَا أُنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (الانعام)
قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ۝ ذُنُوبًا قِيلَ لَكَ
حَنِيفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
(الانعام، ۱۶۱، ۱۶۲)

بلاشبہ میں اپنے چہرہ کو اسی ذات کی طرف
جھکا تا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے
والا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ وہ بلاشبہ مجھ کو
میرے رب کے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے جو
کچھ راہ سوا الگ خدا اور سیدھا دین و ملت
جو ابراہیمؑ کی، جو تو ایک خدا کی طرف جھکنے
والے اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے۔

بیشک ابراہیمؑ تھا وہ ڈلنے والا کلمہ

صرف ایک خدا کی طرف جھکنے والا اور

نہ تھا وہ شرک کرنے والوں میں سے۔

پھر وہی کی ہم نے تیری جانب (اے عورت)

علیہ السلام، اس بات کی، تو پیروی کر اس پر ایمان

کی ملت کی جو صرف خدا کے واحد کی جانب

جھکنے والا ہے، اور نہیں ہے شرکوں میں سے،

إِنَّا بَرَأْنَاهُ إِذْ هُوَ قَابَ قَوْسًا

حَقِيقًا وَلَعَلَّكَ مِنَ الْمُنْشَرِّكِينَ

(الفصل ۱۵)

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ تَبْعَ مِلَّةَ

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ۝

(الفصل ۱۵)

تو کیا ان واضح آیات کے بعد بھی ان دلائل کو دلائل کہنا کوئی حقیقت رکھتا ہے، جو اس سلسلہ میں سنو کہ اور اس کے ہمنواؤں نے بیان کئے ہیں، کئی سورتیں ہوں یا مدنی دونوں جگہ ابراہیمؑ کی شخصیت ایک ہی طرح نمایاں نظر آتی ہے، وہ دونوں حالتوں میں ملت حنیفی کے داعی، حضرت اسمعیلؑ اور عرب کے باپ کعبہ کے مؤسس و بانی اور عرب کے ہادی ہیں، اور اس لئے مشرقین یورپ کا یہ کہنا، کہ ابراہیمؑ علیہ السلام کی شخصیت قرآن عزیز کی کی اور مدنی آیات میں دو جدا جدا صورتوں میں نظر آتی ہے، کذب اور مرتد بہتان ہے، نیز یہ بھی خلاف واقعہ ہے کہ عرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت سے قبل کوئی بھی پیغمبر نہیں گذرا، اس لئے کہ ابراہیمؑ و اسمعیلؑ اور یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام اسی سرزمین کے ہادی پیغمبر ہیں۔

ان مدعیان علم کو تعصب نے ایسا نادان بنا دیا کہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے وقت یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس قسم کے دعوے ہم صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ بائبل (تورات) کی بھی تکذیب کر رہے ہیں، اس لئے کہ تورات میں تصریح ہے کہ اسمعیلؑ، ابراہیمؑ کے بیٹے ہیں، اور اسمعیلؑ ہی عرب کے باپ اور ابراہیمؑ کی اسی اولاد سے حجاز کی سرزمین آباد ہوئی، اور یہ دونوں باپ بیٹے عرب کی نمایاں شخصیتیں ہیں۔

نیز یہ الہم بھی قطعی بنیاد اور نو ہے کہ کہ کی زندگی میں، رسول اکرم ﷺ نے یہود اور ان کے مذہبی امور کی تعلیم کی، اور جب مدینہ میں پہنچ کر یہود کے انکار اور ان کے مخالفانہ جذبہ کو دیکھا تو یہود سے الگ ایک نئی یہودیت کی بنیاد ڈالی، اور اس کو ملت ابراہیمی کا لقب دیا، اس لئے کہ کہ کی زندگی میں تو یہود سے آپ کا سابقہ ہی نہیں پڑا تو پھر مخالفت و موافقت یا اتباع کا سوال ہی کیا، البتہ مدینہ میں اگر آپ نے مشرکین کے مقابلہ میں یہود کی جانب زیادہ توجہ فرمائی اور یہ اس لئے کہ وہ اسلام کے عقیدہ کے مطابق دین موسوی کے پیرو تھے، اگرچہ اس میں تحریف ہو چکی تھی، مگر وہ مشرکین کے خلاف توحید کے قائل تھے، اور ان کی تحریف کتابوں میں تحریف کے بعد بھی بہت سے جملے ایسے موجود تھے جو نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کے ثابتہ اور گواہ ہیں اور ان سے آپ کے حق میں بشارات نکلتی ہیں، نیز بہت سے وہ احکام بھی موجود تھے جو صحیح معنی میں وحی الہی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور دین موسوی کی اساس و بنیاد وہی ہے، اس لئے آپ کو خیال تھا کہ یہ مشرکین کے مقابلہ میں ملحدی ملت ابراہیمی یعنی اسلام قبول کر لیں گے لیکن جب آپ نے ان کے انکار، بغض و حسد کا تجربہ کر لیا تو پھر ان کے ساتھ بھی آپ کا معاملہ وہی ہو گیا، جو مشرکین کے ساتھ تھا، اور بعد ازاں الکفر ملۃ واحدۃ کا کفر سب ایک ملت ہے، آپ نے ان سب کو ایک ہی حیثیت میں رکھا۔

اس پر تنگ، سنوک اور ان کے ہمنوا اتنی صاف بات سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، یا عداً سمجھنا نہیں چاہتے کہ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کے دادا تھے اور یہود اپنے دین کی نسبت حضرت اسرائیل علیہ السلام کی جانب کرتے اور بنی اسرائیل ہونے کی حیثیت سے اس پر فخر کرتے تھے تو ان کا یہ کہنا کہ ابراہیمؑ بھی یہودی تھے، کس قدر مضحکہ خیز تھا، کیا پوتے کے دین کے متعلق کسی طرح یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ عرصہ دراز کے گزرے ہوئے دادا کا دین پوتے کے دین کے تابع تھا۔

پس اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن عزیز نے یہ اعلان کیا :-

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا

ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، البتہ

فَعَوَّضًا لِّكَ إِن كَانَتْ حَافِيَةً مِّنَ الْمَاءِ ۖ وَهِيَ فِي ذِكْرِ الْقُرْآنِ ۚ وَهِيَ فِي ذِكْرِ الْقُرْآنِ ۚ وَهِيَ فِي ذِكْرِ الْقُرْآنِ ۚ

مگر ان کو چشموں نے اس کے معنی یہ لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہود کے دین پر غصہ نہیں
مدینہ جا کر جب یہود نے ان کو پیغمبرانہ سے انکار کر دیا تو یہود کے دین کے مقابلہ میں ذکاوت طبع و سیاست
ابراہیمی ایجاد کر لی، سُبْحَانَكَ هَذَا بُتُوهَانٌ عَظِيمٌ

سنوگ اور اس کے مہنواؤں نے اس دعوے کی دلیل میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلوت میں کوئی سیغیر نہیں گزندا، قرآن عزیز کی اس آیت کو بھی پیش کیا ہے :-

لَقَدْ رَفَعْنَا آتَاهُمْ مِنْ نَزِيرٍ
- ہا کہ تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ڈرائے

اسی قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس تجھ

مِنْ مَّالِكَ.

سے پہلے کوئی ڈرنے والا۔

دہکتے ہیں کہ اگر ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کو یکے پیغمبر ہوتے تو قرآن عز و امت عربیہ کے متعلق اس طرح
عمر صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب نہ کرتا۔

مگر یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآن عزیز کے طرزِ خطابت، اسلوبِ بیان، اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہو رہا ہے، یا گزشتہ اعتراضات کی طرح محض نفسِ ہوا کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کا بہت بڑا حصہ بت پرستی میں مبتلا تھا، اور اس سلسلہ میں انھوں نے عقائد اور دین کے نام سے کچھ احکام مرتب کر رکھے تھے مثلاً دیوتاؤں کی نذر اور قربانی کے لئے سائبہ، بھرہ اور دھیلک کی ایجاد، اور مختلف بتوں کی پرستش کے مختلف قواعد و ضوابط وغیرہ، اس لئے جب نبی ماکرم ﷺ نے ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دی اور شرک اور بت پرستی سے روکا تو وہ کہنے لگے کہ تمہارا یہ کیا کہ ہم یہ دیکھیں اور سارا کوئی الٰہی نہیں ہے، غلط ہے، ہم تو خود مستقل دین رکھتے ہیں، اور وہ ہمارے

بپ طحا کا قہقہہ ہے۔

قَالُوا لَوْلَا جِئْنَا عَلَيْهِمُ ابْنَاءُ اللَّهِ
اللَّهُ أَمَرْنَا بِهَا
مشرکین نے کہا ہم نے ہی (بت پرستی)
پر اپنے بپ کا کو پیلا ہے، اور اللہ نے
ہم کو اسی کا حکم دیا ہے۔

تب قرآن مزید نے ان کے باطل عقائد کی حقیقت کمان پر داغ کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا
کہ ان کو بتایا جائے کہ کسی دین کے خدائی دینی ہونے کے لئے دو ہی قسم کے حائل ہو سکتے ہیں، یا حسی عقلی
راہ سے یہ واضح ہو جائے کہ یہ خدا کا دین اور اس کا مرقب مذہب ہے، اور یا نقلی روایات اس کا قطعی ثبوت
اور مقابل انھیں ثبوت پیش کرتی ہوں کہ یہ خدا کی بھی ہوئی شریعت ہے، اور اگر یہ دونوں راہیں کسی دھم کے
لئے بند ہیں تو وہ دعویٰ باطل اور اس کا مدعی کاذب ہے۔

لہذا قرآن مزید نے مشرکین کے اس دھم کی تردید کے لئے آیات قرآنی کے تین حصے کر دیئے ایک
حصہ میں اس کے اس دھم کا انکار اور دھم کی غیر معقولیت کا اظہار کیا اور بتایا کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ انھیں
أَمَرْنَا بِهَا (ہم کو خدا نے ایسا (شرک) کرنے ہی کا حکم دیا ہے) بالکل غلط اور سرتاپا باطل ہے اس لئے ہم

إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ
عَلَىٰ أَهْلِ مَا لَا يَعْلَمُونَ
بہ شبهہ اللہ تعالیٰ بیوہ و خرافات کا حکم
نہیں دیا کرتا (مشرکین) کیا تم اللہ کے
ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔
(الاحزاب)

اور دوسرا حصہ ان کے باطل دھم پر حسی اور عقلی سند کے مطالبہ سے مستحق کیا اور بتایا کہ وہ عقل سے
یہ قوی صاف کریں کہ جو کچھ خدا کے ساتھ انھوں نے غلط نسبتیں قائم کر لی ہیں اور جو پران کے مروجہ دین
کی بنیاد قائم ہے، وہ کس طرح صحیح اور اہل عقل کے نزدیک قابل تسلیم ہیں؟ وہ کہتا ہے:

عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنْ آيَاتِ الْآيَاتِ وَلَكِنْ
بِسْ (کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے

الْبَنَاتِ وَالْمُتَخَلِّفَاتِ الْمُنَافِقَاتِ إِنَّمَا
 قَوْمُهُ شُهَدَاؤُنَّ هَٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُمْ
 مِنْ أَفْئِدَتِهِمْ لَيَقُولُونَ ۚ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
 وَرِٰسَتَهُ لَكَادَ يُؤُونُ ۚ أَصْطَفَى
 الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ۚ وَمَا لَكُمْ
 كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ
 (الصافات ع ۵)

کہ کیا تم کسی پروردگار کے رسول ہیں
 ہیں اور ان کے لئے راہ کے، کیا ہم فرشتے
 کو راہیں بتایا اور وہ اس وقت ہوتے
 تھے، خود راہ نشہ یہ مسلمان کی بہن اور
 ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے اور ہیں بلاشبہ
 یہ قطعاً جھوٹے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ خدا نے)
 اپنے لئے بیٹوں کے مقابل میں بیٹیوں کو پسند

اور تیسرا حصہ ان کے باطل عقیدہ کے متعلق نقلی سند کے مطالبہ سے وابستہ کیا، قرآن عزیز ان سوال
 رہتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اور اس کو خدا کا دین بتا رہے ہو تو کیا تمہارے پاس اس کے لئے خدا کی جانب
 سے کوئی حجت اور دلیل نازل ہوئی ہے یا اس کے پاس سے ان عقائد کی صداقت کے لئے کوئی کتاب بھی نازل ہو
 گئی ہے تو پیش کر دو؟

أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ۚ فَآتُونَا
 بِكِتٰبِكُمْ إِن كُنْتُمْ مُصْٰدِقِينَ ۚ
 (الصافات ع ۵)

کیا تمہارے پاس کوئی ظاہر حجت اور صاف
 دلیل ہے پس تم اپنی وعدہ کی جانب نازل شدہ
 وہ کتاب لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

اب اگر ان کے اپنے دعوے کی صداقت کے لئے ان کے پاس نہ کوئی حجت و عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی سند کے
 طور پر کوئی حجت و کتاب تو پھر ان کا یہ دعویٰ کہ ان کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خدا کا دین
 موجود ہے اور اس کی منضبط شریعت بھی! بالکل غلط اور باطل دعویٰ ہے۔

اس طرح مشرکین پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہارے پاس اپنے دعوئے باطل کے سلسلہ میں نہ عقلی سند ہے
 نہ نقلی، اور ان کو بلا جواب ہٹانے کے لئے سورہ احقاف میں بھی یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

لَمَّا يَنْفُخُ نَافِثَةُ هَوْنٍ مِنْ مَقْبُولٍ تَهَيَّأَ تَادُوكِ اللّٰهَ سَوَابِ كَوْنٍ كَوْنٍ
 لَعَلَّوْا رُفُوْنِيْ سَلَا اَخْلَقُوْا مِنْ بَعْدَ كَلَامِ دُكْ خَوْنٍ زِيْنِ كَلَامِ دُكْ
 اَزْوَاجِيْ اَمَّ لَهْفُ شَرِيْخٍ فِيْ كِيْ اِنْ كَلَامِ سَوَابِ فِيْ (اللّٰهَ سَلَا) كُنِيْ
 اَلْمُخَوَّبِ دَايْمًا فِيْ بَكِيْشٍ شَرِكْتِ هَ، اَسَ بَ بَعْدَ كُوْنِيْ لَبِ كَلَامِ
 مِّنْ قَبْلُ هَذَا اَوْ اَفْرُوْهُ مَعْلِيْ اَسَ بَ (جَوَابِ سَوَابِ تَصْدِيْقِ كَرْتِيْ)
 (احقاقات ۱۷)

یہاں ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ایک بات ہے کہ

یہ واقعہ حقیقت ہے جس کو ایک دوسرے پر ایمان میں قرآن و حدیث کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے جہاں
 یہ ظہر ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا، ان آیات کا یہ
 مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سورۃ حرب (جہاد) ہمیشہ سے خدا کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم ہے، اور اس ملک
 میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پہلے آواز نہ ہے، قرآن و حدیث ایسی غلات حقیقت بات کس طرح کہ سنا
 تھا جب کہ سورۃ ابراہیم، الاحقاقات اور اعلیٰ کی آیات میں حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کے عربی نبی ہونے کی صحت
 اور مرتبہ شہادتیں موجود ہیں جو ابھی نقل کی جا چکی ہیں، بلاشبہ قرآن و حدیث اس قسم کے تضاد اور اختلافات سے
 قطعاً بری ہے، کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ اسی بات کا اقرار، اس لئے کہ وہ خدا
 عالم الغیب و الشہادۃ کا کلام ہے نہ کہ محلوں و چوک کرنے والے انسان کا کلام

اَفْتَلَا يَتَذَكَّرْنَ اَنْهُمْ لَقَوْا نُوْحًا کیا انھوں نے قرآن پر غور نہیں کیا اور اگرچہ
 كَانَتْ مِنْ مِّنْ قَبْلِ اللّٰهِ لَوْحَةً ذَاتًا ہوتا اللہ کے سوا کسی اور کا کلام تو خود پتہ
 فِيْهَا اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اس میں بہت سا اختلاف۔

لہذا قرآن و حدیث کے خلاف سوچ، اپنے فکر اور دین کے یہ تمام دعویٰ اور باتوں کے دلائل و ثبوتیں
 حقائق و واقعات کی روشنی میں قطعاً باطل و باطل ہیں، اور ان کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں

اس قسم کے دوسرے عقیدین قرآن و سنہ پر عمل دینا کے ساتھ عقیدہ نہیں کرتے اور ان کی فہم و فہم کا ہونا
 بلکہ اس کے برعکس وہ علی بدعتی ہے کام لے کر قرآن کے خلاف نہیں لگتے، فقط الزام قائم کرتے اور مرثی
 اور واضح مسائل میں اپنے پیش نظر مقاصد کے مطابق گنجلک پیدا کر کے نادانوں کو گمراہ کرتے ہیں،
 بلکہ اس قسم کے الزامات سے ان کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے جس کو قرآن و سنہ نے اس قسم کے سانچوں
 کے لئے ایک منقل قانون کی طرح واضح کر دیا ہے۔

وَذُو النَوَافِلِ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْهَمُونَ
 فَتَكُونُونَ سَوَاءً

اس نے ان مسکین (کافروں) کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ہمیشہ ایک ہی جواب دیا ہے۔

نَبِّئْنَا لَا تَتْرُكُنَا فُلُوقُنَا وَنَدَّ
 إِذْ هَدَيْنَاكُمْ

برحال قرآن حکیم کی مسطورہ بالا ذریعہ آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے اور اس کے درمیان
 اور الانتم، انھل اور ابراہیم جیسی سورتوں میں ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر عرب ہونے کے درمیان قطعاً
 کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔

اس پیش کردہ تفصیل و تشریح کے علاوہ عام مفسرین نے اس قسم کی آیات کا مطلب یہ بیان کیا ہے
 کہ یہ خطاب صرف ان ہی لوگوں سے متعلق ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں موجود تھے ان کے
 گزشتہ آباء و اجداد اور گزشتہ تاریخ و عروب سے اس خطاب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اردو زبان و ادب میں

قرآنی الفاظ کا استعمال

از

جناب ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اسلامک لیرج انسٹیٹیوٹ اسلام آباد پاکستان
میں مسلمانانہ تحقیقات اسلام آباد کے سینار منعقدہ ۳۰ جون ۱۹۵۷ء میں پڑھا گیا
اس عنوان میں وہ لفظ مرکبی اور مبنی کی اہمیت کے حامل ہیں، ایک اردو اور دوسرا قرآن مجید ہے
یہ کتنا مشکل ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے، لیکن اگر مادری زبان سے مراد وہ زبان لی جائے جو انسان
آخر میں ماد میں یا گوارے طفل میں سیکتا اور بولتا ہے، تو اس لحاظ سے یہ میری مادری زبان ضرور ہے، اس کے
علاوہ کچھ پڑھنے کی میری زبان شروع سے اردو ہی رہی ہے، علم کتابی اور مطالعہ کی حد تک ہی محدود کے
ساتھ میرا تعلق تسلیم کیا جاسکتا ہے، پھر بھی خود کو اس باب میں اس بات کا حقدار نہیں سمجھتا کہ یہ کہہ سکوں کہ
مستندہ میرا فرمایا ہوا۔ اس لئے میں نے اردو لغات سے تصدیق کرنے کے بعد ہی کوئی بات کہی ہے، سب سے پہلا
تو عربی اور دینی تعلیم کے طفیل، نیز مسلمان ہونے کے لحاظ سے لغات اور مطالعہ قرآن کے تصدیق تھی، شہ جعفر
جو گوی ہے کہ لغات القرآن مفتاح یا کلید کی طرف رجوع کئے بغیر کسی مسئلہ کے بارے میں توجہ لائیے بغیر کر سکتے
کہ یہ لفظ قرآن میں آیا ہے یا نہیں، ہاں حوالوں کے لئے کہیں کہیں مجھے ان کی طرف رجوع کر پڑا۔

جیسا کہ عنوان کے الفاظ سے ظاہر ہے، یہ موضوع ایک وقت سانی ادبی، دینی، تاریخی اور ثقافتی
ہے، اور جن کو آج کل کی ایک حالت اصطلاح و حرکات سے احاطہ کیا جاسکتا ہے، موضوع کے یہ مختلف پہلو
آپس میں اس طرح غلط ملط ہیں کہ ان کے مابین حد فاصل قائم کرنا ممکن نہیں، اور یہ سب ایک دوسرے پر

اثر انداز بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے اثر پذیر بھی، میرا یہ خیال یہ ہے کہ اداس کے شواہد میں کئی
 سائنات، تو فیسی سائنات اور کمالی سائنات کے تحت مختلف زبانوں کے مطالعے سے بافراط اور خوبی
 مل سکتے ہیں کہ دین، دینی کتب اور دینی ادب کی زبان کا ہیوئی تیلہ کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ
 نظریہ یا مفروضہ نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی تصدیق کسی بھی زبان کے تاریخی مطالعے سے کی جاسکتی
 ہے۔ ہم اس سے ایک درجہ نیچے اتر کر بھی کم سے کم اس قدر تو ضروری کہہ سکتے ہیں کہ کسی زبان پر اس زبان کے
 ہونے والوں کے دینی افکار و تصورات اور متعلقہ الفاظ کی گہری چھاپ ہوتی ہے میری اس گفتگو سے یہ تو
 اخذ نہ کیا جائے کہ میں زبان کی تشکیل میں دوسرے عوامل و محرکات کی کار فرمائی کا حکم ہوں بلکہ زبان چونکہ
 زندگی کی عکاس ہوتی ہے اور اس کا ادب زندگی کا ترجمان ہے نئے دین و مذہب یا خدا خالق اقدس کے
 نئے علاوہ بھی انسانی زندگی کے مختلف انوع مظاہر اس پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے اثرات بھی
 سے ہیں زبان و ادب میں نظر آتے ہیں جس تناسب سے انسانی زندگی میں ان کا عمل دخل ہوتا ہے، خود مختلف
 ادیان و مذاہب کے باہمی اختلافات کا پر تو بھی ہیں زبان و ادب میں نمایاں نظر آسکتا ہے، علیٰ ہذا اقلیات
 ایک ہی زبان کے دائرے میں ایک فرد کے دوسرے فرد کے ساتھ یا ایک گروہ کے دوسرے گروہ کے ساتھ
 اختلاف کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ایک زبان کے ہونے والے ایک ہی دین کے مختلف مذاہب
 فرقوں کی نفسیات کا امتیازی فرق بھی اپنی طرف توجہ کو مبذول کئے بغیر نہیں رہتا، ایک مذہب مثلاً باؤشٹ
 حق کی گفتگو بھی باؤہ و سامنے کے بغیر نہیں کی جاسکتی کہ ایک عین اسلامان، نقل و نقل و نقل و نقل کی وضاحت کے
 باوجود کوئی گندی بات بھی کہتا ہے تو استعارے کی زبان استعمال کر کے مسئلہ نکالتے ہیں مثلاً، کہ ادب کا
 یہ پہلا قرینہ اور ادبی زبان کا ایک بنیادی نکتہ ہے، میرا اثر و کار چہ کہ بحیثیت عمومی پوری اردو زبان
 ہے اس لئے اس قسم کے جزئی اختلافات کو زیر بحث لاکر اعتراض کرتا درست نہ ہو گا۔

موضوع کی مناسبت سے اگرچہ میرا اثر و کار اردو میں قرآنی الفاظ کے استعمال کا قطعاً جائزہ لیتا ہے،

مگر اس کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ اردو اور قرآن کے ایسے مشترک الفاظ کی ایک فہرست پیش کر دینا
جو قرآن میں بھی ملتے ہیں، اور اردو و عربی و فارسی میں بھی استعمال ہوتے ہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے
اس لئے اصل کیا ہیں، اعتبار کی اعتبار سے تاثر و تاثر کے اس عمل کی فہم کیا ہے کہ اردو یا دنیا کی
کسی زبان میں قرآن کے کچھ خاص یا عام الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے بعض امر اتفاقی نہیں بلکہ اس میں ہم اے تبار
کہہ کر آئے ہوا ہو سکتے ہیں۔

قرآن کی انقلاب آفرینی کا ذکر یہاں فی ضرورتی ہے، مدت ہوئی کہ یہ انقلاب گزر چکا ہے اور اس وقت
ہیں اس کے باقیات میں سے صرف بصری پاک و ہند کی ایک زبان اردو پر اس کے پھوڑے ہوئے ثمرات کا
ایک ہائے پیش کرتے ہیں جس طرح سیلاب تپا ہے تو جہاں اپنے ساتھ خس و خاشاک کو بہا کرے جاتا ہے وہاں
اپنی گنگہ گاہ کو نیز فیزی مشاد شادابی کی دولت سے مالا مال بھی کر جاتا ہے، قرآن کی انقلابی تحریک کی بابت و
پسوں میں سے ایک پٹیو یہ بھی ہے کہ اس نے مقامی اور مطالبہ ہری کے نہیں، الفاظ اور اس میں کے جو ہم پائے
بھی دنیا کو سلائے، کسی زبان میں الفاظ کی درآمد و برآمد کا عمل موقوف ہوتا ہے اس کے لئے دلوں کی مشترک
اصول و حدود و خانہ کے ارتقاء اور تغیر و تبدل پر اس قاعدہ کلیہ کو سمجھنے کے لئے ہیں ماضی سے مثالیں تلاش کرنے
کی ضرورت نہیں، ہم اپنے حال سے اس کے شواہد حاصل کر سکتے ہیں، روئے زمین کے جس میں حق پر قرآن کی انقلابی
تحریک کی حلد دوی قائم ہوئی وہاں وہاں اس کی زبان کے اثرات کا پہنچنا لازمی تھا، عربی کو لغت القرآن کہتے
ہیں کہ وہ اسی زبان میں متاثر ہو گیا۔ لیکن قرآن نے عربی کو سن و سن قبول کرنے کی بجائے اپنے تحریری تقاضوں کی بنا پر
اس کے طریق اظہار اور اسلوب بیان میں ہی نہیں، ذخیرہ الفاظ میں بھی بہت سے تغیرات کئے، یہ فرق نہ صرف
سے پہلے کی عربی اور نزول قرآن کے بعد کی عربی کے تقابلی مطالعہ سے بالکل نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے، اس کی
وجہ وہ افکار و مضامین و مذہبی کی وہ قدیم ہیں جن سے قرآن نے روشناس کرایا اور جو اس کی انقلابی تحریک
کے اجزائے ترکیبی اور لازمی حصہ تھے۔ اردو جو اس وقت ہماری بحث کا موضوع ہے اسے عربی کی طرح منفرد

ہوئے۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ عربی کے بعد قرآنی تحریک کی سب سے بڑی طبعی ضرورت
 وہی ہے قطعاً ہوگا۔ اس کے وسیع دینی لہجہ اور سانی سولہ میں قرآنی الفاظ کے تناسب کو دیکھتے ہیں
 میرے اس دعویٰ میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں ہے، اردو میں قرآنی الفاظ کے تناسب کا عالم یہ ہے کہ آپ جو
 صفات کی اس کتاب میں سے کہیں سے ایک ٹکڑے لیجئے اور اندازہ لگائیے کہ کتنے فیصد الفاظ بعینہ اردو میں
 موجود ہیں اور کتنے فیصد تبدلے تغیر کے ساتھ موجود ہیں اور کتنے فیصد وہ الفاظ نکلتے ہیں جو اردو میں موجود
 نہیں ہیں، ایک اندازہ اس کے مطابق اردو میں عربی الفاظ کا تناسب ۲۳ فیصدی ہے جب کہ قرآنی الفاظ کا تناسب
 ۷۵ فیصدی ہے یعنی قرآن میں کل جتنے الفاظ آئے ہیں ان میں سے ۷۵ فیصدی الفاظ بعینہ یا باقوتی تکرار
 میں متصل ہیں، باقی کنگن کو آری کیا، سورہ فاتحہ کو سائے رکھ لیجئے اور خود پرکھ کر دیکھ لیجئے، احمد شہرک
 صحت میں بھی ہم بولتے اور لکھتے ہیں اور حمد اور الشوگ الگ بھی، رب، عالم، حق، و رحم، مالک، یوم
 دہیہ بعینہ اردو کے الفاظ ہیں، نعبہ کی اصل حمد اور عبادت، اس طرح نعتیں کے مصدر استقامت اللہ
 اسی اصل کے دوسرے الفاظ امانت معین، تعاون اور معاونت وغیرہ اردو کے عام الفاظ ہیں، اچانک کے
 لاحقے بڑی، ہدایت، ہادی، حمدی سے اہل اردو آشنا نہیں، ہر لحاظ مستقیم سے کون تاوانت ہے لاحقہ
 کی اصل سے انعام منعم نعمت وغیرہ اردو کے معروف الفاظ ہیں، غیر منصوب اور فعل بھی ہمارے لئے بھی
 نہیں، یہ تو وہ الفاظ ہیں جو اردو کے ذخیرہ الفاظ کا حصہ ہیں، اب ان کے مقابل اس سورہ کے باقی ماندہ
 الفاظ دیکھئے جو ایک اردو دال محض اپنی اردو دانی کی وجہ سے نہیں جان سکتا، یا آت، غیر منصوب
 الدین اسم موصول، یقیم مرکب جار مجرور اور لائے نافیہ وہ الفاظ ہیں جن میں ہم اردو کے الفاظ میں سمجھتے ہیں
 کر سکتے، اس سورہ کے ۲۵ الفاظ ہیں سے ۲۰ ایسے ہیں جن میں کٹا یا جوڑ ایک اردو دال محض جانتا ہے، صرف
 پانچ الفاظ ایسے ہیں جن میں ہم اس فہرست سے خارج کر سکتے ہیں، لیکن مرکب فقرہ کی صحت میں ان سے
 بھی کہیں نہ کہیں اردو میں بات بات ہو ہی جاتی ہے، جیسے علی حوت برہمن پر، علی الترتیب علی الہدایہ اور

میں ہم جہت میں نہ مافی نہ لما میں موجود ہے، لا حاصل، اور لا ریب و فیرو میں موجود ہے، اس سورہ میں اردو کے لغوی الفاظ کا تناسب مد فیصدی بتا ہے، قرآن کے بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں یہ تناسب بہت ہی کم ہوگا۔ اس لئے بن اہل الرائے نے بحیثیت مجموعی، وہ فیصدی کا تناسب نکالا ہے، ان کی رائے کو دوست تسلیم کر لینا چاہئے، ہمیں ایسی اردو کے نمونے بھی مل سکتے ہیں، جن میں قرآن کا ایک لفظ قسم کھانے کو بھی نہیں نکالا جاسکتا، لیکن ایسی مثالیں شاذ کے کم میں آتی ہیں، اور آپ کو ملتا ہے کہ انشاذ کا لحد و حد میری گفتگو اردو بولنے یا لکھنے والے کسی خاص فرد یا گروہ کو سامنے رکھ کر نہیں ہے، بلکہ بحیثیت مجموعی پوری اردو زبان ہے۔

قرآن کے جو الفاظ اردو میں مستعمل ہیں، ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ کسی مسئلے یا مضمون پر ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ اور بات حوالوں اور مثالوں کے ساتھ کی جائے تو نمونے کے چند الفاظ پر ہی اکتفا کرنا ہوگا۔ ان الفاظ کی مختلف معانی سے تقسیم اور صیغہ بندی بھی کی جاسکتی ہے مگر اس کے لئے مسئلہ کا مطالعہ کتاب کی دست دہکار ہوگی۔ تقریر و تقریر کی زبان میں باجملہ جو فرق ہوتا ہے اس کا اثر قرآن کے الفاظ میں بھی نظر آئے گا۔ کچھ الفاظ صرف بول چال میں استعمال ہوتے ہیں تو کچھ صرف لکھے پڑھنے کی زبان میں نظر آتے ہیں، کچھ تحریر و تقریر دونوں میں یکساں جگہ پاتے ہیں، کچھ صرف دینی بحثوں میں آتے ہیں تو کچھ صرف علمی ادبی بحثوں میں مل پاتے ہیں، صدی اعتبار سے ان الفاظ میں کسی تغیر کی نشاندہی مشکل ہے البتہ صدی اعتبار سے انہیں چند خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے، ایک قسم ان الفاظ کی ہے جو بالکل انہی مضمون میں اردو میں مستعمل ہیں جن مضمون میں انہیں قرآن نے استعمال کیا ہے، دوسری قسم میں وہ الفاظ آتے ہیں جو اردو میں قرآن کے معنی سے ہٹ کر مختلف معنی میں استعمال ہوتے ہیں، کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ قرآن میں ان کے معنی میں وسعت اور تنوع ہے جب کہ اردو میں نہیں ہے، اسی طرح اس کے برعکس صورت بھی ہو سکتی ہے، لیکن یہ بحث طویل ہیں اور اس میں پڑنا یا بحث طوالت ہے، اس لئے اس سے صرف نظریہ اولیٰ ہے۔

دو میں سے کسی قرآنی الفاظ کی نفرت یا ان کے اعداد و شمار پیش کرنے کا یہ عمل نہیں۔ معاذ کی دعا
 بنو نضیر سے منسوب تھی کی ترتیب سے کچھ ایسے الفاظ درج کرتا ہوں جو قرآن کے الفاظ ہیں اور دو
 تھ اور جوئے ہیں:

۱۔ واحد جمع دونوں صورتوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں ایک نہیں متعدد جگہ وارد ہوا ہے، اور معبود
 سے استعمال ہوتا ہے، ملاحظہ ہو سورہ طہ کی آیت ۹۶، سورہ فتح کی آیت ۲۹، سورہ روم کی آیت
 ۲۸، سورہ مؤمن کی آیات ۲۱ اور ۲۲، قرآن مجید میں اس کا معنی محدود اور محل استعمال خاص ہے جبکہ
 اس کے معانی میں بڑا تنوع اور وسعت ہے، اور محل استعمال میں گونا گونی ہے۔

۲۔ اثم اور اثم یعنی گناہ اور گنہ گار قرآن ہی کی دین ہے، لیکن اس کا استعمال اردو میں بہت محدود ہے،
 ساتھ ساتھ اثم و بعض لوگ لکھے ہیں، سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۳ میں ہے، فَإِنَّكَ أَنتَ وَتُحِبُّهُ (تو اس کا
 سے آلودہ ہے) یہ لفظ اس کے علاوہ بھی کئی جگہ آیا ہے۔

رت ۱۔ آخر اور آخرت کے الفاظ اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں، یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں اس کثرت
 ہیں کہ اگر ان کا احاطہ کیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو جائے، صرف سورتوں کے نام اور آیتوں کے نمبر دیے
 لئے بھی کئی صفحے درکار ہوں گے۔

۲۔ اوم جس کے دم سے ہم آدمی ہیں اور دنیا میں آدمیت قائم ہے، قرآن کا خاص لفظ ہے اور ہماری اردو
 بے قرآن ہی کی رہیں منت ہے، قرآن اعداد و دونوں میں اس لفظ نے لفظی ہی نہیں معنوی اور فکری اعتباراً
 غالبی کردار ادا کیا ہے، اور دونوں میں اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ حوالہ اور مثال کی ضرورت نہیں
 ۱۔ ان (نقہ اہاس کی جمع آفاق دونوں قرآن میں آئے ہیں، اور دونوں اردو کی زینت ہیں۔ غالب

رہے

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت اسباب شمارا میں یاں پر سفری کا

تکرم تہی تہی تہی تہی

یہ دو اس قسم کے بے شمار الفاظ بابتغیل اور تغیل کے معنی یا فعل کی صورت میں بہت قرآن میں آئے

اللہ سید دو میں را اٹھیں۔

شراب طہر اجنت کے مشروب کے لئے شراب طہر کی اصطلاح بلا شرکت غیرے قرآن کی اختراع ہے اس کا ذکر سورہ دیگر آیت ۲۱ میں آیا ہے: وَسَقَاهُمْ ذَبَابُهُمْ شَرَابًا طَهُورًا، ایک جگہ مَاءٌ طَهُورًا بھی آیا ہے۔

اردو میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ادبی ذوق رکھنے والے اسے اپنی گفتگوؤں میں استعمال کرتے ہیں مثلاً اے اور اندازے ہمکے جس میں شوخی بھی ہے اور لطف ہے چیر ہی۔

واعظان تم پیو نہ کسی کو پلاسکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہر کی

اردو میں لفظ شراب نشہ آور مشروب کے لئے بولا جاتا ہے جو شراب و ام ہے، لیکن قرآن میں یہ محض پینے کی چیز کے لئے آیا ہے اردو کی شراب کے لئے قرآن میں غم کا لفظ آیا ہے۔

سراب اسراب اردو کا ایک عام لفظ ہے، صحرا میں پانی کا دھوکا یا مطلقاً دھوکا کو کہتے ہیں، قرآن میں یہ لفظ دو جگہ آیا ہے، سورہ نور کی آیت ۲۹ میں ہے: اَعْمَانَهُمْ كَسَّوَابٍ يَعْرِضُهُ يَصْبُؤُا إِلَيْهَا مَاءٌ

ان کے احوال ایسے ہیں جیسے صحرا میں سراب جسے چلنا پانی سمجھا ہے۔ سورہ ناز کی آیت ۲۰ میں ہر دوسلوت اَلْجِبَالُ فَكَانَتْ سُرَابًا پھاڑ پھاڑ دینے جائیں گے پس ریزہ ریزہ ہو کر ریت بن جائیں گے۔ اردو میں نیز لاشعری:

دھوکا ہے سارے خشک ترے رنگا رہیں دریا اگر حباب ہے صحرا سراب ہے

غالب کہتے ہیں :-

موج سرب دشت و زلالانہ پوچھاں ہر ذرہ مثل جو ہر تیغ آب دار تھا

کفر۔ ایمان غالب کا ایک مشہور شعر ہے جس میں کفر ایمان اور کفر ایمان کے یہ تینوں لفظ یکے کے قلم نہیں

ایمان مجھ دے کہ ہے تو کہنے ہے مجھ کفر کعب میرے پیچھے ہے، کلیا میں آگے
ماندہ | ماندہ یعنی دسترخوان، قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔ قرآن کی ایک سورہ کا نام ہی ماندہ ہے۔ اردو میں
 چال یا عام تحریروں میں استعمال نہیں ہوتا۔ البتہ غالب نے اسے ایک آدھ جگہ استعمال کیا ہے :
 دلِ حسرت زدہ تھا، ماندہ لذتِ درد کام یاروں کا بہت مدرب و دندان نکلا
 لیکن یہ ایسی اردو ہے جو غالب ہی کے یہاں ملتی ہے، اور جیسے مشکل ہی اردو کہہ سکتے ہیں۔
 تقویٰ | تقویٰ قرآن کی خاص اصطلاح ہے، غالب کے ایک شعر میں اس کا استعمال ملاحظہ ہو :۔
 دل گزر گاہِ خیال میں و سفر ہی سہی گرنفسِ جاوید سے منزلِ تقویٰ نہ ہوا
 اب سلسلہ گفتگو ختم کرنا چاہئے، مقصد استقصا یا احاطہ نہیں، بلکہ چند مثالوں سے یہ واضح کرنا ہے
 کہ اردو میں قرآن کے الفاظ کس طرح در آئے ہیں، یہ اثر کتنا وسیع اور یہ سلسلہ کتنا طویل ہے۔

(مولانا سید سلیمان ندوی کی شاہکار کتاب)

ارض القرآن حصہ اول

قرآن مجید کی تاریخی آیات کی تفسیر سرزمین قرآن، عرب کا جغرافیہ اور قرآن میں جن عرب اقوام یعنی قوم و قبا
 و قوم لوط و قوم نوح و قبائلی و شہوب کی سرگذشت اور ان کے ہر قسم کے حالات کا ذکر ہے، ان کی تاریخی اور اثری حقیقت

قیمت :- ۱۵ روپے

ارض القرآن حصہ دوم

اس میں خواجہ ابراہیم کی تاریخ اور عربوں کی قبل از اسلام تجارت زبان اور مذہب پر حسب بیان قرآن
 مجید و تطبیق آثار و تاریخ یونان و روم و کتب آسمانی تورات و انجیل تحقیقات و مباحث ہیں۔

قیمت :- ۱۱ روپے

کتاب سازی، وراقت

من

جناب محمد عبد اکلم حشقی صاحب، کانو، ناٹجیرا

اسلامی قرویں ہر نوع کے کتب خانوں کی کثرت علم اقرار کے نور کا بیضان و جواہر و حرکات کتب خانہ اور عباسی خطا کی مالگیر تحریک کتب خانہ کا اثر تھا، اس سے ہر طرف علم کی روشنی پھیلنے لگی، ہر شہر و بستی میں علمی و تحقیقاتی سرگرمیاں پروان چڑھتی رہیں، ہر موضوع پر نئی کتابیں بازار میں آتی اور کتب خانوں میں پہنچتی تھیں، کتب و کتب خانہ ہر پڑھے لکھے کا ایسا ہر و عزیز شغل بن گیا تھا کہ اس کے بدلے رکھنے اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچانے کے لئے وہ اپنی عزیز کا معتد بہ حصہ کتابوں کی نقل، تصحیح و متبادل میں صرف کرتا، پھر اسے کتب خانوں میں وقف کرتا تھا، ان کتب خانوں کی طلب و رسد جن ذرائع سے پوری ہوتی، اور کتاب بنانے والے سے گزر کر کتب خانوں میں پہنچنے کے ہوتے ہوتے تھے، اس متوالی میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی، اسی لئے اس کا عنوان کتاب سازی، وراقت رکھا گیا، پہلے کاغذ سازی، اس کے اقسام، صنعت کاغذ سازی کے مراکز، کاغذ کی مقامی نسبتوں سے شہرت، بہترین کاغذ کی پیمان، سلمان کتابت، قلم، دوات، سیاہی، نقل و ضبط کا اہتمام، کتابت و خوشنویسی، اقسام خط، تحریر و کتب شناسی، شعبہ و مدرسہ خوشنویسی کا قیام کتابوں میں اعراب کا اہتمام، مقابلہ کتابت، تخریج و اوراق نقص، عبارت قلم زد کرنا، مٹانا، قواعد صحت کتاب و احتیاطی پہلو، تصحیح میں احتیاط و اصطلاحات کتابوں کا ضابطہ، اخلاق، ناقل و کتابت کی مشروطے بحث کی گئی ہے، آئندہ کسی شمارے میں صنعت وراقت، سوق و اوراق میں کی نوعیت، کثرت، مراکز، ان کی علمی و ثقافتی حیثیت، تجارت کتب، کتب فروشوں کی فہرست، فروغ تجارت کتب کے عوامل، معیاری دستند ناشرین، گراں دار و ادا قیمت، انتخاب کتب کے اصول و مبادی اور تبصرہ کتب پر روشنی ڈالیں گے، اس لئے کہ محمد عباسی میں کتابوں کا ان تمام پہلوؤں سے

جائزہ دیا جاتا تھا۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد کتب کتب خانہ میں جگہ پائی اور اہل علم کے استفادے کے لئے بھی جاتی تھی، اس سے عہد عباسی کے اس علمی و ثقافتی حشر کی قدردانی اور امتدادی حیثیت کی نشاں ہوتی ہے جو کتب خانوں میں طلبہ، اساتذہ، محققین و شائقین کتب کے استفادہ کے لئے کیا جاتا تھا۔ عہد عباسی کی یہ وہی تحقیقات اور جدتیں تھیں جنہیں یورپ کی ترقی اور موجودہ تحقیقات کی اساس بننے کا فرما رہی ہے۔

کاغذ اردو سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی صنعت کے اولین خطا و حال سے بحث ہمارے مقالہ کا موضوع نہیں ہے، اس لئے ہم عہد عباسی میں مواد کتب سے روشناس کرانے کے لئے اس کا سرسری جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کاغذ کی صنعت نے مسلمانوں کو چاندی اور سونے کے سکوں کے بجائے ہلکے کرنے کے لئے زر کاغذی بنایا، اور ملی و ادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا، یہ کتا بجائے کہ کاغذ ہی وہ واحد قدیمہ جس میں تحریر و جدید ملی سرمایہ کو منتقل کرنے، محفوظ رکھنے، اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے، پروان چڑھانے میں ناقابل فرہوش کردار ادا کیا ہے۔ مسلمانوں نے جب اس صنعت سے دنیا کو روشناس کرایا، ملی و ثقافتی ورثہ اسی کاغذ پر متکمل ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا، پیازس کا آج تاریخوں میں ہم ضرور روشن ہے لیکن ہلدی لائبریریاں اس سے خالی ہیں، بابل و نینوا کی کھدائی سے جو الواح دریافت ہوئی ہیں، وہ اگر تھام کے ساتھ نقل ہوتی رہیں تو یہی یہ نئی دریافت بنی نوع انسان کے لئے ناگزیر تھی، اس اعتبار سے کاغذ ہی وہ مواد کتا بہ ہے جس نے ہلپائبریری کے باوجود اپنی ارزانی، فراوانی کے سبب ہر نوع کے قدیم و جدید ملی سرمایے کو ہم تک یا سانی متقل کیا، تحریک احیائے علوم و فنون و تحریک کتب خانہ سازی کو حیات جاوید عطا کی اور گھر گھر کتب خانہ قائم کیا۔

عہد قدیم سے جن تمدن اقوام میں فخر و فخر کا کاغذ ہوا اور تھوڑا سا جڑا ہوا تھا ان میں مصری، رومی، فارسی، ہندی، چینی، یونانی، عرب سب ہی شامل تھے، انہوں نے جو مواد لکھنے کے لئے انتخاب کیا تھا اس کا تذکرہ ابن النیم نے افرست میں کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی فتح انسان نے کھلے کے لئے ٹی، چتر، لکڑی، تانبا، درخت کے پتے، چھال، گھاس، چرم، بڑی، کپڑا، اساق، Papyrus

اور میں کاغذ سیاہی پر استعمال کیا تھا، چنانچہ اس پر پانی پال کا پورا کتب خانہ لگی تھیں
(Lay Tablets) پر پانی چڑھنے پر، رومی سفید پشم، نرم کمال اور اداق بردی پر جنگلی
گدے کے چوڑے پر، اہل فارس صینس، گلے اور کبری کی کمال پر، عرب ادنٹ کے شانہ کی ہڈی، سنگ
سفید لکڑیوں، کجور کی چوڑی چکی لکڑیوں اور چڑے پر بھی لکھتے تھے، یعنی لکھاس سے تیار کردہ کاغذ پر لکھتے
تھے، اہل ہند تانبے، تھل اور سفید پشم پر لکھتے تھے، فوری ضرورت کے لئے لوگ لکڑی اور درخت کے پتوں
کو تحریر کے لئے استعمال کرتے اور تریکوتا دیو رکھنے کے لئے توڑ کے پتوں پر لکھتے تھے۔

مذکورہ بالا اشیاء میں کچھ اپنی ناپائیداری، ناپائیداری، کمیابی، سختی، گرانی نقل و حمل کی دقت، ذخیرے
کے لئے زیادہ جگہ کی احتیاج وغیرہ معمولی محنت کے بعد کا مادہ بنانے کی وجہ سے زیادہ استعمال میں نہیں آسکتی تھیں
اس لئے ان متمدن اقوام میں نوشت و خواندہ کا سلسلہ ہمیشہ نہایت مختصر و محدود طبقہ میں دائر و سائر تھا، اور
کتب خانوں کی تعداد دہائیوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، اہل مصر لکھنے کے لئے پاپائرس (Papyrus)
جو لکھاس سے تیار کیا جاتا تھا، استعمال کرتے تھے، عربی میں قرطاس، اداق بردی سے بھی معروف ہے۔

قرطاس (مفرد) بکسرات یعنی پاپائرس بردی اور قرطیس (جمع) بفتح قاف قرآن میں آیا ہے (الاسفام)

۱۔ دی انسائیکلو پیڈیا امریکنا، ۱۹۷۰، ایڈیشن جلد ۲ ص ۲۵۸ سے کتاب البیرونی فی تحقیق المہندس مقولہ فی بعض
اور فواید، حیدرآباد الدکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۱ھ، ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱

۱۹۰۷) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل سب قرطاس سے آشتا تھے یہ کارٹس (Shoors) کا سہارا
پہلی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کاغذ کی ضرورتا مت سے قبل مسلمانوں میں قرطاس کا استعمال
رہا اور کاغذ کے رواج پذیر ہونے کے بعد بھی قرطاس و قرطیس مصر کی نسبت کی صورت میں بڑے شہرہ حاصل
کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن مصر کی نسبت کے بغیر طاقرینہ ہمیشہ کاغذ کے معنی میں آیا ہے چنانچہ بغداد کا
عملہ دربار قرطیس کاغذ سازی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اسلامی قروں کاغذ و عملہ کاغذ سازوں دونوں کی اسی
معنی و نسبت سے شہرت ہے، اور یہی وہ مقامات تھے جہاں کاغذ ساز رہتے اور کاغذ بناتے تھے، اسی لئے زعفرانی
مقدمۃ الادب میں اور سجدانی نے اس اسی میں قرطاس کا ترجمہ لفظ کاغذ سے کیا ہے، کاغذ یا کاغذ جس کی جس
کو کاغذ اور کو اغیذ آتی ہے، اہم لغت صفائی لاہوری نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی میں فارسی زبان سے آیا ہے
لیکن دراصل یہ عربی زبان کا لفظ ہے، بقول لوفر (Lover) یہ (Kaka - Gaka) اور
قدیم عربی زبان میں (Kaka - Kaka) سے کاغذ بنا ہے، اور فراء کی رائے یہ ہے کہ لفظ ترکی
ہو، یہ چونکہ عربی ترکستان کا ملا تھا اس لئے اسے ترکی الاصل کہنا بھی درست ہے، قرطیس اور کاغذ کی طرف
نسبت کی وجہ عجمی میں کاغذ سازی کی صنعت میں ہمدات و کاغذ فروشی میں شہرت کی بنا پر اصل کو قرطیس
کاغذی اور ہرات کی نسبتوں سے شہرت حاصل ہے، دمشق میں آج بھی ایک خانوادہ قرطیس کی نسبت سے مشہور

ہے، اس قلم کار کے اثر و کاغذ کی تجارت کرتے ہیں۔ جدید سہولتوں پر قلمی کی طرح کریم کا لفظ بھی بڑھاتا تھا، لیکن جلد ہی لفظ سوراق نے ان کی جگہ لی تھی، اس سے بعض اہل سنت کی رائے یہ تھی کہ دقت کا ذکر تجارت کتب تک محدود نہیں تھا، بلکہ کتاب و سلاطین کتابت و دق، کتابت نقل، کتابوں کی سلاخی، جلد سازی ہر چیز پر اس کا اطلاق ہوتا تھا،

دنیا میں سب سے پہلے ۱۷۰۰ عیسوی میں ایک چینی سالی لوئی (زائی لون) (Tsai-Lun) نے نگاہ سے کاغذ تیار کیا تھا، ابن النذیم نے چینی کاغذ، ابن ابی بصرہ کے خزائن الکتاب میں دیکھا تھا، مسلمانوں نے اس صنعت کو ان سے سیکھا اور کتاب (اسی) اور قلم (ردی) سے کاغذ تیار کیا۔

کاغذ سازی کا آغاز دور اموی میں ہو چکا تھا، اس امر کا اعتراف اس صحر کے مورخین کر دلی کو بھی ہے۔

علامہ شہاب الدین اردوبن بہار الدین صحرانی المستوفی نے وفیات السلاطین میں تصریح کی ہے کہ یوسف بن عمر کی نے قتیبہ بن مسلم کی فتح سمرقند ۳۵۱ھ کے بعد پیشہ کے مدد میں حجاز میں مدینہ سے کاغذ بنایا تھا، اسی کاغذ کو ابن النذیم نے ورق تہامی کے نام سے ذکر کیا ہے، جو اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ابن ابی بصرہ کے خزائن الکتاب میں دیکھا تھا، ہمارے علم میں نہیں کہ ابن النذیم کے علاوہ کسی مورخ نے تہامی کاغذ کا ذکر کیا ہو، مگر ابن النذیم نے ورق تہامی کو نہ دیکھا ہوتا تو قلمی دنیا کی اس کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔

۱۔ الکتاب فی الاسلام، الفکر الاسلامی، شملہ ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱

بظہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن مروی کے کاغذ سازی کا دائرہ حدود ہندوستان سے آگے نہیں بڑھا۔ اس نے اس کی جیسی شہرت چاہے تھی نہ ہو سکی، اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کاغذ سب سے پہلے چھوٹی مغربی میں تیار کیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں، بلاد مغرب میں موسیٰ بن زہیر المتوفی ۳۰۶ھ نے قتب (سن) اور کتاھ سے کاغذ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا تھا، اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر علم ایشیا اور یورپ میں مسلمانوں نے کاغذ سازی کا سلسلہ شروع کیا تھا، پہلے ۳۰۶ھ میں جنگ اطلح میں امیر یازدین صلح حدیثی المتوفی ۳۲۰ھ نے کچھ عینی کاغذ سازوں کو اسیر بنا کر سرقند لائے، چینی کاغذ گھاس سے بناتے تھے مسلمانوں نے کاغذ قطن (Cotton) سے بنایا، جو قطنی کاغذ کہا جاتا تھا، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ایرانی رسیوں کے فروغ ٹکڑوں سے بنایا جاتا تھا، آدم منزی تحقیق یہ ہے کہ برگ ٹوت اور غاب ہندی سے بنایا جاتا تھا،

اہل سرقند نے عینی کاغذ ساز اسیروں سے کاغذ بنانا سیکھا، پھر بلاد مشرقی میں اس صنعت کو بہت فروغ حاصل ہوا، اس نے اس کا انتساب چینی کاغذ سازوں کی میری کے واقعہ سے ہو کر رکھ گیا، اور کاغذ سازی کی صنعت کو بعد جہاس کی ادبیات سے شمار کیا جانے لگا، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس واقعہ کے بعد کاغذ سازی کی صنعت کو بہت ترقی پورے اسلامی قروں کا سفر سے غریب تک ترقی کرنے کی سہولتیں حاصل ہوتی رہیں، اس صنعت میں مسابقت کا جذبہ ابھرا، مشرق و مغرب کے کم و بیش ہر بڑے شہر میں کاغذ سازوں کے کوپے محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے، ۳۰۶ھ میں بغداد میں بازار کتب کے قیام سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی

(بقیہ صفحہ ۱۹۵) ۱۔ الترتیب الاداریہ والعمالات والعتاعات للتاجر والحاکم علیہ التی کانت علی حمد بن علی بن المدینہ

الاسلامیہ فی المدینہ النورۃ الطیبۃ بعد الحی للکتابی، بیروت، امیاء التراث العربی، ۱۳۸۰ھ، الفہرست لابن النعمان

۲۔ الترتیب الاداریہ، ج ۲ ص ۲۲۲، ۳۔ بلاد فلسطین و شام انلی اسٹریج تریج سید ہاشمی فرید آبادی، حیدرآباد

دکن، مطبع سرکار مالی، ۱۳۳۵ھ، ۴۔ خطہ الشام، ج ۲ ص ۲۳۵، ۵۔ بلاد فلسطین و شام ص ۲۳۵، ۶۔ الخطا

الاسلامیہ لآدم مز، ج ۲ ص ۲۶۹، ۷۔ حیات الشہ، کاغذ کار واج، کتابت لکڑی، حیدرآباد، ۱۳۸۰ھ، ۸۔

۹۔ شہداء القلوب ص ۳۴، ۱۰۔ الملائکۃ اللہ ص ۱۸، ۱۱۔ کتاب التفسیر فی ۱۳۵۵ھ، ۱۲۔ الخطا بلاد و اخبار الامم

ذکر یابن حمد القزوی، بیروت، دارالحداد، ۱۳۸۰ھ، ص ۱۳۶، ۱۳۔ الخطا الاسلامیہ لآدم مز، ج ۲ ص ۲۶۹، ۱۴۔ الخطا

شہر میں اس صفت کا انانیت تیزی سے رواج ہو چکا تھا

کاغذ کی قیمتیں بے شہرت | امداد میں کاغذ کو اسلامی قرو میں تین نسبتوں سے شہرت مل تھی۔

(۱۱) بلوہ کی نسبت ہے جیسے ورق سرفروغ کا تھکے کے گانہ نہ سازاں کی نسبت ہے جیسے ورق میلانی

(۳) کاغذ سازوں کی نسبت سے اچھے ورق منضوری۔

حمد عباسی میں جو مالک و بلاد کا مذکی صنعت کار کردہ ہیں وہ حسب ذیل تھے :

(۱) اور ماہر صنعتی مہیا خچہ ابراہیم طبری کا بیان ہے کہ بلبلان مقام میں نوشادر اور کافہ میں مادور ماہر کے گائندہ

کاجواب نہیں، اس سبب ثابت ہوتا ہے کہ جو قس صدی ہجری میں کائنات کی صفت پوئے اسلامی قلمرو میں چھیل گئی تھی

(۴) خراسان، خراسانی کا مذکی شہرت اندس تک پہنچی ہوئی تھی، نیتا پور میں سکے اور ایتھن تھا اور سٹ

طی کاغذ اندس تک مشور تھا (۵) عراق بغداد میں دوسری صدی عری کے ربع آفریں فصل بن گیا

برکی نے یہاں کا خنڈ سازی کا کارخانہ قائم کیا تھا، محلہ کرخ بے بغداد اور محلہ طار القز بغداد میں کاغذ تیار کیا

عالمات، سامرا میں خلیفہ معتمد نے مصری کاغذ سازوں کو آباد کیا تھا، انھوں نے کاغذ بنایا، لیکن وہ اس کا

(ماہنامہ) شمارہ حرف کا مطالعہ، تحفۃ الالہاب و فحشۃ الالجاب، البوہادہ الفخریۃ المیری، نیشنل پریس ۱۹۲۵ء ص ۲۰۷

اردو دارۃ معارف اسلامیہ ص ۱۲، ص ۸، ۱۳، لے ایفا، یہ رسالہ لجنہ انٹرنل جماعت تحقیق عبد السلام محمد بن

التجارة إلى أقصى حد ١٣٨٤ م ٢٥٣ و ٢٥٢، مع الملك الحاكم زبوساق إبراهيم الاطري تحقيق محمد جابر عبد الله

الحسن بن القلیب، و نازرة شفاة الاشاد العموی، ۱۳۸۱ھ، ص ۱۶۲، سے مثالوں کی صفحہ حروف انوائت

تجارتِ ابرو محمد علی، الرحمن، الزاد، انصاری، کتبی، ۱۳۳۴ھ و ۱۳۳۵ھ، قرآنِ کریم کی کتاب کا ترجمہ ہے ۵۵ صفحہ، ۱۱۰ باب

الذات، و صوابه لا یخفى ان الذی فی الاثر هو المثلث الهادی، تهرن کتبه

[illegible]

شماره مسلسل ۱۰۳، شماره ک ۳۳، ص ۲۱۲، مجله الفنی ج ۲، ص ۲۴۵-۲۶۶.

نشا تیرا صدی و صدی میں کاغذ بہت چھانٹا اور نہایت سستا آتا تھا چنانچہ عربوں کا یہ بھی
 ثم بغدادی مکتوبہ جہان التوئی سے مراد ہے کہ اس چند طلبہ میں سے کچھ کے لئے آئے اور کچھ نے کچھ
 سامنے رکھے، وہ پرانے کاغذ پر لکھے گئے، غلام ہوئے، یا جن الکائنات سے یہ بغدادی، فلک کتبہ فی کائنات
 اجمود من حدیثی، بغداد میں کاغذ سستا ہے کاش تم اس سے بتر کاغذ پر لکھتے، یا انہیں مدی ہجری میں
 کاغذ کی صنعت بغداد میں بہت عروج پر تھی، واسطہ میں بھی وہ ابقرائیس تھا (۵) شام۔ یہاں اچھا کاغذ
 ہوتا اور مصر بھی جاتا تھا، شام کے حسب ذیل شہروں میں کاغذ بنایا جاتا تھا، دمشق، حلب، قسطنطنیہ، اور اہل مد
 عباسی میں لکھنے کے لئے چڑا بھی استعمال میں آتا تھا، لیکن چڑے کی بہ نسبت کاغذ پر تحریر زیادہ آتا ہے،
 یہ سستا اور ہر وقت آسانی میں سبک نقل و دل میں آسان، ان دو وجوہ سے مسلم معاشرے میں اسے قبول و
 حاصل ہوا اور چڑے کا چین جاتا رہا، کاغذ کی موجودگی میں اگر کوئی چڑا استعمال کرتا، معاشرہ میں حیرت و استعجاب
 سے دیکھا جاتا، اس سے سہولت کئے جاتے، چنانچہ حافظ سے بھی سوال کیا گیا، اس نے مذاقہ انداز میں چڑے کی خوبیوں
 اور غریبوں کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے :-

۱۔ اخبار الراضی بشرہ اتقی شرہ للصلی، العلم و طبع حیرت، ۱۵ ن، ۱۹۱۹ء، ص ۳۶۰، بحم البند
 (بیقہ ۱۹۱۹ء)
 لیا قوت، ج ۲ ص ۲۲۲، ترجمہ الاطلاع علی الفاکتہ و البقاہ النبویہ ابن عبد الحق البغدادی تحقیق علی محمد عبد
 القہرہ، طبعی البابا و کلیسیا ۱۳۳۵ھ، ج ۱ ص ۵۰، ۵۱، ۵۲، مسلمانوں کی صنعت، ص ۱۶، ۱۷، تاریخ بغداد
 قلیب ج ۲ ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵،

تم کہتے ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے اپنی تمام کتابیں برقی و خاموشی کاغذ پر تیار نہیں کیا ہیں تم کہتے ہو کہ تم نے چڑے پر کیوں لکھو ایسا تم کیوں اس کی ترغیب دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کا حجم خشک ہو کر (کمتر ہوتا ہے) وزن ثقیل ہے، اگر پانی پیچ جاتے تو غراب ہو جائے، اور غنی کے دن ہوں تو طحیہ ہو جائے، طحیہ بھی نہ کھو تو چڑے والے تو حل بازاں کو پر نہیں کہتے، وہ بارش سے خوش نہیں ہوتے تمہیں معلوم ہے، وفاق ان پیام میں ایک سطر میں لکھتا ہے چڑا کاٹا ہے جب وہ تر ہو پھر بارش بھی ہو جائے بھیگ بھی جائے، ڈھیلہ ہو کر داد دے جھٹے، جب خشک ہو جائے پھر کھینچ آنے کے بعد اپنی حالت پر ٹوٹتا ہے، زیادہ بدبودار، زیادہ گراں قیمت ہوتا ہے، وہ دھوکے کا زیادہ تحمل ہوتا ہے، اس کو کوئی کو واسطی اور واسطی کو بھری بنا لیا جاسکتا ہے، اسے پرانا کیا جاسکتا ہے تاکہ اس کی بود و بھبت اس کے ہاں صاف ہو جائیں، اس میں گرہ زیادہ ہوتی ہیں یہ زیادہ تر خوار واد ہوتے ہیں اور بیشتر ناگوار سیاہی اس میں جلد پہنتی ہے، اس میں تحریر کا زیادہ جلدی مل جاتا زیادہ عام ہے، صاحب کتب خانہ یہ چاہے کہ بقدر حاجت کتبیں سفر میں ساتھ رکھے تو اس کے لئے بارشتر بھی کافی ہیں، قطنی کاغذ کی کتابیں بارشتر بھی سفر میں ساتھ لے جانا چاہیے تو یہ بھی اسے کھلیت کرتا ہے۔

تم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کو زیادہ برداشت کرتی ہیں، مذائد واد ایک ماریتہ پتہ دیتا ہے ہاتھوں میں گھومتے پھرتے رہنے سے ان میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کی پھر بھی قیمت اٹھتی ہے اور مٹا ہوا بھی کام آتا ہے، اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، پھر زندہ کیا جاتا ہے پھر نئے کی نیابت کرتا ہے، قطنی کاغذ کی بازار میں قیمت نہیں ہے (بہت سستا ہے) تم اگر بازار والوں کو کہو تو ان سے جو طبع پیش کرو وہ اس پر ہل گئے ہوں اور بیکار یا میں بھی گھمی ہوں تو بھی زیادہ قیمت ملے گی اور ایک خریداری میں جلدی کریں گے، میں کہتا ہوں حسب کتب چڑوں پر لکھا جاتا ہے، دفتروں میں چڑوں پر لکھی ہوتی تحریروں پر لکھا دیا جاتا ہے، شرائط، بیع وشرط کے معاملات، زمینوں کی خرید و فروخت سے متعلق امور چڑوں پر لکھے جاتے

ہیں، لقمے ان پر پائے جاتے ہیں، پھر دیک کا مد کو جلد کھا جاتی ہے،

علاقہ، ملتان، ملازمین انعامیہاں کا کاندہ سرحدی کاندہ کی طرح تھا، مصریوں کے کاندہ

سائنس کی بھی شہرت تھی، اسی نے مصلح نے یہاں کاغذ ملا، اس کو سونے کا بنا کر اٹھا، فسطاط یہاں خط (بجلی)

اور سولہ قیراجوش کے درمیان خطہ خان وراو میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا، ایمان، غنائیں میں لکھ کر کٹوں

میں غریب کے نام سے کیا جاتا ہے، اکافذ کا کلہ فائدہ تھا (۸) ہندوستان میں بھی کافذ تیار کیا جاتا تھا، اس کافذ کی

صدائے بازگشت اندلس تک سرائی دیجی ہے، ابوہریرہؓ فرمایا اے ابن مسعودؓ کہ مسافت کا فائدہ کو بیخ و خرواہ اس کے

ہم یابہ کاغذ قرار دیا ہے، لیکن یہ کاغذ کشمیر یا لکھنؤ اور لاہور میں کسی جگہ بتایا ہو (۹)، مغرباً اندلس مشرق

(ایسا) سے کاغذ کی صفت مسلمانوں کے ذریعہ مغرب میں پہنچی، چنانچہ قوطب میں بے نظیر شاہجیہ میں نہایت عروج و

صفیہ (سہلی) میں بھی کاغذ بنایا جاتا تھا، سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سے کاغذ سازی کی صنعت

یہودیوں کے مغربی ممالک میں پہنچی تھی،

ابن النديم نے چوتھی صدی ہجری

(۱) سلیمان (۲) علی (۳) نوحی (۴) فرعون (۵) جعفری (۶) طاهری

لله والحمد لله المثل الجليل تحقيق عبدالسلام محمد ولدون، القاهرة، مكتبة الخديوي، ١٣٣٥ هـ

خطبات امیر المومنین علیؑ، ص ۲۴۷، الفیاض، ص ۲۴۷، سفرنامه ناصر خسرو و تحقیق محمد دبیر سیاحی، تهران کتابخانه

قوى المار، ١٣٥٢ ف، ص ٤٨، مزج ٢ ص ٦٩٩، في البلدان العربيه دار ايجيوطي ١٣٠٠، الج ١، ص ٧٦
المحيه، ١٣٤٤ م ٢٩، في الخط المقرنيه، ج ١ ص ٢٠٤، في ايضا ج ٢ ص ٢٣٢، في مجم البلدان

مباحث ج ۲ ص ۴۴، مرصع الاطلاع لابن عبد الحق ج ۱ ص ۲۰۲، في تحفة الاطباء للفرغاني، ص ۲۰۲

۱۔ مفت نامہ چھپڑا، شمارہ حرفت، ۳، ص ۲۱۵، ششم ہجری، ج ۶ ص ۹، الفضلۃ الاسلامیہ (ق)

۲۔ مسموعہ اسلامی کی صنعت و حرفت، ص ۱۷۳، سترہ الفضلۃ الاسلامیہ، ج ۶ ص ۲۶، مفت نامہ چھپڑا

نقدہ حرفتک ۳، ص ۷۱۵، سلفہ الغرست لابن الیم، ص ۳۲،

بہترین کاغذ کی پہچان | علامہ شامی (۳۵۰ - ۱۲۶۹ھ) نے مدعی میں اسلامی قلمرو میں کاغذوں کے

سمرقندی کاغذ کو سب سے زیادہ بہتر، سب سے زیادہ نرم، سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ باریک و صاف

قرار دیا ہے، موصوف نے جن خوبیوں کی بنا پر اس کو سب سے بہتر و اعلیٰ معیار کا کاغذ قرار دیا ہے، اس معیار

پر نویں صدی ہجری میں ابو العباس احمد القلقشنندی المتوفی ۸۳۱ھ = ۱۴۸۷ء نے بغداد کے کاغذ کو سب

سے بہتر اور فرنگی کاغذ کو سب سے بدتر قرار دیا، بغداد کے بہترین کاغذ کی تصدیق گیارہویں صدی ہجری میں

رضی الدین محمد بن حسن قزوینی المتوفی ۱۰۹۶ء کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے:

”ہم نے تمام شہروں کے کاغذ کا تجربہ کیا ہے مگر سب سے زیادہ عمدہ و پر یا مضبوط کاغذ بغداد و دمشق

آمل اور سمرقند کا پایا جو لکھنے کے لائق ہیں، دوسرے شہروں کے کاغذ ناپائیدار ہیں، وہ ایک زمانے کے

بعد تلوخ جاتے ہیں۔

روٹی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی فروغ تجارت نے معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو خوشحال بنا دیا۔

ان کے علمی ورثے سے دوسروں کو برہ مند کیا، ذہنی تنویر بخشی، چنانچہ پاپائیت جس نے ظلم کو ایک مخصوص پٹ

تک محدود کر دیا تھا، اور عیسائی مکرانوں کی رعایا ادھام پرستی و تعصب میں مبتلا تھی، مسلمانوں کی کاغذ

تجارت نے توہم پرستی اور تعصب سے کسی حد تک دور رکھا، چنانچہ کاغذ جو جوں پھیلتا گیا کتابیں وجود میں

آتی گئیں، علم کی روشنی سے لوگوں کے دماغ روشن ہوتے رہے اور کاغذ کی ارزانی اور فراوانی کی وجہ سے

طبقات کے لوگوں کو کاغذ اور کتاب کی خریداری میں کوئی تامل نہیں رہا، ہر شخص آسانی سے کاغذ و کتاب خرید

پڑھتا اور علمی دولت سے مالا مال ہوتا تھا، معاشرہ میں روز افزوں شرح خواندگی میں اضافہ کی وجہ سے

سے جل اتنگ نظری اور ادھام پرستی کا خاتمہ ہونے لگا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ:

لے لطائف المعارف للشامی ص ۲۵، مجمع الاشیء للقلقشنندی، ج ۲ ص ۵۷، ۵۸، رسالہ خط از رضی الدین محمد

دنیا ہے، تعصب و اہم اور جہل کے پردوں کو کھینک کر نے میں مسلمانوں کی کاغذ سازی کی صنعت کا بانی ہے، چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف دان کریم کو بھی ہے، وہ کہتا ہے کہ یوں علم و فن کی عام شہرت اور اس کی ترویج کا سر اوہوں ہی کے سر ہے، علوم کی اشاعت برابر برصغریٰ گئی اور عربوں کا لگایا ہوا پودا اس قدر بار آور ہوا کہ اس کی بدولت مذہبی تعصب و اہم پرستی اور بے جا حکم کا بالکل خاتمہ ہو گیا، مختصر یہ ہے کہ اس وقت سے تمدن کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

بریفانٹ نے کاغذ کی ایجاد و ترویج کی واد تحقیق حسب ذیل الفاظ میں دی ہے،

”یہ قابل غور اور حیرت انگیز حقیقت ہے کہ یونان اور روم جنہوں نے دنیا کی ہیئت کا مآبہل کر رکھ دی اور تمدن کی ایک نئی کائنات ایجاد کر دی، ایک بھی ہم ملی ایجاد یا صنعتی اکتشاف نہ کر سکے۔۔۔۔۔ بابل و مصر کے اولین ایام سے لے کر سی ام اور نئے مادی اکتشاف کا شروع نہیں ملتا آ آنگہ عربوں نے یورپ میں کاغذ ساز پلاود و سادی اور ناخداؤں کے قطب نما کو رواج دیا، جس دانش و بصیرت نے فکر و ذہن کی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کر دی جو مشرق کے مقابلے میں ایسی ہی تھی جیسے آدھی رات کے مقابلے میں دوپہر۔“

بریفانٹ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے عربوں نے یورپ میں اپنی تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب پیدا کر دیا، اول ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے کناروں تک پھیل گیا، دوم بارود جس نے زرہ بکتر پہننے والے ناسلوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا، سوم کاغذ جس سے اشاعت و طباعت کا راستہ صاف ہوا، کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی تیج سے کم نہ تھا۔

لے مسلمانوں کی صنعت از دان کریم، ص ۱۷، تشکیل انسانیت، بریفانٹ، ترجمہ عبدالجید سالک، بار دوم، لاہور،

جس ترقی ادب، ۶۶، ۱۹۶۷ء، ص ۲۳۰-۲۳۱،

تشکیل انسانیت، ص ۲۳۳، عربوں کا تمدن، ج ۱، ص ۱۷۷

اسلام نے تجارت و دستکاری پر زور دے گا کہ کوئی عبادت بنادیا تھا، اس نے مسلمان ہر نئی صنعت سیکھنے، اے اپناتے، اس میں ہمت پیدا کرتے اور خوب ترقی دیتے تھے، جو زنت جیل لکھا ہے کہ "اسلام نے دستکاری کے فوائد اور غریبوں پر زور دے کہ دستکاری اور تجارت کو ایک مذہبی شکل دے دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی نئی چیز ملتی تھی، وہ فوراً اسے اپناتے اور اس میں مزید وسعت و نشو و نما پیدا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے جب سنا کہ اسلامی قلمرو کے کسی دور و دار تھے غالباً چین میں کاغذ تیار کیا جاتا ہے تو انھوں نے فوراً اس کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں سمرقند کے اندر کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جس میں غالباً چینی کالم کرتے تھے قائم ہو گیا، انھیں ابھی کاغذ بناتے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انھوں نے اس کے لئے جیتھرٹوں اور کپڑوں کا تجزیہ شروع کیا۔ ۱۰۰-۱۰۱ء میں بغداد میں کاغذ سازی کا سب سے پہلا کارخانہ قائم ہوا اور حکومت کے دفاتر میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا، رفتہ رفتہ تمام سلطنت میں کاغذ سازی کے کارخانے جاری ہو گئے، جہاں ت نے رقم کا کاغذ تیار ہوتا تھا، ان کے کاغذ، روٹی کا کاغذ، حوٹے اور ہار ایک صاف کھردرا، سفید اور نلگندہ کاغذ بننا شروع ہوا، بانس کے کاغذ اور چڑے کا زمانہ ختم ہوا اور اب کھونکے لئے اس کیس مسلمان میرا آستانہ یہ علوم و فنون اور ادب کے فروغ کے لئے ایک اچھا فلگون تھا۔"

مشرق و مغرب (ایشیا اور یورپ) میں علوم و فنون کے فروغ، کتابوں کی اشاعت اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کے ایسا کی خاطر اسلامی قلمرو میں کہیں بھی کاغذ کی صنعت و تجارت پر کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں لگائی گئی، اس سے کاغذ کی صنعت و تجارت کو ہر چھوٹے بڑے شہر میں فروغ حاصل ہوا اور علمی دنیا کو اس سے ترقی کرنے کا موقع ملا چنانچہ وہاں کر کے کتابت سے حد عباسی میں کاغذ کی تہا سے بڑے کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں تھی اس لئے بھی کاغذ کی تجارت کو بہت فروغ حاصل تھا۔

۱۔ عربوں کا تہا، جہز ہیل ترجمہ نیر نیازی، دہلی مکتبہ جامعہ اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۰-۱۱۱، ۱۱۲۔ ۲۔ عربوں کی صنعت، حروف، ص ۲۱۱-۲۱۲۔

وہیں تک پہنچا کر رکھتا ہے۔ کاغذ سازی سے صنعت علوم و فنون کی اشاعت کو بڑھاتا رہا
 ہوئی، اعلیٰ صنعت کی وجہ سے مسلمانوں نے یورپ کے بازاروں میں اپنا سکہ بٹھایا، جو یوں نے کاغذ سازی
 کی صنعت کو جلد ہی ترقی دی، کافی سستا اور اچھا کاغذ بنا کر ایشیا کے بازاروں سے گزر کر کسی یورپ کے بازاروں
 کو بھی یہ کاغذ نمیا کرنے لگے، اس نے علم و فن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونا لگا۔

مسلمانوں نے علم جیسی بیش بہا چیز کو بلا امتیاز عام کیا، بلا اجرت و مواد منہ ماسخرہ میں پھیلا کر عوام میں
 علمی بیداری پیدا کی اور ان کا کتابیں رشتہ استوار سے استوار تر کر دیا، مسلمان ممالکوں نے کاغذ سازی کی صنعت پر کہیں
 اور کبھی کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا، اس سے صنعت کاغذ سازی کی اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ حاصل ہوتا رہا،
 کاغذ کی فراوانی رہی ذخائر علوم کی سرعت سے تمدن ہوتی گئی، آسانی سے اور ہر موضوع پر فراوانی سے بازار میں
 کتابیں آتی رہیں، عام طور پر ازاں قیمت و مناسب دھموں میں ملتی رہی تھیں، کتب خانے بنے رہے، اعلیٰ
 طلب و سرپرستی پوری ہوتی رہی تھی،

کاغذ سازی کا ضابطہ اخلاق | عبد عباسی میں کاغذ سازی کا بھی ضابطہ اخلاق تھا، جس کی کاغذ ساز پابندی
 کرتے تھے، چنانچہ ابن امیر الحاج کا بیان ہے :

کاغذ ساز کو جو کام سپرد کیا جائے اسے حیانتدارانہ طور پر انجام دینا چاہیے مثلاً کاغذ کا دستہ تین
 درجہ میں فروخت ہوتا ہو تو وہ خریدار کو چار درجہ میں نہ بیچے، ہر نوع کے کاغذ کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے، ہر
 نوع کے کاغذ کے دم میں فرق ہوتا ہے، چنانچہ سفید، کم سفید، صیقل کیا ہوا اور کم صیقل کیا ہوا سمجھا ہوا اور کم
 سمجھا ہوا، ایک دام کا نہیں ہوتا، پھر کاغذ کی ساخت کے اعتبار سے بھی قیمت میں تفاوت ہوتا رہتا ہے، گرم و
 سرد موسم کے اعتبار سے بھی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کاغذ فروش پر لازم ہے کہ ہر کاغذ کی صنعت
 خریدار کو بتائے، تاکہ اس کو کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے، ایسا نہ کرنا خریدار کو دھوکا دینا ہے، جس کے متعلق حدیث

تبریز میں رہتا تھا۔ غرض کہ غرضتیں جتنا جس سے کم گو ہو گا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خریدار کو کاغذ خانہ میں جا کر کاغذ دیکھنے کا حق ہے، لیکن کاغذ خانہ میں کلر گر مونا چھٹا اور تارک سا کپڑا باندھ رہے ہیں اس لئے ایسے وقت جانا چاہئے جب تک کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا کاغذ خانہ میں کام ختم ہو چکا ہو۔
کاغذ فروش پر لازم ہے کہ خریدار کو جس کلام کے لئے کاغذ درکار ہے اسی مقصد کا کاغذ اس کو دینا چاہئے مثلاً نقل کے لئے نقل کے مطلب کا کاغذ دینا چاہئے اور حقیقت حال بھی بتا دینی چاہئے، کاغذ سازوں پر ایک کاغذ کو جن پر شرعی امور تحریر ہوں احترام لازم ہے، انھیں پیروں سے انیس روئے دینا چاہئے، اور جن پر شرعی امور تحریر ہوں انھیں از سر نو درست کسٹکی اجازت ہے۔

ساہان کتابت قلم، دوات اور پیاسی قلم کے معنی سخت چیز کو کاٹنے کے ہیں، قلم سخت قسم کے زکلی کو تراش کر بنایا جاتا تھا، اس لئے اس کو قلم کہتے اور بعض ترلے ہوئے زکلی کو انویہ بولتے ہیں، عمد عباسی میں قلم نرم سبک، تیز چٹنے والا اور پائیدار پسند کیا جاتا تھا، سخت، ڈھیلا، دھیرے چٹنے والا اور زیادہ گھنے والا پسند نہیں کیا جاتا تھا، قد ان کو مقلد کہتے تھے، بہترین قلم جس قلم کے پوست کانگ صاف دسرن ہوتا اور وزن دار، لمبا سیدھا اور اندر کا حصہ سفید ہوتا وہ قلموں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا، عمد عباسی میں قلم کی بڑی قلت تھی، اسے پیتل کے خول میں رکھا جاتا تھا، وہ باتوں کے قلم کا استعمال گرائی کے باعث دوزار و امراتنگ عمد و دتھا، پھر گو نہ دلی و دشائی روانی سے نہیں چلتی تھی، اس بنا پر خوشنویسوں نے اس کے

۱۔ المدخل لمحمد بن محمد البیہقی القاضی امیر الحاج مصر مطبعة مصطفیٰ البیہقی انکلی، ۱۹۶۰ء، ج ۲ ص ۸۶-۸۸، ۲۔
فرامہ اللغة فی الفوق، مصر کتب لائسنس، بیروت، المطبعة الکائنویکیہ از آثار الیسویں ۱۸۸۹ء بمصر و آبی غریبہ القین
لراغب ص ۱۱۴، القاموس تفسیر زیر تبادی ج ۲ ص ۲۹۲، ۲۹۵ (دقی)، ۳۔ ادب الاطوار والاصطلاح للسیوطی تحت
کسر و سوسو یزید بن مطہر بریل ۱۹۵۲ء ص ۱۵۰ و ۱۶۳، ادب القلاب للصولی تحقیق محمد حبیبہ الاثری بغداد المکتبۃ
السفلیہ ۱۳۳۱ھ جلد ۱ ص ۹۰، ۴۔ ایضاً، ۵۔ رسالہ خط الارضی الدین قزوینی ص ۵، ۵۔ السعد علیہ اللہ بن علی البیہتم
تحقیق بلال ابی بغداد مطبعة المعارف ۱۹۶۰ء ص ۴۰، تحفة اهل الابواب فی مناقب ائمة و القلاب تلخیص جلال خرم
بن یوسف الصالح تحقیق بلال ابی تونس دار اسلام للنشر والتوزیع ۱۹۶۲ء ص ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸

مستحق ہے کہ اگر کسی شخصیت سے ملکر نہیں کیا جائے گا کہ مسلمان نے اس کو بڑی ترقی دی ہے اور
 دشمنوں کے خلاف جو کام کیا ہے اس کی نذر میں دشمنوں کی ہتھیاریوں نے اس کو قائم کیا ہے جو ایک
 ملک کی سیاسی مصلحت تھی اس کا نام نظم العاد رکھا تھا یہ ہے کہ قلم تھا اور ایک ملک شک نہیں جانتا
 عہد جاہلی میں سیاہی کے لئے تین لفظ نقص، ماد، جبر استعمال کئے جاتے تھے، نقص مطلق سیل ملادہ
 جس سے کھا جائے، ماد سیاہی کے ذریعہ حروف کو پھیلا یا اور کھینچا جاتا ہے، اس لئے اس کو ماد کہتے تھے پھر
 اس کا استعمال دولت کی سیاہی کے لئے مخصوص ہو گیا تھا، یہ کاجل وغیرہ سے تیار کی جاتی تھی، چنانچہ زمرہ
 سیاہ تر روان سیاہی کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا، جبر کے اصل معنی خالص رنگ کے ہیں اس لئے رنگ دار
 (سرخ وغیرہ) سیاہی کو جبر کہا جاتا تھا، وزیر بن سہل کا قتل ہے کہ جب کوئی فصیح و فہیم آدمی اپنے الفاظ
 کو اچھی صورت میں پیش کرتا اور اپنے بیان کو حسن کلام سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو حکمت سے معور معانی کا اس
 کے سامنے بوجھ ہو جاتا ہے جو کپڑے کی آرائش اور ان پر ریل بوٹے سے زیادہ پر رونق ہوتا ہے، علم بھی کلام کو
 آراستہ کر کے پیش کرتا ہے اس لئے اس کو بھی جبر کہتے ہیں، جبر جو کا مطلوب ہے، جو اور سمندر منبع آب ہیں، عالم
 بھی علم کا منبع ہوتا ہے، علم پانی کی طرح ہے، پانی لای حیات کا، علم ابدی اور معانی حیات کا سبب ہے اس کو
 جو طی کار ناموں کی وجہ سے زندہ رہتا ہے وہ بھی مر تائیس ہے، اسی لئے کہا جاتا تھا

لے تاریخ الخیرین و اگر بترتیب تہذیب عبد القادر آفندی بسلام، دمشق طبعہ مروفۃ انعام ۱۳۳۹ھ ج ۴ ص ۶۳۹
 لے ادب الکتاب العلوی، ج ۲ ص ۱۰۱، لے ایضاً، لے ص ۱۰۱ ص ۲ ص ۵۰۵، لے لغت نامہ بغداد
 شلہ مسلسل ۳۴ شمارہ جن ۲، ج ۳ ص ۱۰۱، لے ایضاً، لے ادب الکتاب العلوی، ج ۲ ص ۶۵،
 ادب اللغات السعانی ۱۶۳۔

لے جامع العلوم للفقہ بدر نور العلما لایف حدیثی احمد نوری حیدر آباد دکن، مطبعۃ دارۃ المعارف انتفا

انما المجالس واصحاب
الحلقان والحقابر
جیسا پچھے پرانے کپڑے پہننے والوں
(موصوفہ) اور دواتوں سے کھینچنے والوں
(موشین و علماء) کی ہوتی ہیں،

ان کو حیات جاوید ملتی ہے، جہاں عداوت کے فرق کو ابن الیم نے بھی ملحوظ رکھا ہے، جہاں عداوت سے کھینچنے والوں میں امتیاز کیا ہے، عبد عباسی میں کتابوں میں ایسی پختہ سیاحی استقامت کی جاتی تھی کہ کپڑوں پر اس کے جوتوں کو ترشی سے دور کیا جاتا تھا، ان باتوں کا لحاظ انتخاب کتب میں بھی رکھا جاتا تھا، قلم اور سیاحی کو دیکھا جاتا تھا، یہ کتابوں کی قیمت پر اثر انداز ہوتی تھیں اس لئے اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا، عربی میں دھت کو مجرہ اور دھت لکھنے کے برتن کو دستج کہا جاتا ہے، علوم و کتب میں اضافہ کی خاطر بعض علماء جب گھر سے نکلے تھے تو قدم ان اور کاپی اپنی ہڈی میں جوڑنے کے ساتھ باندھ کر لکھتے تھے، عبد عباسی میں اشاعت کتب کا اندازہ بھی مجرہ کے شمار سے کیا جاتا تھا، مجلس اطوار میں طلبہ اور نسخوں کی تعداد کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ مجرہ کی گنتی تھی، انیس گن کر صحیح تعداد معلوم کی جاتی تھی،

عبد عباسی میں سیاحی سازی ایک فن کی حیثیت سے متاثر تھی، سیاحی ساز اور سیاحی فروش کو جبری، اور جبار کہا جاتا تھا، عبد عباسی میں بعض اہل علم اپنی زمین و جان کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے طلبہ کی سیاحی

۱۔ الطبقات السنیہ فی تراجم الخلفاء بعد القلار اتمی تحقیق عبد الفتاح محمد الخلو العلیرہ: المجلس الاعلی للثقون الاسلامیہ
۲۹۵ھ، ج ۱، ص ۳۲، ج ۲، ص ۱۵، ۲۔ الفرس ابن الیم، ص ۱۵، ۳۔ ادب الاطوار السمانی، ص ۱۵،
۴۔ مجمع الادباء، ج ۳، ص ۱۵، ۵۔ خزانہ الادب عن ذکر علماء الفوائد الادب از ذوالفقار علی نقوی، اگرہ، مطبع
مفید علم، ۱۳۱۳ھ، ص ۱۵، ۶۔ الانساب السمانی، ص ۵۰، ب، ۷۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۳۵، ۸۔
۹۔ ایضاً، کتاب الانساب السمانی، ج ۴، ص ۱۵، ۱۰۔ الباب لابن الاثیر، ج ۱، ص ۳۳، تبصیر القسب بحر المشتبه
لابن حجر تحقیق علی محمد الجاوی، معروضہ لادارۃ المعرفۃ للآلیف والترجمہ، ص ۳۵، ج ۱، ص ۳۹، ۳۹۴، ۳۹۵،
۱۱۔ کتب الانساب، ج ۴، ص ۱۵، الباب، ج ۱، ص ۳۳،

کتابتِ رسم کو متعین فرمیں اور، نسخوں کے فکر و نظر کو بدلے، آپ کی پیدائش کا یہی سہرا بن گیا۔ آپ کی قوتِ کتابت کا نوکر بنایا، اس سے عربی رسم خط کی خوب نشرو اشاعت ہوئی۔ پہلے وہی ان کی کوئی رسم خط میں طبع نہ پایا، مگر آج، ان کے، جاگیر نامے، معاہدے، بلاشاہوں، امیروں کے نام لکھے، تہذیبی، مذہبی، تبلیغی خطوط، حکم و محال کے نام فرمیں سب سے پہلے لکھے گئے، رسم کے لئے بھی کتاب کا لفظ استعمال کیا۔ سب سے پہلے سرکاری حیثیت میں عربی رسم خط کا پہلا مدد سنیہ میں بھیج دیا گیا، اس میں نوشت و خواندہ کی تعلیم پر کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا، ہر ایک کو اس فن کی مفت تعلیم دی جاتی تھی، اس سے عربوں میں خصوصاً اذنیہوں میں ہوا عربی رسم خط کی نشرو اشاعت ہوئی، بعد کے جنگی قیدیوں کا قیدیہ دس مہینوں کو کتابت لکھنا مقرر کر کے سرکاری حیثیت سے اس کی ترویج و اشاعت کی اور سنیہ کے بعد مدینہ میں کتابت کے فن کی ایسی اشاعت ہوئی کہ پھر معاہدے کی غالب اکثریت نوشت و خواندہ سے بہرہ ور ہوئی، ان میں کتابتِ قرآن، مراسلہ نگار اور کتابت پیدا ہوئے، خط و کتابت کی ترقی، معاشرتی زندگی میں اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ جو تہذیب و ادبی، شاعری کے ساتھ لکھنا پڑھنا جانتا اسی کو مردِ کامل کہاجاتا تھا اس کے بغیر مرد ناقص سمجھا جاتا تھا،

عدد رات میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث کو لکھا جاتا تھا اکثر کتابت کی وجہ سے کوئی رسم خط سے پہلے مدینہ

۱۵ الحدیث خلاصہ ص ۳۶۵ (حدیث نمبر ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱) تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۰ ص ۱۰۷ (در تعقیب العلم ص ۶۹،

منتخب کثر الرجال، ج ۴ ص ۶۹، الفتح الکبیر فی ضم الیادۃ الی ہما مع الصغیر تالیف یوسف النہبانی، مصر، مصطفیٰ عبدالعزیزی

۱۳۵۱ھ، ج ۲ ص ۳۰۶، ۱۵ سان العرب لابن منظور، ج ۲ ص ۱۹۳ (مادہ کتب) ۱۵ سنن ابی داؤد، ج ۲،

۱۲۹۰، امتداد الخط العربی فی العالم الشرقي والفرنی تالیف عبدالفتاح حبادہ، مصر، مطبعہ مہندیہ ۱۹۱۵ء، ص ۱۲،

۱۵ الفہرست لابن النديم ص ۹ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم خط سریانی رسم خط کے انداز پر ترقی کرتے رہے، چنانچہ سریانی رسم خط میں ایک قسم التعمیر الخف تھی، جسے لکھنا خط مدد کہتے تھے، الفہرست

لابن النديم ص ۱۵

۱۔ کہ میں عربی رسم خط کو فروغ حاصل ہوا، مدنی اور کی خط میں امتیازِ نشان کی وجہ سے مدینہ کا رسم خط مدنی اور
 ۲۔ کا کی رسم خط کسبیا پھر اس کے دائرہ اثر میں وسعت ہوئی اور بصری، کوئی کی نسبت سے بھی مشہور ہوا۔

قرآن مجید کا رسم الخط ان تینوں خطوں سے جدا تھا، اسے ابجزم کہتے تھے، جزم کے معنی کاٹنا ہیں یہ خط
 بری (مدنی) سے ماخوذ ہے (کاٹ کر بنایا گیا) نقطے اور اعراب سے خالی تھا اس نے اس کا نام جزم رکھا تھا
 نا خط میں مصاحف عثمانی لکھے گئے تھے اور عثمانی میں ان کی نقلیں مختلف مرکزی شہروں کو بھی گئی تھیں
 اس سے عربی رسم الخط کو سرکاری حیثیت میں فروغ حاصل ہوا، صحابہ و تابعین نے اسی طرزِ تحریر میں اس کو نقل
 کیا، یہ رسم خط پورے اسلامی قروں میں پھلا پھولا۔

قرآن مجید قرأت، کتابت، تفسیر ہر چیز میں دوسری کتابوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس کے اصول
 ات جدا، اصول کتابت جدا ہیں، یہ مروجہ اصول کتابت کی پابندیوں سے بالاتر ہے، اس کے اصول کتابت
 قرآن میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان ہی وجہ سے ابن درستیہ المتوفی ۷۴۸ھ نے کتاب کتابت میں تصریح
 ہے کہ مصنف کے رسم الخط میں بعض باتیں اصول ہجاء کے سراسر خلاف ہیں اُسے ہر پیمائش کرنا درست نہیں اور نہ
 مکے رسم خط کی مخالفت درست ہے، کیونکہ جو کچھ مصنف میں مسطور ہے اس کو امت نے قبول کیا ہے، قرآنی
 خط کو نہ میں کوئی علماء کا اور بعصر میں بصری علماء کا مرکز توجہ بنا اور انھوں نے اسی رسم خط کی مدوشی میں اصول
 بت وضع کئے تھے،

(باقی)

۱۔ منازل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی، ج ۱، ص ۳۵۶، ۳۵۷ کتاب الکتاب تالیف عبد الرحمن درستیہ تحقیق دیوس
 لکیرت، المطبعة الکاثولیکیہ، ۱۹۲۷ء، ص ۷۷، معراج السعاده و مصباح الیادۃ تالیف احمد طاش کبری زادہ،
 ق کال کال کبری، عبد الوہاب بن النور، القاہرہ، دار الکتب الحدیث، ۱۹۶۸ء، ج ۱، ص ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱

اشعار و قصائد کی دینی حیثیت

از

مولانا عبد الرؤف رحمانی جھٹ ڈانگری

(۳)

مولانا ثناء اللہ^{۲۷} | مولانا ثناء اللہ صاحبِ مہترسری کو شعر و شاعری کا بہت اچھا ذوق تھا، آپ اپنی تصنیفات و مضامین
شعری و ادبیات میں موقع و محل کے لحاظ سے سہولت و غائب مالی و دیوبند جیسے شہر اور کلاں و کھٹک استعمال کرتے
اس موقع پر صرف ایک مثال پر گفتگو کیا جاتا ہے۔

ایک شعر لطیف | ادبی میں مولانا مہترسری کا ایک مشہور آئیہ سے مباحثہ ہو رہا تھا، اس نے کہا کہ شیطان وغیرہ کا
سارا قصہ فضول ہے، اگر شیطان ہو تو بتائیے کہ اس کی صورت کیسی تھی؟ حضرت مولانا مہترسری مرحوم نے اس کے جواب
میں بس ایک شعر پڑھا جس سے جلد کانگ بدل گیا اور فتح و کامیابی سے پہنچا رہے، معترض آئیہ کو مخاطب
کیا اور یہ شعر پڑھ کر اسے سنایا:

راتِ شیطاں کو خواب میں دیکھا ساری صورتِ جناب کی سی تھی

یہی مولانا نے شیطان کا طبع بیان فرمادیا، اور اس سہولت کا ترکی بہ ترکی جواب بھی ہو گیا، مگر یہی معنوی
نثر میں پیش ہوتا تو اس لطافت سے خالی ہوتا، قادیانی، مولانا مہترسری مرحوم کی موت کے استعار میں بے چین ہو کر
جب کچھ کہتے تو مولانا غائب کا یہ شعر پیش کر دیتے:

ناداں ہیں جو کہتے ہیں کیوں جیتا ہوا^{۲۸} قسمت میں ہر اعداء کا جلا آگ کوئی دن آؤ

ایک بار مولانا مہترسری مرحوم بنارس تشریف لائے، سارے شہر میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا اس زمانہ میں
بنارس تعلیم حاصل کر رہے تھے، ہم بھی جلسہ میں شریک تھے، بنارس کے گاؤں میں حضرت مولانا صاحب
تفسیر کر رہے تھے کہ کوئی مناظرہ کی بات آئی، ایک آریہ مناظرہ

کہ اگر ہم طلبہ اسی سے کیا مناظرہ کریں، تو مولانا نے برجستہ شیخ سعدی کا یہ شعر چڑھا،
 بنائے بہار دیدگان کا رکنی کہ صید الاحیوت گر گر کہن
 (دوستوں)

یعنی بڑے بڑے آدمی تجربہ کار ہوتا ہے، جس طرح پرانا بھیڑیا شکاریں اہر ہوتا ہے،
 حضرت مولانا علی میاں صاحب | اس بیسویں صدی میں علم و فضل میں ممتاز، تقریر و تحریر کے
 شریک و اقییت | غمخوار، عرب و عجم کے خطیب شہیر، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء
 لکھنؤ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی، اردو، عربی، فارسی، اشعار کے معائن
 و معرزن ہیں، بے شمار اشعار آپ کو حفظ ہیں، اعداد اپنی مولفقات و مصنفات میں اور اپنے خطبات
 و تقریریں بر محل اور موزوں اشعار کو اس طرح فٹ کرتے ہیں کہ پورے مضمون کی ایک شعری
 ترجمانی ہو جاتی ہے، دو تین واقعات لائحہ ہوں،

(۱) ایک زمانہ میں ندوۃ العلماء کے طلبہ نے کچھ شورش پسندوں کی تحریک پر اسٹراٹیک
 کی دوا السلوم کے ستم کا گھراؤ کیا، کچھ باغیانہ مطالبات رکھے، مولانا علی میاں نے مسئلہ کی
 میننگ میں صورت حال کا مکمل نقشہ رکھا، اور حسب دستور اپنے خیالات کو ایک مقالہ کی شکل
 میں پیش فرمایا، اس مقالہ کے آخری صفحات میں طلبہ کی اصلاح حال کے جذبہ کے تحت چند بندوں
 اور قیود پر اسباب انتظام کو سختی سے کاربند رہنے کی ہدایت دیتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کے منہ
 ذیل شعر پر اپنے مقالہ کو ختم فرمایا تھا:

حفاظت بھول کی ممکن نہیں ہے اگر کانٹوں میں ہونے جی رہی
 دیکھئے یہ شعر کس قدر بر محل ہے، مولانا کے فوق لطیف و استحضار اشعار کی جس قدر
 بھی داد دیجئے کم ہے،

۱۲، مددۃ العباد کا پچاس سالہ تعلیمی مشن اڑیسہ اکتوبر تا سہ روز بروز ۱۹۶۷ء کو منعقد کیا گیا، اس میں حضرت مولانا نے خطبہ استقبالیہ پڑھا تھا۔ اس میں ایک موقع پر لکھا تھا کہ ہم کو اپنے مقاصد و نیریں، ہم اسلام کے معاملہ میں کسی قسم کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ہم اپنی طرح سمجھتے ہیں کہ اسی اصول پر عمل پیرا ہونے کے سبب بہت سے ان منافع و مواتع ہے آنکھیں بند کرنا پڑیں گی، جو ہوا کے منہ پر چلتے والے فتنوں اور فرقوں کو حاصل ہوتے ہیں لیکن ہمارا یقین ہے کہ ہمارا خدا اگر ہم سے راضی ہے اور ہم خلوص و صبر کے ساتھ اپنی حق پسندی پر قائم ہیں، تو ہم ایسے کوئی تنگی اور ہماری قسمت میں کوئی عروسی نہ ہوگی، کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ساری کائنات ارادہ الہی کے تابع ہے، اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، اس لیے ہم کو ذرا بھی پریشانی نہیں ہے۔ یہ سب کلمہ کر ایک شعر کہتے ہیں، جس میں پورے مضمون کو سمودیا گیا ہے،

گدہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پنچا
نگاہ یار سلامت ہزارے خانے

اب خدا دیکھیے کہ مولانا نے کس قدر عمل و موزوں شعر آخر میں لکھ دیا، جو انگٹری میں نیچینے کی طرح جڑا ہوا ہے، اور سارے مضمون کا ترجمان ہے، غلط دڑو،

۱۳، ایک موقع پر مولانا نے شکوہ کیا کہ مولانا علی میاں نے ہو گئے سے عرض حال کر کے اپنا مطلب نکال لیا، اور ندوہ کے لیے زمین حاصل کر لی، لیکن علی گڑھ پر کیا کیا ستم تو اب جلد ہے، اس جارحیت کے لیے ان کے دل میں ذرا بھی ٹیس نہیں اٹھتی، یہ شکوہ کرنے والے ایک مسلمان ملت مالی و دماغ ایک مشہور و معروف وکیل صاحب ہیں، جو جامعہ دہلی دینی کونسل کے مشترک کاموں کے سبب مولانا کے مخلصین و محبتیں میں شمار کیے جاتے ہیں، جب یہ شکوہ ان کی جانب سے ہوا کہ مولانا تک پہنچا تو حضرت مولانا نے برعمل یہ شعر پڑھا،

ان کا معتز لقی فی الحب عندک
ما قد لقیقت فقد فیعت ایامی

مگر میری محبت کا مقام آپ کے نزدیک یہ ہے جس سے میں دو چار ہوا ہوں، تو میں نے اپنی عزت کو آپ کے ساتھ رکھنا چاہ کر دیا،

کس قدر بے عمل و برجستہ شعریہ، نکتہ چین دوست کی آنکھیں کھل سکتی ہیں، مولانا کی تحریر پر ہمیشہ بے عمل اشعار اس قدر آتے ہیں کہ ان کا اعلیٰ شکل ہے،

موجودہ دور کے شعراء	منکد ملت ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم لسان المعصر حضرت اکبر الہ آبادی کے اشعار
میرے لیے تو غذائے روح کا درجہ رکھتے ہیں، چند نمونے لکھ رہا ہوں، ہندوستان	

کی، موجودہ صورت حال پر مگر مراد آبادی فرماتے ہیں،

اس فسخ و ضرر کی دنیا میں یہ لیا و دیا ہو
خود پناہیں تسلیم مگر امدادوں کا دیاں تسلیم نہیں
ادب و ستم کی خدمت میں اتنی ہی گذشتہ ہیرا
دنیا سے قیامت قدر سی دنیا کی قیامت قدر نہیں

حضرت اکبر الہ آبادی انگریزی عہد کے حالات پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں،

اور بھی دور فلک میں ابھی آنے والے
ناز اتمانہ کراے ہم کو مٹانے والے

قدم شوق ڈبے انکی طرف کیا اے اکبر
دل سے ملتے ہی نہیں یہ ہاتھ مٹا نیوٹے

مسلمان دوسری قوموں سے صلح و محبت کا عہد و پیمان کر سکتے ہیں، مگر اپنی مستقل ہستی

کو فنا نہیں کر سکتے، اکبر الہ آبادی اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں:

کامیابی خارج اذلت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گستاخی بھلی

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہیں یہ و نامی بھلی

مشینی ایجادات و ترقیات سے مرعوب و مدوہ نندہ حضرات پر اکبر مرحوم نے جا بجا تنقید کی ہے، مثلاً بھی نقل کیے جائیں، تو کافی صفات خرچ ہو جائیں، سر دست دو تین اشعار ملاحظہ

ہوں، لکھتے ہیں:

پر چڑھے تو ایسا کہم ہی ہم میں غدا صبح
ایرشہ کہے تو ایسا لاش ملک کا پتہ نہیں
ایک جگہ لکھتے ہیں:

سائنس کے ان دیوتاؤں سے کبھی پوچھو
یہ مشت خاک کیونکہ جان کے سانچے میں مدھن پھر
ایک جگہ لکھتے ہیں:

سائنس سے زیادہ ہی مذہب کی جڑ بڑی
توپوں کی مار سے بھی خدا کی پگڑ بڑی
ان کے نظریات و فلسفہ اشعار بھی کثیر اور بے حد لطیف ہیں:

کہا آدم نے آدمی ہوں میں
ڈاؤن بولا ہونہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے میرے ایک دوست
نکدہ ہر کس بقدر ہمت ادست

ذرا حرم حمید صدیقی نے حرم غریبین کے متعلق تمام پاک جذبات و لطیف احساسات
نظر انداز کیا ہے، وہ دفتر کے دفتر ہیں، اور سب کے سب کا رآمد قابلِ قدر ہیں، ڈو
لاحظہ ہوں:

قابلِ نظارہ ہے کعبہ کے پردہ کی بار
ہر طرف سے جھوٹی کالی گٹھائے لگی
بھینی بھینی پھر شمیم جان فرا آنے لگا
ٹھنڈی ٹھنڈی پھر دینے کی ہوائے لگی
ایک موقع پر نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

رہی کے جلوؤں کی وہ بادشہیم کیا کیے
وہ صبح کا منظر کیا کیے وہ شام کا عالم کیا کیے
بنتِ روح و خطہ نظر وہ سوز و گداز طلبہ جگر
کیا کیے گا آرام گہ سرکار و عالم کیا کیے

مراقبال کے حکیم ملت کے تمام اشعار گراں قیمت ہیں، ان میں انتخاب کا کوئی
یگانہ اشعار سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چیت اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں، وہ

ان حکیم کے متعلق لکھتے ہیں:

دشنام مابعدوں اور سورا
دوقی دانی کہ سود قسرات تو
دوقی بالخوان اہل تکریم
دوگرگوں کردقتیر عمر
خدا کی توحیدنی العبادت سے متعلق لکھتے ہیں،

یہ ایک سجدہ جسے نوگراں سمجھتے ہیں
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسودہ حسنہ اختیار کرنے سے متعلق لکھتے ہیں:

درجہاں ذی چوں رسول انس جا
تاچوں او باشی قبول انس دجا
دین و دنیا کے تعلق پر ایک جگہ انبیاہ کہتے ہیں:

یہ ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو مت
دین اسلام کی ہمہ گیری اور وحدت ملی پر لکھتے ہیں،

دل بہ محبوب مجازی بستہ ایم
ہست دین مصطفیٰ دین حیات
زیں جہت بایکہ گریہ بستہ ایم
شرع اور تفسیر آئین حیات
تقدیر اور تمسیل احکام الہیہ کی گتھی کو اس طرح سلجھاتے ہیں،

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
تقدیر کے پابندیات و جمادات
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرمند
مومن فقط احکام الہی کہ پابند
دین سے بیگاہ کرنے والی تعلیم و تہذیب کے متعلق لکھتے ہیں:

ہم نے سمجھا تھا کہ لائے گی فروخت تعلیم
اس سے بھی واضح طور پر ایک جگہ لکھتے ہیں،

ہاں مکتب بایں دانش چہ نازی
کناق در گفت نامہ دہاں زرق برود
ملت اسلام کے مدد میں لکھتے ہیں:

ہے خاکِ فطین پہ پیو دی کا اگر حق
ہیسا نیہ پر کہیں نہیں حق اہل عرب کا
جمہوریت کے موجودہ دو ٹنگ سسٹم
کے اندر یہ کار پر لگتے ہیں:
گریز انظر جمہوری غلامِ بختہ کا رشتہ
کہ از مغرود صدر فکر انسانی نئی آید
ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گناہ کتے ہیں تو لائیں کرتے
نظام برتے کٹر دل سے متعلق لکھتے ہیں:

دیدہ بے غم زحمت سیم دوز
مادان را با بدوق آید پسر
وائے بر قوے کہ از بیم شمر
می برد غم را ز اندام شجر
سراپہ دارانہ تمدن سے متعلق لکھتے ہیں:

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یا رہا ہے
قیامت ہے کہ انسان نوعِ انسان کا شکار ہے
بیر کی فسوں کا رسی سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سراپہ داری ہے
سینا کی مہر پر لکھتے ہیں:

سینہ ہے یا صنعتِ آزری ہے
وہی بت فروشی وہی بت گری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ ہمہ کن کا
یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
خدا، دوسیتی کہ فزونِ طیفہ غلامان کا لقب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

نغمہ او خالی از تار حیات
ہچوں سیلِ اقد بدیوار حیات
انے او آشکارا راز او
مرگ یک شہر راست اندر ساز او
تاوان و زاری ساز او
از جہاں بے زاری ساز او
الحمد راں نغمہ موت است پس
نیستی و رکسوت صوت است پس

اشعار کے قدیمہ | اشعار خواہ سونے کے ہوں یا فارسی کے، ہندی کے ہوں یا اردو
اصلاح اطلاق اعمال | کسی زبان میں شعر گوئی کی جائے ان اشعار سے ملک و ملت کا

ادبی، روحانی، اخلاقی خدمت ہی مد نظر ہونی چاہیے، قابلِ قہ اشعار وہی ہیں جن میں
اخلاق و اعمال اور عزم و عمل کے لیے انقلاب آمیز دعوت و تحریک پوشیدہ ہو، حکیم مد
اقبال اپنے شعروں کے اندر سوز و شعلہ انگیزی کو جس قدر ضروری سمجھتے ہیں، اسکا اندازہ ان
چند اشعار سے ناظرین کو ہو سکیگا، لکھتے ہیں:

شاعر کا نوا ہو کہ معنی کا نفس ہو | جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں تو میں | جو فریب طبعی نہیں سکتا وہ ہنر کیا
اگر اشعار میں گرمی و تیزی نہ ہو | وہ اشعار کو بیدار و ہوشیا
کر سکتے ہوں تو وہ شعر کی فرست سے خارج کر دینے کے قابل ہیں وہ لکھتے ہیں:

نہ ہو جمالِ تو حسن و جمال بے تاثیر | نہ افس ہو اگر نغمہ نہ ہو آتشناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ آگ | کہ جس کا شعلہ نہ ہو تندر کش دے باک
وہ شعر کی تیزی و شعلہ ریزی سے متعلق لکھتے ہیں:

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر | کہ نہ میر بھی کبھی کرتا ہی کارِ تریاتی
عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطان سے | وہ شعر جس میں ہو کبھی کا سوزِ بڑا تریاتی
ایک جگہ شعر کے داعیانہ پہلو سے متعلق لکھتے ہیں:

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہو | یا نغمہ جبریل ہو یا بانگِ اسرافیل
واقعی اگر شعروں کی آتشِ امتحانی کے ذریعہ قلب کے گداز اور جگر کے سوز کو صدقہ
کے جوہر کے ساتھ عیاں کر دیا جائے، تو ایسے اشعار دلوں میں آگ لگا کر ان کے غلط جذبات

یالات کو خاکستر بنا کر دل کو مٹی و مٹکا کر کے ہم آہنگ عزم و عمل بنا چکے ہیں، بلاشبہ ایسے شعراء کی قیمت ہمیشہ کا طرح آج بھی ہے، اہمیت اسلام کو ایسے پاکیزہ بیان شاعروں کی ضرورت آج بھی ہمیشہ سے زیادہ ہے، اقبال مرحوم کیا خوب لکھتے ہیں:

شعرا بمقصود گر آدم گری است شاعری ہم وارث پیغمبری است

اصغر گوڑوی مرحوم شعروں کے خواص و تاثیرات سے متعلق لکھتے ہیں:

اصغر غزل میں چاہیے وہ موج زندگی جو حسن ہے بتوں میں جو سستی شرب میں

حالی بھی اپنی شاعری کے اثرات کے متعلق لکھتے ہیں:

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار شب انجمن میں حالی جادو بیاں نہ تھا

انہیں بھی اصناف شاعری پر اپنے عبور و دسترس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سبک ہو چلی مٹی ترازوئے شعر محو میں نے پلہ گر اں کر دیا

شاد عظیم آبادی اپنے شاعرانہ کمال پر لکھتے ہیں:

شعر کہتے ہیں کہ بزم میں کھل جائیگا شاد آیا نہ کہو حافظ شیرازی

اکبر الہ آبادی مرحوم لکھتے ہیں:

شعریوں کے انہیں مطلق نہیں آئے پسند حضرت اکبر کو بلا آخر طلب کرنا پڑا

بہر حال عرض مدعا یہ ہے کہ ایسے اشعار جن میں زندگی کا پیغام و اعیانہ انداز میں پیش

کیا گیا ہو، اور جس میں گداز جگر اور نورانیت طلب کا سامان بالقصد ہم کیا گیا ہو، اور جن کے ذریعہ

دلوں اور اراموں میں تحریک اور عمل انقلاب کی شعلہ شمشاد اور سوزش پیدا کرنے کا نظم و انتظام

ہو، اور ہمت و عزم کی جولانیاں اور طوفان خیزیاں اس کا ایک نمایاں عنصر ہو، ایسے پاکیزہ

و حکیمانہ اشعار اور ایسے محسن اسلام و شعرائے کرام کی آج بھی ضرورت ہے، اقبال مرحوم بھی

وہی شعر نوائی کا شمار اس طرح فرماتے ہیں،

بغیرم آں چنان کن کنز شعرا ہے
دلِ خاکیاں فرزندِ دلِ نوبیاں گندم

(زبورِ عجم)

بے شک ایسے اشعار جو مدائنِ نیک و دگیر ہوں، ہر ذی شعور و صاحبِ احساس انسان کو پیارے ہوں گے، ہزاروں باذوق حضرات ڈاکٹر اقبال کے اشعار کے قدرواں اور اس کی زلفِ قدس کے حلقہ ہائے پیچان کے آج تک اسیر ہیں، وہ شعروں کے متعلق جو دیکھتے ہیں،

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹٹے ہوئے دل کے یہ مدد گیر ہائے ہیں

اقبال مرحوم نے زبورِ عجم میں اچھے اشعار کی نمایاں کے متعلق ایک سچی بات لکھ دی ہے،
ہمتِ اشعر، حکمتِ کے مصداقات آج عالم میں بہت کم پاؤ گے، یعنی شعرا تو آج بھی ہیں، مگر دانے راز نہیں ملیں گے، سیکدے تو نظر آئیں گے، مگر ان کے جام دے میں جھاری خوش
اور اسلامی رنگ و بون نہ ہوگی، چنانچہ کہتے ہیں:

دردِ دین گیر کہ درمیکہ پایہ انیت
پیر مردے کہ سئے تندو جانے دارو

اصل | اسلامی و اخلاقی اشعار، علمی و ادبی منظومات و غزلیات جن سے کسی درجہ میں دین، علم زبانِ نوب کی خدمت ہو رہی ہو، انکے استفادہ اور ان کا ذوق ہر زمانہ کے اہل علم کو رہا ہے، اور آج مزاجِ شرع کو ایسے لطیف اشعار کے ذوق سے کوئی انکار و تنازع نہیں ہے، خدہ ملصقا و دج ماکد کے مولیٰ پر شعرِ مرثیہ، ادب اور زبان کی واقفیت و مہارت دینی و تبلیغی مقاصد کے پیش نظر میرے نزدیک ایک صحیح دینی تعاضل کا خانہ پر ہے، اور ایک درجہ میں اسلامی خدمت ہے،

ان تمام معروفات و تفصیلات کے بعد بھی اسٹا و غطایں اگر نہ سب تو حق اشعار پر سب کو محبوب سمجھا جا تو صاف
اعلیٰ مذاق کے رکھنے والے بزرگ کی وجہ کو مقالہ شعر پر ہر ذکر کے خصلت ہو جاوے، سب سے سب اقبالؒ کی خوب لکھا،
کس اور جن کیس شناساں نگاشت بزمِ گیتم
تو ہی سپام اور کہ جہاں نظر ندارد

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر

ایک نظر

از سید صیاح الدین عبد الرحمن
یہ مقالہ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ سالگرہ کے عین کے موقع پر

چھاپا گیا تھا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں صدیوں رہیں، سندھ میں عربوں اور
اور دوسرے مسلمان خاندانوں نے چھ سو برس تک حکومت کی، غزنوی شمالی ہند کے ایک بڑے
حصہ پر تقریباً ڈیڑھ سو برس تک قابض رہے، ان کو غوریوں نے ختم کیا تو چھ سلاطین دہلی کی حکومت
۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک رہی، اس کے بعد مغلوں کا اقتدار ۱۵۵۶ء تک قائم رہا وقتاً
وقتاً مالوہ، گجرات، جنپور، خاندیش، دولت آباد، برار، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، بیدراہ
بنگال میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں، انھوں نے جہاں ان علاقوں میں سیاسی و زرعی، صنعتی
معاشی اور تمدنی فروغ کے لئے ہر قسم کی کوششیں کیں، وہاں تعلیم کی ترویج کے لیے بڑے بڑے
مدارس بھی قائم کئے، جدید عالموں اور مدرسوں کو بلا کر درس و تدریس کا پورا انتظام کیا، ہندوستان
کے مختلف گوشوں میں جو اہم مدارس قائم ہوئے، ان کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں، مگر

صوت دہلی میں جو شاندار اساتذہ قائم کئے گئے تھے، ان کی تھوڑی سی جھلکیاں اس جہان میں دکھائی
 اجازت ملے خواہاں ہوں۔ پہلے غلامیوں کے بعد کاذو سماعت فرماؤ، مولانا ضیاء الدین، مولانا فیروز گیلانی
 و قمر علی گھونڈا، ان میں سے جیسے غلام بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، اصفہان
 رہے اور روم میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں کہیں بھی نہ تھے، وہ منقولات، معقولات، تفسیر فقہ
 اصول فقہ، معقولات، اصول دین، نحو، لغت، معانی، بدیع، بیان، کلام، منطق اور ہر قسم کے
 علوم میں موٹگافیاں کرتے تھے، ہر سال بہت سے طلبہ ان سے درس لے کر درس دینے اور
 فقہ کے جوابات دینے کے مستحق ہو جاتے تھے، ان میں سے بعض تو علوم و فنون میں کمال حاصل کر کے
 غزالی اور رازی کے مرتبے پہنچ گئے تھے، مولانا ضیاء الدین برنی نے ان میں سے
 بہت سے علماء اور اساتذہ کے نام لکھ کر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایک
 علمی کمالات رکھتے جائیں، تو عظیمہ عظیمہ ایک کتاب ہو جائے، وہ یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ان میں
 سے ہر ایک اپنے علم کا امام ابو یوسف قاضی اور امام محمد شیبانی تھا، وہ برابر درس دیتے رہتے تھے۔
 کوئی مفتی یا مدرس اپنی استاد کی سزا دکھاتا ہوا خراسان، ماوراء النہر، خوارزم، یا کسی اور
 شہر سے دہلی میں آجاتا اور یہاں کے ان اساتذہ کے کمالات دیکھتا تو ان کے سامنے
 زانو سے ادب تہہ کرتا، اور اپنے علم کی کمی کو پورا کرتا، اگر ان اساتذہ کی زندگی میں کوئی
 نئی تصنیف بخارا، سمرقند، خوارزم یا عراق سے اس شہر میں لاتا، اور یہاں کے اساتذہ اس کی
 تعریف کر دیتے تو وہ معتبر سمجھی جاتی اور نوبے کا رخیال کی جاتی۔ زنا ریخ فیروز شاہی ۵۵-۵۴ھ
 اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اس وقت دہلی میں بڑے بڑے مدارس تھے جن کے ہم تو مولانا
 ضیاء الدین برنی نے نہیں لکھے ہیں مگر انہوں میں مسجد قوت الاسلام، مقبرہ علانی، اور حوض خاص کے
 مدرسوں کا ذکر آتا ہے، ظاہر ہے کہ غلامیوں کے عہد میں ان مدرسوں ہی میں دینی تعلیم ہوتی رہی ہوگی

شیخ الاسلام بنی فیروز شاہ قنق کے ہمد کے مدرسہ فیروز شاہی کا ذکر کیا ہے جس کی خوبیاں
رنے میں ان کاظم جے قابو ہو گیا ہے، نہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، پچھلے س کی جائے وقوع اور
ن کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

”مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت عرض ملائی کے کنارے تعمیر کی گئی ہے، اپنے گنبدوں
کی بلندی، تعمیرات کی خوبی، معنوں کے مناسب نشست گاہوں کی لطافت، اپنے روزانہ
استعمال کے کمروں اور ستونوں کی دل آویز قطاروں کی وجہ سے دنیا کی مشہور عمارتوں
سے بھی سبقت لے گئی ہے۔“

اس عمارت کو دیکھ کر اس زمانے کے لوگوں اور مسافروں پر جو اثر پڑتا تھا، اس کی مرتبہ
نا کرنے میں ضیاء الدین برنی کاظم قص کہنے لگا ہے۔

”یہ عمارت ایسی عجیب و غریب ہے کہ یہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے
والے مسافروں میں جو بھی یہاں پہنچ جاتا ہے، وہ تصور کرتا ہے کہ وہ بہشت مد
میں آگیا ہے، یا فردوس میں جگہ پا گیا ہے، یہاں داخل ہوتے ہی اس کا حزن و ملال
جاتا رہتا ہے، اس کو دیکھ کر منہم دل کھل جاتے ہیں، اس کے روح افزا نظارہ ہی
خستہ روجوں میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، اور لوگ اپنے پرانے غم کو
بھول جاتے ہیں، اس عمارت کو دیکھ کر اس کے ایسے شیعہ اور ولدادہ ہو جاتے
ہیں کہ ان کو اپنے گھروں کی یاد نہیں آتی، وہ اپنے کام کو بھول جاتے ہیں، اور
اس مدرسہ سے باہر آسمان کے لیے ممکن نہیں ہوتا ہے۔“

مولانا ضیاء الدین برنی کا یہ بھی بیان ہے کہ لوگ اس مدرسہ کے ایسے دلدادہ ہو گئے تھے،
اپنی پرانی رہائش گاہوں کو چھوڑ کر اس کے ارد گرد آباد ہونے لگے تھے، اور روزانہ دس ہندہ

ہے اندر اگر سیر کرتے تو بھی اس کی نشانی نہیں ہوتی، اس کو دیکھ کر کہیں کہیں ہمارے دل سے
 لے، ان کو اس طرح قلم سے ابھنے کے لئے ہیں۔

باہر کے مسافروں کی ہوا کی خوبی کی وجہ سے اسی جگہ قیام پذیر ہوئے ہیں اور
 اپنے سفر کے مقصد اور ضرورت کو بھول گئے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بقیہ
 عمر یہیں گزرے، اطراف عالم سے جو بھی یہاں آتا ہے، اس کی عجیب و غریب عمارت
 اور یہاں کی لطیف ہوا سے متاثر ہوتا ہے، اور شدید قفسیں کھا کر کہتا ہے کہ اس نے
 دنیا کے بہت سے حصوں کا سفر کیا ہے، اور بہت سے فہم و دیکھ میں لیکن مدرسہ
 فیروز شاہی جیسی خوبصورت عمارت اور اس کی جیسی روح افزا ہوا کہیں نہیں
 پائی، یہ اپنی خوبی اور مناسبت کے لحاظ سے ایسی نادر ہے کہ خورق بنے بابل
 میں جو عمارت بنائی یا کسریٰ نے جو محل بنوایا، ان پر اپنی بڑی کا دعویٰ کرے
 تو جائز ہوگا۔“

پھر مدرسہ کی منووی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے، مولانا ضیاء الدین بنی رقمطراز ہیں کہ یہ خیرات
 سنات کا منبع ہے، اس میں لازمی و مستعدی دونوں قسم کی عبادتوں کی جاتی ہیں، پانچوں وقت
 لی نماز باجماعت ادا ہوتی ہے، ان کے علاوہ صوفیہ، چاشت، اشراق، زوال، آدابین اور
 ہجرت کی نمازیں پڑھتے رہتے ہیں، اور شب و روز یہیں اپنا وقت گزارنا پسند کرتے ہیں یہیں نہایت
 قابل استاد مولانا جلال الدین رومی دینی علوم کا درس دیتے رہتے ہیں، تفسیر، حدیث اور فقہ کی بھی
 بیحد تہہ، حفا فائز قرآن کرنے میں مصروف رہتے ہیں، موزن جب اذان دیتے ہیں تو
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آواز آسمان تک پہنچ رہی ہے، طلبہ کے لیے وظائف اور
 انعامات مقرر ہیں، ان کے دسترخوان نعمتوں سے بھرے رہتے ہیں، یہاں جو بھی ہوتا ہے۔

ہا ہے عبادت کرنے والے جوں باطلہ باطلہ، اصل پاؤں اگر یا بابر کا گریباں مقیم ہوں سب کی راحت اور آسائش کا سامان کیا جاتا ہے، یہ سب کچھ کہہ کر مولانا فیاض الدین بنی، ایک بابائے عمارت کی تعریف یہ لکھ کر کرتے ہیں کہ شداد دین داد نے باغ اور تم تعمیر کیا تھا، لیکن اس مخوس عمارت سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچا، سو اس مدرسہ کی عمارت کو اس سے بڑی حاصل ہے، یہ عالموں صالحوں اور عابدوں کی معدن و منبع بنی ہوئی ہے، دہلی میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں ان میں بے حساب روپے خرچ کیے گئے لیکن اب وہ دیوڑوں اور پروں کا مسکن بنی ہوئی ہیں، اس کے مقابلہ میں مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت میں جو خوبصورتی، فرحت اور راحت موجود ہے، وہ کسی اور میں نہیں (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۵۶۵ - ۵۶۶)

فیروز شاہ نے ایک دوسرا مدرسہ بالابندیری میں قائم کیا تھا، جس کی عالی شان اور خوبصورت عمارت مدرسہ فیروز شاہی ہی کی طرح تھی، یہ مدرسہ قصر معلوم ہوتا تھا، اس میں بہت سے باغ اور بہرہ زار نظر آتے، اس کے نگراں اور مدرس مولانا سید الائمہ العلما نعم الملک والدین سمرقندی تھے، ان کے لئے گاؤں، وظیفہ اور انعام مقرر تھے۔ بہت سے طلبہ گوان اور خوراک وظیفے کے طور پر دی جاتی تھی، جو روزانہ دینی علوم کے درس لیتے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۶۶ - ۵۶۵) فیروز شاہ نے اپنے لڑکے شہزادہ فتح خان کے مقبرہ کے ساتھ ہی ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جس کے اخراجات حکومت کی طرف سے برداشت کئے جاتے ان کے علاوہ اس مدرسہ میں ۳۰ اور مدرسے قائم کئے گئے۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۵۱)

ہمایوں نے دہلی میں جو مدرسہ قائم کیا تھا، اس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے، پھر ہمایوں کے مقبرہ کے اوپر بھی ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ مقبرہ کے پہلو کے چھوٹے چھوٹے کمروں میں طلبہ رہا کرتے تھے، عمارت اکبری میں اکبری مرفعہ، ماہم بیگم نے پرانے قلعہ کے مغربی دروازہ کے

ساتھ ایک مسجد بنوائی، جس کا نام غیاث الدین خاں شیعہ جوہری مدرسہ دہلی نے دہلی کے جس مدرسہ میں تعلیم پائی، اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، دہلی کی شاہجہانی مسجد کے جنوبی رخ پر بھی ایک شاہی مدرسہ تھا جس کا نام دارالبقا تھا، شاہ عبدالرحیم نے دہلی میں جو مدرسہ قائم کیا، اس میں شاہ دلی آقا، تاجی شاہ، اللہ مانی تاجی، شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ انیس شہید شاہ اسحق اور شاہ عبدالقادر جیسے جید اور نادرہ روزگار علمائے تعلیم پائی، اور باری باری اسکے مسند درس و تدریس پر متمکن ہوئے۔

بہادر شاہ اول کے عہد میں غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اجیری دروازہ کے پاس ایک مدرسہ قائم کیا، لکھنؤ کے نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے دیئے تھے، محمد شاہ کے عہد میں نواب ثناء اللہ اور اوت خان نے بھی ۱۱۳۵ھ میں یہاں ایک مدرسہ قائم کیا، فیروز کھو ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، شائع کردہ دارالاصنافین اعظم گڑھ صفحہ ۲۰-۲۱،

افسوس ہے کہ دہلی کے ان تاریخی مدارس کے نام و نشان تک مٹ گئے ہیں، محکمہ آثار قدیمہ کے ماہروں کو ان کے کھنڈرات بھی کہیں مشکل ہی سے ملیں گے،

جس مدرسہ سے تاجی ابو یوسف اور امام شیبانی کے پایہ کے بزرگ پیدا ہوئے یا جس مدرسہ کی عمارت باغ ارم اور ہضہ کسری سے بڑھتی، یا جس مدرسہ سے تعلیم پاکر شیخ عبدالحق دہلوی جیسے محدث نے ہندوستان میں حدیث کی قدیم روشن کی جس مدرسہ میں شاہ دلی اللہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل نے تعلیم پاکر دینی علوم کا سنا لکھا، یا وہاں تخریروں کی نگہداشت میں ہندوستان کے اسلامی ماحول کو معطر معطر کیا، ان کو توانگی ملت سینوں سے لگائے رکھتی، مگر ان کے نام و نشان مٹ گئے، آخر کیوں؟

صوفیائے کرام کے مقبروں اور خانقاہوں کی عمارتیں جب سے تعمیر ہوئیں، اب تک قائم ہیں، حالانکہ ایک بڑے طبقہ کا یہ الزام ہے، کہ ان ہی سے بدعتیں پھیلیں، مگر جن مردوں سے توحید، رسالت، ارکان اربعہ اور ایمان کے سرچشمے بہتے رہے، وہ کیوں ختم ہو گئے؟ ہمارے پاس اس وقت کوئی ایسا مدرسہ نہیں جس کی تاریخ صدیوں کی ہو، یہ عجیب المیہ ہے، کہ جب مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت اور حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی، تو انتہائی بے سروسامانی اور حکومت کی سرپرستی کے بغیر جو مدرسے قائم ہوئے، ان کے تو صد سالہ جشن و حور و دام کے ساتھ منائے جا رہے ہیں، مگر جب حکومت کی سرپرستی حاصل رہی اور مدرسوں کے لیے بہشت کے نوغے کی عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کے لیے جاگیریں بھی وقف ہوئیں، ان کے اساتذہ خاطر خواہ تنخواہیں بھی پاتے رہے، اور ان کے طلبہ کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا بہتر سے بہتر انتظام تھا، وہ آج نقش و نگار طاق نیاں ہو گئے ہیں، یورپ کی بعض تعلیم گاہوں کی تاریخ صدیوں سے چلی آ رہی ہے، مگر ہمارے پاس ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں جس کی بقا کی مبادی صدیوں تک رہی ہو، آخر کیوں؟

اس کا جواب اگر جذباتی اور تادیبی انداز میں دیا گیا تو وہ اطمینان بخش نہیں ہوگا، بلکہ اس کا جواب مورخانہ اور مبصرانہ انداز میں ڈھونڈنا پڑے گا، اس سلسلہ میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں، اس زمانے کے علما میں قاضی ابویوسف اور امام شیبانی تو پیدا ہوئے، وہ محدثین نقباء، اور مفتی بن کر عالم اسلام میں نمایاں رہے، مگر آخر وہ مدرسہ فیہ در شاہی جیسے شاندار مدرسہ کو کیوں باقی نہیں رکھ سکے؟ پاشاہ عبدالرحیم کی قائم کردہ دو گاہوں کی تاریخ کولمبی کیوں نہ بنا سکے؟ کیا اس لیے کہ ان میں حرارت ایمانی تو ضرور رہی، مگر وہ اپنے کو فعال دنیا کے وہ دعوت تو دیتے، مگر ان میں عزیمت نہیں رہی، وہ محراب و منبر کی زینت تو بنے رہے، مگر

ان میں تعلیمی اور تعمیری صلاحیتیں پیدا نہیں ہوئیں، وہ درس و تدریس دینے میں توانا و درہ روز گاہی، لیکن وہ حکومت یا کامیاب شخص ہیں طرح اٹھاندا نہیں ہو سکتے کہ وہ ان مدرسوں کو قائم رکھتے، اپنے عقائد میں بڑے راسخ اور پاکیزہ تو رہے، مگر دوسروں کے عقائد سے متاثر ان کو ایسا اختلاف رہا کہ ان میں وہ باہمی لگاؤ نہ ہو سکتا تھا۔ جو اپنے تعلیمی اداروں کو ایک باضابطہ تنظیم کے ساتھ موتیوں کی لڑیوں اور تسبیح کے دانوں کی طرح اس طرح طائے رکھتے کہ ایک دوسرے کو بڑی تقویت پہنچتی رہتی اور جو درجے قائم ہوتے وہ ایسے چلتے رہتے کہ آج ان کا صد سالہ کیا بلکہ ہفت صد سالہ جشن منایا جاتا۔

مورخانہ تجزیہ کیا جائے تو ان مدرسوں میں جو تعلیم ہوتی رہی، ان سے حسب ذیل قسموں کے علماء پیدا ہوتے رہے،

(۱) ایک قسم تو پاک طینت علماء کی تھی جنہوں نے اپنے کردار کو سر حال میں اعلیٰ اور اونچا رکھا، وہ دوسرے علماء کے لئے نمونہ بنے، مگر ایسے علماء یا تو گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے یا تعنیف و تالیف میں وقت صرف کرتے۔

(۲) دوسری قسم میں وہ علماء تھے جن کا مشغلہ درس و تدریس تھا، ان کے فائدہ حصول تعلیم کے بعد ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل جاتے، عوام میں اسلام کے نقیب و محافظ ہوتے، ان ہی کی بدولت **قَالَ اللَّهُ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ** کی صدائیں مختلف گوشوں میں بلند ہوتی رہتی، مگر محراب و منبر کی زینت بننے ہی پر اکتفا کرتے، یا درس و تدریس میں لگ جاتے۔

(۳) تیسری قسم میں وہ علماء تھے جو حکمران طبقہ کے معاون اور مددگار بن گئے۔ گوشہ نشین پاک طینت علماء ایسے علماء کو جاگیر دار، دنیا دار اور جاہ پرست کہتے، ان کا خیال تھا کہ جو علماء دربار سے وابستہ ہوتے ہیں، ان کا نام اللہ کی بارگاہ سے خارج ہوتا ہے، مگر حکمران طبقہ

معاذ علماء کے کہ گوشتِ مالیت میں بیحدِ کرم و عبادت و ریاضت سے مالیت تو ضرور منہ پھرتی ہو، لیکن ملتِ نظر انداز ہو جاتی ہے۔

مردوں سے شکم جوئے، ان عین قسموں کے علماء کا ہاڑہ لینا ضروری ہے کہ آنحضرت مجددِ ملت ثانی نے اپنی زندگی میں جو تجدیدی کارنامے انجام دیے، ویسے کارنامے ہر زمانہ میں کسی عالم نے تہا نہیں تو مجموعی حیثیت سے کیوں نہیں انجام دیا، یا آخری زمانہ میں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ نے جس ایبائی دولہ انگیزی سر فروٹی، جان بازی اور قربانی کا ثبوت دیا، اس کی مثال صرف ایک ہی کیوں ہے۔

ہمارے علماء مسلمانوں کے دورِ حکومت میں برابر کھڑے رہے، کہ مسلمان حکمرانوں کے طرزِ حکومت میں قیصر و کسریٰ کھنساقتا، اور ناجوانہ رنگ ہے، مگر وہ ان حکمرانوں کو خلفائے راشدین کے طرزِ حکومت کا عمل پہر کیوں نہیں کر سکے، کہا جاسکتا ہے کہ ان حکمرانوں کے قہارانہ ظہا برانہ اور خود غرضانہ طرزِ عمل کو قابو میں لانا ان کے بس کی بات نہ تھی مگر عوام کو اپنی دعوت و عزیمت سے اپنا ہم نوا اس طرح بنا سکتے تھے کہ یہ عوام غیر معمولی طور پر اچھے ہو جاتے، تو خواہی و سلاطین بھی انکے رنگ میں رنگ جاتے، مگر عوام تو خود ان فاسق و فاجر حکمرانوں کے رنگ میں رنگتے چلے گئے، اس کی ذمہ داری کس پر آتی ہے، عوام کو مذہبی بنانا حکمران طبقہ کا کام نہیں اس کی ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے، کیا وہ مسلمانوں کے ہرے دورِ حکومت میں اس ذمہ داری کی صحیح طور پر بندہ برآ ہوئے؟ اس کا تجزیہ ناقدانہ طور پر کرنے کی ضرورت ہے، سلاطین و خواص کا برا ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں، دولت و امارت کے ساتھ فسق و فجور کا آلازامی ہو جاتا ہے، مگر اس دور میں ہمارے مسلمان عوام کا معاشرہ صالح، توانا اور تندرست ہوتا تو شاید ان کے حکمرانوں کی سلطنت پر زوال نہ آتا، ہمارے علماء اپنے حکمرانوں کی حکومت سے بدظن ہو کر

خلافت راشدہ کے عہد حکومت کے خواہاں تھے اور یہ ایک اس عہد حکومت کے لیے ضرورت
 راشدہ کی سادگیت بھی پیدا کرنے کی ضرورت تھی، جو عہد و صلاحی کے ذریعہ سے پیدا
 ہو سکتی تھی، لیکن وہ محراب و منبر و درس و تدریس کی روش سے نہ رہتے تھے بلکہ ان کا
 دین اور جذبہ یقین کے لیے جس اجتماع، قوت محرکہ اور عزیمت کی ضرورت تھی، ان کو عمل میں لائے
 مسلمان بادشاہوں اور ان کے فوجی سرداروں میں شہاب الدین غوری نے تمام کی
 جنگ جیت کر ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کی ایسی بنیاد ڈالی کہ وہ سارا چھ سو
 برس تک چلی، بختیار خلی نے مٹی بھر فوج لے کر بہار اور بنگال کی تسخیر کی، علاء الدین خلجی کے عہد
 کا ایک خواجہ سرالملک کا نور فوجی سردار بن کر دہلی سے چلا تو پورے جنوبی ہند کو فتح کر کے اس کو
 سلطنت دہلی کے ماتحت کر دیا، اکبر نے راجپوتوں کے دلوں کی تسخیر کر کے پورے راجستان کو
 اپنے قلمرو کا باجگذار بنالیا، اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمانوں کی حکومت کا پرچم کشمیر سے
 ارکان تک لہرا تا رہا، ہندوستان کو اسی نے پہلی بار جزائی وحدت عطا کی۔

ایسی مثالیں علماء کے طبقہ سے بھی ملنی چاہئے تھیں، وہ بھی اٹھتے اپنی تبلیغ و تبلیغ کو خطے کا
 خطہ اسلام کے دائرے میں لے آتے، وہ ایسا کسی وجہ سے نہ کر سکتے تھے، تو کم از کم کوئی ایک
 ایسی شاندار درس گاہ بنا کر اس کو اپنے سینوں میں اس طرح لگائے رکھتے کہ یہاں سے ہر وقت
 سے لیکر اب تک دینی علوم کا سونا پگھلا کرتا، گہرے فکر و دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 ان کے مدرسے ختم ہونے کے لیے قائم کئے جاتے رہے، صبح الاشی میں ہے کہ
 دہلی میں تفسیق کے بعد میں ایک ہزار مدرسے تھے، اس زمانہ میں بھی اس کا پتہ کرنا مشکل ہوتا
 کہ ان میں کتنے واقعی دین کی تعلیم کی ترویج کی غرض سے کتنے دینی اور فقیہی اختلافات کی
 بنیاد پر کتنے باہمی رقابت اور کتنے ذاتی طلب منفعت کی خاطر قائم ہوئے تھے، ان میں کو کسی کی بھی

ارغلیبی ہوتی، تودہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی علوم و فنون کی ترویج کا بہت بڑا فائدہ بنا رہتا۔

جب تک مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں رہی، اس کی سرپرستی میں دینی مدارس کے پھیلنے پھولنے کا پورا موقع تھا، یہاں کے فارغ شدہ علماء اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اسی قسم کی تنظیم قائم کر سکتے تھے، جو برطانوی حکومت کے زمانے میں عیسائی مبلغوں نے پورے ملک میں کی تھی، مگر وہ یہ بھی نہ کر سکے، یہ صحیح ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت علمائے کرام ہی کی بدولت وجود میں آئی، مگر دہلی سے بنگال تک جو علاقے ہیں، ان میں مسلمانوں کی اکثریت کیوں نہیں ہو سکی، دہلی اور اس کے اطراف و جوانب میں بزرگان دین کے مزارات قدم قدم پر ہیں گئے، مگر یہ علاقے پورے طور پر اسلام کی شمع سے منور کیوں نہیں ہو سکے؟ یہ صحیح ہے کہ یہ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے تو نہ ہو سکے، لیکن ان ہی علاقوں سے دینی علوم کا سرچشمہ پورے ہندوستان میں بہتا رہا، اور اب بھی بہہ رہا ہے، مگر جب یورپ میں محققین اور مفکرین ہر قسم کے علوم و فنون پر کتابیں لکھ کر نئے نظام حیات اور نئی فکر و نظر سے اپنی قوموں کو روشناس کر رہے تھے، تو ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارے علماء ہم کو اپنی ایسی ہی تصانیف دے رہے تھے؟ انھوں نے اس زمانے میں کتابیں ضرور لکھیں، لیکن ان سے عام مسلمان زیادہ مستفید نہیں ہو سکے، جو کچھ لکھنا ایک خاص طبقہ تک محدود رہتا۔ جو خود تو ان کو پڑھ کر سمجھ لیتا، مگر عوام کو سمجھانے میں قاصر رہا، اسلئے ایسے علماء کی نظری و فکری چیزیں زیادہ نہیں پھیل سکیں، ان میں نیا اور تعلیمی ہی کچھ تھا، جو اس تعلیمی جادہ کا روشن پہلو یہ ضرور رہا کہ مسلمانوں کی مذہبی غیرت اور دینی حمیت ایسی برقرار رہی کہ وہ غیر مسلموں کے قصورتوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے، اور ان کی انفرادیت مت نہ کی، مگر اس انفرادیت کو جاندار بنا کر رکھنے میں معاشرہ کے نئے جائز تقاضوں کی تکمیل کی خاطر جس مجتہدانہ فکر اور عزیمت بالعلم کی

ضرورت تھی وہ برسے کا نہیں بنتی رہی۔

ایک بات اور اس زمانہ کے مہم سوں سے جو علماء پیدا ہوئے، کیا انھوں نے ہندوستان جیسے ملک میں اسلام کے دہ کو رب المسلمین یا رب العالمین، اور پھر اس کے رسول (ﷺ) کو جو رب المسلمین یا رحۃ العالمین بنا کر پیش کیا، ہم خود سوچیں کہ ہمارے علماء نے ان میں سے کون سا رنگ اختیار کیا، پاک طینت علماء کے یہاں تو بڑی رواداری اور فراخ دلی رہی، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض علماء نے اپنی امتا پسندی میں ایسی اشتعال انگیز تحریریں لکھیں جن سے رب العالمین رب المسلمین اور رحۃ العالمین رحۃ المسلمین ہی سمجھے گئے، اس سے اسلام کی تبلیغ میں وہ فروغ حاصل نہیں ہو سکا، جو ہونا چاہئے تھا۔

اگر ہمارے علماء بالعزم اور بالجزم ان ہی باتوں پر عمل کرتے رہتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے بخبران کے جیسا کہ ان کے لیے روادار کھاتھا، تو کیا عجیب کہ اس رواداری، فراخ دلی اور سیر متبی سے اس ملک میں ہماری تائید کچھ اور ہوتی تو اس اٹھارہویں صدی کے علماء اور صوفیائے کرام ہی کی بدولت اسلام ہندوستان کی سرزمین میں سرسبز اور شاداب ہوا، مگر ہماری محرومی یہ بھی ہے کہ انھوں نے یہاں کے لوگوں کے دلوں کے تسخیر کے لیے جو روادارانہ اور فراخ دلانہ اقدام کئے، ان کی تاریخ قلمبند نہیں کی گئی، اس کے بجائے ان کے باہمی اختلافات اور تنازعات کو زیادہ نمایاں کیا گیا،

ماضی کی باتیں اس لحاظ سے قابل اعتنا ہوتی ہیں، ان سے حال میں درس لے کر مستقبل کو سنوارا جاسکتا ہے، ماضی میں اسلامی درس گاہوں سے نکل کر ہمارے علماء نے جو روشن کارنامے انجام دیئے ان کی تو ہم قدر کرنا سیکھیں، مگر ان سے جو کسی دہرے کو تا ہی ہوئی اس کی تلافی موجودہ دور کی اسلامی درس گاہوں کے علماء ہی کو کرنا ہے، کیونکہ ان سے جو علماء نکلتے ہیں

دی یہ معنوں میں اسلام کے نگہبان اور پشتپیمان ہوتے ہیں، موجودہ دور میں ذہنی اور مادی لاؤینی تصورات اور گمراہ کن نظری اور فکری تخیلات کا بے پناہ لشکر آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے، ان کے خلاف مقدس زمین جہاد کرنے کے لیے ہمارے درمیان ہیں سرفروش اور ہانبار مجاہدین تیار ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ان کو غراب کی امامت ہی پر اتکا کر لے، تو پھر دغا ہے کہ

غدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ میں ہو ملت کی زندگی کا پیام

اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں

ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون پر دو جگہوں کے مقابلہ میں کم کام نہیں ہوا ہے، ان تمام علوم پر ہندوستانی علماء اور مصنفین کی بہترین کتابیں موجود ہیں لیکن ان کی کوئی جامع فرست موجود نہیں تھی اس کی کوپور کرنے کے لیے مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء نے الشافعیہ الاسلامیہ فی البعد کے نام سے ایک مفید کتاب مرتب کی تھی جس کو شام کے مشہور علی اولیٰ علی العربی دشت نے پڑھے اہتمام سے شائع کیا تھا، ایسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جس میں ہندوستانی علماء کی تصانیف کے ساتھ مسلمانوں کی مکمل علمی و ذہنی و فکری تاریخ قلمبر کی گئی ہے۔

مترجم مولانا ابو العزیز ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء

قیمت : ۲۵ روپے

مقامت :-

قیمت : ۱۰ روپے

ہندوستان کی تعلیم اسلامی اور سکولر :-

منیجر

مطبوعات جدیدہ

اعلام النشر والشرفی (بجزراث ثالث) مرتبہ مولانا محمد یوسف کوکن صاحب،
العصر العربی المحدث (تقریباً ۱۰۰۰ صفحات) کاغذ طبعیت عمدہ و تراشیدہ
طاب، صفحات ۱۰۰، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: حافظ باؤس پریسٹریٹ پبلشرز ۱۳ مارہیٹا
مداس ۱۰۰،

مولانا محمد یوسف کوکن نے عربی زبان و ادب کے جدید شعراء و مصنفین کے حالات و سوانح
کی ترتیب و اشاعت کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے اس کی دو جلدیں پہلے چھپ چکی ہیں جن پر مزارع میں ریوکیا
جاچکا ہے، یہ تیسری جلد ہے جو چھاپی گئی اصحاب شعر و ادب کے زعم پر مشتمل ہے، ان میں چند کا انتقال اس صدی
کے ربع اول میں ہوا ہے لیکن زیادہالیے لوگ ہیں جن کا انتقال اس صدی کے نصف اول میں ہوا ہے، کچھ
بھی جن کی وفات غلط اور متاخر کے درمیان ہوئی، لائق مصنف نے ان اصحاب علم و ادب کے حالات
و واقعات زندگی قلمبند کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کی علمی، ادبی، تنقیدی، شعری، سیاسی و سماجی خدمت
پر مفید بحث و تبصرہ بھی کیا ہے اور ان کے ادبی کارناموں کی اہمیت بھی دکھائی ہے، اس کتاب میں جن لوگوں
ترجمہ شامل ہے ان میں ابن ام اور قابل ذکر نام یہ ہیں: احمد لطفی، اسید، شیخ مصطفیٰ صادق، رافعی، محمد الزمر
شکری، ڈاکٹر محمد عین مہیکل، ڈاکٹر احمد امین، ڈاکٹر زکی مبارک، ڈاکٹر طہ العین، عباس محمد حقان، توفیق الیک
ڈاکٹر احمد حسن زیت، یحییٰ الدین زرکلی، غلیل مردم بک، شفیق جبری، حسن البنا اور سید قطب و غیرہ، ان میں ان
مصنفین کی تصنیفات کے اردو ترجمے بھی ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اردو داں طبقہ ان کے ناموں سے واقف ہو
اس جلد میں متعدد ایسے شعراء و ادباء قلم کا ذکر ہے جن میں دینی، ادبی، تنقیدی اور تاریخی مسائل پر باہم بحث

یہ چکا ہے جس کا ذکر مصنف نے ان کے ترجمے میں کیا ہے، اس کتاب میں جہاں نئی حیثیت سے مواد بعض کا تذکرہ کیا جا رہا ہے بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جن پر احواد و زندگی کا لازم مائد کیا گیا ہے، ڈاکٹر طہ حسین، لوگوں میں میں مصنف نے ان کے متعدد ایسے خیالات نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے اصحاب علم و دین نے اپنی نکتہ چینی کی ہے مثلاً اداویہ مندوں کی حمایت، پردہ کی مخالفت، وطن و دین کی تفریق، حکومت کی اساس بین الہی و عربی قومیت کو قرار دینا اسی کی تصدیقات الشریعہ لکھی اور ادب کلاسی میں جاہلی شعر و ادب کو حقول ثابت وغیرہ، قاضی مصنف نے بڑی محنت اور سلیقہ سے موجودہ دور کے متاثر عربی ادیبوں اور شاعروں کے مآلات کارناموں کے بارہ میں مفید اور دلچسپ معلومات جمع کئے ہیں ان کو اردو کی طرح عربی لکھنے کا اچھا لکھ ہے اس کے عربی زبان و ادب پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ عربی زبان و ادب کے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لئے ہے۔

قرآن مجید اسلامی فکر مرتبہ جناب رشید احمد جالندھری، قلیطین خور، کاغذ کتاب و طباعت بنیادی سرچشمہ

بہشتان یونیورسٹی میں پندرہویں صدی ہجری کے استقبال کی مناسبت سے قرآن مجید اسلامی فکر کا بنیادی سرچشمہ کے موضوع پر ایک علمی مذاکرہ منعقد ہوا تھا، یہ کتاب اس میں چھپ گئے معنائین کا مجموعہ ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں تین اردو اور دوسرے میں تین انگریزی معنائین شامل ہیں اور دوسرے کی ابتدا میں جامعہ بہشتان کے سربراہ فاکبر شاہ کی اقتصادی تقریر اور مولانا محمد طیب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند کا پیغام بھی درج ہے، اس حصہ کا اہم اور بڑا مضون خود قاضی مرتبہ لکھے انھوں نے شریعت اور قانون کی وسعت و ہمہ گیری اجتماعی زندگی میں ان کی اہمیت اور ان کے بنیادی مقصد پر بحث کر کے موجودہ زمانہ میں اسلامی قوانین کا از سر نو جائزہ لینے کی دعوت دی ہے اور اس سلسلہ میں اجتماعی زندگی کو پوری طور پر قرآن اہل اسلام کی اخلاقی و اجتماعی قدروں کی بنیاد پر استوار کرنے کی ضرورت واضح کی ہے مولانا محمد طیب مجلس علمی کراچی کے مقالہ قرآن مجید کا تصور معاشرہ میں پہلے اجتماعی اخلاق

کے بارہ میں فرقان کے تفسیر میں پیش کی گئی ہیں بعد ازاں میں خصوصیات کا ذکر ہے جو فرقان نے
 ہیں، ڈاکٹر صاحب نے جو دوسری حصہ پوری میں لکھی جائے گی اس میں مندرجہ ذیل اہم و اہم
 تعارف کر لیا ہے: (۱) ترجمان القرآن (۲) تفسیر القرآن (۳) تفسیر القرآن (۴) تفسیر القرآن (۵) تفسیر القرآن
 (۶) تفسیر القرآن (۷) تفسیر القرآن (۸) تفسیر القرآن (۹) تفسیر القرآن (۱۰) تفسیر القرآن (۱۱) تفسیر القرآن
 (۱۲) تفسیر القرآن (۱۳) تفسیر القرآن (۱۴) تفسیر القرآن (۱۵) تفسیر القرآن (۱۶) تفسیر القرآن (۱۷) تفسیر القرآن
 (۱۸) تفسیر القرآن (۱۹) تفسیر القرآن (۲۰) تفسیر القرآن (۲۱) تفسیر القرآن (۲۲) تفسیر القرآن (۲۳) تفسیر القرآن
 (۲۴) تفسیر القرآن (۲۵) تفسیر القرآن (۲۶) تفسیر القرآن (۲۷) تفسیر القرآن (۲۸) تفسیر القرآن (۲۹) تفسیر القرآن
 (۳۰) تفسیر القرآن (۳۱) تفسیر القرآن (۳۲) تفسیر القرآن (۳۳) تفسیر القرآن (۳۴) تفسیر القرآن (۳۵) تفسیر القرآن
 (۳۶) تفسیر القرآن (۳۷) تفسیر القرآن (۳۸) تفسیر القرآن (۳۹) تفسیر القرآن (۴۰) تفسیر القرآن (۴۱) تفسیر القرآن
 (۴۲) تفسیر القرآن (۴۳) تفسیر القرآن (۴۴) تفسیر القرآن (۴۵) تفسیر القرآن (۴۶) تفسیر القرآن (۴۷) تفسیر القرآن
 (۴۸) تفسیر القرآن (۴۹) تفسیر القرآن (۵۰) تفسیر القرآن (۵۱) تفسیر القرآن (۵۲) تفسیر القرآن (۵۳) تفسیر القرآن
 (۵۴) تفسیر القرآن (۵۵) تفسیر القرآن (۵۶) تفسیر القرآن (۵۷) تفسیر القرآن (۵۸) تفسیر القرآن (۵۹) تفسیر القرآن
 (۶۰) تفسیر القرآن (۶۱) تفسیر القرآن (۶۲) تفسیر القرآن (۶۳) تفسیر القرآن (۶۴) تفسیر القرآن (۶۵) تفسیر القرآن
 (۶۶) تفسیر القرآن (۶۷) تفسیر القرآن (۶۸) تفسیر القرآن (۶۹) تفسیر القرآن (۷۰) تفسیر القرآن (۷۱) تفسیر القرآن
 (۷۲) تفسیر القرآن (۷۳) تفسیر القرآن (۷۴) تفسیر القرآن (۷۵) تفسیر القرآن (۷۶) تفسیر القرآن (۷۷) تفسیر القرآن
 (۷۸) تفسیر القرآن (۷۹) تفسیر القرآن (۸۰) تفسیر القرآن (۸۱) تفسیر القرآن (۸۲) تفسیر القرآن (۸۳) تفسیر القرآن
 (۸۴) تفسیر القرآن (۸۵) تفسیر القرآن (۸۶) تفسیر القرآن (۸۷) تفسیر القرآن (۸۸) تفسیر القرآن (۸۹) تفسیر القرآن
 (۹۰) تفسیر القرآن (۹۱) تفسیر القرآن (۹۲) تفسیر القرآن (۹۳) تفسیر القرآن (۹۴) تفسیر القرآن (۹۵) تفسیر القرآن
 (۹۶) تفسیر القرآن (۹۷) تفسیر القرآن (۹۸) تفسیر القرآن (۹۹) تفسیر القرآن (۱۰۰) تفسیر القرآن

یہ سب مضامین غور و فکر سے لکھے گئے ہیں اور مطالعہ کے لائق ہیں۔
 کردار کے غازی } مرتبہ ڈاکٹر اختر بستوی، تعظیم خور، کاغذ، کتابت و طباعت
 قاضی محمد عدیل علی } صفحات ۲۵۶، جلد مع گرد پوش، قیمت ۳ روپے پستہ و دوا
 اینڈ سنس راجی کاپل، گوکھپور (۲) دالش محل، بکیریز، اینڈ ملٹری لاک کھ
 یہ کتاب مشہور قومی وطنی کارکن، ہستی کے کامیاب وکیل احمد دہ کے کچھ خطبہ الہیہ
 عباسی مروج پر ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ان کی وفات کے بعد مختلف اخباروں اور رسالوں
 ان کی پہلی برسی کے موقع پر جس کے ہفتہ دار اخبار ہستی کی آواز کے قاضی محمد عدیل عباسی
 ہوئے تھے، اب ڈاکٹر اختر بستوی استاد شعبہ اردو گوکھپور یونیورسٹی نے حکم قائمہ کے لئے اس
 کتابی صورت میں شائع کیا ہے، شروع میں مضمون نے قاضی صاحب کے اہم واقعات سنہ
 اس میں ان کی تصنیفات کی فہرست بھی دی ہے جو ایک اہم تحریر میں قاضی صاحب کے والدین
 سے قاضی صاحب کی مورخہ پیدائش نقل کی گئی ہے، اس کے بعد مختلف اہل قلم کے ۲۲ مضمون

مولانا سید امجد علی مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، علی جبار زیدی، رحمت اللہ انصاری اور دیگر
 کے مضامین بھی اس کتاب کی زینت ہیں۔ قاضی صاحب کے عزیزوں میں ان کے دونوں بھائیوں صاحب
 عباسی مدنی اور قاضی طویل عباسی، فرخین محمد حامد علی، فرید اللہ قاضی محمد ارشد عباسی اور صاحب
 ہزوان پرشاد مدنی واسطو اور کلیم ابو الکلام کے مضامین سے ان کے متعلق مفید معلومات حاصل ہیں
 جناب غلیل اللہ صاحب کا مضمون قاضی صاحب پر پڑھا، دوسرے مضامین بھی اچھے ہیں، آخر میں شعرا کا
 خراج عقیدت درج ہے، قاضی صاحب ٹہنے علی آدمی اور پانچ پانچ کردار کے غازی تھے، وہ فرقہ دلاویت
 اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بارہ میں ہونے والی نا انصافیوں کے خلاف فوج جہاد کرتے رہے اور اتر پر
 دینی قیامی تحریک کی تاسیس و تکمیل ان کا بڑا کارنامہ ہے، انھوں نے قوم پروری اور حب الوطنی کے جد
 سرشار ہونے کے باوجود اپنی ایمانی فیرت اور ملی محبت پر توجہ نہیں آنے دی، اس کتاب میں ان خصوصیات
 ان کے خاندانی معاملات، تعلیم، قومی، ملی و سیاسی مشاغل، تحریر و تصنیف اور سیرت و کردار کی بلندی پر
 ڈالی گئی ہے، جس کا مطالعہ مفید اور سبق آموز ہے، مگر یہ کہی رہ گئی ہے کہ ان کی مطبوعہ تصنیفات کا
 اور غیر مطبوعہ کا سہہ تصنیف نہیں دیا ہے۔

پٹھان شاعرات کا تذکرہ مرتبہ ڈاکٹر خان محمد عاطف خاں، قلعہ خورد، کافہ منو

کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۲۲، قیمت تحریر نہیں ہے: (۱) ڈاکٹر خان محمد عاطف

۱۲۳۳۔ اسٹیشن روڈ، کھنؤ، (۲) صدیق بکڈ پو۔ امین آباد، کھنؤ،

ڈاکٹر خان محمد عاطف پور شیعہ خاں، کھنؤ یونیورسٹی نے اس کتاب میں ۲۰ پٹھان شاعرات

تعارف کیا ہے اور ان کا نود کلام بھی دیا ہے، ڈاکٹر صاحب علی آباد کے پٹھان خاندان سے تعلق رکھتا

اس کتاب میں چند علی آبادی خواتین کا ذکر بھی ہے، بشرط اس دیباچہ اور معلومات پر مشتمل مقدمہ بھی ہے،

یہ محنتوں کی محبت اور سماجی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے اسلام کی بعض پہلیات پیش کی گئی ہیں، ۲۰

پٹانوں کی خصوصیات یہ تھیں کہ کھایا ہے کہ وہ سب شیشو میں ہونے کے ساتھ ہم جن کے جسم میں
 بھی تھے جن کا تھیں پٹانوں کی شادی ہے کہ عرب ان کے ذوق شہوانی کا یہ حال ہے کہ وہ
 جتنا اس میں کچھ بچے رہ سکتے تھے اس سلسلے میں پٹانوں کی اصل زبان پشتو اور ہندی تھیں نہ کہ ان کی
 کی شادی کے نونے دیئے ہیں اور پٹان شادی کے عربی و خصوصیات پر بھی گفتگو کی ہے اس قدر میں پٹانوں کی
 عقرباریغ اور ہندوستان میں ان کی سیاسی و سماجی حالت کا ذکر ہے، مصنف نے پٹانوں کے تین چاروں
 کی ہے اور انہیں نسلاً اسوڑائی قرار دیا ہے، اس سلسلے میں آپریوں کے متعلق ضروری معلومات تحریر کر کے یہ ثابت کیا
 کہ وہ نسل و قوم کے بجائے مذہب و عقیدہ کی بنیاد پر آئندہ کہلاتے تھے، اصل تذکرہ مختصر ہے، اگر خواہش کی جائے
 دو قعات کے تہ سنین کا ذکر ہے اور نہ کلام پر سیر حاصل تھو، مصنف نے دیا ہے اس اختلاف کی کوئی وجہ نہیں لکھی
 ہے، تاہم انھوں نے ایک انوکھے موضوع کا انتخاب کر کے اور اس پر اس قدر مواد جمع کر کے بھی اپنے ذوق و محنت سے
 لکھ کر ثابت دیا ہے، جاسیجائے کتابت و طباعت کی غلطیاں بھی ہیں، متعدد الفاظ کا لفظی درست نہیں ہے، جیسے
 مورخ علی صلی (تجلی) (نصب مکتبہ ذہب) ثبات ص ۱۲۷ (اسباط) لا تفتنوا عظماء (لا تفتنوا اہل دین) قائلین
 ۱۳۷ (حقائق یا دقائن) خلقت ص ۱۵ (خلعت) ص ۱۳۹ پر دو عربی شعر بالکل غلط تحریر کئے گئے ہیں اصل پر
 "قرآن پاک کی مبارک الفاظ لکھا ہے اور ص ۱۳۹ پر واقع کا لفظ بالکل غلط استعمال ہوا ہے، لکھے میں آقا مرور
 دیناے ادب میں ز۔ غ۔ ش کے نام سے واقف ہے۔

مکاتیب لکھ مرتبہ جناب محمد ایوب واقف صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت
 قندہ بتر، صفحات ۱۸۴، مجلد قیمت ۲۰ روپیے، پتہ: (۱) انجمن ترقی الادب و ہند، اردو گھر
 نئی دہلی، (۲) حب بک ڈپو، جھنڈی پور، (۳) نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ
 اردو کے حب و شیدائی اور بے لوث خدمت گزار ششی دیا ز کی لکھی گئی زندگی رسالہ زمانہ کے لئے وقف
 ہو گئی تھی، جس نے نصف صدی تک قہر ملک کی ذہنی و دماغی تربیت اور اردو زبان و ادب کی زریں خدمت

کے علاوہ اردو کے بہت سے شاعروں اور ادیبوں کی شرحیں لکھنے لگائے، دیا زائے گم کے پندہ کے شاعر اور اچھے اہل قلم سے غلامانہ روابط تھے، اس نے ان سے ان کی بہادر خط و کتابت رہتی تھی، مگر ابھی تک ان کے خطوط کا کوئی مجموعہ چھپا ہے اور اس کی توقع ہی تھی کہ ان کی دقت کو طویل عرصہ لگدھچکا ہے اور جن لوگوں کو وہ خطوط لکھے تھے وہ ہیں ان میں سے اکثر لوگ بھی اب موجود نہیں رہ گئے ہیں، مگر جاب محمد ایوب مدق کی محنت و کوشش سے منشی احمد کے خطوط کا یہ مجموعہ شائع ہوا ہے جس کے لئے وہ اور منشی جی کے فرزند اور اس مجموعہ کے ناشر جناب برج زائے گم اور دوزبان صاحب کے تدریسی اداروں کی تحسین کے ستم ہیں، منشی جی کی تحریروں سلیس اور شگفتہ ہوتی تھیں یہ خطوط اس کا نمونہ ہیں، ان سے اردو زبان اور سارا زمانہ سے ان کی محنت و کوشش کے معیار کو بلند کرنے کی فکر، اس کی ترتیب میں غیر معمولی محنت و حاش غرضی، نوجوان اور ہونہار ادیبوں کی تربیت اور حوصلہ افزائی اور مشاق اہل قلم کی قدر دانی کا پتہ بھی چلتا ہے اور بعض اہل قلم نیز اردو انجمنوں اور تحریکوں کے بارہ میں ان کے خیالات اور زبان و ادب کی بعض مفید باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، شروع میں ایک مقدمہ میں خطوط نگاری کی ادبی اہمیت، منشی جی کے خطوط کی خصوصیات اور ان کی خدمات ادب پر اچھی بحث کی گئی ہے، آخر میں ان لوگوں کا مختصر حال تحریر کیا ہے جن کے نام کے خطوط اس مجموعہ میں درج ہیں اور کتاب میں جن لوگوں کا ذکر آگیا ہے ان پر مختصر توضیحی حاشی بھی دیے ہیں، واقف صاحب کو لکھے پڑھے کا شوق اور لگن ہے، مگر ابھی وہ نوجوان ہیں اس لئے ہلکے پھلکے کاموں پر محنت و مطالعہ کو ترجیح دیا اور کثرت سے زیادہ کیفیت کا خیال رکھنا چاہیے، تاکہ ان کی تحریر گہرائی اور گیرائی سے خالی نہ رہے۔

بین السطور از جناب صبح حسن صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،

صفحات ۸۴، جلد مع گرد پوش، قیمت بیس روپے، پتہ: مکتبہ جلال، ۱۲۱، شرف آباد لاہور

یہ جناب صبح حسن کے ایک دو جن سے زیادہ مختصر مزاجیہ معنائیں کا مجموعہ ہے، اس سے طرز و مزاج سے ان کی طبعی مناسبت اور فطری دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے، لائق مصنف نے موجودہ ماحول کی متعدد

اس میں صیب ہون کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی تفسیر میں کہ در سر حد کتب بہشتیہ کی تفسیر ہے۔
 نے اس میں سوسا گنگ کے مختلف طبقوں کو بیان کیا ہے۔ جیسے صفت شاعرانہ، شاعر
 بیگ، خیر، مخیر، میاں، یوی، وزیر اور ان کی ایک ملک مکان، دکان، وہ ضرورت ہے کہ
 ان کے لئے دے دے وغیرہ، ان کے علاوہ قنوں اور ساجی برزی کے خوب شند، سستی شربت کے آندہ
 نمود و نمائش پسند لوگوں کے علاوہ ان ہی نمایاں کے ہیں، اور وقت کے مطالعہ میں ہے یہ وہ لوگ
 کا خاکہ بھی کھینچا ہے، مصنف کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے مضحک پہلوؤں کا جوڑ و اوقات سے ملا دیا
 ان کا طرز و مزاج معنوی نہ ہونے کے باوجود اپنے انداز فاسانے جیسا لطف رکھتا ہے، انداز شائستہ
 متین اور ابتذال و رکاکت سے خالی ہے، اس مجموعہ سے مصنف کے احساس و مشاہدہ کی قوت کا
 اندازہ بھی ہوتا ہے، دراصل انہوں نے موجودہ سماج کی مختلف فامیوں اور کرداریوں کی ایسے
 شگفتہ انداز میں نقلی تصویر کھینچی ہے کہ قاری کیف و سرور اور فرحت و انبساط بھی حاصل کرتا ہے
 اور اسے موجودہ عام اور ہمہ گیر پست ذہنیت اور غیر شریفانہ انداز کی قباحت کا اندازہ بھی ہوتا
 ہے، شروع میں پاکستان کے مشہور اہل قلم مشفق خواجہ جھانے مصنف اور تصنیف کا تذکرہ
 ظریفانہ انداز میں تعارف کرایا ہے جو ان کی خوش ذوقی و خوش طبعی کا ثبوت ہے، کتاب کے
 مصنف کو دل پذیر اردو میں انداز بیان کی شگفتگی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا
 جو سلیقہ ہے، امید کہ اس کا صحیح معرفت برابر لیتے رہیں گے اور جہاں یہ وہاں کے خلق میں نمایاں
 حیثیت حاصل کریں گے، کتاب کا نام موجودہ مذاق کی ترجمانی ضرور کرتا ہے، مگر اس سے کتاب کی قیمت
 کا اندازہ نہیں ہوتا، اس سے پہلے کے مزاج نویس اور طنز نگار اپنی تصانیف کے جو نام رکھتے ان
 سے ان کے نقش تحریر کا انداز مطالعہ سے پہلے ہو جایا کرتا تھا۔

ہندستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام

کسی فرماں روا یا خانان یا فرماں روا یا شہنشاہ کی غلط و شانستی و تنزل کا اندازہ ہمیشہ
ملکی فتوحات اور فوجی طاقت سے کیا جاتا رہا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی تاریخیں بھی لکھی جاتی تھیں
خود ہندوستان کے فطرت فرماں روا خانانوں کی تاریخیں بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں اور ان میں ان
کی فتوحات اور جنگوں کی تفصیل لکھی گئی انہوں نے بابر سے لے کر ظفر شاہ تک چار پانچ سو برس
ملک پر حکومت کی اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور اپنے مقبوضات کا دائرہ راس کمارہی سے
ہرات اور کابل تک پہنچا دیا ان کی تاریخ بھی مرہٹوں کی جنگوں کی اور فتوحات کی تاریخ ہو لگی
اس کی طرف کھانکشا کا وہ بیان نہیں لیکر ان کا فوجی نظم و نسق کیا تھا، ہندو آرمائی کے طریقے کیا تھے، کس قسم
کے اسلحے استعمال ہوتے تھے، میدانِ جنگ میں فوجوں کی ترتیب کیا ہوتی تھی، ان کی مختلف کمپنیوں کے
نام کیا جوتے تھے، پھر ان کی ذمہ داریاں کیا ہوتی تھیں، وغیرہ وغیرہ، جب سید صباح الدین مجددی
صاحب دارالمنہجین کی رفاقت میں آئے اور ان کو انگریزی کا شبہ ڈالیا، تو سید صاحب نے ان کو یہی
کچھ موضوع دیا جس کے لئے مواد کا تلاش کرنا پڑا ہے جو سیر لانے سے کم نہ تھا، انھوں نے
دس بارہ سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے نہ صرف خطوں کے عہد کے بلکہ ہندوستان کے پورے
عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام پر ایک ضخیم کتاب تیار کر کے پیش کر دی، اس میں عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام
آلات، حرب، آتش، اسلحہ، بحری بیڑے، فوج کا کوچ، صف آرائی، ترتیب، میدانِ جنگ، چاروں
کین گاہیں مختلف فوجی عہدہ داروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل نہایت بچسپانہ
میں بیان کی گئی ہے، یہ اپنے موضوع پر اردو میں منفرد کتاب ہے، قیمت ۱-۲۲ روپیہ

مرتبہ

”منیجر“

سید صباح الدین عبد الرحمن

مختصر خلاصہ کتاب کی بعض اہم تصنیفات

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کی سوانح و سیرت
 کے مختلف حالات و واقعات پر مشتمل ایک جامع و مفصل
 کتاب (زیر طبع)

سوانح مولانا ارم: مولانا بطل الدین رومیؒ
 کی مفصل سوانح و سیرت اور ان کی شاہکار تصنیف غزلیہ
 شریف پر مبسوط تبصرہ (زیر طبع)

موازنہ امیں و بیرون مشرق و مغرب میں سیرت کی
 شاعری پر دیوانہ اور مرزا دیرہ خان کا موازنہ
 زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ
 قیامت، ۱۱ روپیہ

کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا
 مجموعہ جو انھوں نے مسجد کا پوز جنگ طرابلس
 غزوہ بلقان، سلم لیگ، سلم بیحدی و غیرہ کے
 متعلق لکھیں، قیامت، ۶ روپیہ

مکاتیب شبلی: مولانا کے دستوں غزویں و
 دیگر دینی کام خط و کتابت کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ دوم
 ۱۹ روپیہ، ۱۱ روپیہ

حقائق اسلام، اس پر بحث و گفتگو کی ایک جامع و مفصل
 کتاب جس میں اسلام کے مختلف حالات و واقعات
 کا تفصیل اور اس پر تبصرہ، قیامت، ۲۹ روپیہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کی سوانح و سیرت
 کے مختلف حالات و واقعات پر مشتمل ایک جامع و مفصل
 کتاب (زیر طبع)

سوانح مولانا ارم: مولانا بطل الدین رومیؒ
 کی مفصل سوانح و سیرت اور ان کی شاہکار تصنیف غزلیہ
 شریف پر مبسوط تبصرہ (زیر طبع)

موازنہ امیں و بیرون مشرق و مغرب میں سیرت کی
 شاعری پر دیوانہ اور مرزا دیرہ خان کا موازنہ
 زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ
 قیامت، ۱۱ روپیہ

کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا
 مجموعہ جو انھوں نے مسجد کا پوز جنگ طرابلس
 غزوہ بلقان، سلم لیگ، سلم بیحدی و غیرہ کے
 متعلق لکھیں، قیامت، ۶ روپیہ

مکاتیب شبلی: مولانا کے دستوں غزویں و
 دیگر دینی کام خط و کتابت کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ دوم
 ۱۹ روپیہ، ۱۱ روپیہ

حقائق اسلام، اس پر بحث و گفتگو کی ایک جامع و مفصل
 کتاب جس میں اسلام کے مختلف حالات و واقعات
 کا تفصیل اور اس پر تبصرہ، قیامت، ۲۹ روپیہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کی سوانح و سیرت
 کے مختلف حالات و واقعات پر مشتمل ایک جامع و مفصل
 کتاب (زیر طبع)

سوانح مولانا ارم: مولانا بطل الدین رومیؒ
 کی مفصل سوانح و سیرت اور ان کی شاہکار تصنیف غزلیہ
 شریف پر مبسوط تبصرہ (زیر طبع)

موازنہ امیں و بیرون مشرق و مغرب میں سیرت کی
 شاعری پر دیوانہ اور مرزا دیرہ خان کا موازنہ
 زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ
 قیامت، ۱۱ روپیہ

کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا
 مجموعہ جو انھوں نے مسجد کا پوز جنگ طرابلس
 غزوہ بلقان، سلم لیگ، سلم بیحدی و غیرہ کے
 متعلق لکھیں، قیامت، ۶ روپیہ

مکاتیب شبلی: مولانا کے دستوں غزویں و
 دیگر دینی کام خط و کتابت کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ دوم
 ۱۹ روپیہ، ۱۱ روپیہ

حقائق اسلام، اس پر بحث و گفتگو کی ایک جامع و مفصل
 کتاب جس میں اسلام کے مختلف حالات و واقعات
 کا تفصیل اور اس پر تبصرہ، قیامت، ۲۹ روپیہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کی سوانح و سیرت
 کے مختلف حالات و واقعات پر مشتمل ایک جامع و مفصل
 کتاب (زیر طبع)

سوانح مولانا ارم: مولانا بطل الدین رومیؒ
 کی مفصل سوانح و سیرت اور ان کی شاہکار تصنیف غزلیہ
 شریف پر مبسوط تبصرہ (زیر طبع)

جسٹریٹریٹیم ایس پی ۳۰
۱۹۸۴ء



معارف

۶/۱۱/۸۶

مجلس المفتیین کا ماہوار علمی رسالہ

..... ﴿عُرْتُبَهُ﴾

ستید صباخ الدین عبد الرحمن

..... ﴿﴾

قیمت بیس روپیہ سالانہ

دفتر دار المسلمین اعظم کراچی

(۱۵۶-۲۰۶)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا ضیاء الدین لعلی ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک مبینہ کتابوں تک پہنچ چکا ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں نخل وودھ سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد دوم

اس میں نخل فرمانروا، بابا، ہمایوں، سہمی خاندان کے شیر شاہ، اور اسلام شاہ، پھر نسل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے سبق آموز واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد سوم

اس میں اودھ، گزیب، عالمگیر، اور اس کے بعد کے نسل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں،
زیر طبع

..... پبلشر (مرتبہ) پبلیشر
.....

سید صباح الدین عبد الرحمن

جلد ۱۳۱ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۸۴ء

مضامین

شذرات تیسرے صباغ الدین جبار علی ۲۴۱-۲۴۲

شذرات

مقالات

[ڈاکٹر شاد احمد شمس الدین پرانی ۲۴۵-۲۶۵
شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، پاکستان]

مستشرقین اور مطالعہ سیرت

[جناب مولانا محمد عبد السلام چشتی ۲۶۶-۲۸۴
کانو، انجیریا]

کتاب سازی، وراثت

[مبید اللہ کوٹلی ندوی ۲۸۵-۳۰۸
زین الدین احمد غفر گڑھ]

علامہ براہی الدین مرعشی

صاحب ہدایہ

تلخیص و تبصیر

سری نیواس لاہری ۳۰۹-۳۱۵

گرتہ بدھ کی تعلیمات

۳۱۶-۳۲۰ "فن"

مطبوعات جدیدہ

ایک ضروری اطلاع

کاغذ کی ہوش رباگرانی کی وجہ سے اہل تصنیف کی مطبوعات کی قیمت میں یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء سے میں فیصد کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اور مصارف کا سالانہ چندہ بھی جنوری ۱۹۸۴ء سے ہندوستان کے لیے بیس روپیہ اور بیرون ہند کے لیے ساٹھ روپیہ کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اہل تصنیف اور مصارف کے قدر دان اس معمولی اضافہ کو بہ طیب خاطر گوارا کریں گے۔
"نیچر"

شذرا

مولانا ابوسعید علی ندوی کی تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچویں جلد اس سال شایع ہوئی ہے اس کی اشاعت
اس سلسلہ اذہب کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے مگر اہل علم کے ذوق کا مطالبہ ہے کہ یہ ابھی جاری رہتا۔

اس کی پہلی جلد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، حضرت
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، غزالیؒ، زکریا سلح الدین ایوبیؒ، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ، مولانا جلال الدین
رومیؒ اور شمس تبریزؒ، دوسری میں امام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ، تیسری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ،
حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، چوتھی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، اور اس
پانچویں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالات اور کارناموں کا ذکر خیر ہے یہ وہ بزرگان دین و دانش
ہیں جن کی شخصیتیں جانی پہچانی ہوئی ہیں مگر مولانا کے قلم کی ساحری ان کی تحریر کی شیوا بیانی اور طرز ادائیگی
سے ان پرانی یادوں میں تازگی کے نئے کنول کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مولانا کی فطری برقی طبعی وہی شیریں معانی
خدا وادہ پنچہ خیالی اور ولولہ انگیز جوش ایمانی ان کی تصنیفی زندگی کے اجزائے ترکیبی ہیں جن سے ان کی خوش وضع
اور خوش آہنگ تحریریں خوب بخود جاندار اور باوقار ہو جاتی ہیں آج کل ادب و انشاء کی باگ جن بانگوں کے
ہاتھوں میں ہے ان کا معیار یہ ہے کہ جو کوئی اچھی ناول نگاری اور انشاء نویسی کرے یا شعر و ادب پر اپنی تنقید
کی صیح یا غلط جولانی طبع دکھائے یا تنقیدی تحریریں لکھ کر لوگوں سے واہ واہ حاصل کرے تو وہی ادیب اور
انشاء پر دانہ ہے لیکن جو مذہبی تاریخی اور کلامی رنگ کی تحریروں کے چمن میں اپنے جگہ کے خون دے دے کر
گل اور بوٹے کھلتے ان کو وہ اپنی بد ذاتی سے ادیب اور انشاء پر دانہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔
ادب و انشاء کا کمال تو یہ ہے کہ خشک موضوعات کے خاستان کو شگفتہ تحریروں سے لالہ زار بنا دیتا ہے
مباحث کے اخلاق اور اشکال میں دلآویز طرز اداسے گل زار کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اندازین محسوس کریں

کہ ان کے خیالات کے رجحان میں معرفت و بصیرت کا سبزہ زار لہلہا رہا ہے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں میں یہ ساری محاسن پائے جاتے ہیں ابھی اپنی تصنیف دعوت و عزیمت کی چوتھی جلد میں اکبر کے دین الہی کی نقد ^{انگریزی} اس کی مدافعت میں اہل عقل کے قلم کی گمراہ کن طراریں پھر اس کی مخالفت میں حضرت مجدد الف ثانی کے تجدیدی تب و تاب کے بے چینی اور مستند وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی روشنی اور نکتہ رسی کی وضاحت جس طرح کی ہے اس سے اسباب علم لطف اندوز ہو جیسا ہے تھے کہ ان کی پانچویں جلد کی علمی بحثوں کا خوان بنام کے سامنے ہجہ گیارہ اس کی ابتدا بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کی سیاست کے ساتھ اس زمانے کے ہندوستان کی تاریخ سے ہوئی ہے پھر شاہ ولی اللہ کے اجداد و والدین بزرگوار اور خود ان کے حالات ہیں اس کے بعد ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے کہ انھوں نے کس طرح اصلاح عقائد پر زور دیا، دعوت الی القرآن کی تلقین کی، حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج کی سہمی کی، نقد و حدیث میں تطبیق کی دعوت دی، شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی کی، محمد اللہ الباقی کے تہمتوں میں اسرار و مقاصد کی وضاحت کی، احادیث مقدسہ کو سمجھنے اور سمجھانے کا شوق دلایا، نظام خلافت کی اہمیت کا احساس پیدا کیا، خلفائے راشدین کے احسانات کو تسلیم کرنے کا جذبہ بیدار کیا، بعض حیثیتوں سے قابل توجہ حصہ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مغلیہ دور کے احتضار و انتشار میں اسی کا فائدہ اُٹھایا گیا، پھر انھوں نے اپنے زمانے کے مختلف طبقات کا احتساب جس طرح کیا ہے اس کی طرف توجہ دلا کر یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ ترجیح بھی مسلمانوں کے لیے شعل ہدایت ہے، ان کے فرزندان گرامی خلفائے ذی مرتبت اور نامور محاصرین کے ذکر سے کتاب پُر از معلومات ہو گئی ہے، آخر میں ان کی تصنیفات پر مختصر لیکن پُر مغز تبصرہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سمجھنا آسان نہیں تھا شاہ ولی اللہؒ کے علمی و تجدیدی کارناموں کا اور اک بھی شکل نہ گزولانا جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کو سمجھا کہ ان کے نظری و فکری مسائل کو سیر انہم کر دیا ہے، اسی طرح شاہ ولی اللہؒ کی علمی و دعوتی اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کا احاطہ اس خوبی سے کیا ہے کہ اب ان کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی، علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب علم الکلام میں لکھا تھا کہ شاہ ولی اللہؒ کی نکتہ سنجیوں کے لئے غزالی، مازنی اور ابن رشد کے کارنامے

میں نے یہ دیکھا کہ یہ نیکو شخص اس کے ساتھ ساتھ ملا اور اس کی زندگی نے یہ نیکو شخص کو جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں
اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مغرب و ملکہ سیاست و افکار کے وقت کا بھی سفر و بھجکا ہے جس پر جو
اسلاف کے زوال کا تجزیہ کر سکتے ہیں پھر اس میں شاہ ولی اللہ کی تحریروں کی روشنی میں حدیث و فقہ کی تطبیق، اجتہاد
تعلیم کے درمیان نقطہ اعتدال، ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع، تمدن، سیاست اور احسان کی بھی بڑا
مقیاس ہے اور جو میں جمع و قایف کی کوشش کے سلسلہ کے جوہر میں ان میں موجودہ لوگوں کے علماء کیلئے دعوت و ترویج
کی جو پھر ان علم مسائل کے ساتھ شاہ ولی اللہ کے امکان، دولت، کمزوریوں اور خوبیوں میں بڑ جانے والے شیعہ کی اولادوں، خلفاء
میں متعسف و لغو اور تارک الدنیا زادوں و غیر کی کوئی ہوتی ہوئی رگوں پر جس طرح ٹنگی ٹھکڑی ان سب کی کتاب میں سامان و طاوین
یکتہ انداز میں سمجھایا گیا ہے اور یہ سب اس کی تیار و خوبی و امید کہ یہ علی حلقوں میں شوق سے پڑھی جائے گی جس کے
اس کے ناظرین کے دلوں سے یہ آواز اٹھے گی کہ اور دوسرے لکھنے میں ایک بہت اچھی کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔

مقالہ

مستشرقین اور مطالعہ سیرت

ڈاکٹر عبدالحمید اشرف پروفیسر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، پاکستان،
مستشرقین کی زیر نظر فرست دو حصوں میں منقسم ہے، حصہ اول میں اکثر بیشتر وہ مستشرقین شامل
ہیں جنہوں نے سیرت رسول پر مستقل تصنیف یا دو کا رچھوڑی ہے، یا جو مطالعہ سیرت کے حوالے سے مشہور
و معروف ہیں، اور جن کا مکمل حوالہ بھی مل گیا ہے، دوسرے حصہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں جن کی سیرت پر
اگرچہ مستقل تصنیف نہیں ہے لیکن ان کے مضامین، مقالات اور کتابوں میں سیرت کے کسی ایک پہلو یا چند
پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور جن کا پورا حوالہ بھی دستیاب نہیں ہوا، دونوں حصوں میں ترتیب

حروف تہجی کے اعتبار سے قائم کی گئی ہے، انسانی تقدم و تاخر کا لحاظ نہیں رکھا گیا،
اس فرست کی تیاری میں اگرچہ ان تمام کتابوں سے مدد لی گئی ہے، جن کا حوالہ وقتاً فوقتاً تاریخی جائزہ
کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، تاہم بطور خاص تین کتابوں سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے، یعنی (۱) اتھینی،

نجیب - المستشرقون، (۲) الزرکی، خیر الدین - الاعلام، (۳) حمادے - محمد دی پروف، اسے
سلیکٹڈ بیبیوگرافی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وقت اور وسائل کی کمیابی کے سبب
یہ ممکن نہ تھا کہ مستشرقین کے ناموں کے لحاظ اور سبب، وطن ملک اور زبان کی دعایت سے تحقیق کر کے لکھے جاتے،
اس سلسلہ میں عام انگریزی مضموم کو سامنے رکھا گیا ہے، تاہم یہ توقع ہے کہ تحقیق مزید کے ضمن میں یہ سرسری
فرست انشاء اللہ نقطہ آغاز ثابت ہوگی، اور دوسرے کام کرنے والوں کیلئے عمدہ معاون ہوگی، (دعا گو)

فہرست منشرین حقیقت

- 1- محمد آدم
Mohammad and Mohammedanism Adams, Isaac
(Chicago, 1900)
- 2- حسین
The Life and Death of Mahomet Addison, Lancelot
Mahomet, the author of the
Turkish religion. (London, 1619)
- 3- سید
Mohammed (Philadelphia 1901) Adelar, Felix H.
- 4- امیر
Mohammad al Religious Stifter Ahren, Karl
(Leipzig 1935)
- 5- ابن
The Land of the Messiah, Aiton, John
Mahomet, and the Pope (London
1854)
- 6- آرنلڈ
The Preaching of Islam. (London Arnold F.W.,
1896)
- 7- آرنلڈ
Islam, its History, Character Arnold, J.M.
and relation to Christia-
nity. (London. 1874)
- 8- آرنلڈ
Life of Mahomet (New York 1911) Irving, Washington

History of the Saracens Ockley, Simon

(London 1847)

Confutacion del Alcoran y Oksagon, L. de. ۱۰- ادکسان

Secta Mahometana (Granada.

1555)

Mohammads Profet der Arab- Eigeman, Jakob ۱۱- ابجین

ieren (Amsterdam. 1898)

Des effets de tareligion de l'ner, G.B. ۱۲- ادسنر

Mohamed (Paris. 1810)

Islam under the Arabs (Ken- Oden, R.D. ۱۳- ادویم)

don 1876)

Vizlat Muhamad Kuranjanak Osstern, S. ۱۴- ادوزک

ethikajabiz (Budapest 1903)

An Account of the Rise and Stubb, H. ۱۵- ادشیب

Progress of Mahometanism

(London. 1911)

History of the Ottoman Emp- Upham, Edward ۱۶- ادافم

ire. Preceded by the life of

Muhammad (Hurst. 1826-35)

Arbutnot, F.F. ۱۲- اربوت
Life of Mohamud. (Allahabad Sprenger, A. ۱۸- اسپرنگر

1851) Das Leben und die Leh-
reden Mohamud (1851-1861)

Muhammad and Muhammadanism. Smith, Bonarville ۱۹- اسمت
London. 1874 (Reprint-Lahore)

Mahomet at Les Arabes (Rome. Bachelat, Theodore ۲۰- بچلات
1878)

Mohammed and Islam-A compo- Bacon, A.S. ۲۱- بکن
rison with orthodox chris-
tianity. (New York, x 1911)

Mohammad und de Seinen. Beckendorf, H.C. ۲۲- بکن ودف
(Leipzig. 1907)

Talks on Mohamed and his Becken, theodor. ۲۳- بکن
followers (London. 1932)

The dictionary historical Bayle, Pierre ۲۴- بیل
and critical of Mr. Peter
Bayle (Ed) (London. 1734-1735)

Mohammedin imposturae. Bedwall, W. ۲۵- بیڈویل
(London. 1615)

Muhammad, His Biography and Bernfeld, Simon. بی بی
the begining of the Religion
on of Islam (Warsaw, 1914)

The Life and Teachings of Begum, Annie. انی بی بی
Muhammad. (Adyar, 1932)

Le Problems de Mahomet Blachere, Regis. ۲۸-۲۹
(Paris, 1952)

Mcnamara of Keranen (Hamar Blom, P. ۲۹-۳۰
1904)

Muhammed Islam Store Profet. Blytt, Eva. ۳۰-۳۱
Kristianuica. 1911

Life of Mohammed (Bombay 1851 Bowen, George. ۳۱-۳۲
Muhammed Skuespiel, the akter Brandes, C.E.C. ۳۲-۳۳
(Obernava, 1895)

The Messenger- the life of Bodley, R.V.C. ۳۳-۳۴
Mohammad (London, 1946)

(1) Histoire des Arabes, Aved, Bouleau Villiers
la vie de Mahomet (Amsterdam ۳۴-۳۵
1731)

(11) Vie de Mahomet.-(1730)

Veber Muhamed-(Frankfurt Brequigny, H.D. ۲۵-۱۷۹۱)
1791)

Doche, Muhammad, Jesus

Belin, O.E.

(London.1998)

History of the Islamic Peop- Brockelmann, C. ۲۶-۱۷۷۱
le(New York.1947)English Tr.

Islam : A short Study

Brooks, Archibald ۳۴-۱۷۷۱

The Way of the Prophet

Brown, D.A. ۳۹-۱۷۷۱

An Introduction to Islam

(London.1962)

The Era of Mahomet(London Brown, G.L.

۴۰-۱۷۷۱

1856)

The Beggar of the Soldier Buckle, Henry ۴۱-۱۷۷۱

Gautama or Mahomet(London.

1903)

Des leben Muhammads(Leipzig Buhl, F.P.W.

۴۲-۱۷۷۱

1930)

Founders of Great Religion Burrows, Miller ۴۳-۱۷۷۱

Being personal sketches of famous leaders (Newark, 1831)

The Life of Mohammed: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the Saracens. (Newark, 1830) ۴۳- بنش

Pilgrimage to Mecca and Medina. (1856) ۴۵- بله
Basset, Rane ۴۶- برن
قصیدہ پروردہ - جو میری مع سیرت حضرت محمد ﷺ

Mohammed und der Koran (Stuttgart, 1951) ۴۸- پونی
Penet, Rude

The Holy Sword of the Story of Islam from Muhammad to the present (London, 1961) ۴۸- پاستی
Payne, P. S. R.

Contra Los partalistan Mahometanos (Rome, 1905--06) ۴۹- پیدپو
Padlo, San Basual

Über die Blutrache beiden vormaligen Arubern und Mahomeds (Leipzig--1899) ۵۰- پرنش
Prucksch, Otto

History of Islamism Taylor, H. O. ۵۱-۱۹۲۲

and its sects. (London-1884)

Seeds of the Quran. (London- Tinsall, H. St. 6 ۵۱-۱۹۲۲

1905)

Mohammed the Great Arabian Townsend, H. St. ۵۱-۱۹۲۲

(Houghton-1912)

A study of History (London- Tombs, A. J. ۵۱-۱۹۲۲

1954-51)

Muhammed (Leipzig. 1907) Trance, E. Von. ۵۵-۱۹۲۲

Studies in Biography. (London- Trotter, H. J. ۵۱-۱۹۲۲

1865)

Historie de la vie de Mahomet Tuppin, F. R.

Legislative de l'Arabie,

(Paris: 1776--79)

Muhammed and the Conquests
of Islam. (New York. 1968)

Gabrieli, Francesco

Vie de Mahomet (Amsterdam

Jagzier, J.

1748)

Mohammed (Paris-1838)

Genevay, A.

۵۰-۱۹۲۲



Mohammed ein Charakterbild Georgen, E. F. ۴۰-جورجن

(Berlin. 1878)

Islam Mohammed and his Reli- Jaffery, Arthur ۴۱-جیفری

sion (Newyork. 1958)

Muhammad and his Power

Johnston, P. Lacy de

۴۳-جانسن

(Newyork. 1901)

سیرت ابن ہشام مع سن و ترجمہ لکھی. یسین احمد بھٹو ۴۴-جونگ Jong, P. de.

La vie de Mahomet (Paris. 1962) Gheorghiu, C. V. ۴۵-جیورگیو

Mahomet les Khalifes. (Paris- Chagavat, Michel. S.

۴۶-چکاواٹ

1912)

La Vie de Mahomet (Paris 1929) Dermengham, E.

۴۷-درمنگھم

Maometta (1931)

Ducati, Bruno ۴۸-دوکات

Mai shaya Muhammad. (London-

Dale, Cedetray ۴۹-ڈیلے

1909)

Mohammad. (Newyork. 1926)

Dibble, R. P. ۵۰-ڈیبل

Apology for Mohammed and the Quran. (London. 1869) Reprint.

Davenport, John. ۵۱-ڈیونپورٹ

Labore—1975.

The Alcoran of Mahomet

De Ryer, Andre. ۵۲-ڈورییر

(London. 1649)

Mahomet, Founder of Islam Graycott, G. H. ۴۲-۵۲
(London. 1894)

Mahomet dans Son Temps (Gemo- Ducasse Raymond
vs. 1908) ۴۲-۵۲

Vie de Mohammed (Paris 1837) Desvergers, W. ۵۰-۵۱

Spanish Islam (1883) Dozy, R. P. A. ۵۱-۵۲

Het Tslamisme (Krusenan. 1863)

The Life and Death of Mahomet Raleigh, Sir W. ۵۱-۵۲
(London. 1637)

Vita di Maometto (Milano. 1922) Ram Poldi ۵۸-۵۹

Mohamed und die Beninen Reckender, H. ۵۹-۶۰

(Leipzig 1907)

Reflections on Mohammedanism Reeland, A. ۸۰-۸۱

and the conduct of Mohamed

(London. 1712)

Mohamed und die Welt des- Rehm, H. S. ۸۱-۸۲

Islam (Leipzig-1765)

Notice sur Mahomet (Paris 1860) Reinaud, J. T. ۸۲-۸۳

De religione Mohammedica Ibra Reiland, H. ۸۳-۸۴

due (Utrecht 1704)

Mahomet et les origines de L' Islam, Ernest Renan
Islamism. (Paris-1880)

L'Islam et Son Prophet Rink, F.Th
(Lausanne -1870)

Hayyey Muhammad Rivlin, Josef. J.
(Mizze). 1932

(i) L'Islam: Mahomet et les Rodinson, M.
Origines de L'Islam (Paris-
1957)

(ii) Mahomet. (Paris. 1961)

Life of Mahomet. (London. 1833) Roebuck, J. A.

Mahomed. (New York. 1907) Romro, Jacob

Voici Le Vrai Mohamed et La Zakarias, Heuna.
L'au'x Coran (Paris 1960)

La Cedenza religiose de Maom- Sacco, G.
ettq. (Rome-1922)

The Koran or Al-Coran of Sale, George
Mohammad. (London. 1734)

Morale de Mahomet (Paris 1784) Sawary Claude E.

The Life of Muhamad (London- Sall, Edward ۱۲۳۴
1813)

Ono Successu Davidicos Hyma- Svan Borg, A. ۹۵-۳۰۰
nes Unitatis Si: Mihamed.

Upsaliso. 1886)

A History of Medieval Islam Saunders, J. J. ۹۶-۳۰۰
(London, 1965)

Muhammed testies vanitatis- Schreeder, M. G. ۹۷-۳۰۰
Contrascipsum (Leipzig. 1718)

Mohammed: The Man and his Tor-Andrae ۹۸-۳۰۰
Faith. (Tr.) London. 1956

Mahomet: La Science Chez Les Pavrot, Alexis ۹۹-۳۰۰
Arabs (Paris. 1866)

Mahometanism Unveiled. (Lon- Forster, Charles ۱۰۰-۳۰۰
don. 1829)

Mohammad a Regebbi Zeridosag- Fried, Dezero ۱۰۱-۳۰۰
Megitelaseben (Budapest. 1934)

Mohamed, Munzer und Bockold Forebing, J. C. ۱۰۲-۳۰۰
(Hanover. 1788)

۷۵۵
(i) Annalideh e Islampoli. Castani, Leone
1905-26

(ii) Maometto Profeta d'Arsa-
bia (Ika Lima 1910)

The Hero as Prophet-Mahomet. Carlyle, Thomas
(New York, 1902)

Cette dp. L'Islam-Impressions Castries, Heuridelac
et etudes. (Paris, 1912)

Leben Muhammed's des Stifter's Olenens, J.F.G.
der Muhammadanische Religion.
(Himberg 1814)

Muhameds Religion aus dem Claudius, H.H.
Koran (Atena-1908)

Maometto agli Ebrei (Milans. Corinaldi, Gino
1925)

Anecdotes of Hazret Mohammad Karimi. R.W.
London, 1939

Muhammed, Maus Lefnad bere- Kastner, Carl
tted. (Stockholm, 1908)

Mohamed and Mohamedanism (London, 1889) Koelle, S. V. ۱۱۰ کوئیل

(London, 1889)

Mohamed der Prophet. (Hamburg- Kroppen, P. ۱۱۱ کروپن

1851)

Essai Sur l'Histoire des Arabes. (1847) Caussin de Perceval A.P. ۱۱۳ کاسین دی پرسوال

Risalah-Ed. Tien (London, 1880) Al-Kindi ۱۱۴ الکندی

The Apology of al-Kindi. (Lo-

ndon, 1887) By Muir.

Le Doctrine et les Deviers de la Religion Musulmane. Garcin de Tussy ۱۱۵ گارسین دی تاسی

(Paris, 1826)

Mahomet. (Paris, 1957) Gaudefroy De- ۱۱۶ گادفری

Hombynes ۱۱۷ دی مپائن

Mohamedanism-an

Gibb. H. A. R. ۱۱۸ گیب

Historical Survey (London

1953)

Life of Mahomet. (Newyork, 1879) Gibbon, Edward ۱۱۹ گیبون

Mohamed and Islam. (Tr) Yale. Goldziher, Ignac ۱۲۰ گولڈزیهر

(1917)

Levy, Eliezer ۱۲۹- یسوی

Levy, Eliezer (1887)

The Arabian Prophet : a life ۱۳۰- یسوی

of Mohammed from Chinese and

Arabic Sources (Shanghai. 1921)

Islam, Her moral and Spirit- Leonard, Arthur G. ۱۳۱- یسوی

ual Value. (London. 1927)

The Speeches and Table Talk Lane-Pool, Stanley ۱۳۲- یسوی

of the Prophet Mohammed. (Lo-

ndon. 1882)

انوار محمد (۱۹۱۱ء)

Lammens, P.H. ۱۳۳- یسوی

فاطمہ و بنات محمد (دوم ۱۹۱۲ء)

مد الاسلام (دوم ۱۹۱۴ء)

Muhammed, sans hayake Pamoje Madan, A.C. ۱۳۴- یسوی

na habariza Waslinin na Matu

ruki. (London. 1888. Eng. Tr.

London. 1896

(1) Allaha il ۱۳۵- یسوی

Perma (Estere. 1922)

(11) Mahomet ne imposteur.

(London. 1920)

La Vite di Maometto. (Milans Manfredi, Vit. ۱۳۶-۱۳۷
1888.)

Mohammed and the rise of Margolouth, D.S. ۱۳۶-۱۳۷
Islam. (New York. 1903)

Mahumeti-Vita rampole gest- Marsoci, Louis ۱۳۸-۱۳۹
ara Synopsia. (Rome. 1691)

Historie-del falsay perver so Martin, H.J. ۱۳۹-۱۴۰

Profeta Mahoma. (Madrid. 1781)

The life and the religion of Mahomet, J.L. ۱۴۰-۱۴۱
Mohammed the Prophet of Ara-

bia. (London. 1921)

Maomettoeil paradigh. (Mila- Messera, Pina ۱۴۱-۱۴۲
ns. 1946)

An History of Mahomedanism Mills, Charles ۱۴۲-۱۴۳
London. 1817)

Memories of the life of Milson, H.R. ۱۴۳-۱۴۴
Mahomet. (London. 1727)

۱۳۳-مونیر
Mahomet, Sa Vida. (Madrid. 1727) Monters Ividal, J.

False divinities: On Moses, Moses, the Law giver
۱۳۵-موسس

Christ and Mahomet and other

religious deceptives. (London

1876)

History of Religis: Judaism Moore, G.F. ۱۳۴-مور

Christianity, Mohamodanism.

(Newyork, 1929)

The life of Mahomet pom ori- Moir, Sir. William ۱۳۶-مور

gingal Sources. (London. 77)

Spiritual heroes, a study of Muzzev, D.S. ۱۳۸-موزے

the World's Prophets. (New-

york, 1955)

Vita di Maometto. (Rome. 1946) Nathane, C.A. ۱۳۹-ناتھن

A Literary History of the Nicololsen, R.A. ۱۴۰-نیکلسن

Arabs. (Newyork, 1907)

Das Leben Muhamed's nach der Noldeke, Theodor
۱۴۱-نولڈے

Quellen Populär dargestellt

(Hannover. 1863)

An Out Hge of Islam (London- North, C. E. ۱۵۲-۱۵۳
1934)

(I) Muhammad at Mecca. (1958) Watt, M. M. ۱۵۲-۱۵۳

(ii) Muhammad at Medina. (1956)

(iii) Muhammad Prophet and

Statesman. (London. 1981)

Mohammad de Prophet Sain Leb- Well, Gustav ۱۵۲-۱۵۳
gn and Scine Lehre. (Stutt-
gart. 1843)

Fra Missionen Blamat Muhomaa Weilejus, H. ۱۵۵-۱۵۶
edamers, (Denmark. 1909)

HATF Hours with Muhammad : Wollaston, Sir. A. M. ۱۵۶-۱۵۷

Being a popular Account of
the Prophet of Arabia and of
His more immediate followers
together with a short synop-
sis of the religion he found-
ded (London)

Muhamad und sein Werk (Stutt- ۱۵۶-۱۵۷
gurt. 1933)

۱۵۸-دشمنیہ، F. W. (تاریخ کے لحاظ سے) سیرۃ ابن ہشام کی تعلیمات
ماضی مدینہ منورہ۔ تاریخ اشرف کے دیوہ

۱۵۹-دشمنیہ، F. W. (تاریخ کے لحاظ سے) سیرۃ ابن ہشام کی تعلیمات
ماضی مدینہ منورہ۔ تاریخ اشرف کے دیوہ
1657)

(1) Mohammad, Messenger of Allah. (Philip. 1657)

(2) Mohammed (a Bengali Account of the life of Mahom-
-ed) Calcutta. 1855

Religio Turcica, Mahometis sive Wallich, J. U. ۱۶۱-دانش
(Successus, 1659)

Das Bild Muhammads in Wandel. Heas, Hans ۱۶۲-پرس
der Zeiten. (Berlin 1916)

Mohamed elate est. 2. (Buda- Hatale, Peter. ۱۶۳-پشال
pest. 1878)

The Three Great Prophets of the World. (Woking. 1923)

An Apology for the life and character of the celebrated
Higgins, Godfray ۱۶۴-پشال

Prophet of Arabia called

Mohammad the illust-

rious. (London. 1833)

History of Mahomet the Hillie Frederick H.

the Great Imposture.

۱۶۶ ہارڈ

(Falkirk 1821)

Mohammed B (Eatevia. 1939) Howell, W. R. B. V.

Moisa, Jesus, Mahomet

Holbach, Powl, H.

۱۶۶ ہوریل

(Valencia, 1903)

۱۶۷ ہوریش

Mahomet, Prophetes

Holma. Harri

Arabes (Paris. 1946)

۱۶۸ ہولما

The Story of Mohamed

Holland, Edith

(London 1914)

۱۶۰ ہالینڈ

- works in Selected -

Huyghe, O. S.

(ed) (Leiden. 1957)

۱۶۱ ہیرگرینج

سلسلہ اسلام اور مستشرقین

اسلام اور مستشرقین کے سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں درج ہیں۔ (۱) روداد و میناد اسلام اور

مستشرقین اور مجملہ مقالات جو ان میں ہیں پڑھئے (۲) علامہ شبلی اور مستشرقین (۳) مولانا سید سلیمان ندوی اور مستشرقین

ذکر اللہ و احسان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خوشنویسی کا فن اتنا زرق و گریبا تھا کہ اس میں روٹیاں بھی نام پیرا کر کے لکھتیں۔

ان خط اجداد دینی میں کتابوں نے اس فہم میں اتنا غور پیدا کیا کہ بارہ کوئی رسم خط لکھ کر جن میں خط اہل سب سے زیادہ شکل تھا پھر ہندو میں ایک خط ایک دو جیسے خط ۶۷ اتنی اور خطوں کی جاتا تھا خط براہوئی کرتا رہا، تاکہ کہ کتاب حوالہ نے جو براہو کہ کتاب تھا اس خط کے قواعد و اقسام کو ضبط و ضبط کیا۔

خلیفہ مامون کے عہد میں علوم کی ترقی کے ساتھ فن خوشنویسی کو بھی زرق برقی بارش کوئی طوفان
 زرق کر کے میں ملک پہنچ گئے تھے۔ ابن کثیر کوئی خط میں تھا، اور کوئی خط سرکاری و مذہبی رسم خط
 تھا، وزیر مامون ذوالریاستین فضل المتونی سینہ سپر لے ایک خط ریاسی ایجو کیا جو گردش
 سارے رسم خطوں کو فائق تھا، اس سے جو دور رسم خط پیدا ہوئے تھے، اس عہد میں خوشنویسی اتنی
 ترقی کر گئی تھی، کہ خاندان کے خاندان اس شریف پیشے کو اختیار کرنے لگے تھے، چنانچہ مقتدر باللہ
 کے استاد ابو الحسین اسحاق شاگرد بن محمد ان اپنے دور کا سب سے اچھا خوشنویس تھا، اس کا بھائی،
 جیسا، پرتغاب، اسی کی وڈش پر لکھتے تھے، اس نے کتابت کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لوائی
 کے نام سے لکھا تھا، لوگ اس فن کی طرف رغبت کرنے لگے تھے، خطاطوں کا تصور روں سے
 زیادہ مرتبہ بلند تھا، اس لئے ادب و تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ محفوظ ہے،

اس زمانہ میں ابو علی محمد بن علی ابن مقلہ بغدادی شافعیہ المقتول ۳۲۸ھ وزیر

۱۔ پیچیشا خوار خطا ماننا، از عبد المجید ایرانی ص ۸۶ و ۸۷، خط خطای طالبان ص ۴۳، انوشیروان بن ابدوسلمانی

المشهور باسم الجواب ص ١٠٩، انتشار الخط العربي في العالم الشرقي والغربي، تأليف عبد الفتاح عباد، مصر: مطبعة الهند

طبعة ١٩١٤ م. ١٢٠ الفهرست لابن النديم ص ١١٠-١٢٠. ايضا في "مختصر" ص ١١٠. ايضا في "مختصر" ص ١١٠. ايضا في "مختصر" ص ١١٠.

مع المفردات النادرة من ۱۵-۱۴ شمس أيضاً ۱۳-

خلفہ مقتدر و افغانی اللہ، شکر و ایم جی، حوالہ نام فن خطاط اور شاعر، کئی
خط کا طرز نگارش ہندوستان ہے، اس کی اساس زاویہ وار طرز نگارش ہے، اس کا مقلد کو ان قدوں
فنون سے طبعی مناسبت تھی، اس نے اس خط کو جس کا ابتدا میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال
سے آغاز ہوا تھا، بعد میں خط نسخ کا نام دیا گیا، انقلاب پیدا کیا، اور کوئی رسم الخط کی جگہ اس کو
قرآن مجید کا رسم خط بنایا، یہی ساری دنیا میں اسلام کا رسم خط ہے، پیچیدہ کوئی رسم خط جس کا لکھنا
پریشانی کا موجب تھا، منسوخ قرار دیا، ابن مقلد نے اس خط کے بارہ قواعد مرتب کئے تھے،
اس کا طرز نگارش ضرب المثل ہے، یہی شاعر نے کہا ہے،

فصاحت حسن و خط ابن مقلد وحکمت لقمان وعفة مقلد

حسن کی فصاحت اور ابن مقلد کا خط لقمان کی حکمت اور حضرت مرثم کی عفت
اذا اجتمعت فی المرء واللمعة مفلس وفودی علیہ لایباع بدرھم

جب یہ باتیں کسی آدمی میں جمع ہو جائیں اور وہ مفلس ہو، اور اسکے فنونہ خط کی بولی لگائی
جائے تو افسوس کہ وہ جس کی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہوگی۔

اسلامی تمدن نے مشرق و مغرب میں دو معنوی دائمی آثار و نقوش نفوس انسانی پر چھوڑے ہیں۔

۱۔ آثار القلوب فی الحضارات و المنسوبات للعلیٰ بن حسین محمد ابو الفضل، ایم، القاہرہ، مطبعۃ المدنی، ۱۳۸۲ھ

صفحہ ۷۰ و ۷۱ سے الخطاط ابن ندوی علی بن الملک المشہور بابن ابیہاب، صفحہ ۱۰

۲۔ ایضاً، آثار الخط العربی، صفحہ ۱۵، سید بریل اللہ دبیر نثر ادبی، سرخوشی و درقین نجم جوی و دیگر ابیہاب

۳۔ ہندو مدرم شمارہ ۱۳۱ (۱۳۵۱ء) ص ۵۳-۵۴، تذکرہ خوشنویسان معاصر از علی راہجری، تہران

کتاب خادایں سیاہ ۱۳۱ (۱۳۳۶ء) ص ۵۵، تذکرہ خوشنویسان معاصر ص ۵۵ میں مقرر فرما

ابن الفغانی نقل کیا ہے۔ نفیس لہ قدر بمقدار بدرھم



ہندوستان کے مغربی دور تعلقات مدرسہ کراچی کے دوران اس علم کی پیش رفت میں کئی تبدیلیاں
میں آئی تھیں، تجارت اور دوسرے معاہدات کی کشش بھی تھی، یہ سیاح جب مغرب سے واپس آئے
تو عرب کی شوکت و عظمت کے افسانے سناتے اور ان کے ثبوت میں مسلمانوں کی صفائی اور
کاروباری کے دھوکے میں کرتے جو وہ مسلمان ملکوں سے لیکر آتے تھے۔

غریب و کتب خانہ عباسی میں خطوطاں سی ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، چنانچہ ابن
ابن عربی درک حاصل کرتے تھے، محمد بن عبد الرحمن بن عمر قرطبی ملطوفی ۳۲۳ھ حنفیہ محمد بن ابی عامر
منصور کے شاہی کتب خانے میں اور اس کے فرزند کے خزانہ الکتاب میں کتبوں کی تصحیح و مقابلہ
پر مشغول تھے، ان کو اس فن میں کمال حاصل تھا، چنانچہ ابن اثار کا بیان ہے۔

کان من اعلم الناس بالکتب	محمد بن کتبوں اور ان کے اسباب
وعلمها وایہ جمعہ جمعها و	دلیل کے سب سے بڑے عالم تھے کتب
افسارہ خطوطها و نسبہم	کو جمع کرنے دوران کی دراقوں کی طرف
لہائی وراقھا۔	نسبت کرنے میں سب سے زیادہ اہر تھے،

کان من اعلم الناس الخ کے الفاظ سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں شرقی
(ایشیا و افریقہ) اور مغرب (اسپانیہ) میں کتب خانوں و خطوطاں کی کثرت سے موجود تھے،
اس فن میں درک و علم حاصل کرنے کے لیے نامور خوشنویسوں اور دراقوں کے خطا کے نمونے
بجھ کر کے اس فن میں بصیرت حاصل کرتے تھے، شاہی کتب خانوں میں ایسے ہی ماہر خطوطاں

Thomas Arnold Islamic Art and its influence on

Painting in Europe - میراث اسلام ترجمہ عبد الجبار ملک دہلوی انجمن ترقی

ادب ۱۹۵۵ء کے لکھنے والے کتاب العربیہ ملیت، ابن اثار، انصافی، القاهرة، عربیہ
الکتاب، ۱۹۵۵ء۔

کتاب شناسی نظم و نظام و کتب کی خدمات پر مامور کئے جانے لگے۔

عربی رسم الخط کی نظری سادگی، روحانی دو لکشی اور دوسرے رسم الخطوں پر اپنی نوعیت کا انفرادیت اس دور کے شہرہ آفاق مورخ تان جنی کو بھی ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید امر ہے کہ ترک و طینی حروف کو اپنے پرانے رسم الخط کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بھرا اور ناموزوں پاتے ہیں، بلکہ شکل اور بے ڈھنگ بھی، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ عربی رسم الخط اپنے حسین دائروں کے ساتھ ہمارے طینی رسم خط سے کہیں اعلیٰ دارن ہے یہ محقر بھی ہو، اور رواں سلسل اور خوش اسلوب بھی، ایک قوم جو عربی رسم الخط استعمال کر رہی ہو اسے شادستہ مینہ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔

دوسرے خوشنویسی | مد عباسی میں خوشنویسی کا فن مد اس میں سکھایا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ مد اس میں اس کا مستقل شعبہ قائم کیا جاتا تھا، یہ فن خطاطی کی اشاعت کا سبب تھا تحصیل علم کے بعد طلبہ دال علم کو یہ فن مادی زندگی میں معاشی احتیاج سے متنبی کرتا تھا، چنانچہ ابابائظاکی جو نہایت عمدہ شاعر و خطاط تھا، اس نے جب نظام الملک طوسی کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تو اس نے اس کی بہت قدر کی، چنانچہ نظامیہ نیشاپور میں ٹھہرایا، یہاں انھوں نے خوشنویسی سکھائی۔

کتابت و خوشنویسی کی تعلیم و فردغ کے لئے جداگانہ مدرسہ بھی قائم کیا جاتا تھا، تاکہ کن بوں کی نقل کے لئے کتابوں اور خوشنویسوں کی کمی مائرہ میں محسوس نہ کی جاسکے۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ ابو الرضی محمد بن احمد بن داؤد المعروف بالفید المتوفی ۳۵۹ھ

Arnold J. Toynbee, A study of history London,
Oxford University Press, 1939. vol. II, PP. 51-55

لہ دمیه القصص و معصية اهل العصر، ابي الفتح محمد بن داؤد الخزازي، طب المطبعة العلمية
۱۳۵۵ھ

بند میں لکھا تھا، جس میں معروف خوشنویس اور شاہی کاتب نے یہ خط لکھا تھا۔
 یہ کتاب بھی ایسا ہے کہ اس قسم کا درجہ خوشنویسی کی تربیت گاہ (Training Centre)
 کا کام دیتا تھا۔

تقریباً ۱۹۴۸ء میں علی احمد جانا میں تالیف کرتے نہیں پڑھاتے، طلبہ اور علماء کو
 اس امر کی تصدیق کے لئے سند دیتے تھے، کہ یہ کتابیں انہوں نے حسب استعداد اور حسب
 موقعہ دیکھی تھیں یا جڑا استاد یا مصنف سے سمجھ کر پڑھی ہیں، اور استاد نے کتاب کو پڑھانے اور
 سننے کے بعد اہمیت کی بنیاد پر انہیں کتاب روایت کرنے کی اجازت دی ہے، اور اصل استاد
 یا مصنف کی موجودگی میں کتاب کو مستانہ اس کتاب کی صحت کا ضامن ہوتا اس نسخہ کو غلط و
 الحاق سے پاک سمجھا جاتا اس نسخہ کتاب سے پڑھنا، پڑھانا، نقل کرنا اقتباس پیش کرنا مستند سمجھا
 جاتا تھا، اس کو اصطلاح محمدین میں صحت و ضبط کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے محمدین کا یہ وہ
 زور اصولی ہے، جس کی تطبیق ائمہ لغت وغیرہ نے بھی کی ہے۔

وہ عالم جو مصنفین اور اساتذہ فہم سے کتابیں روایت نہیں کرتا اور کتب خانے میں
 بیچ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا، ان سے اقتباس لیتا، وہ مصحفی لکھا جاتا تھا، اس کی کتاب اور
 اقتباس کو کبھی سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تھا، چنانچہ احمد بن محمد بن عثمان بن عیسیٰ نے جو
 زبردست لغوی اور کتاب الفحائل کا مصنف تھا، مقدمہ کتاب میں اس مسئلہ اصول کی مخالفت
 کی اور کہا:-

میں نے اس کتاب میں جو اقتباس پیش کئے ہیں وہ مذکورہ بالا کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

۱۰ اعلام للزرکلی ج ۱ ص ۲۱۲ سے تہذیب اللغہ محمد بن احمد اللہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون
 القاهرة، دار الفکر، ۱۹۶۲ء للطباعة

مکن ہے محض نگار و نگارین اور اس امر میں تنقید کریں کہ میں نے جن علماء کی طرف ان اقوال کی نسبت کیا ہے، ان سے مجھے نہایت وسوسہ حاصل نہیں، ان کتابوں سے اقوال نقل کرتا ہوں اس عالم کے لیے موجب عیب نہیں جو صحیح و غلط کو پہچانتا ہو۔

ازہری نے موصوف کے اس موقف پر سخت تنقید کی اور کہا بلاشبہ ہستی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جن کتابوں سے اس نے اپنی کتاب میں اقتباس پیش کئے ہیں ان کا سماع اسے حاصل نہیں، ان اقتباسات کے لئے مذکورہ بالا غرض پیش کرتا ہی اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ صحیح ہے اور صحیح کا ذخیرہ وہ کتابیں ہوتی ہیں، جن کا وہ مطالعہ کرنا ہے، ان میں تعویض کرتا، غلط پڑھنا اور زیادہ پڑھنا ہے، تاکہ ان کتابوں کے مواد سے لوگوں کو متعارف کر ائے، حقیقت اس نے اساتذہ فتنہ سے نہیں سنا اور اسے علم نہیں کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے، وہ صحیح ہے، یا غلط اور ہم نے جو زیادہ پڑھا ہے، وہ نیز بزور اور صحیح نقطون کے ساتھ ضبط تحریر میں آیا ہے یا نہیں اس کی تصحیح اور باب نظر نے کیا ہے یا نہیں یہ ایسی غلطی ہے جس پر جاں ہی اعتماد کر سکتا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کتابوں کی سند حاصل نہیں، ان سے اقتباس پیش کرتا درست نہیں، ان سے تائید و استشہاد کے طور پر اقتباس پیش کرنے کا حق ہر عالم کو حاصل ہے، اس لیے کہ اس کے پاس اس کی اصل اپنے سلسلہ سند سے موجود ہوتی ہے، ازہری فرماتے ہیں۔

”الوقایہ نے ابو سعید ضریر (۲۱۵ھ) سے برسوں استفادہ کیا، بہت سی کتابوں کا سماع کیا پھر ہر ات آکر شمر سے بعض کتابوں کا سماع کیا، اور یہ اس کے علاوہ تھا جو موصوف نے نصیح دینغ پڑیوں سے سنا اور یاد کیا تھا، اب وہ کسی ایسے آدمی کا ذکر کریں

سلف تہذیب الفتنہ محمد بن احمد الاذہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرہ، دارالقومیت العربیہ

خطبات مسند احمد، ج ۱، ص ۳۴۵ تہذیب الفتنہ ازہری، ص ۳۴

ان دو حصوں میں سے پہلے اہل مشرق و مغرب کا دستور تھا، بعض علماء و محدثین پر زیادہ زور دیا، اور یہی کہ شکل حرف کو کتاب کے حاشیہ پر حرف کے سامنے لکھ کر یہ حرف نقطہ والا ہو یا بے نقطہ والا تاکہ قاری کو رہنمائی ہو سکے اور اشکال ہائے عام طور پر جب کتاب باریک اور سطروں میں بھی گنجائش کم ہو تو اسے پورا لکھنے سے اشکال ہاتا رہا، چنانچہ حاکم نے نیچے چھوٹی حاشیہ بنائے جن کے نیچے جھوٹا ع اور صاد، طا، دال اور راء کے نیچے چھوٹی سی صا وغیرہ بناتے تھے، یہی بعض اہل مشرق و مغرب کا دستور تھا، بعض علماء و محدثین پر تبرہ (مجزہ کا سا) نشان بناتے تھے، بعض علماء و محدثین مملہ میں نقطوں کو بدلتے تھے، اور انہیں اہل کی غرض سے نیچے لگاتے تھے۔ اہل مشرق کا دستور یہ ہے کہ وہ حرف مملہ پر نصب تبرہ کے بعد بہت ہی مختصر خط میں حرف کے اوپر لگاتے ہیں۔ بلکہ ابن درستی نے تصریح کی ہے کہ بعض کاتب غایت درجہ اعتناء کی وجہ سے ہر مشتبہ حرف جیسے راء، سین، صاد اور عین کے نیچے بھی نقطہ لگاتے تھے، تاکہ راء، شین، صاد، ضاد اور عین جن کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے، امتیاز ہے، مذکورہ بالا امور کی تصدیق کتاب "حذف من لب قریش عن مورع السدوسی" سے جو مشہور نحوی و دراق، ابراہیم بن عبد اللہ نجیری المتوفی ۷۷۷ کے مکتوبہ نسخے کی جاسکتی ہے، جس کی تفصیل صلاح الدین المنجد نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۰ پر پیش کی ہے۔

کتاب کا مقابلہ کتاب کو نقل کرنے کے بعد شیخ کے اہل شنیدہ نسخہ سے مقابلہ کرنا لازم ہے، یا پھر کسی ثقہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے، بغیر مقابلہ و صحت نسخہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے، عمارت میں اگر کہیں کوئی اشکال ہوتا ہے، تو مقابلہ و صحت سے وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

۱۔ اولیاء، ص ۵۰، ۲۔ کتاب الکتاب لابن دستویه، ص ۴۴، ۳۔ کتاب حرف من قلب

قرئ لمدرج بن عمرو السدوسي تلميذ صلاح الدين المشهد القاهرة : مكتبته دار العربية سنة ١٩٦٥ م ٥

اس نسخہ میں اس نے ضروری قرار دیا کہ اس کتاب کا ذکر ہر وقت ضروری رہتا ہے۔ قلب خائن ہوتا ہے، نظر بھڑکتا ہے، قلم ہلک جاتا ہے، اس لئے باقاعدہ نسخہ قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا، اور کتب خانوں میں ایسے نسخوں کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی، تخریج اور الحاق نقی اگر کتاب نقل کرتے وقت کوئی حرف یا جملہ چھوٹ جائے تو بین السطور لکھا جائے، حاشیہ کتاب میں (حق)، اضافہ کو بین السطور پر سامنے لکھا جائے عبارت کا تکرار اوپر کی طرف سے ہو تاکہ وہ اضافہ اسی سطر تک یا دو تین سطروں تک ختم ہو جائے اور اس کے آخر میں صحیح کا لفظ یا بعض علی کی طرح بعد التعمیم، رجوع یا انتہی الحقی لکھا جائے۔

مردہ بات جو کتاب کے حواشی اور کلاموں پر "تبیہ" تغیر اور اختلاف ضبط کے عنوان سے لکھی جاتی ہے، اس پر تخریج نہ کی جائے کیونکہ اس سے التباس پیدا ہوتا ہے، یا اسے بھی اصل متن، کتاب سے سمجھ لیا جاتا ہے، تخریج صرف اسی امر کی کرتا ہے، جس کا اصل کتاب سے تعلق ہو، بسا اوقات اس تخریج کے ساتھ حرف پر مثلاً ضہ یا تصحیح کا اضافہ کیا جاتا ہے، جو اس اضافہ مرقومہ کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ وہ اصول ہیں جو خلیفہ مستنصر اللہ کے خزانہ الکتاب میں بیت المقابله والنسخ کے کمرانوں نے اس کے محل میں وضع کئے اور برتنے تھے، قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے شیوخ ادب نے بتایا ہے، کہ حرف صحیح (ص) اور ح (ح) کے ساتھ، اگر لکھا جاتا ہے تو یہ صحت حرف کی علامت ہو، تاکہ کسی دہی کو خلل و نقص کا گمان نہ ہو، یہ مختصر لفظ صحیح لکھنے کے برابر ہے اور اگر ص بنیر ح کے لکھی جاتی ہے تو حرف کے یقین ہونے کی علامت ہے، اسی لئے اس پر پورا حرف نہیں لکھا جاتا یہ اس کے نقص کا آغاز ہے، اس حرف کو "ضہ" کہتے ہیں، یعنی یہ حرف مقفل ہے، اس کے صحیح پڑھنے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

فرب قلم زد کرتا، کلمہ لکھتا، نقل کتب میں حوت، لفظ یا جملہ قلم سے زیادہ نقل کیا، جو اصل کتاب
 شق (پیرتا) اور خود مٹاتا، اس میں نہیں، اس کو قلم زد کرنے، مٹانے کے طریقے حسب ذیل تھے،
 جن کلمات کو خط کھینچ کر قلم زد کیا جاتا تھا، اس کو فرب و شق کہتے ہیں، علماء کلمات کو
 دو طریقوں سے قلم زد کرتے تھے، بعض علماء کا دستور یہ تھا کہ جن کلمات کو مٹانا ہوتا تھا اس کے
 اوپر آغاز حرف سے اختتام تک خط کھینچ دیتے تھے، بعض علماء اس طریق کو کتاب کا سیاہ کرنا
 سمجھتے تھے، وہ آغاز و اختتام عبارت پر نصف دائرہ بناتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں لفظ
 عبارت قلم زد رہا ہے، بسا اوقات تخریق (مٹانے) کے لئے بطور علامت شروع میں حرف
 "لا" اور آخر میں لفظ "الی" لکھتے تھے، یہ اس وقت کیا جاتا، جب کچھ حصہ غلط ہوتا یا کوئی
 حدیث کا ٹکڑا یا کلام کا حصہ رہ جاتا۔ لیکن سارا کلام غلط نقل ہو جانے کی صورت میں تخریق
 نام لینی پورا قلم زد کرنا بہتر سمجھا جاتا تھا، اچھے کاتب شیوخ فرب و تخریق کو پسند کرتے تھے، وہ اسی صورت
 میں دائرہ صغیرہ اول میں بڑھاتے اور اس کو وہ صغر سے تعبیر کرتے تھے، اس کے معنی ان کے
 نزدیک صغر کا درجہ خالی ہوتا تھا، اور یہ اس امر کی علامت تھا کہ دو صغر کے مابین عبارت
 صحت سے خالی ہے،

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نقل عبارت میں کمی و زیادتی واقع ہونے کی صورت
 میں کن ہول کو رہتا جاتا تھا، یہ عبد عباسی کے وہ اساسی اصول ہیں جن میں کچھ آج بھی درج ہے،
 میں ملاحظہ رکھنے چاہتے ہیں، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری اور انتخاب کتب میں ان باتوں
 کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عبد عباسی میں صفت
 تصحیح و مقابلہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، کتب خانوں میں اس کا بہت اہتمام
 ہے، الامام ص ۱۵۰-۱۵۱ الحدیث الفاصل ۱۱۱۱ فرزی ص ۶۰۶-۶۰۷ ص ۶۰۸ العلما فی البعث ص ۱۱۱ رد المحتار

کیا جاتا تھا، اور غریبوں میں ان اصول کو پھیلانا تھا، ان حقائق کے روشن ہونے پر
 بجا ہے کہ درباب حق کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کا پبلک لائبریری میں
 کئے جاتے ہیں اس کی ابتدا مسلمانوں نے کی تھی، مگر میں نے اپنے کتب خانوں میں اس کا ایک
 مستقل شعبہ لائبریری میں قائم کیا، اور جس طرح وہ فی مصلحتاً بننا چاہتے تھے، تصحیح کا کام بھی
 ہر دعائی میں کتابوں کی صحت حسب ذیل ذرائع سے کی جاتی تھی۔
 ۱۔ اساتذہ کرام سے۔

۲۔ نامور علماء سے تصحیح کا کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ کتب خانوں میں مقابلہ و تصحیح کے لیے مستحق علم رکھا جاتا تھا، جس میں نامور اہل
 کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کرتے تھے۔

قاعدہ صحت و اعتباری پہلو | مشہور لغوی ابو محمد قاسم زبیری بچپن ہی سے کتابوں کی خواندگی و
 میں لگ گئے، اور چالیس برس کتابوں کی صحت کرتے رہے تھے، بعض نابینا علماء بعض
 کی صحت میں استاد کا درجہ رکھتے تھے، ان سے کتابوں کی تصحیح کی جاتی تھی، چنانچہ مشہور لغوی
 ابوالقاسم شاطبی المتوفی سنہ ۷۹۰ھ سے بخاری، مسلم اور موطا پر بھی جاتی تو ان کی یادداشت
 نسخوں کی صحت کی جاتی تھی، اور مشکل مقامات پر مل طلب امور اور نکتے بھی لکھ جاتے تھے
 عالم و شاعر بقدر استطاعت متعدد نسخوں سے تحقیق و مقابلہ و تصحیح کرتا اور بسا اوقات
 اسے بہت سے نسخے میسر آ جاتے تھے، جیسا کہ اخبار ابی تمام میں مولیٰ کے بیان سے عیان ہے۔
 امام حسن صفائی لاہوری نے صحیح البخاری کا صحیح نسخہ مرتب کرنے کے لئے اور نسخوں کے علا

۱۔ مجمع الادب بار بیا قوت ج ۱ ص ۱۰۸ ۲۔ الانباء الردۃ للنفلی ج ۲ ص ۱۵۵ ۳۔ اخبار ابی تمام
 للہوئی تحقیق خلیل محمود عساکر، محمد عبیدہ عزام، نظیر الاسلام الہندی، بیروت، المکتبۃ البخاریہ
 ص ۱۰۸

امام ہماری کے شاگرد و تلمیذ کی کتب و تصانیف کا تذکرہ کیا تھا۔ بادشاہوں و وزیروں (امیرون) کے کتب خانوں میں ایک ضخیم تصحیح کا ہوتا تھا، اور یہ کام ابو الفتح سے لیا جاتا تھا، ابو العلاء حسین بن محمد بن ہرودہ نے کتاب جناس الجواهر میں لکھا ہے کہ میں ابو علی فارسی نحوی کے پاس بندہ بجا جاتا تھا بادشاہ نے ہفتہ میں دو دن انہیں کافی الکھانہ کے کتب خانہ میں کتاب السنہ کرہ کی تصحیح کے لئے مامور کیا تھا، اور حکم ثانی کے کتب خانہ میں تصحیح کرنے والے کتابوں کا مقلد تصحیح قصر شامی کے کتب خانہ قرطبہ میں کرتے تھے۔

مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرنا عرصہ دراز تک اس کی غامیاں دور کرتا، اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا۔ چنانچہ ابو بکر محمد بن عزیز حسینی نے کتاب نزهۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن چند و رس میں لکھی تھی، اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس برس میں لکھی تھی، انہی دو حصے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخاب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا، چنانچہ ابو الحسن علی بن المغیرہ الاثرم، المتوفی ۳۲۵ھ کے متعلق تصریح کی ہے، کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں۔ ابو الحسن علی طبری المتوفی بعد ۳۲۵ھ خود لغت کا عالم اچھا ناقل۔ تصحیح کتب کا دوا دہ تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا، جسے اس کے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا۔

فتح الباري، ج ١ ص ٨٨ من تاريخ الطبرستان في البحث العلمي ص ٣، معجم الادبار ج ٣ ص ٣١ مع ابنه الرقة
 لقط ج ٣ ص ٤٣، ٤١، ٤٢ فترت ما رواه من شيوع من الروايات المصنفة في ضرب العلم و انوارها
 لمحمد بن خزيمة، القاهرة، مؤسسة النجاشي ١٣٨٦ هـ ص ٦٢ مع الاتفاق للسيوطي ج ٣ ص ١٥٩، ١٦٠
 ص ١١٣ مع تصديره في غريب الحديث والاثيرة لاهل الاثر تحقيق طاهر عبد الزاوي، محمد ومحمد الطنجي ج ٢٠ القاهرة
 دار الفكر ١٣٨٣ هـ ص ٦٠ مع معجم الادبار ج ٥ ص ٧١ مع ايضا ص ٢٢ مع ايضا ص ٢٧ - ٢٨ -

ہدیہ جی میں رنگوں کے ذریعہ کتابوں کو متاویز کیا جاتا اور ترتیب سے رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو بکر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں سے متاویز کر کے رکھا تھا۔ یہ اسلامی عہد کے دیار مشرق و مغرب میں تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی تک کتب خانوں کی رنگوں سے زینت بڑھائی جاتی تھی، کمروں کی چھت، الماری، قالیچے، پردے اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابن قلیس قرطبی (۳۴۸ - ۴۰۲ھ) نے اپنے کتب خانے کے کمروں کی چھتوں، دیواروں، دروازوں، غالیچوں، پردوں، الماریوں اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھا، اور امتیاز قائم کیا تھا۔

مصاحف کی نقل اور علمی کتابوں کی کتابت و اشاعت کا اہم ذریعہ در اکت کا پیشہ تھا۔ علماء نے اس کو ہمیشہ قرار دیا، اور وراق کو اس نعمت کی قدر بھی بتائی تھی کہ وہ طلبہ و اہل علم کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جن کے متعلق گمان غالب ہو کہ وہ کاغذ علمی کتابیں لکھنے کے لیے خریدتے ہیں، انہیں ترجیح دیں، اصحاب ہونی اور خرافات لکھنے والوں کو کاغذ خود کرنے سے باز رہیں۔

کاتبوں کا ضابطہ اخلاق آج دنیا میں کسی ملک و قوم کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جو کاتبوں کو کتابت سے روک سکے اور انہیں حسن معاملہ کا پابند بناسکے لیکن اسلام نے کتابت کو معاملات میں داخل کیا آج دستاویز پابندیاں عائد کیں تاکہ معاشی دوز میں معاشرہ میں فساد و رافہ نہ پائے۔ وہ پابندیاں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۳۱۴ سے تاریخ تفسار الامام ابن ابی عمیر، ج ۱ ص ۱۰۱، المصنفی القاهر

دار الکتاب المصری، ج ۱ ص ۱۰۰ سے معید النعم میر انعم لکبی تحقیق محمد علی النجباء القاهرۃ -

دار الکتاب العربی، ج ۱ ص ۱۰۰ -

۱۔ کتاب و تہذیب پر لازم ہے کہ گراں کن اور فرغیدہ کتابیں لکھنے سے باز رہیں۔
عزیز بر باد چوتے ہیں، دین کا کوئی فائدہ نہیں جوتا، اسی طرح فتنہ ساز بھی بدست و بد کلمہ کے
موضوع پر کتابیں لکھنے سے گریز کرے، یہ عزت و آبرو کو ہمال کرنے کا سبب بنتی ہیں،
نقل نویسیوں کو ان باتوں سے بچنے کی ہدایت اس لئے کی جاتی ہے تا نیا دھوکہ دیتی ہے اور
اکثر اوقات اس قسم کی کتابیں نقل کرنے والوں کو غلطی کتابوں کے تعلق سے زیادہ اجرت
پیش کی جاتی ہے، لہذا نقل نویسیوں کو دنیا کے عوض دین فروخت نہیں کرنا چاہئے۔

نقل نویسی خدا کا خوف نہیں کرتے، جلدی جلدی لکھتے ہیں کتاب جلد پوری کرنے کی خاطر
نقل کرتے وقت بہت سی عبارتیں چھوڑ جاتے ہیں، حالانکہ مسلمانہ پوری کتاب کے نقل کا جوتا
ہے، ایسے نقل نویسیں علم کو برباد کرتے، اور خیانت کے مرکب ہوتے ہیں، کلام کہے ربط بنانے
جورم کرتے ہیں، مصنف کی تصنیف میں قطع و برید کا ارتکاب کرتے اور کام میں چوری کرتے ہیں
نقار میں، امام نووی نے تصریح کی ہے کہ کسی نے اجمت پر لکھوایا، پھر کتاب نے غلام
لکھا عربی زبان میں لکھوایا، اور اس نے کسی عجمی زبان میں لکھا یا اس کے برعکس کیا تو اس پر
کاغذ کی قیمت کا تادان آجائے گا، اور وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، قریب قریب
ایسی ہی بات امام غزالی نے فتاویٰ میں کہی ہے۔

علی بن عبد الکافی سکی سے کسی نے فتویٰ لیا کہ کسی نے نقل نویسی سے کتاب نقل کرنے کی
بات طے کی نقل نویسی نے ایک سال تک نہیں لکھا، اور اس مدت میں اس کا خط بٹھا ہوا ہو گیا
تو کیا اسے خط کے باصحا بھالنے کی وجہ سے زیادہ قیمت طلب کرنے یا مسامحہ فرم کر بیعت ہے،
موصوف نے فتویٰ لیا کہ دونوں باتوں کا اسے اختیار نہیں مابعد اجرت ہی پر لکھنا لازم ہے، جو نقل
نویسی سے اجرت پر لکھوائے، اس پر لازم ہے کہ وہ اوراق اور ہر صفحہ کی سطروں کا بھی نمونہ کرے

اگر یہی تھیں، تو وہ مادہ میں سہی بے کھا جاتا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اختلاص
صورت میں دفاحت ضروری ہوگی، ورنہ معاملہ کا اندام قرار دیا جائے گا۔

کاتب و ناقل کی شرطیں جو شخص علوم فقہیہ عربیت و اصول و فیرہ کی کتابیں نقل کرنا چاہتا ہے
پر لازم ہے کہ اس نے ان فنون کو پڑھ کر ان میں بصیرت پیدا کی ہو تاکہ وہ غلط و تحریف نہ
کے، الفاظ کو غلط پڑھے، غلط لکھے ہے، ایک باب کے دوسرے باب سے، سوال
جواب سے فصل کے دوسری فصل سے، اصل کے فرع سے اور فرع کے اصل سے امتیاز کو نہ
کوفاندہ ہے، سوال سائل کو اور موتر حق کے اعتراف کو خوب پہچانتا ہو، مقصد اور آخر کو
بات کو سمجھتا ہو، نقل کرتے وقت وہ ایک کلام کو دوسرے کلام سے مختصر فاصلہ پر نہ کرے
دوسرے کے قول کو ایسے اشارہ سے نہ بیان کر سکے جو اس کے امتیاز کی طرف رہنمائی کرے
ورنہ وہ ناقل و ناخ طاب ہیں، جسے نہیں معلوم کہ کس وقت صبح نو دار ہوگی وہ
سیلاب میں بہ رہے جسے صبح و شام کی خبر نہیں۔

جو تاریخ کی کتابیں لکھنا اور نقل کرنا چاہتا ہے اسے بادشاہوں کے نام، ان کے
ان کے اوصاف اور کینیتوں کو جاننا چاہئے، خاص طور پر عجم، ترک و خوارزم کے بادشا
کے اس لئے کہ ان کے نام عربی نہیں ہیں، انھیں نقل کے ذریعہ جانا جاتا ہے، اس بنا
رہنا، اصول اور اشاروں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملک، شہر، دیہات، قلعے،
شہر، قصبہ اور اقلیم کے ناموں کو جانتا اور ان اسرار کو جاننا جن میں خطی مشابہت اور
مختلف ہے، یا خطی و لفظی مشابہت ہے اور ان کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے
ناگزیر ہے، اگر ان میں اشتہاد ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، تو سامع کو الجھن ہوگی، اور واقعا

ایسی طرح سے ہفت نہیں ہو سکے گا، تاریخ کا تہہ در تہہ کہہ کر ان باتوں کو دیکھ کر کہے۔
 ناقل اشعار پر اوزان اور عربیت سے واقفیت بھی لازم ہے۔

انہی وجوہ سے ہندوستانی کی نوشتہ کتابوں میں غلطیاں کہانی جاتی ہیں اور اس سبب درکار
 ثقافتی و درشت عام طور پر غلطیوں محفوظ رہا ہے، جن اقوام نے اپنے علمی ورثہ میں محنت کا اہتمام
 نہیں کیا، ان کا تحریری سرمایہ اغلاط سے پر رہا، چنانچہ ہندو یوں ہندی عیسوی کے در سطح تک
 یورپ کو جو مسودات مہیا کیے، وہ اغلاط سے پر تھے۔
 یہ وہ مسائل ہیں جن سے آج بھی تعلیمی کتبوں کے نقل میں سفر نہیں۔

سلسلہ نصابی ادب فی فنون الادب شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النوری، القاہرہ، مطبعۃ دار الکتاب المصری

The Encyclopaedia Americana ۱۳۵۱ء - ۱۳۵۲ء - ۱۳۵۳ء

- ۱۹۹۰ - edn. Vol. 2 ۲۵۹۵

بزم تمثیویہ جلد اول

اس جلد میں شہنشاہ اکبر کے علمی ذوق اور علمی تندرانی کے سلسلہ میں ادب کے دہار کے گل سرسید عبد الرحیم
 خان خاندان کی علم پوری، علم دوستی، سخن بینی اور ادب کے علمی ذوق کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے، وہ جس طرح
 شعراء کی تربیت کرتا تھا، جس طرح نیا نیا کلام مینہ اون پر برساتا تھا، جس طرح ان کی تندرانی اور حوصلہ
 افزائی کرتا تھا، اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی کے ضمن میں خود اس کے مہار
 کے منسلک شعراء عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک فی، نظیری، نیشاپوری، مختتم کاشی، رسمی
 فوری شیرازی وغیرہ جیسے اساتذہ سخن کے مختصر حالات کے ساتھ ان کے ہر طرح کے کلام بہترین انتقا
 بھی کیا ہے، اس سے پہلے بار بار چالیوں کے علمی ذوق کے سلسلہ میں ان کے مہار کے ادب، فطرت اور شعراء کا ذکر
 اور ان کے کلام کا انتخاب ہے، قیمت ۱-۲۶ روپیہ، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن

علامہ برہان الدین مرغینانی

صاحب ہدایہ

از مجید اللہ کوئی ندوی، رفیق دارالمصنفین

علامہ برہان الدین مرغینانی، ماوراء النہر کے چھٹی صدی ہجری کے ان اکابر فقہاء میں ہیں، جن کی تصنیف ہدایہ نے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے، ہدایہ کے بارے میں علامہ کمال الدین محمد حاشا کبریٰ زادہ رومی (م ۱۰۳۳ھ) نے یہ رائے دی ہے کہ نقد پر لکھی جانے والی یہ سب سے اہم کتاب ہے۔^۱

لیکن اس زمانہ کے دوسرے اہل علم کی طرح، علامہ مرغینانی کے حالات بھی زیادہ دستیاب نہیں، تاہم جس قدر فراہم ہو سکے ہیں ذیل کی سطروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔
اسم گرامی اور نسب نامہ | علی نام اور ابو الحسن کینست ہے، شیخ الاسلام برہان الدین کے لقب سے شہرت پائی۔ اپنی تصنیف کتاب التہنیں والمزید، اور الہدایہ کے آغاز میں اپنا نام اس طرح تحریر فرماتے ہیں: ”ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل“۔

مولانا محمد کئی فرنگی محلّی نے یہ نسب نامہ لکھا ہے، ”علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل بن الجلیل بن

۱۔ کشف الظنون نمبر ۲۰۳ مطبوعہ دارالحدیث المعارف ترکی ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۸ء الجزائر المصنف فی طبقات المصنفین

مولانا محمد علی الدین عبدالقادر قرشی مصر ۱۸۷۱ء ۱۳۷۰ھ کتاب التہنیں والمزید دارالمصنفین ۱۳۷۰ھ الغنائم البسیہ ص ۵

ابن حجر العسقلانی المعروف فیہ کہ عاصم مرغینانی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں
 عاصم برہان الدین مرغینانی کا سنہ ولادت ۷۳۳ھ کی تاریخ لکھا
 انصاف میں بھی یہ ہے، لیکن یہ قطعاً درست نہیں، ہمیں یہ اسحاق ابو یوسفی مرغینانی ہرقہ میں معلم
 ایک صاحب علم اور باحیث شخص تھے، اور وہی ۷۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کے
 بچے میں لکھے ہیں کہ میرے والد کے درمیان قربت تھی، میرا نام عاصم بن یحییٰ بن محمد بن یحییٰ بن
 شاذ صاحب دیار نے اپنی بیعت شیراز میں نقل بھی کی ہے، محمد بن محمد صاحب دیار کی ان کی یہ تاریخ ۷۳۳ھ
 کافی پسے ہوئی، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں یہ تاریخ ۷۳۳ھ میں ہی ہوئی تھی تب بھی اس عادت یہ
 مسلم بن ہجو کہ عاصم مرغینانی ۷۳۳ھ تک توفیقاً تعلیم و تربیت کے اس مرحلہ میں پہنچ گئے تھے کہ علیہ شاذ صاحب
 دوسروں کو سناسکتے تھے، ان کے لوبی ذوق صرف متعاقب کا یہ حال تھا کہ ان شاذ کو اپنے مانتے میں نہ لے سکتے تھے،
 کہتے تھے، دوسرا سنہ ولادت، علامہ ابن حجر نے جو اس کے حوالے سے فرمایا ہے اس نے اپنے اجداد کا نقل کر دیا ہے کہ وہ
 وہ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان الدین کی ولادت بروز شنبہ بعد نماز عصر ۷۳۳ھ میں ہوئی، اس نے زر کی
 کا یہ لکھا کہ ان کی ولادت ۷۳۳ھ میں ہوئی صحیح نہیں،
 وطن | شیخ قاسم بن قطلوبغا نے اور منغل شہنشاہ بابر نے دج فرخانہ کا بھی حکم کیا تھا، عاصم
 مرغینانی کا اصل وطن "رشدان" کو قرار دیا ہے۔

یہ رشدان صوبہ فرخانہ کے شہر مرغیان کا ایک دیہات ہے، لیکن اپنی مردم خیزی علیٰ دو
 حیثیت مادی و تمدنی اہمیت کی وجہ سے چوتھی صدی ہجری میں مرغیان سے زیادہ اہم و عظیم تر
 باقوت عمومی اور تمدنی بنیادی نے رشدان کے بجائے رشتان کہا ہے، جس کا اندازہ ہوتا ہے کہ
 قریب انچاس ہزار کی وجہ سے یہ دونوں ہی لفظ متغیر ہوئے ہیں۔

۱۴۷۷ھ مقدمہ الہدایہ ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۷۸ھ اعلام ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۷۹ھ کتاب الفوائد ۱۴ ص ۱۴۳ ۱۴۸۰ھ البحر المحیط ۱۴ ص ۱۴۳
 ۱۴۸۱ھ مقدمہ الہدایہ ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۲ھ البحر المحیط ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۳ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۴ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷
 ۱۴۸۵ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۶ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۷ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷ ۱۴۸۸ھ بحر العلوم ۲ ص ۲۷۷

شیخ الاسلام مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی کی مناسبت ہی ہے الفرقانی فرشتہ
ارشاد الی کہا جاتا ہے فرقانہ صوبہ، مادرِ اوتھر کا ایک حصہ تھا جس میں ہمارا بیکنا، دیوبند، سرگندہ،
ناراب، شاشی، شفقین، کاسان، جوندہ، کاشغور وغیرہ کی ریاستیں شامل تھیں، اور یہ تمام علاقے
علوم فنون کے مرکز تھے، جن کی خاک ہے بے شمار اہم شخصیتیں اُنھیں، فرقانہ بھی ایک اہم مرکز
شمار کیا جاتا تھا، اس کے شہر مرغینان کے بارے میں یاقوت حموی نے خاص طور پر یہ شہادت دی ہے کہ
مرغینان مادرِ اہنہ میں فرقانہ کے اطراف کے معدود تریب شہروں میں ہی خلاصہ

اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد وہاں پیدا ہوئی تھی۔

تعلیم و تربیت | غالباً صاحبِ ہدایہ کے والد بزرگوار کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا ان کے حالات
پر وہ خفا میں ہیں، علامہ مرغینانی کی ابتدائی تعلیم اور تربیت وہاں ہی گذشتہ ان کے بعد مادری اہل
امام عرب حبیب بن علی زندر اسی کے یہاں ہوئی جو مرغینان میں قاضی کے منصب پر فائز تھے،
شمس اللہ امام سرخی کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، شاعر تھے، فقہ و علم کلام میں تبحر قوی
اور فضا کے مسائل میں دقیق النظر عالم اور امامِ دقت تھے، تصنیف و تالیف کا ذوق رکھتے
تھے، چنانچہ اپنے ایک استاد قاضی احمد بن عبدالعزیز زوزنی کی کتاب مسائل الاسرار پر حاشیہ

لے تقویم الہدایہ میں ۸۴۴ھ ۵۰۴ھ مطبوعہ میں مسئلہ ۱۰۷۷ جمعیہ الہدایہ ۸۵۵ھ ۲۰۷ھ قمری نے ایک
اور موقع پر ۲۵۷ھ ۱۰۶۷ھ اس کا نقطہء شش سے کہا ہے، میں زندر راشی یاقوت حموی کی جمع الہدایہ ۸۵۵ھ
۲۰۷ھ میں زندر راشی ہیکوچی بلد ان داکتہ کی فرست میں شاعر کیا گیا ہے، لیکن وہ اس کا نقطہ بتا کر گئے،
مزید تفصیل و تحقیق نہیں کی میرے خیال میں صاحبِ ہدایہ کے نام کی زندر اس کی طرف نسبت مکانی نہیں بلکہ
خانہ دانی ہے، ہندوستان میں اندر خاندان ۱۱۷۷ھ ق م سے ۱۱۷۷ھ ق م تک یعنی ۹۰ برس حکمران
رہا، اور اس کے فوراً چاروں نے حکومت کی، چوتھی مورخوں کے بقول اس خاندان کے آخری حکمران کا
نام زندر اس تھا، اس لئے یہ بات کہ بعد نہیں کہ مرثعت ہدایہ کے نام اس زندر اس کی نسل سے ہوں،
قدیم تاریخ ہند اب دوم فیضیہ ص ۱۵ مولد و نسبت اسے اس سے ترجمہ جامعہ عثمانیہ
میدر آباد۔

میں تحریر فرمایا تھا صاحب ہدایہ کے مرنے اور اولین اساتذہ سے رجوع سے انھوں نے علم کلام (جو منطقی و فلسفہ، عقائد اور فرق و مل کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہوتا تھا) عربی زبان و ادب اور شریعت کی تعلیم حاصل کی، ابھی وہ کم سن تھے کہ مسند اقا و خاندان ترک کے طور پر، امامانے ایک حدیث شریف ان کے سامنے پڑھی بارگاہ ائمی سے توت مانتہ کی دولت عطا ہوئی تھی چنانچہ وہ حدیث آخر تک علامہ مرغینانی کو یاد رہی، فرماتے تھے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک روایت حدیث کے جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ راوی حفظ حدیث کے زمانہ سے روایت حدیث کے زمانہ تک اس کو نہ بھولا ہو، چنانچہ اس شرط کے مطابق میرے لیے اس روایت کو بیان کرتا ہوں،

اسی دوران میں صاحب ہدایہ نے شیخ مناج الشریعہ محمد بن محمد بن حسین سے استفادہ کیا فرماتے ہیں کہ میں نے ادنیٰ عمر اور زمانہ کم سنی ہی میں شیخ سے پڑھا ہے، اور اس کے بعد بھی ۵۳۰ھ تک شیخ کے بحر علم سے مسلسل فہم حاصل کرتا رہا۔

اپنے ناما قاضی عرب حبیب زندر اسی کے انتقال کے بعد، علامہ مرغینانی نے فقہ و علم کلام کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے، صوبہ کے صدر مقام فرغانہ کے لئے رخت سفر باندھا فرغانہ بساں امام ابو الحسن نزدیکی کے براہ راست شاگرد، ابو المعالی ظہیر الدین بن زیاد ابن الہاس کی سند درس خاص طور پر شہرت رکھتی تھی، علامہ مرغینانی نے ان سے استفادہ کیا وہ اپنی فضیلت علمی کے باوجود خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے۔ فرغانہ ہی کے ایک اور بزرگ عالم شیخ عثمان بن ابراہیم خاندانی سے بھی علامہ مرغینانی نے فقہ وغیرہ کا درس لیا اور اجازت پائی۔

علامہ مرغینانی نے طلب علم کی راہ میں، سمرقند و بخارا، نیشاپور، مرو، بلخ وغیرہ کے سفر کئے، وہ عربی اور ہندو و ہمدان بھی گئے، اس سلسلہ میں وہ کہاں پہلے گئے، اور کہاں بہرہ میں، یا اساتذہ مابینہ سے استفادہ میں تقدم و تاخر کی نوعیت کیا رہی ہے بتانا دشوار ہے، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ عربی زبان و ادب اور علم کلام و فقہ کی تعلیم مقدم تھی، اور حدیث و تفسیر کی نحو، مگر چونکہ صاحب ہدایہ نے ہر ایک فن کی تعلیم کئی کئی اساتذہ سے حاصل کی ہے، اس لئے شہروں ہی کی ترتیب سے صاحب ہدایہ کے اساتذہ کا ذکر کیا جاتا رہا۔ فرنگی ملی، پندرہ و سوانح کے دوسرے مصنفین نے صاحب ہدایہ کے چند ہی اساتذہ کا ذکر کیا ہے، لیکن حسن اتفاق سے شیخ علی الدین عبدالقادر قرطبی نے ابوالہر المصنف میں مختلف فقہاء و محدثین کے تذکرہ میں بابکا، صاحب ہدایہ کی کتاب مجمل الشیوخ سے بھی اقتباسات لیے ہیں، جن سے صاحب ہدایہ کے دور طالب علمی اور ان کے اساتذہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ سمرقند نوجوانی ہی میں صاحب ہدایہ، سمرقند گئے، جہاں ان کے ایک قرابت دار قیس بن اسحاق ابوالمعالی (وفات ۳۵۵ھ) حیات تھے، وہ امام محمود بن عبداللہ جوزجانی کے شاگرد، اور امام ابوحنیفہ عمر بن محمد نسفی کے استاد تھے، ان سے ملاقات اور علمی استفادہ کے علاوہ، علامہ مرغینانی کے لیے امام زاید بن نجم الدین ابوحنیفہ عمر بن محمد نسفی (م ۳۵۵ھ) کی شخصیت خاص طور پر پڑی اہم تھی، وہ مفتی، فقیہ، محدث، مفسر، اور صاحب فضیلت تھے، ان کی روایت حدیث ۵۵۰ اساتذہ سے مروی تھیں، انہوں نے فقہ و حدیث پر کئی کتابیں لکھیں، جامع صغیر کو منظوم کیا، علامہ مرغینانی نے ان سے کچھ تصنیفات کی سنت کی، اور امام ظہیر الدین محمد بن عثمان کی رفاقت میں ان سے مصنفات کی کتاب المسندات کی

بھی تحریر فرمایا تھا، صاحبِ ہدایہ کے مرنے اور اولین استاذ بھی تھے، جن سے انھوں نے علمِ کلام (جو منطق و فلسفہ، عقائد اور فرق و مل کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہوتا تھا) عربی و ہان و ادب اور شہر و سخن کی تعلیم حاصل کی، ابھی وہ کم سن تھے کہ حسن آقا زاد اور غالباً تبرک کے طور پر، قاتلانے ایک حدیث شریف ان کے سامنے پڑھی بارگاہِ اہل بیت سے قوتِ حافظہ کی دولت عطا ہوئی تھی چنانچہ وہ حدیث آخر عمر تک علامہ مرغینانی کو یاد رہی، فرماتے تھے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک روایت حدیث کے جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ رادی حفظ حدیث کے زمانہ سے روایت حدیث کے زمانہ تک، اس کو نہ بھولا ہو، چنانچہ اس شرط کے مطابق میرے لیے اس روایت کو بیان کرنا جائز ہے،^۱

اسی دوران میں صاحبِ ہدایہ نے شیخ منہاج الشریعہ محمد بن محمد بن حسین سے استفادہ کیا فرماتے ہیں کہ میں نے ادائے عمر اور زمانہ کم سنی ہی میں شیخ سے پڑھا ہے، اور اس کے بعد بھی ۵۳۵ھ تک شیخ کے بحرِ علم سے مسلسل فیض حاصل کرتا رہا۔^۲

اپنے نامہ قاضی عربین حبیب زندہ راسی کے انتقال کے بعد، علامہ مرغینانی نے فقہ و علمِ کلام کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے، صوبہ کے صدر مقام فرغانہ کے لئے رخت سفر باندھا فرغانہ ایساں امام ابو الحسن بزدوی کے براہِ راست شاگرد، ابو المعالی فہر الدین بن زیاد ابن الہاس کی سند درس خاص طور پر شہرت رکھتی تھی، علامہ مرغینانی نے ان سے استفادہ کیا وہ اپنی فضیلت علمی کے باوجود خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ فرغانہ ہی کے ایک اور بزرگ عالم شیخ عثمان بن ابراہیم خواندہ سے بھی علامہ مرغینانی نے فقہ وغیرہ کا درس لیا اور اجازت پائی۔^۳

۱۔ المجاہر ج ۱ ص ۳۹۰ ۲۔ الفتاویٰ البیہ ص ۲۵ المجاہر ج ۱ ص ۲۴۵ بحوالہ عم الشیخ غنیۃ ایضاً ص ۲۴۵

علامہ مرغینانی نے طلب علم کی راہ میں، سمرقند و بخارا، نیشاپور، مرو، بلخ وغیرہ کے سفر کئے، وہ حرمین اور بغداد و ہمدان بھی گئے، اس سلسلہ میں وہ کہاں پہلے گئے، اور کہاں بہد میں، یا اساتذہ مابعدہ سے استفادہ میں تقدم و تاخر کی نوعیت کیا رہی یہ بتانا دشوار ہے، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ عربی زبان و ادب اور علم کلام و فقہ کی تعلیم مقدم تھی، اور حدیث و تغیر کی نحو، مگر چونکہ صاحب ہدایہ نے ہر ایک فن کی تعلیم کئی کئی اساتذہ سے حاصل کی ہے، اس لئے شہروں ہی کی ترتیب سے صاحب ہدایہ کے اساتذہ کا ذکر کیا جاتا مولانا فرنگی علی، یاتذکرہ دسواں کے دوسرے مصنفین نے صاحب ہدایہ کے چند ہی اساتذہ کا ذکر کیا ہے، لیکن من اتفاق سے شیخ محی الدین عبدالقادر قرطبی نے الجواہر المصنیۃ میں مختلف فقہار و محدثین کے تذکرہ میں بابا، صاحب ہدایہ کی کتاب معجم الشیوخ سے بھی اقتباسات لیے ہیں، جن سے صاحب ہدایہ کے دور طالب علمی اور ان کے اساتذہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

سمرقند نوجوانی ہی میں صاحب ہدایہ، سمرقند گئے، جہاں ان کے ایک فرایت دار قیس بن اسحاق ابوالمعانی (وفات ۲۵۷ھ) حیات تھے، وہ امام محمود بن عبداللہ جوزجانی کے شاگرد، اور امام ابوحنیفہ عمر بن محمد نسفی کے استاد تھے، ان سے ملاقات اور علمی استفادہ کے علاوہ، علامہ مرغینانی کے لیے امام زاہد، نجم الدین ابوحنیفہ عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۷ھ) کی شخصیت خاص طور پر بڑی اہم تھی، وہ مفتی، فقیہ، محدث، مفسر، اور صاحب فضیلت تھے، ان کی روایت حدیث، ۵۵ اساتذہ سے مروی تھیں، انھوں نے فقہ و حدیث پر کئی کتابیں لکھیں، جامع صغیر کو منظوم کیا، علامہ مرغینانی نے ان سے کچھ تصنیفات کی عمت کی، اور امام ظہیر الدین محمد بن عثمان کی رفاقت میں ان سے مصنفات کی کتاب المسندات کی

بھی سزاوت کی۔ بعد ان کے صاحبزادہ الامام محمد امجد بن عمر فرغی مرقدی (۱۰۵۵ھ) سے
بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔

مرقدی میں امام علی بن محمد بن اسماعیل اسماعیلی دوم (۱۰۳۵ھ) سے ایک ممتاز عالم نحو
جو شیخ الاسلام کی حیثیت رکھتے تھے، علامہ مرغینانی نے ان سے فن تدریس اور حاصل و کلام
میں بہت زیادہ استفادہ کیا، زیادت کے کچھ فتاویٰ اور مسوے اور چار سے صغیر کا ایک
حصہ پڑھا، انھوں نے علامہ مرغینانی کو علی الاطلاق اتار کی اجازت دی اور اس بارے
میں شانہ از ترفی العافا استعمال کرتے ہوئے انھوں نے تفصیلی سند بھی عنایت فرمائی۔

نیشاپور | یہاں امام نے شیخ صفی الدین ابو البرکات عبد اللہ بن محمد صاعدی سے درس لیا، اور
ان کی تمام روایات کی اجازت مطلقہ حاصل کی، شیخ صاعدی خانہ فی طور پر علم و فہم اور
صلاح و تقویٰ کے وارث اور اسی ماحول کے پروردہ تھے۔

مرو | یہاں جن شیوخ سے علامہ مرغینانی نے استفادہ کیا وہ یہ ہیں،

۱۔ محمد بن ابی بکر الخطیب البوسنجی الامام الزاہد، انھوں نے اپنی تمام مسموعات کی روایت
کرنے کی اجازت دی اور شیخ علی بن احمد الواعدی کی کتاب التفسیر الوسیطہ کا ایک نسخہ اپنے
دست خاص سے نقل کر کے عنایت فرمایا۔

۲۔ شیخ منیار الدین محمد بن حسین یرسونی، ان کو چار داسطوں سے امام مسلم بن الحجاج
القشیری سے صحیح مسلم کی اجازت و روایت کا شرف حاصل تھا، چنانچہ انھوں نے صحیح مسلم اور اپنی
تمام دیگر مسموعات کی صاحب ہدایہ کو اجازت دی اور اپنے دست خاص سے ۱۰۳۵ھ

۱۵۱۵ھ ۱۳۹۵ھ ۱۵۱۵ھ ۱۳۹۵ھ ۱۵۱۵ھ ۱۳۹۵ھ ۱۵۱۵ھ ۱۳۹۵ھ ۱۵۱۵ھ ۱۳۹۵ھ
فرنگی علی نے جن کا فرائضی تصریح کے مطابق زیادہ و کفوی کی طبقات الخفیہ رہی ہیں، کما جو کہ شیخ منیار الدین کو صحیح

میں ہر کہے جاتے تھے، فتویٰ مصری، فتویٰ کبریٰ اور فتویٰ جامع منیر حلال، آپ کے علمی
بادشاہ ہیں، صاحب ہدایہ کے خصوصی اساتذہ میں میں میں سے انھوں نے قطعاً اور کلام
وقفہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔

۲۔ شیخ احمد بن عبدالعزیز، برہان الدین عمر بن مازہ کے برادر ہیں، ان کو دو اساتذوں
سے امام محمد کی شاگردی کا شرف حاصل تھا، انھوں نے صاحب ہدایہ کو السیر الکبیر اور
اپنی تمام سموعات اور مستحاضات کی اجازت دی ہے۔

۳۔ شیخ محمد بن عبدالرحمن بخاری (م ۴۶۶ھ) یہ الزاہر العلاء کے لقب سے معروف
تھے، بقول سمعانی، فقیہ، مفتی، متکلم اور صاحب فضل تھے، ایک ہزار سے زیادہ اجزاء پر مشتمل تفسیر
قرآن لکھی انھوں نے محد ہدایہ کو تمام مستحاضات سموعات اور مصنوعات کی اجازت مطلقہ دی اور خود اجازت لے کر لکھ کر ضایۃ قرآن

۴۔ شیخ عثمان بن علی بیکندی، بقول امام سمعانی، بخاری میں شمس الائمہ سرخسی کے
آخری شاگردوں میں تھے، یہ بھی صاحب ہدایہ کے مشائخ میں ہیں۔

۵۔ علامہ سدید الدین ابوالرضا محمد بن محمود طرازی (م ۸۵۵ھ)، صاحب ہدایہ نے
ان کو بھی اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ بخاری میں انھوں نے مجھے تعلیم و اجازت
سے سرفراز فرمایا ہے۔

مرغیان | غالباً، علامہ مرغینانی، سمرقند وغیرہ کے تعلیمی سفروں کے بعد دوبارہ مرغینان واپس
آئے اور یہاں کے اکابر شیوخ سے انھوں نے خاص طور پر فن حدیث میں استفادہ کیا اور
اجازت حاصل کی چنانچہ انھوں نے، شیخ عبداللہ بن ابی الفتح، نخاعا ہی سے عمومی طور پر
روایت حدیث کی اجازت لی، شیخ فضل اللہ بن عمر، بغض اسفور قانی کے یہاں بھی سماعت

اور اجازت مطلقہ حاصل کی۔ یہیں امام نصیر الدین حسن بن علی مرغینانی بھی تھے، چار واسطوں سے امام ترمذی کے شاگرد تھے، ان سے صاحب ہدایہ نے ترمذی شریف کا درس لیا، اور اجازت لی، اس کے علاوہ مرغینان ہی میں شیخ ضیاء الدین صادق بن اسعد مرغینانی سے بھی ترمذی کا درس لیا، اور پھر اجازت پائی۔

رشدان یہ مرغینان ہی کا ایک گاؤں اور امام برہان الدین کا اصل وطن ہے یہاں ایک بار الامام الخطیب الزاہد محمد بن احمد اجماعی کی تشریف لائے، امام برہان الدین کے یہاں قیام فرمایا، امام نے ان سے دس حدیث لیا، اور اجازت حاصل کی۔

شیخ ابو بکر بن عاصم رشدانی، رشدان ہی کے باشندہ اور حکیم الامام الزاہد کے لقب سے معروف تھے، صاحب ہدایہ نے ان سے بھی تعلیم حاصل کی جس کا انھوں نے اپنی معجم الشائخ میں ذکر کیا ہے، اور ان کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

ابوشیخ الاسلام نصیر الدین محمد بن سلیمان اوشی اپنے علم و فضل کے علاوہ، زہد و عبادت میں بھی مشہور اور ممتاز تھے، اور زاهدوں میں شمار ہوتے تھے، انھوں نے اپنی نام مسوعات کی اجازت خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر، صاحب ہدایہ کو روانہ کی۔

حرمین و ہمدان ۵۳۲ھ میں صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین ابو حفص عمر بن عبد المؤمن گجودری بٹنی کے ہمراہ سفر حج کیا، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور پھر ہمدان وغیرہ کی راہ سے سفر واپسی بھی ایک ساتھ ہوا، اس طویل سفر میں جو ایک سال سے زیادہ مدت تک جاری رہا صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین سے درس حدیث لیا اور مختلف مسائل زیر بحث آئے

۱۔ الجواہر ۱ ص ۳۵ ۲۔ ایضاً ۱ ص ۱۹۸ ۳۔ ایضاً ۱ ص ۲۵۹ ۴۔ ایضاً ۱ ص ۳۳

۵۔ ایضاً ۱ ص ۲۶۷ ۶۔ ایضاً ۱ ص ۵۰

انھوں نے اپنے مرویات و روایات کی اہدات و رحمت فرمائی۔

بند اول: مؤلف ہدایہ، اپنی کتاب تفسیر و تخریج میں، اپنے بعد اؤ کے سرکار بھی ذکر کرتے ہیں جہاں انھوں نے شیخ بہاء الدین ابو الحسن علی بن الحسن بن عبد اللہ الغزنویؒ سے سماعت ہو پٹے کی شیخ کے لیے، انھوں نے الامام اہل الزاہد کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

وہ طالب علمی پر طلب علم کی راہ میں صاحب ہدایہ نے، اپنے زمانہ کے مشہور علمی و دینی مراکز کا سفر ایک سرسری نظر کیا اور اپنے وقت کے مشاہیر علم و دانش سے استفادہ کیا، ان کا ملاحظہ کیا کہ چین میں جو کچھ یاد کر لیا وہ آخر تک محفوظ رہا، وہ اپنی ذہنی و اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے یہاں بھی لائق تحسین اور قابل تعریف قرار پائے، شیخ الاسلام سیب جانی نے انھیں افکار کی سند دی تو اس میں ان کے بارے میں تحسین کے الفاظ تحریر فرمائے اور تفصیل سے ان کی خوبیوں کا ذکر کیا، برہان اللہ الصدر الشہید، دور طالب علمی میں صاحب ہدایہ کا بے حد اکرام کرتے اور اپنے خاص خاص اسباق میں بھی ان کو اپنے مخصوص تلامذہ میں شمار کرتے اور وہ جہاں ضرورت سمجھتے اپنے اساتذہ کے سامنے بحث و تحقیق سے بھی کام لیتے۔

۱۔ ہجری ۷۹۰ھ سے ۸۹۰ھ عافق تفسیر الدین محمد علی دادوی (دم ۱۰۰۰ھ) نے شیخ کا نام ہی طے کیا ہے، شیخ علی بن الحسن بن عبد اللہ الغزنوی (الواعظ) وہ لکھتے ہیں کہ شیخ غزنوی عربی و فارسی میں گفتگو کرتے تھے، خوش مزاج، اور خوش گفتار تھے، فقر و تغیر سے واقفیت اچھی تھی، مروت و ذمہ داری، سخاوت اور بڑے دماغ کا مال اور مسلمان تھے، مشہور تلامذہ خلیفہ عباسی کی اہلیہ نے ان کے لئے ایک رہا دے کر وادی تھی و ذرا دھار کا بلکہ خود خلیفہ بھی ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے، شیخ غزنوی کا انتقال ۵۰۰ھ میں ہوا جس کا سال ۸۰۱ھ ہے، (دیکھئے دادوی کی تصنیف طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۹۰ مطبوعہ شام) جس پر ہدایہ، سے کتاب تفسیر و تخریج (غزالی دار المصنفین) ج ۱ ص ۳۰۳، ج ۲ ص ۳۰۳، ج ۳ ص ۳۰۳، ج ۴ ص ۳۰۳، ج ۵ ص ۳۰۳، ج ۶ ص ۳۰۳، ج ۷ ص ۳۰۳، ج ۸ ص ۳۰۳، ج ۹ ص ۳۰۳، ج ۱۰ ص ۳۰۳، ج ۱۱ ص ۳۰۳، ج ۱۲ ص ۳۰۳، ج ۱۳ ص ۳۰۳، ج ۱۴ ص ۳۰۳، ج ۱۵ ص ۳۰۳، ج ۱۶ ص ۳۰۳، ج ۱۷ ص ۳۰۳، ج ۱۸ ص ۳۰۳، ج ۱۹ ص ۳۰۳، ج ۲۰ ص ۳۰۳، ج ۲۱ ص ۳۰۳، ج ۲۲ ص ۳۰۳، ج ۲۳ ص ۳۰۳، ج ۲۴ ص ۳۰۳، ج ۲۵ ص ۳۰۳، ج ۲۶ ص ۳۰۳، ج ۲۷ ص ۳۰۳، ج ۲۸ ص ۳۰۳، ج ۲۹ ص ۳۰۳، ج ۳۰ ص ۳۰۳، ج ۳۱ ص ۳۰۳، ج ۳۲ ص ۳۰۳، ج ۳۳ ص ۳۰۳، ج ۳۴ ص ۳۰۳، ج ۳۵ ص ۳۰۳، ج ۳۶ ص ۳۰۳، ج ۳۷ ص ۳۰۳، ج ۳۸ ص ۳۰۳، ج ۳۹ ص ۳۰۳، ج ۴۰ ص ۳۰۳، ج ۴۱ ص ۳۰۳، ج ۴۲ ص ۳۰۳، ج ۴۳ ص ۳۰۳، ج ۴۴ ص ۳۰۳، ج ۴۵ ص ۳۰۳، ج ۴۶ ص ۳۰۳، ج ۴۷ ص ۳۰۳، ج ۴۸ ص ۳۰۳، ج ۴۹ ص ۳۰۳، ج ۵۰ ص ۳۰۳، ج ۵۱ ص ۳۰۳، ج ۵۲ ص ۳۰۳، ج ۵۳ ص ۳۰۳، ج ۵۴ ص ۳۰۳، ج ۵۵ ص ۳۰۳، ج ۵۶ ص ۳۰۳، ج ۵۷ ص ۳۰۳، ج ۵۸ ص ۳۰۳، ج ۵۹ ص ۳۰۳، ج ۶۰ ص ۳۰۳، ج ۶۱ ص ۳۰۳، ج ۶۲ ص ۳۰۳، ج ۶۳ ص ۳۰۳، ج ۶۴ ص ۳۰۳، ج ۶۵ ص ۳۰۳، ج ۶۶ ص ۳۰۳، ج ۶۷ ص ۳۰۳، ج ۶۸ ص ۳۰۳، ج ۶۹ ص ۳۰۳، ج ۷۰ ص ۳۰۳، ج ۷۱ ص ۳۰۳، ج ۷۲ ص ۳۰۳، ج ۷۳ ص ۳۰۳، ج ۷۴ ص ۳۰۳، ج ۷۵ ص ۳۰۳، ج ۷۶ ص ۳۰۳، ج ۷۷ ص ۳۰۳، ج ۷۸ ص ۳۰۳، ج ۷۹ ص ۳۰۳، ج ۸۰ ص ۳۰۳، ج ۸۱ ص ۳۰۳، ج ۸۲ ص ۳۰۳، ج ۸۳ ص ۳۰۳، ج ۸۴ ص ۳۰۳، ج ۸۵ ص ۳۰۳، ج ۸۶ ص ۳۰۳، ج ۸۷ ص ۳۰۳، ج ۸۸ ص ۳۰۳، ج ۸۹ ص ۳۰۳، ج ۹۰ ص ۳۰۳، ج ۹۱ ص ۳۰۳، ج ۹۲ ص ۳۰۳، ج ۹۳ ص ۳۰۳، ج ۹۴ ص ۳۰۳، ج ۹۵ ص ۳۰۳، ج ۹۶ ص ۳۰۳، ج ۹۷ ص ۳۰۳، ج ۹۸ ص ۳۰۳، ج ۹۹ ص ۳۰۳، ج ۱۰۰ ص ۳۰۳، ج ۱۰۱ ص ۳۰۳، ج ۱۰۲ ص ۳۰۳، ج ۱۰۳ ص ۳۰۳، ج ۱۰۴ ص ۳۰۳، ج ۱۰۵ ص ۳۰۳، ج ۱۰۶ ص ۳۰۳، ج ۱۰۷ ص ۳۰۳، ج ۱۰۸ ص ۳۰۳، ج ۱۰۹ ص ۳۰۳، ج ۱۱۰ ص ۳۰۳، ج ۱۱۱ ص ۳۰۳، ج ۱۱۲ ص ۳۰۳، ج ۱۱۳ ص ۳۰۳، ج ۱۱۴ ص ۳۰۳، ج ۱۱۵ ص ۳۰۳، ج ۱۱۶ ص ۳۰۳، ج ۱۱۷ ص ۳۰۳، ج ۱۱۸ ص ۳۰۳، ج ۱۱۹ ص ۳۰۳، ج ۱۲۰ ص ۳۰۳، ج ۱۲۱ ص ۳۰۳، ج ۱۲۲ ص ۳۰۳، ج ۱۲۳ ص ۳۰۳، ج ۱۲۴ ص ۳۰۳، ج ۱۲۵ ص ۳۰۳، ج ۱۲۶ ص ۳۰۳، ج ۱۲۷ ص ۳۰۳، ج ۱۲۸ ص ۳۰۳، ج ۱۲۹ ص ۳۰۳، ج ۱۳۰ ص ۳۰۳، ج ۱۳۱ ص ۳۰۳، ج ۱۳۲ ص ۳۰۳، ج ۱۳۳ ص ۳۰۳، ج ۱۳۴ ص ۳۰۳، ج ۱۳۵ ص ۳۰۳، ج ۱۳۶ ص ۳۰۳، ج ۱۳۷ ص ۳۰۳، ج ۱۳۸ ص ۳۰۳، ج ۱۳۹ ص ۳۰۳، ج ۱۴۰ ص ۳۰۳، ج ۱۴۱ ص ۳۰۳، ج ۱۴۲ ص ۳۰۳، ج ۱۴۳ ص ۳۰۳، ج ۱۴۴ ص ۳۰۳، ج ۱۴۵ ص ۳۰۳، ج ۱۴۶ ص ۳۰۳، ج ۱۴۷ ص ۳۰۳، ج ۱۴۸ ص ۳۰۳، ج ۱۴۹ ص ۳۰۳، ج ۱۵۰ ص ۳۰۳، ج ۱۵۱ ص ۳۰۳، ج ۱۵۲ ص ۳۰۳، ج ۱۵۳ ص ۳۰۳، ج ۱۵۴ ص ۳۰۳، ج ۱۵۵ ص ۳۰۳، ج ۱۵۶ ص ۳۰۳، ج ۱۵۷ ص ۳۰۳، ج ۱۵۸ ص ۳۰۳، ج ۱۵۹ ص ۳۰۳، ج ۱۶۰ ص ۳۰۳، ج ۱۶۱ ص ۳۰۳، ج ۱۶۲ ص ۳۰۳، ج ۱۶۳ ص ۳۰۳، ج ۱۶۴ ص ۳۰۳، ج ۱۶۵ ص ۳۰۳، ج ۱۶۶ ص ۳۰۳، ج ۱۶۷ ص ۳۰۳، ج ۱۶۸ ص ۳۰۳، ج ۱۶۹ ص ۳۰۳، ج ۱۷۰ ص ۳۰۳، ج ۱۷۱ ص ۳۰۳، ج ۱۷۲ ص ۳۰۳، ج ۱۷۳ ص ۳۰۳، ج ۱۷۴ ص ۳۰۳، ج ۱۷۵ ص ۳۰۳، ج ۱۷۶ ص ۳۰۳، ج ۱۷۷ ص ۳۰۳، ج ۱۷۸ ص ۳۰۳، ج ۱۷۹ ص ۳۰۳، ج ۱۸۰ ص ۳۰۳، ج ۱۸۱ ص ۳۰۳، ج ۱۸۲ ص ۳۰۳، ج ۱۸۳ ص ۳۰۳، ج ۱۸۴ ص ۳۰۳، ج ۱۸۵ ص ۳۰۳، ج ۱۸۶ ص ۳۰۳، ج ۱۸۷ ص ۳۰۳، ج ۱۸۸ ص ۳۰۳، ج ۱۸۹ ص ۳۰۳، ج ۱۹۰ ص ۳۰۳، ج ۱۹۱ ص ۳۰۳، ج ۱۹۲ ص ۳۰۳، ج ۱۹۳ ص ۳۰۳، ج ۱۹۴ ص ۳۰۳، ج ۱۹۵ ص ۳۰۳، ج ۱۹۶ ص ۳۰۳، ج ۱۹۷ ص ۳۰۳، ج ۱۹۸ ص ۳۰۳، ج ۱۹۹ ص ۳۰۳، ج ۲۰۰ ص ۳۰۳، ج ۲۰۱ ص ۳۰۳، ج ۲۰۲ ص ۳۰۳، ج ۲۰۳ ص ۳۰۳، ج ۲۰۴ ص ۳۰۳، ج ۲۰۵ ص ۳۰۳، ج ۲۰۶ ص ۳۰۳، ج ۲۰۷ ص ۳۰۳، ج ۲۰۸ ص ۳۰۳، ج ۲۰۹ ص ۳۰۳، ج ۲۱۰ ص ۳۰۳، ج ۲۱۱ ص ۳۰۳، ج ۲۱۲ ص ۳۰۳، ج ۲۱۳ ص ۳۰۳، ج ۲۱۴ ص ۳۰۳، ج ۲۱۵ ص ۳۰۳، ج ۲۱۶ ص ۳۰۳، ج ۲۱۷ ص ۳۰۳، ج ۲۱۸ ص ۳۰۳، ج ۲۱۹ ص ۳۰۳، ج ۲۲۰ ص ۳۰۳، ج ۲۲۱ ص ۳۰۳، ج ۲۲۲ ص ۳۰۳، ج ۲۲۳ ص ۳۰۳، ج ۲۲۴ ص ۳۰۳، ج ۲۲۵ ص ۳۰۳، ج ۲۲۶ ص ۳۰۳، ج ۲۲۷ ص ۳۰۳، ج ۲۲۸ ص ۳۰۳، ج ۲۲۹ ص ۳۰۳، ج ۲۳۰ ص ۳۰۳، ج ۲۳۱ ص ۳۰۳، ج ۲۳۲ ص ۳۰۳، ج ۲۳۳ ص ۳۰۳، ج ۲۳۴ ص ۳۰۳، ج ۲۳۵ ص ۳۰۳، ج ۲۳۶ ص ۳۰۳، ج ۲۳۷ ص ۳۰۳، ج ۲۳۸ ص ۳۰۳، ج ۲۳۹ ص ۳۰۳، ج ۲۴۰ ص ۳۰۳، ج ۲۴۱ ص ۳۰۳، ج ۲۴۲ ص ۳۰۳، ج ۲۴۳ ص ۳۰۳، ج ۲۴۴ ص ۳۰۳، ج ۲۴۵ ص ۳۰۳، ج ۲۴۶ ص ۳۰۳، ج ۲۴۷ ص ۳۰۳، ج ۲۴۸ ص ۳۰۳، ج ۲۴۹ ص ۳۰۳، ج ۲۵۰ ص ۳۰۳، ج ۲۵۱ ص ۳۰۳، ج ۲۵۲ ص ۳۰۳، ج ۲۵۳ ص ۳۰۳، ج ۲۵۴ ص ۳۰۳، ج ۲۵۵ ص ۳۰۳، ج ۲۵۶ ص ۳۰۳، ج ۲۵۷ ص ۳۰۳، ج ۲۵۸ ص ۳۰۳، ج ۲۵۹ ص ۳۰۳، ج ۲۶۰ ص ۳۰۳، ج ۲۶۱ ص ۳۰۳، ج ۲۶۲ ص ۳۰۳، ج ۲۶۳ ص ۳۰۳، ج ۲۶۴ ص ۳۰۳، ج ۲۶۵ ص ۳۰۳، ج ۲۶۶ ص ۳۰۳، ج ۲۶۷ ص ۳۰۳، ج ۲۶۸ ص ۳۰۳، ج ۲۶۹ ص ۳۰۳، ج ۲۷۰ ص ۳۰۳، ج ۲۷۱ ص ۳۰۳، ج ۲۷۲ ص ۳۰۳، ج ۲۷۳ ص ۳۰۳، ج ۲۷۴ ص ۳۰۳، ج ۲۷۵ ص ۳۰۳، ج ۲۷۶ ص ۳۰۳، ج ۲۷۷ ص ۳۰۳، ج ۲۷۸ ص ۳۰۳، ج ۲۷۹ ص ۳۰۳، ج ۲۸۰ ص ۳۰۳، ج ۲۸۱ ص ۳۰۳، ج ۲۸۲ ص ۳۰۳، ج ۲۸۳ ص ۳۰۳، ج ۲۸۴ ص ۳۰۳، ج ۲۸۵ ص ۳۰۳، ج ۲۸۶ ص ۳۰۳، ج ۲۸۷ ص ۳۰۳، ج ۲۸۸ ص ۳۰۳، ج ۲۸۹ ص ۳۰۳، ج ۲۹۰ ص ۳۰۳، ج ۲۹۱ ص ۳۰۳، ج ۲۹۲ ص ۳۰۳، ج ۲۹۳ ص ۳۰۳، ج ۲۹۴ ص ۳۰۳، ج ۲۹۵ ص ۳۰۳، ج ۲۹۶ ص ۳۰۳، ج ۲۹۷ ص ۳۰۳، ج ۲۹۸ ص ۳۰۳، ج ۲۹۹ ص ۳۰۳، ج ۳۰۰ ص ۳۰۳، ج ۳۰۱ ص ۳۰۳، ج ۳۰۲ ص ۳۰۳، ج ۳۰۳ ص ۳۰۳، ج ۳۰۴ ص ۳۰۳، ج ۳۰۵ ص ۳۰۳، ج ۳۰۶ ص ۳۰۳، ج ۳۰۷ ص ۳۰۳، ج ۳۰۸ ص ۳۰۳، ج ۳۰۹ ص ۳۰۳، ج ۳۱۰ ص ۳۰۳، ج ۳۱۱ ص ۳۰۳، ج ۳۱۲ ص ۳۰۳، ج ۳۱۳ ص ۳۰۳، ج ۳۱۴ ص ۳۰۳، ج ۳۱۵ ص ۳۰۳، ج ۳۱۶ ص ۳۰۳، ج ۳۱۷ ص ۳۰۳، ج ۳۱۸ ص ۳۰۳، ج ۳۱۹ ص ۳۰۳، ج ۳۲۰ ص ۳۰۳، ج ۳۲۱ ص ۳۰۳، ج ۳۲۲ ص ۳۰۳، ج ۳۲۳ ص ۳۰۳، ج ۳۲۴ ص ۳۰۳، ج ۳۲۵ ص ۳۰۳، ج ۳۲۶ ص ۳۰۳، ج ۳۲۷ ص ۳۰۳، ج ۳۲۸ ص ۳۰۳، ج ۳۲۹ ص ۳۰۳، ج ۳۳۰ ص ۳۰۳، ج ۳۳۱ ص ۳۰۳، ج ۳۳۲ ص ۳۰۳، ج ۳۳۳ ص ۳۰۳، ج ۳۳۴ ص ۳۰۳، ج ۳۳۵ ص ۳۰۳، ج ۳۳۶ ص ۳۰۳، ج ۳۳۷ ص ۳۰۳، ج ۳۳۸ ص ۳۰۳، ج ۳۳۹ ص ۳۰۳، ج ۳۴۰ ص ۳۰۳، ج ۳۴۱ ص ۳۰۳، ج ۳۴۲ ص ۳۰۳، ج ۳۴۳ ص ۳۰۳، ج ۳۴۴ ص ۳۰۳، ج ۳۴۵ ص ۳۰۳، ج ۳۴۶ ص ۳۰۳، ج ۳۴۷ ص ۳۰۳، ج ۳۴۸ ص ۳۰۳، ج ۳۴۹ ص ۳۰۳، ج ۳۵۰ ص ۳۰۳، ج ۳۵۱ ص ۳۰۳، ج ۳۵۲ ص ۳۰۳، ج ۳۵۳ ص ۳۰۳، ج ۳۵۴ ص ۳۰۳، ج ۳۵۵ ص ۳۰۳، ج ۳۵۶ ص ۳۰۳، ج ۳۵۷ ص ۳۰۳، ج ۳۵۸ ص ۳۰۳، ج ۳۵۹ ص ۳۰۳، ج ۳۶۰ ص ۳۰۳، ج ۳۶۱ ص ۳۰۳، ج ۳۶۲ ص ۳۰۳، ج ۳۶۳ ص ۳۰۳، ج ۳۶۴ ص ۳۰۳، ج ۳۶۵ ص ۳۰۳، ج ۳۶۶ ص ۳۰۳، ج ۳۶۷ ص ۳۰۳، ج ۳۶۸ ص ۳۰۳، ج ۳۶۹ ص ۳۰۳، ج ۳۷۰ ص ۳۰۳، ج ۳۷۱ ص ۳۰۳، ج ۳۷۲ ص ۳۰۳، ج ۳۷۳ ص ۳۰۳، ج ۳۷۴ ص ۳۰۳، ج ۳۷۵ ص ۳۰۳، ج ۳۷۶ ص ۳۰۳، ج ۳۷۷ ص ۳۰۳، ج ۳۷۸ ص ۳۰۳، ج ۳۷۹ ص ۳۰۳، ج ۳۸۰ ص ۳۰۳، ج ۳۸۱ ص ۳۰۳، ج ۳۸۲ ص ۳۰۳، ج ۳۸۳ ص ۳۰۳، ج ۳۸۴ ص ۳۰۳، ج ۳۸۵ ص ۳۰۳، ج ۳۸۶ ص ۳۰۳، ج ۳۸۷ ص ۳۰۳، ج ۳۸۸ ص ۳۰۳، ج ۳۸۹ ص ۳۰۳، ج ۳۹۰ ص ۳۰۳، ج ۳۹۱ ص ۳۰۳، ج ۳۹۲ ص ۳۰۳، ج ۳۹۳ ص ۳۰۳، ج ۳۹۴ ص ۳۰۳، ج ۳۹۵ ص ۳۰۳، ج ۳۹۶ ص ۳۰۳، ج ۳۹۷ ص ۳۰۳، ج ۳۹۸ ص ۳۰۳، ج ۳۹۹ ص ۳۰۳، ج ۴۰۰ ص ۳۰۳، ج ۴۰۱ ص ۳۰۳، ج ۴۰۲ ص ۳۰۳، ج ۴۰۳ ص ۳۰۳، ج ۴۰۴ ص ۳۰۳، ج ۴۰۵ ص ۳۰۳، ج ۴۰۶ ص ۳۰۳، ج ۴۰۷ ص ۳۰۳، ج ۴۰۸ ص ۳۰۳، ج ۴۰۹ ص ۳۰۳، ج ۴۱۰ ص ۳۰۳، ج ۴۱۱ ص ۳۰۳، ج ۴۱۲ ص ۳۰۳، ج ۴۱۳ ص ۳۰۳، ج ۴۱۴ ص ۳۰۳، ج ۴۱۵ ص ۳۰۳، ج ۴۱۶ ص ۳۰۳، ج ۴۱۷ ص ۳۰۳، ج ۴۱۸ ص ۳۰۳، ج ۴۱۹ ص ۳۰۳، ج ۴۲۰ ص ۳۰۳، ج ۴۲۱ ص ۳۰۳، ج ۴۲۲ ص ۳۰۳، ج ۴۲۳ ص ۳۰۳، ج ۴۲۴ ص ۳۰۳، ج ۴۲۵ ص ۳۰۳، ج ۴۲۶ ص ۳۰۳، ج ۴۲۷ ص ۳۰۳، ج ۴۲۸ ص ۳۰۳، ج ۴۲۹ ص ۳۰۳، ج ۴۳۰ ص ۳۰۳، ج ۴۳۱ ص ۳۰۳، ج ۴۳۲ ص ۳۰۳، ج ۴۳۳ ص ۳۰۳، ج ۴۳۴ ص ۳۰۳، ج ۴۳۵ ص ۳۰۳، ج ۴۳۶ ص ۳۰۳، ج ۴۳۷ ص ۳۰۳، ج ۴۳۸ ص ۳۰۳، ج ۴۳۹ ص ۳۰۳، ج ۴۴۰ ص ۳۰۳، ج ۴۴۱ ص ۳۰۳، ج ۴۴۲ ص ۳۰۳، ج ۴۴۳ ص ۳۰۳، ج ۴۴۴ ص ۳۰۳، ج ۴۴۵ ص ۳۰۳، ج ۴۴۶ ص ۳۰۳، ج ۴۴۷ ص ۳۰۳، ج ۴۴۸ ص ۳۰۳، ج ۴۴۹ ص ۳۰۳، ج ۴۵۰ ص ۳۰۳، ج ۴۵۱ ص ۳۰۳، ج ۴۵۲ ص ۳۰۳، ج ۴۵۳ ص ۳۰۳، ج ۴۵۴ ص ۳۰۳، ج ۴۵۵ ص ۳۰۳، ج ۴۵۶ ص ۳۰۳، ج ۴۵۷ ص ۳۰۳، ج ۴۵۸ ص ۳۰۳، ج ۴۵۹ ص ۳۰۳، ج ۴۶۰ ص ۳۰۳، ج ۴۶۱ ص ۳۰۳، ج ۴۶۲ ص ۳۰۳، ج ۴۶۳ ص ۳۰۳، ج ۴۶۴ ص ۳۰۳، ج ۴۶۵ ص ۳۰۳، ج ۴۶۶ ص ۳۰۳، ج ۴۶۷ ص ۳۰۳، ج ۴۶۸ ص ۳۰۳، ج ۴۶۹ ص ۳۰۳، ج ۴۷۰ ص ۳۰۳، ج ۴۷۱ ص ۳۰۳، ج ۴۷۲ ص ۳۰۳، ج ۴۷۳ ص ۳۰۳، ج ۴۷۴ ص ۳۰۳، ج ۴۷۵ ص ۳۰۳، ج ۴۷۶ ص ۳۰۳، ج ۴۷۷ ص ۳۰۳، ج ۴۷۸ ص ۳۰۳، ج ۴۷۹ ص ۳۰۳، ج ۴۸۰ ص ۳۰۳، ج ۴۸۱ ص ۳۰۳، ج ۴۸۲ ص ۳۰۳، ج ۴۸۳ ص ۳۰۳، ج ۴۸۴ ص ۳۰۳، ج ۴۸۵ ص ۳۰۳، ج ۴۸۶ ص ۳۰۳، ج ۴۸۷ ص ۳۰۳، ج ۴۸۸ ص ۳۰۳، ج ۴۸۹ ص ۳۰۳، ج ۴۹۰ ص ۳۰۳، ج ۴۹۱ ص ۳۰۳، ج ۴۹۲ ص ۳۰۳، ج ۴۹۳ ص ۳۰۳، ج ۴۹۴ ص ۳۰۳، ج ۴۹۵ ص ۳۰۳، ج ۴۹۶ ص ۳۰۳، ج ۴۹۷ ص ۳۰۳، ج ۴۹۸ ص ۳۰۳، ج ۴۹۹ ص ۳۰۳، ج ۵۰۰ ص ۳۰۳، ج ۵۰۱ ص ۳۰۳، ج ۵۰۲ ص ۳۰۳، ج ۵۰۳ ص ۳۰۳، ج ۵۰۴ ص ۳۰۳، ج ۵۰۵ ص ۳۰۳، ج ۵۰۶ ص ۳۰۳، ج ۵۰۷ ص ۳۰۳، ج ۵۰۸ ص ۳۰۳، ج ۵۰۹ ص ۳۰۳، ج ۵۱۰ ص ۳۰۳، ج ۵۱۱ ص ۳۰۳، ج ۵۱۲ ص ۳۰۳، ج ۵۱۳ ص ۳۰۳، ج ۵۱۴ ص ۳۰۳، ج ۵۱۵ ص ۳۰۳، ج ۵۱۶ ص ۳۰۳، ج ۵۱۷ ص ۳۰۳، ج ۵۱۸ ص ۳۰۳، ج ۵۱۹ ص ۳۰۳، ج ۵۲۰ ص ۳۰۳، ج ۵۲۱ ص ۳۰۳، ج ۵۲۲ ص ۳۰۳، ج ۵۲۳ ص ۳۰۳، ج ۵۲۴ ص ۳۰۳، ج ۵۲۵ ص ۳۰۳، ج ۵۲۶ ص ۳۰۳، ج ۵۲۷ ص ۳۰۳، ج ۵۲۸ ص ۳۰۳، ج ۵۲۹ ص ۳۰۳، ج ۵۳۰ ص ۳۰۳، ج ۵۳۱ ص ۳۰۳، ج ۵۳۲ ص ۳۰۳، ج ۵۳۳ ص ۳۰۳، ج ۵۳۴ ص ۳۰۳، ج ۵۳۵ ص ۳۰۳، ج ۵۳۶ ص ۳۰۳، ج ۵۳۷ ص ۳۰۳، ج ۵۳۸ ص ۳۰۳، ج ۵۳۹ ص ۳۰۳، ج ۵۴۰ ص ۳۰۳، ج ۵۴۱ ص ۳۰۳، ج ۵۴۲ ص ۳۰۳، ج ۵۴۳ ص ۳۰۳، ج ۵۴۴ ص ۳۰۳، ج ۵۴۵ ص ۳۰۳، ج ۵۴۶ ص ۳۰۳، ج ۵۴۷ ص ۳۰۳، ج ۵۴۸ ص ۳۰۳، ج ۵۴۹ ص ۳۰۳، ج ۵۵۰ ص ۳۰۳، ج ۵۵۱ ص ۳۰۳، ج ۵۵۲ ص ۳۰۳، ج ۵۵۳ ص ۳۰۳، ج ۵۵۴ ص ۳۰۳، ج ۵۵۵ ص ۳۰۳، ج ۵۵۶ ص ۳۰۳، ج ۵۵۷ ص ۳۰۳، ج ۵۵۸ ص ۳۰۳، ج ۵۵۹ ص ۳۰۳، ج ۵۶۰ ص ۳۰۳، ج ۵۶۱ ص ۳۰۳، ج ۵۶۲ ص ۳۰۳، ج ۵۶۳ ص ۳۰۳، ج ۵۶۴ ص ۳۰۳، ج ۵۶۵ ص ۳۰۳، ج ۵۶۶ ص ۳۰۳، ج ۵۶۷ ص ۳۰۳، ج ۵۶۸ ص ۳۰۳، ج ۵۶۹ ص ۳۰۳، ج ۵۷۰ ص ۳۰۳، ج ۵۷۱ ص ۳۰۳، ج ۵۷۲ ص ۳۰۳، ج ۵۷۳ ص ۳۰۳، ج ۵۷۴ ص ۳۰۳، ج ۵۷۵ ص ۳۰۳، ج ۵۷۶ ص ۳۰۳، ج ۵۷۷ ص ۳۰۳، ج ۵۷۸ ص ۳۰۳، ج ۵۷۹ ص ۳۰۳، ج ۵۸۰ ص ۳۰۳، ج ۵۸۱ ص ۳۰۳، ج ۵۸۲ ص ۳۰۳، ج ۵۸۳ ص ۳۰۳، ج ۵۸۴ ص ۳۰۳، ج ۵۸۵ ص ۳۰۳، ج ۵۸۶ ص ۳۰۳، ج ۵۸۷ ص ۳۰۳، ج ۵۸۸ ص ۳۰۳، ج ۵۸۹ ص ۳۰۳، ج ۵۹۰ ص ۳۰۳، ج ۵۹۱ ص ۳۰۳، ج ۵۹۲ ص ۳۰۳، ج ۵۹۳ ص ۳۰۳، ج ۵۹۴ ص ۳۰۳، ج ۵۹۵ ص ۳۰۳، ج ۵۹۶ ص ۳۰۳، ج ۵۹۷ ص ۳۰۳، ج ۵۹۸ ص ۳۰۳، ج ۵۹۹ ص ۳۰۳، ج ۶۰۰ ص ۳۰۳، ج ۶۰۱ ص ۳۰۳، ج ۶۰۲ ص ۳۰۳، ج ۶۰۳ ص ۳۰۳، ج ۶۰۴ ص ۳۰۳، ج ۶۰۵ ص ۳۰۳، ج ۶۰۶ ص ۳۰۳، ج ۶۰۷ ص ۳۰۳، ج ۶۰۸ ص ۳۰۳، ج ۶۰۹ ص ۳۰۳، ج ۶۱۰ ص ۳۰۳، ج ۶۱۱ ص ۳۰۳، ج ۶۱۲ ص ۳۰۳، ج ۶۱۳ ص ۳۰۳، ج ۶۱۴ ص ۳۰۳، ج ۶۱۵ ص ۳۰۳، ج ۶۱۶ ص ۳۰۳، ج ۶۱۷ ص ۳۰۳، ج ۶۱۸ ص ۳۰۳، ج ۶۱۹ ص ۳۰۳، ج ۶۲۰ ص ۳۰۳، ج ۶۲۱ ص ۳۰۳، ج ۶۲۲ ص ۳۰۳، ج ۶۲۳ ص ۳۰۳، ج ۶۲۴ ص ۳۰۳، ج ۶۲۵ ص ۳۰۳، ج ۶۲۶ ص ۳۰۳، ج ۶۲۷ ص ۳۰۳، ج ۶۲۸ ص ۳۰۳، ج ۶۲۹ ص ۳۰۳، ج ۶۳۰ ص ۳۰۳، ج ۶۳۱ ص ۳۰۳، ج ۶۳۲ ص ۳۰۳، ج ۶۳۳ ص ۳۰۳، ج ۶۳۴ ص ۳۰۳، ج ۶۳۵ ص ۳۰۳، ج ۶۳۶ ص ۳۰۳، ج ۶۳۷ ص ۳۰۳، ج ۶۳۸ ص ۳۰۳، ج ۶۳۹ ص ۳۰۳، ج ۶۴۰ ص ۳۰۳، ج ۶۴۱ ص ۳۰۳، ج ۶۴۲ ص ۳۰۳، ج ۶۴۳ ص ۳۰۳، ج ۶۴۴ ص ۳۰۳، ج ۶۴۵ ص ۳۰۳، ج ۶۴۶ ص ۳۰۳، ج ۶۴۷ ص ۳۰۳، ج ۶۴۸ ص ۳۰۳، ج ۶۴۹ ص ۳۰۳، ج ۶۵۰ ص ۳۰۳، ج ۶۵۱ ص ۳۰۳، ج ۶۵۲ ص ۳۰۳، ج ۶۵۳ ص ۳۰۳، ج ۶۵۴ ص ۳۰۳، ج ۶۵۵ ص ۳۰۳، ج ۶۵۶ ص ۳۰۳، ج ۶۵۷ ص ۳۰۳، ج ۶۵۸ ص ۳۰۳، ج ۶۵۹ ص ۳۰۳، ج ۶۶۰ ص ۳۰۳، ج ۶۶۱ ص ۳۰۳، ج ۶۶۲ ص ۳۰۳، ج ۶۶۳ ص ۳۰۳، ج ۶۶۴ ص ۳۰۳، ج ۶۶۵ ص ۳۰۳، ج ۶۶۶ ص ۳۰۳، ج ۶۶۷ ص ۳۰۳، ج ۶۶۸ ص ۳۰۳، ج ۶۶۹ ص ۳۰۳، ج ۶۷۰ ص ۳۰۳، ج ۶۷۱ ص ۳۰۳، ج ۶۷۲ ص ۳۰۳، ج ۶۷۳ ص ۳۰۳، ج ۶۷۴ ص ۳۰۳، ج ۶۷۵ ص ۳۰۳، ج ۶۷۶ ص ۳۰۳، ج ۶۷۷ ص ۳۰۳، ج ۶۷۸ ص ۳۰۳، ج ۶۷۹ ص ۳۰۳، ج ۶۸۰ ص ۳۰۳، ج ۶۸۱ ص ۳۰۳، ج ۶۸۲ ص ۳۰۳، ج ۶۸۳ ص ۳۰۳، ج ۶۸۴ ص ۳۰۳، ج ۶۸۵ ص ۳۰۳، ج ۶۸۶ ص ۳۰۳، ج ۶۸۷ ص ۳۰۳، ج

انھوں نے عربی اور فارسی زبان و ادب، نحو و صرف اور علوم بلاغت و بیان، اصول
فلسفہ و علم کلام، فقہ و حدیث و تفسیر، قرابت افتاد و تدریس اور فنون غلافیات و مناظروں وغیرہ کی
تعلیم حاصل کی، ان کے ایک عزیز قریب بہ اسحاق مرغینانی کا انتقال ۵۲۴ھ میں ہوا ہے۔
صاحب ہدایہ کی عمر اس وقت ۱۵، ۱۶ برس کی تھی، ملاقات اس سے بھی پہلے ہوئی ہوگی، انھوں
صاحب ہدایہ کو عربی اشعار کے ذریعہ اپنا مخاطب بنایا، ان کے اساتذہ میں الصدر المشہد کا تہ
۵۳۲ھ اور الاسیبی کا انتقال ۵۳۳ھ میں ہوا ہے، جب کہ وہ ۲۵، ۲۶ برس کے رہ
ہونگے، اور زیادہ تلمذ تو یقیناً اس سے قبل کا ہے، ان حضرات سے مذکورہ علوم کی تحصیل اور
عقود ان شباب ہی میں تعلیمی مراحل سے فراغت پالینے کے باوجود وہ ایک سچے طالب علم کا
طرح، اصحاب کمال سے استفادہ کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، خاص طور پر حدیث شریف
سے ان کے تعلیمی شغف اور اس فن کی اسناد عالیہ کے حصول کی کوششوں کا ۲۵۰ھ تک سرا
منا ہے، جب کہ ان کی عمر ۳۳ برس کی تھی، حدیث و فقہ کی بعض خاص خاص کتابوں کا انھوں
نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے درس لیا ہے، اسی لئے علامہ جمال الدین بن مالک نے
یہ رائے دی ہے کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی آٹھ علوم کے ماہر تھے، وہ اپنے اساتذہ کا
خصوصی توجہات کا مرکز رہے، چنانچہ اساتذہ نے اپنے اپنے دست خاص سے اساتذہ کی
عنایت فرمائی، الامام الزاہد محمد بن ابی بکر الخطیب البوسجی نے التفسیر الوسیطہ لمراد بن
ایک نسخہ، خود نقل کر کے ان کے سپرد کیا، ان کے اساتذہ میں وہ بھی ہیں، جو اپنے تدریس اخلا
ذکر عبادت اور ولایت کی بنا پر الزاہد ہی کے لقب سے معروف تھے، مثلاً امام ابو بکر
زیاد الزاہد الخطیب، ابو بکر بن حاتم الرشدا فی، الامام الحکیم الزاہد، وغیرہ اس نسبت تلمذ

لے دیکھئے کتاب تجنیس کے مختلف اوراق، سے الجواہر ص ۳۸۴ سے ایضاً ص ۳۵۵

مولف ہدایہ کے ذہن موقوف اور افتاد طبع کی بھی نشاندہی طرح ہوئی۔

ان کے اساتذہ پر ایک سرسری نظر اپنے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو چار چار واسطوں سے امام بخاری و امام مسلم، پانچ واسطوں سے امام ترمذی، نو واسطوں سے امام بخاریہ اور ایک ایک واسطہ سے امام غزالی، بخاری و ترمذی کی شاگردی اور ان کی کتب و روایت حدیث کی اجازت کا شرف حاصل رہا ہے، ان کے اساتذہ میں امام ابو حنیفہ، عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۵ھ) کو ۵۵۰ اساتذہ سے روایت حدیث کی سعادت حاصل تھی، جن کے انتقال کے وقت صاحب ہدایہ ۶ برس کے تھے، اور ان سے تلمذ کا زمانہ یقیناً اس سے بھی پہلے کا ہے، کیونکہ شیخ اسبیہانی سے ان کو ۵۳۵ھ یا اس سے بھی پہلے تلمذ حاصل ہو چکا تھا، اور عمر قند میں صاحب ہدایہ کی آمد، مرغینان میں ان کے نام کے انتقال کے بعد ہی، ان کی طالب علمی کے دوسرے دور میں ہوئی تھی،

عام کمالات علامہ مرغینانی مختلف علوم کے جامع، فقیہ، محدث، محقق، صاحب نظر عالم اور دقیقہ رس امام، زاہد و عابد، اصول شریعت میں ہاکمال، علوم عربیت میں ماہر ادیب و شاعر تھے، علم و ادب میں ان کا مثل نظر نہیں آتا، خلافت میں انھیں بڑی مارت تھی، اور حقی مسلک پر انھیں کامل عبور تھا،

ان کے معاصر ائمہ، امام زین الدین العتباتیؒ، امام فخر الدین قاضی خاں محیط اور ذخیرہ کے مولف الصمد الامام محمود بن احمد بن عبدالعزیز، اور فتاویٰ ظہیریہ کے مولف ظہیر الدین محمد بن احمد بخاریؒ وغیرہ نے امام زین الدین مرغینانیؒ کے بفضل و مرتبہ کا اعتراف کیا ہے وہ بہت جلد اپنے علم و تبحر کی وجہ سے اپنے شیوخ اور آقران سے بجا فائق ہو گئے، اور ہدایہ اور

لکھا ہے انتہی کی تعریف کے بعد لوگوں کی نظروں میں اور بھی بلند ہو گئے،

ادب و شاعری | وہ عربی زبان کے ادیب و شاعر بھی تھے، عربی زبان میں الہ کی مہارت اور کمال شہسوار کی کثرت ان کی تصنیفات سے عموماً ظاہر ہے، ان کے شعری کمال کے بارے میں مذکورہ تفصیلات نہیں تھیں، ان کے شاگرد ابوالقاسم زرقی نے اپنی کتاب تعلیم التحکم کی دوسری فصل میں لکھا ہے، کہ میرے استاد اور طویل القدر امام نے ایک بادشہ فرمایا۔

فساد کبیر عالم متعنت
واکبر منہ جاہل متسلک
حماقتہ فی العالمین عظیمہ
لمن بہما فی دینہ متمسک

۱۔ دین کے بارے میں بے عمل عالم کا وجود بہت بڑا فتنہ ہے، اور اس سے بھی بڑا فتنہ جاہل مہارت دار ہے۔
۲۔ دنیا میں یہ دونوں اس شخص کیلئے بہت بڑا فتنہ ہیں جو اپنے دین کے معاملہ میں انکی پیروی کرتا ہے۔
۳۔ دروطلب علی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے اساتذہ ہیں جن سے میں استفادہ نہیں کر سکا۔
لحفی علی فوت اللہ علی لہمی
ماکل ماقات و نبقی بلفی کھ
وہ ان کی وہی ہوتی فرصت کے ضائع ہو جانے پر افسوس ہے، ورنہ جو لوگ رو گئے وہ ایسے نفعی
کہ ان کو چھوڑ دیا جاتا۔

علامہ برہان الدین نے اپنے معجم الشوخی میں، اپنے نانا عمر بن حبیب (الجمہر ۱/۳۹۰) شیخ عمر
(۱/۳۹۲) شیخ ابوبکر بن حاتم رشیدی (۲/۲۰۲) شیخ ابوبکر بن زیاد مرغینانی (۲/۳۵۳) اور
شیخ عبد اللہ بن ابی النفع الحنفی المرغینانی (۲/۲۸۱) کے اشعار نقل کئے ہیں، ایک بار، ان کے
استاد امام ضیاء الدین صاعد بن اسعد مرغینانی نے اپنے والد کا یہ شعر سنایا۔

اذا ضاق فی ذراع الکرام ولما حب
تولت عن ثلاث الدیارات حلما

جب اللہ کریم کے ہاتھ میرے پے تنگ ہو جاتے ہیں اور بندہ فی ہر عام روزہ پاتا ہوں

تو میں اس علاقہ اور وہاں کے باشندوں سے کٹ کر رہ گئی اختیار کرتا ہوں۔

مولف ہدایہ اپنے معجم الشیوخ میں مندرجہ بالا شعر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے مجھے مذکورہ شعر کے مقابلہ میں کسی شاعر کا درجہ ذیل شعر زیادہ پسند ہے،

اذ كنت في دار بهيكت اهلها ولعلتك مقبولا بها فتول

جس مقام کے باشندے تم کو کم تر سمجھیں اور تم ان کے لئے پسندیدہ خاطر نہ رہو تو اس جگہ کو کنارہ کش ہو جاؤ۔

زہد و تقویٰ اور شیخ الاسلام برہان الدین، ہدایہ کی تصنیف میں تیرہ برس مصروف رہے، اس

فرسٹ ایجانی دوران میں وہ پابندی سے روزہ رکھتے اور اس بات کے لئے کوشاں رہتے

کہ کسی کو ان کے روزہ کی خبر نہ ہو، ان کے اسی زہد و تقویٰ کا اثر ہے کہ انکی یہ کتاب اہل علم میں مقبول ہوئی انکی تصنیف کے زمانہ میں، خادم کھانا لاتا تو اسے رکھ کر چلے جانے کا حکم دیتے اور کھانا کسی طالب علم یا دھان کو کھلا دیتے، خادم اگر برتنوں کو غالی پاتا تو یہ سمجھتا کہ آپ نے تناول فرمایا ہے۔

صاحب ہدایہ کے سوانحی حالات کی کمیابی کی ایک وجہ، غالباً ان کی یہی اخلاقی پابندی

بھی ہے، اتباع سنت کے سلسلے میں اکابر فقہار و محدثین کا یہ معمول رہا ہے کہ جن امور سے متعلق

قوی روایت نہ ہوتی ضعیف روایت ہی ملتی، یہ حضرات عام حالات میں اپنے ذوق و قیاس

کے مقابلہ میں اس ضعیف روایت پر عمل کو ترجیح دیتے، چنانچہ مولف ہدایہ کے بارے میں

ان کے ایک شاگرد برہان الاسلام ذر نوحی اپنی کتاب تعلیم المستعلم میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے

طلبہ کے اسباق کا آغاز، چار شنبہ کے انتظار میں روکے رہتے، اور اس بارے میں ایک حدیث شریف بھی روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کام بدھ کے دن شروع کیا جائے، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

مولانا فرنگی علی نے اس روایت پر الفوائد البیہ میں تفصیل سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کی صحیح الاستدلال سے بھی تائید ہوتی ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولف ہدایہ کے اس طرز عمل کی وجہ سے ہندوستان کے مدارس میں بھی، چار شنبہ سے آغاز درس کا معمول ہو گیا۔

صاحب ہدایہ کی فراست ایمانی کا ایک عجیب واقعہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ برہان الدین غنی سے متعلق نقل کیا ہے، مولانا برہان الدین غنی کہتے ہیں کہ میں تقریباً پانچ برس کا خود دس سال بچہ تھا، اور اپنے والد کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا، سامنے سے صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی میرے والد بچوں کی وجہ سے دوسرے راستے پر پڑ گئے، شیخ کی سواری قریب آئی تو میں نے بڑھ کر سلام کیا، انھوں نے میری محظوظ تیر نظروں سے دیکھا، اور فرمایا کہ مجھے اس بچے میں نور علم نظر آتا ہے، یہ بات سُن کر میں ان کے آگے آگے چلنے لگا، پھر فرمایا، خدا مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے عمر میں علامہ زمان ہو گا۔۔۔۔۔۔ میں نے یہ بات سنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ پھر فرمایا کہ خدا مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس قدر عظیم ہو گا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پر حاضری دیں گے۔

برہان الدین محمود بن ابوالخیر غنی (م ۷۸۵ھ)، سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے اکابر علماء میں تھے، فقہ، حدیث اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع فنون رسمہ و غیرہ

کے ماہر، اور ادیب و شاعر تھے، امام صفائی سے مشارق الانوار کا براہ راست درس لیا تھا،
حرفی شمسِ دہلی کے مشرقی جانب کی قبر ہے۔

فقہ کی طرف توجہ کا اصل سبب علامہ برہان الدین کا اصل فنِ حدیث و فقہ تھا، جس میں انھوں نے غیر معمولی
کمال حاصل کیا، اور ہر ایسی عظیم کتاب تا لیسٹ فرمائی، فقہ کی طرف ان کی توجہ کا ایک خاص سبب
یہ معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنے جدِ مادری کی آغوشِ شفقت میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا جو فقہ
و کلام کے بحرِ عالم اور امامِ مہرخی کے براہِ راست شاگرد تھے، اور انھوں نے صاحب ہدایہ کو یہ
نصیحت کی تھی کہ

قللہ یا بُنی العِلْمِ و افقہ و کون فی الفقہ ذاجہد و رانی
و لا تلک مثل حبالِ تراس علی مر الزمان الی ورائہ
۱۔ اے بیٹے علم سیکھو اور اس میں سمجھ پیدا کرو۔ اور فقہ کے بارے میں خاص طور پر
غور و فکر اور محنت سے کام لو۔

۲۔ میں نے فقہی اس وقت پرورش اور پرداخت کی ہے جب تم نحیف و نزار تھو جیسے
رسیاں کہ وہ پھر دوبارہ کمزور ہونے لگتی ہیں۔

اس کے علاوہ، ان کے استاد، شیخ ظہیر الدین زیاد بن الیاس ابو المعالی، جو براہِ راست
امام ابو الحسن بزدوی کے شاگرد تھے، ان سے استفادہ کرنے کے لئے قاضی محمد بن فضل اہلبہانی
نے صاحب ہدایہ کو بطورِ خاص، درج ذیل اشعار کے ذریعہ تاکید اور نصیحت کی تھی،

اسعد فقد نلت لقباً فی المنا ابی المعالی زیاد بن الیاس

تم خوش قسمت ہو کہ لوگوں میں میرے بھائی الیاس کے فرزند زیاد ابو المعالی کو تمہاری طاقات پہنچاؤ

وانشہا بھنادیہ تنفی الجہد بقسما والفصل فی نجات الورد والاس
ان کی مجلسوں میں وقت گزار رہی تھی اور تبسم رزم ہاؤں میں تم عزت اور طہرت پاؤ گے،
ولذہ من فرمان چائرنکد فابحج اللبائی غیریہ آسی
زمانہ کی ستم رانیوں کو بچنے کے لیے ان کی پناہ لو، اس لئے کہ زمانہ کے زخموں پر دہی غم خوری
ان لمخط بعدایہ فی فضائلہ فقصدہ فاشئ قلدیدہی بعفیہ
فضائل و مناقب میں ان کا احاطہ نہ کر سکتو تھی ان کی مثال سامنے رکھو پناہ سے ہر ایک کو
سمجھا جا سکتا ہے۔

جود البرامدث فی نطق بن ساء فی حکمہ احنف فی فضل بن عباس
روہ پاکہ کی طرح سخی، ابن ساعدہ جیسے فصیح، احنف کی طرح منصف اور ابن عباس کی طرح فضل
والے ہیں۔

صاحب ہدایہ کے معاصرین اور | مادر النہر، اور عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں صاحب ہدایہ کے
فخرین علامہ مرقیانی کا مقام، | اہم معاصر علمائے یہ ہیں۔

احناف میں امام ابو بکر بن مسعود کا سانی مصنف البدائع والاضائع (م ۵۸۵)
امام فخر الدین حسن قاضی خان مؤلف فتاویٰ وغیرہ (م ۵۹۲) شافعی علما میں امام ابراہیم
ابن منصور عراقی مصری شارح المہذب (م ۵۹۶) اور علامہ بن ابی عسرون شیبی مؤلف
مؤلف صفوۃ المذہب (م ۵۸۳) اور مالکی، علما میں علامہ محمد بن رشد مؤلف
ہدایۃ المجتہد (م ۵۹۵)

علامہ ابن رشد، اگرچہ مالکی مسلک کے پیرو ہیں لیکن انھوں نے ہدایۃ المجتہد میں تمام مذاہب

فقہ کے دلائل اور ان کے طریقہ استدلال سے بحث کی ہے، ان کی بحثوں کا انداز بہت عمدہ ہے۔ پھر جی وہ اپنی اس کتاب میں فقہ کے بجائے ایک محدث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، ان کے علاوہ مذکورہ بالا فقہ فقہاء، اپنے اپنے مسلک کی تشریح اور اپنے ائمہ کے اصول و قواعد کی روشنی میں تخریج اور ترجیح کے عمل میں مصروف نظر آتے ہیں، صاحب ہدایہ نے بھی، علامہ ابن رشد کی طرح فقہ کے دیگر مکاتب فکر اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں، لیکن ان کا کام ابن رشد کے مقابلہ میں تین حیثیتوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

۱۔ خالص قانونی اور فقہی ترتیب اور انداز بیان، (۲) قرآن و حدیث اور اصول

اجتہاد کی روشنی میں فقہ حنفی کی ترجیح، (۳) نقلی دلائل کے ساتھ ہی عقلی دلیلوں اور اجماع عام سے استدلال۔

مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے، کہ صاحب ہدایہ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ درمختار کے مؤلف جیسے ہزار فقہ بھی ان کے مقام بلند تک نہیں پہنچ سکتے، ہدایہ کے مؤلف فقہی نفس ہیں، جن کا سینہ علم و معرفت کا گنجینہ ہے، اور درمختار کے مؤلف کا علم اور اوق و کتب کا مرہونِ منت ہے، یہی تفاوت راہ از کجاست تا کجا (مقدمۃ نصب الراية ص ۱۲) اجتہاد، تخریج، ترجیح اور جمع و تدوین مسائل کے لحاظ سے اہل فقہ نے فقہاء کی درجہ بندی کی ہے جن سے ان کے مقام و مرتبہ کے تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔

شیخ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (م ۱۰۹۲ھ)، علامہ بن عابدین شامی کے نزدیک امام جلال الدین سیوطی سے زیادہ وفید رس اور صاحب فہم و نظر عالم تھے، اور مسافر فقہاء احناف میں ان کی آراء و تحقیقات کو نظر اعتبار سے دیکھا گیا ہے، بن کمال پاشا نے اپنے

مولانا فرقان نے صاحب ہدایہ کو دوسرے طبقہ مجتہدین فی المذہب یعنی امام ابو یوسف
اور امام محمد وغیرہ کی صف میں جگہ دی ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، معنی اس طرح کہ ان پاشائے
دوسرے طبقہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :-

دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جیسے ابو یوسف، محمد اور باقی مآخذہ ابو
یہ لوگ قرآن وحدیث اور اجماع و قیاس سے ان اصول کی روشنی میں مسائل کا استنباط
کرتے ہیں جو امام ابو حنیفہ نے مقرر کر دیے ہیں، انھوں نے اگرچہ بعض فردعی مسائل میں
امام سے اختلاف کیا ہے لیکن بنیادی اصول میں وہ امام کی تقلید کرتے ہیں، اور اس
طرح وہ امام شافعی وغیرہ سے مختلف ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ امام شافعی اور ان کی
طرح کے دوسرے ائمہ، امام ابو حنیفہ سے صرف اصول ہی میں نہیں بلکہ مسائل اور فروع
میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ مرفینانی کی تصنیفات ہدایہ وغیرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اصول
وفروع دونوں میں اپنا استقلال ظاہر نہیں کیا، اس لئے ان کو مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں
شمار کیا، جانا درست نہیں، وہ تو مجتہدین فی المسائل یعنی تیسرے طبقہ ملک کی تصریحات کے پابند نظر
آتے ہیں یہاں ملک کہ وہ رائے جس میں دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ واضح نہ ہو
یا ایسا مبہم حکم جس میں دو باتوں کا احتمال نکلتا ہو، اس میں تفصیل و تعیین بھی درجہ چوتھے طبقہ یعنی
اصحاب تخریج کی خصوصیت ہے، صاحب ہدایہ خود نہیں کرتے بلکہ کذا فی تخریج الکفری، اور
کذا فی تخریج الرازی وغیرہ جیسے الفاظ کے ذریعہ دوسروں ہی کی تخریجات نقل کر دیتے ہیں۔

ان کے یہاں اوفی القیاس، و اہل ارفق للناس کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں، جو اس بات کا
قطعی ثبوت ہیں کہ وہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں، اور جمیع مسائل میں ائمہ اجتہاد یا اصحاب

تحریر کی کئی حدیثیں منقول ہیں، صاحب ہدایہ ان میں سے کسی ایک رائے کی ترجیح واضح کر دیتے ہیں، اور کہیں کہیں وجوہ ترجیح کی طرف اشارہ بھی فرمادیتے ہیں، شیخ شهاب الدین ابی ہمار الدین مرجانی (م ۳۷۱ قازان) اپنی کتاب (ما تلو رة الحق فی فرضیتہ لثناء وان لم یغیب الشفق) میں لکھتے ہیں کہ

صاحب ہدایہ کا مقام، قاضی خاں سے فرد تر نہیں، صاحب ہدایہ کی تو امام فخر الدین قاضی خاں وغیرہ نے بھی تعریف کی ہے اور یہ اقرار کیا ہے، کہ وہ اپنے شیوخ اور ہم زمانہ لوگوں پر تفوق اور امتیاز رکھتے تھے، اس لئے صاحب ہدایہ کو قاضی خاں کے مقابلہ میں فرد حیثیت (پانچویں طبقہ میں) دنیا صمیم نہیں اس لئے کہ اجتہاد اس کے اصول اور طریقہ کار کے معاملہ میں صاحب ہدایہ، قاضی خاں سے بڑھ کر ہیں۔ (مختصاً)

لیکن شیخ مرجانی کی اس گفتگو سے صحت اتنا واضح ہو تا ہے کہ قاضی خاں کو تیسرے طبقہ میں شمار کرنا ہی اصل میں محل نزاع ہے، اس موقع پر ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ فقہائے احناف نے چوتھی صدی ہجری کے بعد کیا اجتہاد فی الشرع یا اجتہاد فی المذہب کا طریقہ اختیار کیا تھا، یا یہ کہ انھوں نے صرف اپنے ائمہ کے اصول و فروع کے مطابق تحریک اور ترجیح ہی کی راہ اختیار کی تھی، علامہ طاش کبریٰ زاوہ (م ۷۹۵) اپنی کتاب مفتاح السادۃ میں لکھتے ہیں کہ

”قدیم فقہاء جو دوسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان ہوئے ان میں اجتہاد

اور ترجیح کا پہلو غالب ہے اور متاخر فقہاء جو چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئے ان میں صرف ترجیح ہی کو وصف غالب کی حیثیت حاصل ہے۔“

عہد من القاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی ص ۲۹ للکوثری مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۵ھ

عہد کشف الظنون نمبر ۱۲۸۳۔ عنوان علم الفقہ،

اس لئے سچ تھے اور باغیوں طبقے میں شمار کئے جانے والے اکابر فقہاء بھی، اگرچہ کبھی جہاد فی سبیل
 بھی کرتے رہے ہوں مگر ان پر تخریج اور تزییح کا بھی رنگ ہی غالب اور نمایاں تھا جس طرح کہ
 وہ لوگ جن کو تیسرے طبقے میں شمار کیا گیا ہے، ان کا بھی وصف غالب یہی ہے، اس لئے ان
 تینوں طبقات کی تقسیم یا ان میں فرق مراتب کی ضرورت نہ تھی، تینوں کو باہمی جہاد فی سبیل
 کے طبقہ سوم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

تلامذہ و متفیدین | قرشی نے لکھا ہے کہ علامہ مرغینانی کے ذریعہ اور ارانمر (جس کا ایک صوبہ فرغانہ
 بھی تھا، میں حنفی فقہ کی نشر و اشاعت ہوئی، اور کثیر تعداد نے ان سے استفادہ اور ان کی تعلیم
 دہریس کے ذریعہ کمال پیدا کیا، انہم یہاں چند لوگوں کے نام درج کرتے ہیں،
 ۱۔ شمس الامۃ محمد بن عبد الستار کردری، (الجواہر ج ۲ صفحہ ۸۲)

۲۔ شیخ جلال الدین محمود بن الحسین اسروشنی (جو القول الاستر و ضمیمہ کے مولف مفتی محمد کے
 والد گرامی ہیں)، الفوائد البہیۃ۔ صفحہ ۵۵،

۳۔ القاضی الامام عمر بن محمد بن محمد (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۹۹)

۴۔ قاضی القضاۃ محمد بن علی بن عثمان سمرقندی (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۲)

۵۔ امام ابو الفضائل فخر الدین الجہد بن نصر دہستانی، (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

۶۔ برہان الاسلام زرنوجی مولف تعلیم المتعلم (الفوائد صفحہ ۵۵، الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲)

ان تلامذہ میں، علامہ مرغینانی کے صاحبزادے بھی ہیں، جن کا آئندہ سطروں میں ذکر کیا جا رہا ہے،
 اولاد و احفاد | علامہ مرغینانی کے صرف دو صاحبزادے تھے۔

۱۔ شیخ الاسلام نظام الدین ابو حفص عمر بن علی، اپنے والد گرامی سے تعلیم حاصل کی تھیں

خاص طور پر کمال حاصل کیا، اور اقرار کے منصب پر فائز ہوئے۔ جو اہل لغت اور لغات کے
کی تاہیات میں، (۲) ابو حفص محمد بن علی الملقب بہ عماد الدین، پر بھی اپنے والد سے مستفید
ہوئے، اور فقہ میں اختیار پیدا کیا، ان کو بھی شیخ الاسلام کا رتبہ حاصل تھا، کتاب ادب
القاضی ان ہی کی تصنیف ہے۔

شیخ عبد القادر قرشی کی تصریح کے مطابق علامہ مرغینانی کے دو صاحبزادے تھے، لیکن
مولانا فرنگی محلی نے ازراہ سمو تیسرے صاحبزادے کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان کا نام اس طرح لکھا ہے
”ابو الفتح جلال الدین محمد، لیکن محدثان ہی صاحبزادہ کا نام ہے، جو عماد الدین کے لقب
سے معروف تھے، شیخ فاضل بن قطوبغا نے جمیع التراجم (صفہ ۱۳) میں ابو الفتح بن ابی بکر بن
عبد الجلیل المرغینانی سمرقندی کا ذکر کیا ہے، لیکن جیسا کہ ان کے نسب نامہ ہی سے ظاہر ہے کہ
وہ صاحبزادہ نہ تھے، بلکہ صاحب ہمایہ کے برادر تھے، جن کا انتقال ۷۱۳ھ میں ہوا ہے،
شیخ الاسلام ہان الدین مرغینانی کے ایک پوتے یعنی شیخ عماد الدین محمد بن علی مرغینانی
کے صاحبزادہ، زین الدین عبد الرحیم، فقہ میں بڑی ممتاز حیثیت اور شہرت کے مالک تھے، انھوں
نے ”افصول العبادۃ“ جیسی مشہور کتاب لکھی جس کی مکمل شعبان ۷۵۶ھ میں سمرقند میں ہوئی،
ان کی بھی کنیت ابو الفتح تھی،

تیمور لنگ نے جب سمرقند پر قبضہ کیا ہے، اس وقت مولانا عبد الملک سمرقندی کے
ایک معروف نقیب بھی حیات تھے، ان کے بارہ بیٹے ابن عرب شاہ اپنی کتاب عجائب المقدر

۷۱۵ الجواہر ج ۱ ص ۳۹۴ ۷۱۵ الفوائد البہیہ ص ۶۰، کشف الظنون نمبر ۱۲۹، اور نمبر ۶۱

۷۱۵ الجواہر ج ۲ ص ۹۹ ۷۱۵ الفوائد البہیہ ص ۵۹ ۷۱۵ الجواہر ج ۱ ص ۳۸۴ ۷۱۵ الفوائد البہیہ ص ۵۹

۷۱۵ ص ۴۰، الجواہر ج ۲ ص ۹۹ ۷۱۵ الفوائد البہیہ ص ۵۹، حاشیہ نمبر ۵، تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے
الفوائد ص ۴۰،

دمیہ مشائخہ میں لکھا ہے کہ

وہ مولف ہماری نسل سے ہی ایک ہی وقت میں درس بھی دیتے، ماضی

اور نر کے ہمارے میں بتلاتے رہتے اور اخبار بھی موزوں کرتے جاتے تھے

ان کے بعد انھیں کے برادر عم زاد خواجہ عبدالاول، درس و تعلیم کی مسند پر پورے
مادر اہل نہر میں صدر نشین کی حیثیت رکھتے تھے، اور جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو مولانا علی
کے صاحب زادہ مولانا عصام الدین صاحب مدرسہ تعلیم کے سب سے بڑے اور آخری مرحوم کی حیثیت سے
مشہور و ممتاز اور عجائب المقدر کی تالیف کے وقت حیات تھے۔

انتقال اور تدفین | شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کا زیادہ تر قیام سمرقند ہی میں رہا اور
بالآخر انھوں نے تعلیم و تدریس، افتاء و ارشاد، تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مصروف
زندگی گزارنے کے بعد ۱۳۵۹ھ میں سمرقند میں ہی انتقال فرمایا، جب کہ سہ خنبہ کی شب
اور ذی الحجہ کی ۴ تاریخ تھی۔

سمرقند کے شہر اکردین میں تربۃ الحمد بن قبرستان میں ۴ سو سے زیادہ صاحب
تصنیف و افتاء اہل علم مدفون تھے، جن کا نام ”محمد“ تھا اور ان سے لوگوں نے بڑی
تعداد میں استفادہ کیا تھا، علامہ مرغینانی کو اسی قبرستان میں دفن کرنے کی کوشش کی گئی،
مگر چونکہ وہاں دفن کرنے کے لئے نام والی شرط پوری نہ ہوتی تھی، اس لئے قبرستان کے
ذمہ داروں نے تدفین کی اجازت نہ دی، چنانچہ علامہ مرغینانی کو اس کے قریب ہی دفن
کر دیا گیا۔

سے عجائب المقدر فی احیاء تمیوز و تاریخ تمیوزی، ص ۲۶۲ مولفہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عبداللہ
دشتی انصاری ۵۵ ایضاً ۵۵ الجواہر ص ۴۲، التراجم ص ۳۱، کشف الغنوں نمبر ۲۰۳۲ ص ۵۵ مقدمہ
المدایہ ص ۲، کشف الغنوں، ۵۵ الجواہر ص ۴۲، مقدمہ المدایہ ص ۲،

تلخیص و تبصّرہ گوتم بدھ کی تعلیمات

از
سرینواس لاجپتی

جناب سرینواس لاجپتی، حیدرآباد اور اندھرا پردیش میں اردو زبان کی تدریس کے بہت سی غفلت اور سرگرم رہنما ہیں، انھوں نے ہمارا گوتم بدھ کی تعلیمات کا خلاصہ لکھ کر بھیجا ہے، امید کہ معارف کے وہ ناظرین جو بودھ مت کی تعلیمات سے زیادہ واقف نہیں ہیں، اس کو شوق سے پڑھیں گے۔

» ص - ع «

آج سے کوئی ڈھائی ہزار سال پہلے یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سے کوئی چھ سو سال قبل ہندوستان سے لے کر چین، ایران اور یونان تک مختلف ملکوں میں بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے فلسفی اور مذاہب کے بانی پیدا ہوئے تھے، اگرچہ یہ سب ہم عصر نہ تھے، لیکن ان کا دور اتنا قریب قریب گزرا ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح کو تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے، اس زمانے میں دنیا میں مذہبی فکر کی ایک ہر دوڑ رہی تھی، یونان میں فیثاغورث، ایران میں زرتشت، چین میں کنفوشیوس اور ہندوستان میں گوتم اور مہادیو جیسے ہانیان مذاہب کی پیدائش کا سہرا تاریخ میں اسی دور کو حاصل ہے، کیونکہ مذاہب کے یہ بڑے بڑے بانی ہمیشہ بہتری کی تلاش میں رہے، اور اپنی قوموں کی حالت بہلنے، انھیں بہتر بنانے، اور ان کی مصیبتوں کو دور کرنے کی جستجو کرتے رہے، اور اس میں

انھیں کسی بھی حاصل ہوئی، ان میں سے ہر ایک کے اثرات ان کے ملک ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ اٹھائے عالم میں صورتیں اور نام بدل بدل کر پہنچے، لیکن ان عظیم مستیوں میں گوتم بدھ کو ان کی تعلیمات کی وجہ سے انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

بدھ کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں ویدک دھرم چھایا ہوا تھا، جس کی بنیاد طبقہ واریت پر تھی، اور برہمن چاہتے تھے کہ راجا اور وقت معاشرے میں کس قسم کی تبدیلی نہ آئے، ان کا نظریہ اعمال یہ تھا کہ برہمن گمبھہ کریں پھرتی جنگ لڑیں، دیشیہ کھیتی باڑی اور تجارت سنبھالے رہیں اور شودران سب کی خدمت گزار رہیں کریں، جنھیں یہ نظریہ اعمال پسند نہ ہوں وہ جنگل میں جا کر تپسیہ کریں اور وہیں قنابو جائیں، کسی فرد کو اس وقت یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ اس معاشرے میں کوئی تبدیلی لائے، کیونکہ ذاتوں کا بندھن بڑا سخت تھا، اور عام آدمی تو ہات کا شکار تھا، اور مذہبی ٹھیکیداروں نے عوام کو اپنی ٹٹھی میں بند رکھا تھا، اور وہ حکمرانوں کو بھی چیلنج کرنے لگے تھے، جس کی وجہ سے ویدک دھرم اپنی اصلی تعلیم سے ہٹ گیا تھا، اس کے برخلاف گوتم بدھ عوام کے سامنے مصلح کی حیثیت سے نمودار ہوئے، اور انھوں نے پردہتوں (مذہبی ٹھیکے داروں) کے اس ظلم اور ان تمام باؤں کے خلاف جو ویدک دھرم میں داخل ہو گئی تھیں، تو اڑٹھائی انھوں نے اس پر زور دیا کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنا اور نیک کام کرنا انسان کا بنیادی حق ہے۔

گوتم بدھ کا جنم ہریدیتھیات کی روشنی میں ۶۲۳ قبل مسیح قرار پاتا ہے، ان کی پیدائش کے (۳۱۶) سال بعد اشوک نے اس جگہ ایک کتبہ نصب کروایا، جو آج بھی اس واقعہ کی تاریخی شہادت پیش کرتا ہے، یہ ایک پھرتی اور شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کا نام سدرتھ اور ان کی والدہ کا نام مایا رانی تھا، جن کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ ہر شخص دل سے ان کا احترام کرتا تھا، اور وہ اپنے عقیدے کی بڑی پابند خاتون تھیں، گوتم کے والدین نے انھیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا، اور

اس حد تک اہتمام کیا تھا کہ کوئی تکلیف یا مصیبت کا منظر ان کی نظر سے نہ گزرے، چنانچہ قہر مشہور ہے کہ انھوں نے ایک بار ایک غریب اور مصیبت زدہ آدمی نیز ایک مردے کو دیکھا جس کا ان کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس طرح دنیاوی زندگی کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھ لینے کے بعد گوتم جیسا حساس شہزادہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہا، اور اس جستجو میں پک گیا کہ آخر یہ دنیا کیا ہے، موت و حیات سے اس کا کیا تعلق ہے، غم کی بنیاد کیا ہے، اس کے بعد سے ان کو عمل میں چین سے زندگی گزارنا مشکل ہو گیا، تمام پیش و عشرت کو خیر باد کہہ دیا، حتیٰ کہ ان کی حسین اور نوجوان بیوی بھی جس سے وہ بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے دماغ سے انسانی مصیبت کی فکر دور ہو کر سلی۔ رفتہ رفتہ ان کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑنے لگا کہ دنیا کو ان مصیبتوں سے نجاست دھلا نا چاہئے، ذہنیت یہاں تک پہنچی کہ وہ اس ذہنی اذیت کو برداشت نہیں کر سکے، مرض بڑھا اور انھوں نے موت کے وجود کا چہرہ لگنے کے لیے دنیا کو خیر باد کہنے کی ٹھان لی، اور ایک دن ایسا آیا کہ رات کی خاموشی میں محل اور اپنے بیوی بچہ کو چھوڑ کر صحرا کی طرف نکل پڑے تاکہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹک رہے تھے، ان کا حل تلاش کریں۔

اس زمانے میں لوگ علم اور معرفت حاصل کرنے کے لیے تپسیہ کیا کرتے تھے، یا سنیاس لیا کرتے تھے، انھوں نے بھی اسی راہ کو اپنا یادہ عالموں کی خدمت میں زندگی گزارنے لگے لیکن کتابی علم ان کی ذہنی کشمکش کو نہیں مٹا سکا، اس کے بعد ریاضت کا راستہ اختیار کیا، بھوکے رہ کر دھیان و گمان میں لگ گئے، لیکن ان کی یہ چھ سالہ ریاضت بھی لا حاصل رہی اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، اہمیت نہیں ہاری، سانس روکی، گوشت سکھایا، سوکھا کر کھانا ہو گئے، مگر ضمیر روشن نہیں ہوا، آخر کار کئی برس بعد گیا میں ایک درخت کے نیچے وہ بیٹھ ہوئے تھے، کہ ان کا ضمیر روشن ہوا، اور انھیں فروان یعنی ان کے گیان کو روشنی ملی، اور وہ

سب کچھ حاصل ہو گیا، جس کی تلاش میں وہ سرگرداں تھے، اس گم گشت کو بہتر بھی کہتے ہیں اور وہ اسی دنیا سے گوتم بدھ کہلانے لگے، جس درخت کے نیچے وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ "بودھی درخت" کے نام سے مشہور ہوا۔ کاشی کے قدیم شہر سارناٹھ میں بدھ نے اپنی تعلیمات کی تعلیم شروع کی اور بتاؤں کے نام پر کی جانے والی قربانیوں کی مذمت کی اور اس بات پر زور دیا کہ اگر قربانی کرنی ہی ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے غصے، حسد اور خواہشات کو قربان کرے، زودان یعنی معرفت حاصل کرنے والی رات کو ان پر یہ منکشف ہوا کہ غم سے نجات حاصل کرنا ہی زندگی کا مقصد اور عمل ہے، اس کے لیے انھوں نے علت و معلول کی تشریح کی اور اس کی بنا پر انھیں وہ چیز حاصل ہوئی، جو بدھی ازم کی بنیاد ہے، بدھی ازم کے فلسفہ کی تشریح کے لیے خود گوتم بدھ نے مثبت و منفی فیض کیا اور کہا کہ "پیدائش، ضعفی، بیماری، دکھ اور غم کا مجموعہ ہوتے ہیں اور ان باتوں کا شکار جو بھی ہیں، ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے میں نے اس کی تلاش شروع کی، جو کہ غیر مخلوق، غیر تغیر پذیر، زودان، بے غم، بے عیب، اور ہر پابندی سے آزاد و محفوظ ہے، یعنی زودان اور میں نے اس کو پایا۔"

برہمنوں کے زور کی وجہ سے بدھ کی تعلیمات عرصہ تک ہندوستان میں مقبول نہیں ہو سکیں، لیکن رفتہ رفتہ دنیا میں پھیلی گئیں، آج ہندوستان میں بدھ کی تعلیمات معدوم ہو گئی ہیں لیکن اب بھی اس کے پیرو اور مقلدین دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، خاص طور پر مغربی ایشیا کو چھوڑ کر ایشیا کے پورے برعظیم میں ان کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہے، اس کے بعد عیسائیت، اسلام اور ہندو مت کا نمبر آتا ہے۔

دہ بدھ نے انسانی زندگی میں عقل ہی کو سب سے بڑی اہمیت دی ہے، ان کا قول ہے کہ کوئی کام یوں ہی اچھے بندہ کے کہ نہ کر دہلکہ سوچ سمجھ کر کر دہ، جو سچ ہے، وہی مانو اور وہی بات بھی اتنی ہی مانو جتنی کہ تمھاری سمجھ میں آئے اور تمھاری عقل کی کسوٹی پر پوری اتوے۔ یہ بات کہہ کر

بدھ نے عقل کے درد و اندسے سب پر کھول دیے، غور میں ابد فرد بھی ان کے گیان سے فیضیاب ہونے لگے، انھوں نے کٹرین کی محنت خدمت کی، اور سکھا یا کہ انسان کو مہٹ دھرم کے پیائے دوسروں کی باتوں کی بھی قدر کرنی چاہئے، ان کا پیغام امن اور شائقی کا پیغام ہے، اور اس کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہے، جو انسانیت کو ذہنی اور روحانی سکون بخشتے ہیں۔

گوتم بدھ اس امر پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ اسباب و علل کے ماتحت وجود میں آئی ہیں، اور ہر چیز، ہر لمحہ ایک غیر محسوس اور نامعلوم طریقے پر بدلتی رہی ہے، وہ جنت اور جہنم کو نہیں مانتے تھے، لیکن ان بات کو تسلیم کرتے تھے، کہ ایسی دنیا میں ہیں جہاں "دبوتا" رہتے ہیں، مگر ان کے خیال میں ان دیوتاؤں کی زندگیاں بھی اسی حد تک مادی یا غیر مادی ہو سکتی ہیں، جس حد تک انھوں نے پہلے جنم میں نیکیاں کی ہیں، ان کا خیال ہو دیوتا بھی انسانوں کی طرح سے مر جاتے ہیں، اور ان کی دنیا میں بھی، ان ہی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں، ان کا خیال تھا، کہ انقلابات ہوتے رہتے ہیں، اور ان کے بننے اور بگڑنے کا ایک دور مسلسل ہے، جسکی ابتدا اور انتہا انسانی علم سے باہر ہے، ترکیب و تخیل کا قانون عام ہے، اور اس سے انسان جو یا دیوتا کوئی بھی بری نہیں ہے، وہ عناصر جن کی ترکیب سے ایک ذری جس وجود بنا ہوا اس کی تخلیق ایک نہ ایک دن ضروری ہے، اور یہ انسان کی جمالت اور خود فریبی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عالم کی ساری چیزوں سے الگ تھلگ اور موجود بالذات سمجھتا ہے،

کوئی شخص اس جمالت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں غم ہے، لیکن ہر شخص ہی سوچتا ہو کہ اس کا غم کیوں کہ دور ہوگا، نتیجہ کے طور پر ہر کوئی دوسرے کو تباہ کر کے خود کو سکھی بنا تا چاہتا ہے، لیکن گوتم بدھ نے سب سے پہلے اس خیال کا انکشاف کیا کہ غم کا حقیقی سبب روح یا فطرت نہیں بلکہ اس کا دوسرا نام انسانی تشنگی یا خواہشات ہے، خواہشات کی وجہ سے ہی غم پیدا

ہوتا ہے، خواہشات کے گمان سے کہیں بے سوال بے معنی ہے، جب تک خواہشات میں تب تک غم پیدا ہوتا رہے گا۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے، اس لیے خواہشات پر قابو پانا چاہئے۔ ایک دفعہ جکشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے گوتم بدھ نے فرمایا تھا کہ جو ایسے کتے ہیں، اور مانتے ہیں کہ انسان جو بھی سکے دکھ اٹھاتا ہے، وہ سب خدا کا دین ہے، ایسے لوگوں سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ان کا عقیدہ ہے، اور جب وہ ہاں کہتے ہیں تو میں ان سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ جو تم چور، قاتل، بد معاش، دروغ گو، چس خورد اور فضول گوئی کرنے والے دوسروں کی دولت پر نظر رکھنے والے حاسد اور ہچم بن گئے ہو تو کیا، خدا نے تمہیں ایسا بنایا ہے، اگر اسے سچ مان لیا جائے کہ یہ سب خدا کی دین ہے تو پھر نیک اعمال کے نتیجے میں لگن اور حوصلہ نہیں رہے گا، اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ فلاں کام کرنا چاہئے یا فلاں نہیں کرنا چاہئے، اس لیے بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اپنی غلطی کو خدا کے سر نہ مٹاتا ہے۔



یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ گوتم بدھ نے محض علم الحقائق کے ذریعہ کئی یا نہات حاصل کرنے کے لیے گھبراہٹ نہیں چھوڑا تھا، اپنے پڑوسیوں پر ہتھیار اٹھانا انہیں اچھا نہیں لگا، اور ان کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا ہتھیاروں کے بغیر باہمی دوستی اور رفاقت کی بنیادوں پر کوئی معاشرہ گھڑا نہیں کیا جاسکتا، یہی بنیادی فلسفہ تھا، جس کیلئے انہوں نے گھبراہٹ چھوڑ کر تپسیہ فردی کی اور جبر دیکھا کہ تپسیہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے، تو اسے تیاگ کر ایک ایسا راستہ اپنایا جو امن اور آشتی کا راستہ تھا، انسانی علم و فہم کا راستہ تھا جس نے بدھ کی زبان سے یہ کہلوایا کہ مصیبت میں میرے اعمال ہی میرے مونس و غم خواہ ہوں گے، میرے اعمال ہی میرے محافظ ہیں، اور جو نیک و بد اعمال مجھ سے سرزد ہوں گے،

ان کے لیے میں جواب دہ ہوں گا، کیونکہ اچھے غور و فکر سے جسم زبان اور ذہن سے برپا ہونے والے اعمال بد ختم ہو جائیں گے، انسان کو ہمت و استقلال سے نیک اعمال انجام دینے چاہئیں اس سلسلے میں ”دھرمپد“ کا ایک اشلوک قابل غور ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ”انسان کو نیک کام کرنے میں جلدی کرنی چاہئے تاکہ گناہوں سے رہائی حاصل ہو سکے، کیونکہ سست روی سے نیک کام کرنے والے کا دل گناہ پسند ہو جاتا ہے۔“

گوتم بدھ نے (۳۵) سال میں نردوان حاصل کیا اور (۴۵) سال تک اس کی تبلیغ کی اور (۸۳) قبل مسیح میں ان کا انتقال ہوا، انھوں نے اپنی زندگی میں نہ کوئی مسند تعمیر کروایا، اور نہ کوئی خانقاہ، اور نہ ہی کوئی ملک فتح کیا، اور نہ کوئی حکومت قائم کی، بلکہ تاج و تخت کو ٹھکرا کر سنیاس لے لیا، اور لوگوں کے دل جیتے، انسانیت کی خدمت کی، اور دنیا کو اپنے خیال میں سچائی کا راستہ دکھایا، آج بھی ان کی تعلیمات اور ان کا نام زندہ ہے۔

(درا لھقین کی نئی کتاب)

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی روداری

جلد سوم

اس میں مغل خاندان کے گل سرسید شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد کے مغل بادشاہوں یعنی بہادر شاہ اول، جہاں دار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ وغیرہ کی مذہبی روداری، فراخ دلی، معاہدہ تاریخون کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے، اس میں اورنگزیب کے وہ تمام فرامین بھی آگئے ہیں جو مختلف شہروں کے مندروں کی دہ، اور ہندو بجا ریوں کو جاگیرین دینے کے سلسلہ میں اونٹنے لکھے اور شہزادہ مند کے انہدام کے قصہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مرتبہ ۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمن

قیمت - ۲ روپے



مطبوعات جدید

معیار و اقدار :- از ڈاکٹر عبدالغنی، تقیہ متوسطہ کاغذ کتابت و طباعت عدد
صفحات ۲۳۸، جلد مع گرد پوش قیمت پچیس روپے، پتہ (۱) محمد اسلام، چنگو ہڑہ دندورڈ
نمبر ۳۷، ڈاکخانہ انیس آباد، پٹنہ ۲، کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ،

پروفیسر کلیم الدین احمد مرحوم ہمارے تنقید نگاری کے امام سمجھے جاتے تھے، مگر اب یہ اہمیت
جناب ڈاکٹر عبدالغنی کے یہاں منتقل ہو گئی ہے، گو ان کی تنقید نگاری کا فن پروفیسر کلیم الدین احمد
سے مختلف ہے، ان کے یہاں سلامت روی، اعتدال پسندی اور شائستگی تحریر کے ساتھ ہی
مخصوص ادبی و تنقیدی نظریہ بھی ہے، جس کی وضاحت انھوں نے زیر نظر مجموعہ کے دیباچہ میں
اس طرح کی ہے کہ تنقید نکتہ چینی اور عیب جوئی کے بجائے کسی چیز کی صحیح قدر و قیمت معین کرنے
کا نام ہے، ان کا نظریہ تنقید فکری طور پر دینی اور ملی طور پر اخلاقی ہے، دو چہیں ہر نکتہ سلسلہ ادبی مسائل پر غور
و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ادب کی عظمت لازماً کسی اخلاقی معیار سے دریافت کی جائے گی
اور اس معیار کی تکمیل ایک دینی نقطہ نظر سے ہوگی، پیر نظر کتاب مصنف کے تنقیدی مضامین کا
چوتھا مجموعہ ہے، اس کے پندرہ مضامین میں انھوں نے اپنے موضوعات مطالعہ کی حقیقت کا سراغ
تو خالص ادبی و فنی اور بالکل موضوعی نقطہ نظر سے لگایا ہے، مگر ان کی عظمت کی پیمائش اپنے خاص دینی و اخلاقی
نظریے کے مطابق کی ہے، پہلے مضمون فن اور ناقد فن اور تنقید کو یکساں درجہ کی چیز بنانے کے ساتھ ہی
ناقد کی ضرورت و اہمیت اور اس کے فرائض کی وضاحت کی ہے اور اس کے اور صاحب فن کے

درمیانِ برابری اور برابری کا رشتہ دکھایا ہے، اور اس کے لئے نظر کے ساتھ نظریہ اور کسی نظام فکر سے وابستگی کو ضروری قرار دیا ہے، جو تنقید اور فن دونوں کے لئے مفید ہے، مصنف اقبال کے پرستار بھی ہیں، اور ان کا مطالعہ اقبال وسیع اور گہرا بھی ہے، اس مجموعہ کا دوسرا مضمون ”اقبال اور نئی دنیا“ خاصہ کی چیز ہے، اس مجموعہ کے مضامین کی دو نوعیتیں ہیں پہلی نوعیت کے مضامین میں ڈاکٹر عابد حسین، آغا سہر فیض، احمد فیض، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، اختر اور نیوی، پروفیسر محمد حسن ڈاکٹر خلیل الرحمن عطلی اور غیاث احمد گدی کے متنوع ادبی ذہنی کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، مصنف نے دیا چھ میں لکھا ہے، کہ انھوں نے ان کے ساتھ اپنے اختلافات کا برملا اظہار بلکہ ان کی تردید بھی کی ہے، اور ان کی خوبیوں کی تشریح بلکہ ان کے بعض فنون کو ادبِ عالمیہ کی روایات کا جز بھی قرار دیا ہے، اور اسی حیثیت سے تاریخِ ادب میں ان کا درجہ متعین کیا ہے، وہ ڈاکٹر سید عابد حسین کی ادبی و تنقیدی بصیرت، علمی گہرائی، اردو پر قدرت وغیرہ کا اعتراف کرنے کے بعد انھیں باضابطہ معترف قرار دیتے ہیں، اور ان کی کتابوں ”قوی تہذیب کا مسئلہ“ اور ”ہندوستانی مسلمان تائیدِ یاسم میں گوان کا شاہکار بتاتے ہیں مگر انہی کتابوں کا دیر و دوری سے جائزہ دیکھ ڈاکٹر صاحب کی بعض فکری خامیوں کی جس مبصرانہ انداز سے نشاندہی کی ہے اس سے لائق مصنف کی تنقید بصیرت اور ملک و ملت کے مسائل کے بارہ میں سنجیدہ اور سچی فکر و رائے کا پتہ چلتا ہے،

اسی نوعیت کا اہم مضمون ”یوسف حسین خاں عالم باناقد“ بھی ہے، اس میں عالم و محقق اور ناقد کے دائرہ عمل، طریق کار اور الگ الگ فرائض بتانے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ایک بڑا عالم و محقق بتایا ہے اور اس کے ثبوت میں ان کی پانچ اہم عالمانہ تصنیفات کے فنی معلومات اور علمی اطلاعات کا ذکر کیا ہے، مگر وہ انھیں ناقد نہیں مانتے اس سلسلہ میں ان کی بعض تصنیفات کا گہرا تنقیدی جائزہ لیکر اس پہلو سے ان کے نقض و کمی کا ذکر کیا ہے، اسی انداز سے فیض کی شاعری، اختر اور نیوی کی تنقید نگاری پروفیسر محمد حسن کی نفاقی تنقید نگاری، خلیل الرحمن عطلی کی ادبی حیثیت اور غیاث احمد گدی کی افسانہ نگاری پریر حاصل

تفصیل متوسط کا نکتہ ثابت و طباعت بہتر صفحہ ۲۰۰ مع زمین کو، قیمت ۲۵ روپے

پیشکش کردہ حانیہ متورا، باندہ، یوپی۔

اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے، اس نے ایمانیات و عقائد، اعمال و عبادات، اخلاق و معاملات اور سیاست و تمدن ہر ایک کے بارے میں احکام و ہدایات دے دیں اس کتاب میں عام فہم انداز میں بہت اختصار کے ساتھ انہی امور و مسائل کے متعلق اسلامی تعلیمات پیش کی گئی ہیں، چنانچہ پہلے ایمان کا مطلب تحریر کیا اور توحید کا مفہوم بھی، رسالت، تقدیر اور اخوت پر بحث کی ہے پھر ارکان عبادات کے معنیوں کے تحت شہادتین کے اقرار، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا ذکر کیا ہے، اور علم کی اہمیت واضح کرنے کے بعد مسلمانوں کے مخصوص دینی علوم تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، تصوف و اخلاق، ادب و عربیت اور تاریخ و سیر کے علاوہ عام علوم و صنعت و حرفت سے مسلمانوں کی دلچسپی دکھائی ہے، اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت، اسکے سیاسی نظام، جہاد، عدل، معاشرتی دعائی، اخلاقی و معاشی نظام اور تعزیرات وغیرہ پر گفتگو کی ہے، اور کائنات و نظام کائنات مساوات، نظادتی اور عورت کے بارے میں اسلامی تعزیرات بیان کئے ہیں، اسلامی قوانین کی بنیادوں کتاب و سنت، اذہاج و قیاس کا ذکر اور غائہ کہ مسجد نبوی اور بیت المقدس کے متعلق کچھ معلومات بھی درج ہیں، آخر میں اسلام کے ایک معتدل و متوازن مذہب ہونے اور اسکے بارے میں غیر مسلموں کی بعض رائیں نقل کی ہیں، وہی کی بحث میں آسمانی کتابوں اور رسالت کے ضمن میں مشہور انبیاء کے مختصر حالات دئے گئے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی اولاد و ازواج، متعلقین و اعراف اور صحابہ کرام کا بھی ذکر جو آخرت کی بحث میں عالم و رزق اور جنت و دوزخ کا تذکرہ ہے، اہم مفسرین، محدثین اور فقہاء کا تذکرہ اور مشہور کلامی و فقہی مذاہب پر بحث کی ہے، اور اسلام کے سیاسی نظام کے ضمن میں مسلمانوں کی قدیم جمہوریتوں اور موجودہ دور کی ان کی حکومتوں کا تذکرہ کیا ہے، اگر کہیں کہیں زیادہ اختصار کو کام لیا گیا ہے جیسے عبادات، معاشرت، اخلاق اور اسلام کے معاشی و دعائی نظام بہت مختصر بحث و گفتگو کی ہے، معاشرت کے ضمن میں موت و تجرید و نفس کا ذکر رہ گیا ہے بعض غیر ضروری بحثیں بھی آگئی ہیں مثلاً آنحضرت کے تذکرہ میں آپ کے عزیزوں اور صحابہ کرام کا تذکرہ، اس کتاب کا علمی و تحقیقی پایہ کو بلند نہیں کر کے صرف نے اس میں بہت

مفید باتیں سچ کر دی ہیں عام لوگوں کے مطالعہ کے لیے، دینی و دنیوی امور میں کی جوتی نہیں پڑھنے سے نہ ہونے لگنے کا نہ ہونا، یہ خدا اور کہے پڑھنے پڑھنے پر نیا ذوق مبدول کرین تو کسی تصنیفی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

انتخاب غزلیات شائق انتخاب مومن	مرتبہ۔ شکر منظر عباس نقوی مدظلہ العالی
انتخاب خواجہ وزیر انتخاب غزلیات برقی	شاہ محمد باقر مدظلہ العالی
انتخاب کلام مونس، انتخاب میر سوز انتخاب	اکرم حسین مدظلہ العالی
غزلیات قائم چاند پوری،	درباحت بہتر صفات بالترتیب ۱۱۷۶۹۲، ۱۱۷۶۹۳، ۱۱۷۶۹۴، ۱۱۷۶۹۵

۳۲، ۸۸، ۸۹ قیمت بالترتیب ۳ روپے پچاس پیسے، ۴ روپے ۵۰ پیسے، ۶ روپے ۶۰ پیسے، ۴ روپے ۴۰ پیسے

۵ روپے پچاس، ۶ روپے ناشر تریویش اور دو اکاڈمی، لہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ۔

از پر دیش اور دو اکاڈمی نے اردو کے معارف اور سائنس کے فن کے خوب کلام کی اشاعت کا مفید پروگرام بنایا ہے یہ ساتوں کتابیں اسی پروگرام کے تحت شائع کی گئی ہیں، جو اردو کے ہمالیہ شاعروں کے کلام کا انتخاب ہیں، یہ انتخاب مختلف یونیورسٹی کے اردو سائنس دانوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے، ہر کتاب کے شروع میں فاضل ترین کے قلم سے مختصر مقدمہ بھی ہیں، منظر عباس استاذ شعبہ اردو سلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ناقد کے کلام کا انتخاب چوبیس خوش مذاقی اور اچھے ڈھنگ سے کیا ہے، انھوں نے ناقد کا اچھا تعارف بھی لکھا ہے، اردان کے کلام کی خصوصیات پر بھی سیر حاصل بحث کر کے انکی شاعرانہ عظمت واضح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ زبان میر اور خیال غالب کی نمائندگی کرتے تھے، مقدمہ میں انکی ادبی ذوق نگاہی اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ڈاکٹر ظفر صدیقی استاذ شعبہ اردو تبارس ہند یونیورسٹی کا مقدمہ بھی محنت و مطالعہ کا نتیجہ خواہوں حکیم مومن خاں مومنی کے مختلف اصناف کلام کا انتخاب کیا ہے جناب شاہ محمد اقرار غامہ باقر نے ناسخ کے دو ممتاز شاعروں اور دبستان لکھنؤ کے ہمالیہ شاعروں خواجہ محمد وزیر اور مرزا محمد رضا برقی کے کلام کا انتخاب کیا ہے اور دونوں نے انکے کلام کی خصوصیات پر بھی گفتگو کی ہے اس سے لکھنؤ کی شاعری کے خاص رنگ علاؤ الدین شمر کے اپنے اساتذہ کے طرز کو فروغ دینے کی کوشش کا پتہ چلتا ہے، برقی کے کلام کے عین کے ساتھ اس کے بعض مضامین کا بھی تذکرہ کیا ہے، ایک اور مجموعہ میں بھی دبستان لکھنؤ کے ایک صاحب کمال شاعر مرزا محمد تقی خاں تیس لکھنؤ کی غزلیوں اور باعیاات کا انتخاب کیا گیا ہے، اور مقدمہ میں ان کا مختصر حال اور شاعرانہ ذوق و مرتبہ واضح کیا گیا ہے، دو مجموعے میں میر مرزا کا مختصر تو ہمالیہ شاعروں کے کلام کا انتخاب ہے، ایک میں میر سوز کے اردو دس مضمونوں کے شاعر اور صوفیوں کے ایک قائم چاند پوری کی غزلوں کا انتخاب باقی جو اردو مقدمہ میں انکے حالات وغیرہ کا ذکر بھی مگر میر سوز کی شاعری پر بحث و تبصرہ مزید تفصیل و کاوش کا مستحق تھا، اردو کے کلاسیکل شعرا کے انتخاب کلام کی اشاعت ایک مفید ادبی خدمت ہے جس کے لئے از پر دیش اور دو اکاڈمی مستحق ستائش ہے۔

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام

کسی فرماں روا خاندان یا فرماں روا اشخاص کی غفلت و شان ہستی و تنزل کا اندازہ ہمیشہ
افتوحات اور فوجی طاقت سے کیا جاتا رہا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی تاریخیں بھی لکھی جاتی تھیں
ہندوستان کے غفلت فرماں روا خاندانوں کی تاریخیں بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں اور ان میں اولیٰ
افتوحات اور جنگوں کی تفصیل لکھی گئی جنہوں نے باہر سے لے کر غلغلا تک چار پانچ سو برس
سے حکومت کی اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور اپنے متبوعان کا دائرہ واس گہری
رات و سارا بل تک پہنچا دیا، ان کی تاریخ بھی مرثیوں کی جنگوں کی اور فتوحات کی تاریخ ہو چکی
ن کی طرف کشا کا وہ بیان نہیں کیا کہ ان کا فوجی نظم و نسق کیا تھا، ہندوستانی کے طریقے کیا تھے، کس قسم
کے اسلحے استعمال ہوتے تھے، میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب کیا ہوتی تھی، ان کی غفلت نگریوں کے
نام کیا ہوتے تھے، پھر ان کی ذمہ داریاں کیا ہوتی تھیں، وغیرہ وغیرہ، جب سید صباح الدین عبدالحی
صاحب دارالمنہن کی رفاقت میں آئے اور ان کو انگریزی کا شعبہ یاد کیا، تو سید صاحب نے ان کو یہی
لکھن موضوع دیا جس کے لئے مواد کا تلاش کرنا ہوتا ہے جو شیر لانے سے کم نہ تھا، انھوں نے
دس بارہ سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے نہ صرف سنوں کے عہد کے بلکہ ہندوستان کی پورے
عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام پر ایک ضخیم کتاب تیار کر کے پیش کر دی، اس میں عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام
آلاتِ حرب، آتش اسلحہ، بحری بیڑے، فوج کا کوچ، صف آرائی، ترتیب، میدانِ جنگ، چھاؤنیاں
کین گاہیں، غفلت فوجی عہدہ داروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل نہایت دلچسپ انداز
میں بیان کی گئی ہے، یہ اپنے موضوع پر اردو میں منفرد کتاب ہے، قیمت ۱-۲۲ روپیہ

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالحی

”نمبر“

جہ الاسلام مولانا شبلی کی بعض اہم تصنیفات

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری
الذکر، اجتماعات، استیلا، مسائل اور فقہ

عقوبی کی خصوصیات (زیر طبع)

سوانح مولانا دوم، مولانا جلال الدین دہلوی
کی مفصل سوانح عمری، امدادی کی شاہکار تصنیف، فقہ

شریف پرمہود تبصرہ، (زیر طبع)

مہاراجہ امیں دہریہ، مشہور مشینہ نگار میونسپل
شاعری پر ریویو، اور مرزا دہریہ ان کا موازنہ

زیر طبع

کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ

قیمت: ۱۱ روپیہ

کلیات اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا

مجموعہ جو انہوں نے مسجد کا پورا جنگ طرابلس

غزوہ بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے

متعلق لکھیں، قیمت: ۶ روپیہ

مکاتیب شبلی، مولانا کے دستوں غزویں اور

مکتوبات کے نام خط کا مجموعہ، حصہ اول، حصہ دوم

۱۶ روپیہ، ۱۷ روپیہ

سیرۃ نبوی صلا، اس میں حضرت علیؓ کی زندگی

ملاوت، بساوت، لیکچر، حالات، حالات

کا تفصیل، اس پر تبصرہ، قیمت: ۲۹ روپیہ

سیرۃ نبوی حصہ دوم، اقامت، امن، امن، حالات، اور

حضرت علیؓ کی تعلیم کے اخلاق و عادات و مسائل کا

مفصل بیان، قیمت: ۱۰ روپیہ

الغار، وق حضرت عمر فاروقؓ کی فاضل سوانح عمری

ان کے بابا، اہل کائناتوں کی تفصیل، مولانا

کے نظم کی شاہکار کتاب، جس پر مصنف کو بھی

ناز تھا، قیمت: ۲۲ روپیہ

الغزالی جہ الاسلام، امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی

سوانح عمری اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل، ان کی

تمام تصانیف پر ایک جامع تبصرہ، قیمت: ۱۱ روپیہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کی سوانح و حالات

کے علاوہ اس کے عہد حکومت کے سیاسی علمی مذاہب

اخلاقی تمدنی حالات بھی اسے دولتِ جابۃ بغداد کے

عروج و کمال کا پورا تاریخ نگاہوں کے ساتھ آجاتا ہے

قیمت: ۱۱ روپیہ

نومبر ۱۹۸۲ء

جسٹ فیلو، نیشنل ایسوسی ایشن

۲۸

۳۸/۱۱/۸



معارف

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾

ستید صباغ الدین عبد الرحمن

..... ﴿عَرَبِيَّةٌ﴾

قیمت بیس روپے سالانہ

درفتر دارالمصنفین اعظم کدہ

(۱۵۶-۲۶)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
 - ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا ضیاء الدین لعلی
 - ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک بیس کتا بون کمپنچ چلے ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں منسل و مد سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کا مدعے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد دوم

اس میں منسل فرمانروا بہاؤ شاہ، ہمایوں، سیدی خاندان کے شیر شاہ، اور اسلام شاہ، پھر منسل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے سبق آموز واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے،

جلد سوم

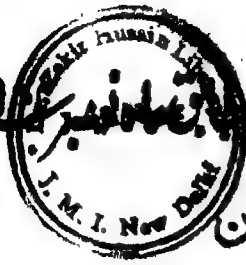
اس میں اوزنگریب، مالگیر، واس کے بعد کے منسل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں،

نیرطبع

..... پبلشرز (مرتبہ) پبلیشرز
..... پبلشرز (مرتبہ) پبلیشرز

سید صباح الدین عبد الرحمن

جلد ۱۳۳ - ماہ مقرر الطفر ۱۳۰۵ھ
 مضمین



سید مباح الدین عبدالرحمن ۳۲۲-۳۲۳

شذرات

مَقَالَات

- | | |
|----------------------------|---|
| مستشرقین اور مطالعہ کسیرت | ڈاکٹر نثار احمد مسٹنیم و فیروز شہید تاریخ |
| علامہ برہان الدین مرغینانی | کراچی یونیورسٹی، پاکستان۔ ۳۲۵-۳۲۰ |
| | عبید اللہ کوٹی رفیق دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ |
| | ۳۲۱ - ۳۶۶ |
| ڈاکٹر محمد ایوب قادری | جناب شمس الدیوبی۔ ہاپون۔ ۳۶۶ - ۳۸۰ |
| حضرت سلمان فارسی کی عمر | مولانا قاضی امجد مبارکپوری ۳۸۱-۳۸۶ |
| مدرس عربی کانصائب تسلیم | جناب شیخ نذیر حسین، دیار دوانسائیکلوپیڈیا |
| | آفت اسلام۔ لاہور۔ ۳۸۶ - ۳۹۰ |

وفیات

- | | |
|------------------------|-----------------|
| مولانا ابوالجبال ندوی | ص - ع ۳۹۱ - ۳۹۲ |
| ڈاکٹر عبدہ الطیف مرحوم | " ۳۹۲ - ۳۹۵ |
| آہ شاہ نصر احمد چلواری | " ۳۹۵ - ۳۹۶ |
| مطہر غا جسد یدہ | " ۳۹۶ - ۴۰۰ |

شذرات

شریمتی اندرا گاندھی اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہیں کچھ نادان وطن دشمن اور ناقابل مذہب مردوں کے ہسپتال اور ماشنگن سے نہیں بلکہ ان کے بے رحمی بے دینی اور کالی گولیوں کا نشانہ بنیں اور امر ہو کر بے عظمت ہو گئیں۔ دو مردوں نے ایک سالہ عورت کو اپنی بائیس گولیوں کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ دنیا کے تمام مردوں کے مردانہ کی تذلیل کی انسانیت کی گردن شرم سے جھکا دی اور وطن کی ناموس خاک میں ملا دی مگر خود شرمیتی اندرا گاندھی عظمت جلال اور صولت میں چار چاند لگا دیا، ان کی وفات اپنی فطری موت سے ہوتی تو ان کی عزت مقبوضہ اور محبوبیت میں اتنا اضافہ نہ ہوتا جتنا کہ اب ہوا گلابوں اور سورج کھیروں سے لدی ہوئی ان کی اوتھجری ہوئی اور بری لشکریوں کے دستوں کی سمیت اور لاکھوں عقیدتمندوں کے جلوں سے روانہ ہوئی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی لاٹھی ہندوستان کی میٹھی اور سیاست کی دیوی اپنے میکے سو فی کی سہاگنی بنی ہوئی بے پناہ آسودہ حیرت انگیز دواع ہو رہی ہے سڑے زیادہ ملکوں کے متاز نمایندے ان کے احترام میں جھکے ہوئے تھے، مردوں اور عورتوں کے بے پناہ سوگوار ہجوم زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہندوستان کی فضا پر جب سورج کی روشنی چمکتی رہیگی چاند کی چاندنی پھیلے گی اور شبنم کے قطرے یہاں کے پھولوں کو تازہ اور شاو آب کرتے رہیں گے، ہندوستان کی تاریخ میں شرمیتی اندرا گاندھی کا نام باقی رہے گا۔

کچھ سیاسی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو زمانہ کے سپرد ہو جاتی ہیں مگر کچھ سیاسی شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے سپرد زمانہ ہو جاتا ہے، اندرا گاندھی کی شخصیت ایسی تھی جس کے سپرد خود زمانہ ہو گیا تھا، ان کے سر پر دنیا کی کاتاج رکھا گیا تھا تو پورے ہندوستان کا دل دھڑک رہا تھا کہ معلوم نہیں وہ اس تاج کی لاج کس طرح قرار رکھیں گی مگر اتنا بال خود ان کی وزارت غلطی کی مانگ پر انشاں چھڑتا رہا، کامیابی خود بڑھ کر ان کی سیاست کے پاؤں میں چھاگل بنی رہی عزم باجزم ان کی قوت فیصلہ کا سہارا لیکن ان کی سیاست کے کچے میں مرعہ کار مار پھینا رہا، اویاب جبکہ ان کی سیاسی زندگی کا انسانہ ختم ہو گیا ہے، مورخوں کو یہ لکھنے میں تامل نہیں ہو گا کہ ایسی حکومت

سڑک، مکتی، جہاں بہت حوصلہ مند، دھند، وطن کے کونے کونے کی خاک چھاننے والی، لاکھوں کے مجمع کو اپنی طرف کھینچنے والی، دنیا کی سیاست پر اثر انداز ہونے والی، اپنے مخالفوں سے صبر و سکون کے ساتھ ہڑتاز ہونے والی، اپنی ناکامی کے باوجود اسے نروا بھرنے والی اور طرح طرح کے مسائل میں مبتلا رہ کر ان کو حل کرنے کی کوشش کرنے والی حکمران خاتون دنیا کی تاریخ میں شاید پیدا نہیں ہوئی۔

رومن امپائر میں کلیو پیٹر، تھیوڈور، زو، بروکس اور ایرین اپنے زمانے کی سیاست پر چھائی رہیں، فرانس میں میری انٹونائٹ اور کیتھرائٹ اپنے ملک کی سیاست میں بہت نمایاں ہوئیں، انگلستان میں ایڈم سٹیم، میری اور وکٹوریہ نے اپنی حکمرانی میں بڑا نام پیدا کیا، ہندوستان کے اندر ^{سلطان} خاتون، بیگم ماہم، نور جہاں، درگاہی اور مارا بائی کو اپنے زمانہ میں بڑی شہرت ہوئی، مگر ان تمام حکمران خواتین کی سیاسی سرگرمیاں محلوں اور درباروں تک رہیں، اس کے برخلاف اندرا گاندھی کی سیاست پارلیمنٹ کے ایوانوں، مخالف جماعتوں کی شدید مخالفتوں، انتخابات کے ہنگاموں، سڑکوں، گلیوں اور کوچوں کے طوفانی دوروں میں ابھری، اس کا طے وہ ان تمام خواتین حکمرانوں پر فوقیت رکھتی ہیں ان کی معاصر سیاسی خواتین میں اسرائیل میں گولڈا مائیر، سری لنکا میں سر بندرناٹے اور انگلستان میں مریچر دزارت غلطی پر ضرور فائز رہیں ان کے ملکوں کا رقبہ اور ان کی آبادی بھی زیادہ نہیں، مگر اس کے باوجود وہ اپنے اپنے ملک پر اس طرح حاوی نہ ہو سکیں جس طرح اندرا گاندھی تشر کوڑکی آباد والے ملک کے کچھ ہوئے صبر و تحمل، بہت مشکل مسائل پر رہیں، اس کا طے بھی ان کی معاصر حکمران خواتین ان کی شہرت کے آگے اندر رہیں۔

تاریخ کی عظیم شخصیتوں کا جائزہ لینے میں جہاں عقیدت و محبت کے پھول پھلاویکے جلتے وہاں تنقید و تنقیص کی چنگاریاں بھی برسائی جاتی ہیں، اندرا گاندھی کے کارناموں کا بھی آئندہ جائزہ لیا جائے گا، مگر ہندوستان کی تاریخ عظمت کا ہار پہنا کر ان کو شہرت کے بجائے دوام کے دربار

جو مقام دے چکی ہے اس سے ان کا بڑے بڑا فائدہ اور نجات بھی ہٹا نہیں سکتا۔

ان کی بڑی آرزو تھی کہ ان کے لڑکے راجو گاندھی ان کے جانشین ہوں، ان کی اس نیت سے یہ آرزو پوری ہوگئی، اب راجو گاندھی کی طرف سارے ہندوستان کی نظر اٹھی ہوئی ہے کہ کس بھارتیہ ذمہ داری سے وہ کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں حکومت آڈیٹس کے ذریعہ سے بھی کی جاتی ہے، یہ پولیس کے ذریعہ بھی امن و امان قائم کرالیتی ہے، فوج کے سہارے فسادات پر بھی قابو پالیتی ہے، ایسی حکمرانی تو بہت آسان ہے، مگر دلوں کی تسخیر کر کے لوگوں پر حکومت کرنا آسان نہیں بلکہ مشکل ہے، ایک حکمران کا اہلی کار نامہ تو یہ ہے کہ وہ جھک کر قہر آور ہو، مفتوح بن کر فاتح ہو، مغلوب ہو کر غالب ہو، راجو گاندھی کی وزارت غلطی کی آزمائش اس میں ہے کہ اس ملک کے ہر فرقہ بلکہ ہر آدمی کے لیے ان کے دل میں محبت کی لنگا اور اخلاص کی جمناسک طرح بھی ہے، یہ قانون یا کاغذی تحریروں یا زبان پر تقریروں سے نہیں بہہ سکتی، بلکہ لوگ محسوس کریں کہ ان کو سربراہ کی واقعی غلصہ، دور و مندانہ اور پھر روانہ حکمت عملی کی وجہ سے اس کے لیے ان کے دلوں کے اندر شفقت اور وفاداری کے شہد کی نہر بہہ رہی ہے۔

دھننیش شرمی اندرا گاندھی کی حسرتناک موت سے اس لیے بھی سوگوا رہے کہ ان کے خاندان اس ادارہ کا گہرا تعلق رہا، ان کے دادا پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے والد بزرگوار پنڈت جواہر لال نہرو اس کو اپنی تشریف آوری اور کم سے برابر نوازتے رہے، خود انھوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا اس لیے ان کی وفات کو یہ ادارہ اپنا بہت بڑا سانحہ سمجھتا ہے، اس سوگوا ری کے عالم میں اس کی خوشی ہے کہ ہندوستان کی وزارت غلطی اسی غرور و گار خاندان میں پھر آگئی، راجو گاندھی کو پیام تشریف بھیجنے کے ساتھ ادارہ ان کے اس عہدہ جلیلہ کے لیے مبارکباد بھی پیش کرتا ہے۔



مقالات

مستشرقین اور مطالعہ میرٹ
جناب ڈاکٹر ثناء احمد صاحب اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات ایچ ایم کالج کراچی پاکستان
فہرست مستشرقین "حصہ دوم"
(۲)

Etienne Marc Quatreimere

۱۶۲- آئین مارک

Edmund Castell

۱۶۳- اڈمنڈ کاسل

Adolf Wahrenund

۱۶۴- اڈولف وارمنڈ

Albertus Schultens

۱۶۵- البرتوس شولتس

Alfred Octave Bel

۱۶۶- الفرد اکتاف بل

Emilo Lafouentey Alcontara

۱۶۷- امیلو لافونٹے الکنترا

Erpenues

۱۶۸- اریپی نووس

Adler, J.C.

۱۶۹- ایڈلر

Stanley Dear

۱۷۰- اسٹینلی ڈین

Elphistone

۱۷۱- ایلفسٹون

Embrico Of Mainz

۱۷۲- امبریکو آف مینز

Smith, W.C.

۱۷۳- اسمتھ

Otto Richard

۱۷۴- اوٹو

Alexander Ross

۱۷۵- الیکزنڈر روس

Alles, T.W.

۱۷۶- ایلس

Alecocke, Nathan.	۱۸۶ — ایلوک
Amos Pasud	۱۸۸ — اموس
Ugodi Santalla	۱۸۹ — اودی سانتالا
Edward J. Jurji	۱۹۰ — ایڈورڈ جرجی
Ehrherth, Jacob	۱۹۱ — اعرث
Ahlwardt, Wilhelm	۱۹۲ — الورت
Isberdis Victor	۱۹۳ — ابرڈس
Sperher, Jakob	۱۹۴ — اسپرہر
Spian Bernard	۱۹۵ — اسپان
Spiro Jean	۱۹۶ — اسپارد
Adelard of Bath	۱۹۷ — ادیلر آف باث
Brown, E.G.	۱۹۸ — براؤن
Beresine, N	۱۹۹ — بریزین
Barthold, V.V.	۲۰۰ — بارتھولڈ
Burchardt, L.	۲۰۱ — برخارٹ
Beauvais Vincent de	۲۰۲ — بی. دائر
Badger, G.P.	۲۰۳ — بیجر
Barrau, J.J.	۲۰۴ — بارو
Bartol	۲۰۵ — بارٹول

Baudier, Michel	۲۰۶ — باویر
Basin, Louis	۲۰۷ — بازن
Benson, A.C.	۲۰۸ — بنین
Bethman, W.C.	۲۰۹ — بتمان
Bevan A.A.	۲۱۰ — بیون
Bihliander, theodor.	۲۱۱ — بلیاندر
Blum, Ernest, Alfred	۲۱۲ — بلم
Baccacio, Giovannir	۲۱۳ — بوشیو
Bolitho, William	۲۱۴ — بولیتو
Becker, G.H.	۲۱۵ — بیکر
Briffault, R.S.	۲۱۶ — بریفالط
Byng, E. J	۲۱۷ — بنگ
Barker, E.	۲۱۸ — بارکر
Lewis, B.	۲۱۹ — برنارد لوئیس
Bell, R.	۲۲۰ — بیل
Pococke, E.	۲۲۱ — پوکاک
Postel, G.	۲۲۲ — پوسترل — قواعد اللغة العربیه ۱۵۳۸ هـ
Perron A.	۲۲۳ — پیرون — ترجمه الطب النبوی از جمال الدین ابی سلیمان داود ۱۸۶۶ هـ
...	...

Hekthel, M.W.

۲۲۲- پختال (ترجمہ القرآن، الثقافة الاسلامیہ)

Palmer, E.H.

۲۲۳- پامر

Arabia-1867 - (Palgrave)

۲۲۴- پالگریو

History of Mohamadan dynasties
(Major Price London 1812. }

۲۲۵- پرائس

Peter the Venerable

۲۲۸- پیٹر

Theophanes, Saint.

۲۲۹- تھیوفین

Thomas Bertran.

۲۳۰- تھامس برٹران

Thompson J.W.

۲۳۱- تھامس

Thom, son William.

۲۳۲- تھامسن

Titus, M.T.

۲۳۳- ٹیٹس

Tory, Foulford, H.

۲۳۴- ٹوری

Tritton, A.S.

۲۳۵- ٹریٹن

Troitsch, Charlotte, F.K.

۲۳۶- ٹروٹش

Tochudi, R.

۲۳۷- تشودی

Theodore Wilhelm Jean Juynboll. تیموڈور فیلیم جان

Gertrude Margaret }

۲۳۸- ۲۳۹- جرترودمارگریٹ - انگریز مشرق

Lowthian Bell }

۲۴۰- جوتلف برک

Gotthelf Bergstrasser.

۲۴۱- جارج جیکب

Jacob, George.

Ignazio Guidi.

۲۴۲- گویدی

Ednard Glaser.

۲۲۳ - جلاذر

Jean Arthoski

۲۲۴ - جان ارٹوکی

Gabriel Ferrand

۲۲۵ - جبرئیل فیران

Gabriel Leveng

۲۲۶ - جبرئیل لیوان

Jerbert de Oraliac

۲۲۷ - جو بردی ادرلیاک

Geor, B.J.

۲۲۸ - جیر

Jarazbhry, A.Q.A.

۲۲۹ - جرازبری

Jackel, R.

۲۵۰ - جیکل

Jinez de Roda.R.

۲۵۱ - جینز دی رودا

John V

۲۵۲ - جان

Jones David .

۲۵۳ - جونز

Jong, P.De.

۲۵۴ - جونگ

Johnson, E.M.

۲۵۵ - جانسن

John Continuum.

۲۵۶ - جان کینٹینو

Sir William Jones.

۲۵۷ - جونز

John of Damascus.

۲۵۸ - جان آف دمشق

Johnston.

۲۵۹ - جانسن

John Lydgate.

۲۶۰ - جان لڈگیٹ

Gene Berard

۲۶۱ - جین برارڈ

Chas. Ko, A.B.

۲۴۲ - چازکو

Hitti, P.E.

۲۴۳ - حٹی

Derenbourg.H

۲۴۴ - دربرگ

Etienne Dinet

۲۴۵ - دینی

Antoine Isaac Silvestre de Sacy

۲۴۶ - دی ساسی

Bernhardt Dorn

۲۴۷ - دورن

Dante

۲۴۸ - دانته

Goeje, M.J. de.

۲۴۹ - دی غویہ

Decail

۲۵۰ - ڈیکویل

Dalberg.F.V

۲۵۱ - ڈلبرگ

Dalaporte, P.H

۲۵۲ - ڈالاپورٹ

Dias Eduardo

۲۵۳ - ڈائس

Diehl, Charles

۲۵۴ - ڈیل

Dobs, Marcus

۲۵۵ - ڈابس

Deelinger, J.J.

۲۵۶ - ڈی لنگر

Dugarrio, F.

۲۵۷ - ڈوگارک

Dunn

۲۵۸ - ڈن

Della Vide, G. Levi.

۲۵۹ - ڈیلا ویدالیوی

Charles Francois Defrenery

۲۶۰ - ڈیفرنیری

Ranke, Leopold, Von

۲۸۱ - رینک

Rattigen, W.H.

۲۸۲ - راتی جی

Reinach, Salomon

۲۸۳ - ریناخ

Reicke, J.K.

۲۸۴ - ریک

Reusch, R.

۲۸۵ - ریوش

Raymond, J.

۲۸۶ - رامنڈ

Ritter, H.

۲۸۷ - رٹر

Ruper, C.L.

۲۸۸ - روپر

Roger Bacon

۲۸۹ - راجر بکن

Rodwell, J.M.

۲۹۰ - راولڈیل

Reckendorf

۲۹۱ - ریکنڈورف

Rosenthal, E.I.J.

۲۹۲ - روزنتھال

Rosenthal, F.

۲۹۳ - روزنتھال

Sébastien Ronsavalle

۲۹۴ - رونسوال

Victor Romanovitch Rosen

۲۹۵ - روزن

Lassen Rasmussen

۲۹۶ - رازمسن

Zan Brini, F.

۲۹۷ - زبرینی

Zweyer, S.M.

۲۹۸ - زیمر

Sachau, E.

۲۹۹ - زخاو

Zetterstein, K.V.

۳۰۰ — زیرکشتہ

Zamudio, Martin.

۳۰۱ — زامدیو

Zarsano, M. Y. S.

۳۰۲ — زارسانو

Zervier, Andee

۳۰۳ — زرویر

Zine, W.

۳۰۴ — زاین

Simon, Gotterfried

۳۰۵ — سائمن

Solero, Silvio

۳۰۶ — سلیرو

Sardel, D.

۳۰۷ — سارڈل

South y, R.

۳۰۸ — سوڈے

Sykes, Sir Percy.

۳۰۹ — سائیکس

Syburg, F.

۳۱۰ — سائیرگ

Savery,

۳۱۱ — سیوری

Barthelony St. Hailaire

۳۱۲ — سینٹ ہیلیر

San Pedro Perschul.

۳۱۳ — سان پیڈرو پیرشال

Sedillot, J. J.

۳۱۴ — سدیوجان جاک

. alim

۳۱۵ — سلیم نوظ

Solomon, F. J.

۳۱۶ — سولمن

Scholl, Adolf.

۳۱۷ — شول

Schroeder, E.

۳۱۸ — شرودر

Victor A	۳۱۹ - فودون
S hultens	۳۲۰ - شولتنز
Schacht, J.	۳۲۱ - شاخت
Schultens, J. J.	۳۲۲ - شولتنز
Jean Sauvaget	۳۲۳ - شوافیه
Francis Joseph Steingass	۳۲۴ - شیناس
	۳۲۵ - طنطادی، اشیخ محمد عیاد
Eugenio Griffini	۳۲۶ - غریفینی
Falke, Robert	۳۲۷ - فلکه
Finger, Charles	۳۲۸ - فنگر
Finlay, G.	۳۲۹ - فینلی
Fisher, A. M.	۳۳۰ - فشر
Flugel, G. L.	۳۳۱ - فلیگل
Foutane Marivo, E.	۳۳۲ - فوئین
Foster, H. F.	۳۳۳ - فوستر
Freeman, E. A.	۳۳۴ - فریمن
Fuck, J.	۳۳۵ - فک
Alfred Von Kremer,	۳۳۶ - فان کریمر
Fleischer, H. L.	۳۳۷ - فلایشر

August Ferdinand Mehnert

۳۳۸ - آئینہ

Gottlieb Meil

۳۳۹ - نیل

Constantinus Africom

۳۴۰ - قسطنطین الافرنجی

Centu, Cesare

۳۴۱ - کانتو

Carra de Von, B.

۳۴۲ - کارا

Cash, N. W.

۳۴۳ - کیش

Cave, Sydney.

۳۴۴ - کیو

Clarke, James. F.

۳۴۵ - کلارک

Clenardus, N.

۳۴۶ - کلینارڈس

Cragg, Kenneth.

۳۴۷ - کریگ

Curiò, C. A.

۳۴۸ - کیوریو

Kaibel, F. V.

۳۴۹ - کیبل

Kellerhals, E.

۳۵۰ - کلرہال

Klein, F. A. P.

۳۵۱ - کلین

Krehl, C. L. E.

۳۵۲ - کرے ہل

Carlyl, K. H. Macartney.

۳۵۳ - کارلائل

William Carreton.

۳۵۴ - کیورٹین

J. C. L. Koesgarten

۳۵۵ - کوزے گارڈن

Cond'e

۳۵۶ - کنڈے

Franciscus Godera Zaydin.

۳۵۷ - کوڈیرا

Kruger.

۳۵۸ - کرڈگر

Cohen, O.

۳۵۹ - کوڈ کاہن

Colin, G.S.

۳۶۰ - کولن جارج

Krynsky, A.E.

۳۶۱ - کاظم مرزا بک

Kratch Kolsky, I.J.

۳۶۲ - کریسکی

Calverley, E.E.

۳۶۳ - کراتشوفسکی

Clestinio Schiaparelli

۳۶۴ - کلورے

Gear, Joseph

۳۶۵ - کلینو

Gardet, L.

۳۶۶ - گیر

Goldack, William

۳۶۷ - گارڈے

Goodrich, C.A.

۳۶۸ - گولڈاکی

Guibertus

۳۶۹ - گڈریچ

Guidi, M.

۳۷۰ - گیرٹس

Gei Uaume, Alfred.

۳۷۱ - گیدی

Goethe

۳۷۲ - گیام

Grunebaum, G.E.V.

۳۷۳ - گوٹے

Leusden Johan.

۳۷۴ - گرینیام

۳۷۵ - لڈن

La Bourne, J.	۳۶۶ - لیم
Laffitte, Pierre.	۳۶۶ - لیفیٹ
Lunt, Theodore	۳۶۸ - لنٹ
Lyth, Henricus.	۳۶۹ - لائٹھ
Labon, Dr. G.	۳۸۰ - لیبان
Levi Provencal, E.	۳۸۱ - لیفی پروونسال
Lawrence, T. E.	۳۸۲ - لارنس
Edward William Lane.	۳۸۳ - لین
Carlo Landberg.	۳۸۴ - لینڈبرگ
William Nassen Lees.	۳۸۵ - لیس
Macdonald, D. E.	۳۸۶ - میکڈونلڈ
Mass'e Henri	۳۸۶ - ماس
Mass, Alexander.	۳۸۸ - مازاس
William Hook M rley.	۳۸۹ - مورلے
J. Petrus M Mensing.	۳۹۰ - میننگ
Milman.	۳۹۱ - ملین
Maurice, F. D.	۳۹۲ - مورس
Melby Gunnar	۳۹۳ - میلبرگنر
Mercadier, G.	۳۹۴ - مرکادیر

Markel G.X.C.

۳۹۵ - مارکیل

Mayer, Edward

۳۹۶ - میار

Mayer, J. J.

۳۹۷ - میر

Meyerus, P.

۳۹۸ - میرس

Neymier, E.

۳۹۹ - نیمیئر

Mierow, C. C.

۴۰۰ - میرو

Muir John

۴۰۱ - میور

Musseray, P. de.

۴۰۲ - موزرے

Moyer, E. S.

۴۰۳ - مویر

Muhro, D. C.

۴۰۴ - مھرو

Meynard, Barbier de.

۴۰۵ - مینارڈ

Montet, Ed.

۴۰۶ - مونٹے

Michaux Bellire, E

۴۰۷ - میشو

August Muller

۴۰۸ - ملر

Eugen Mittwoch

۴۰۹ - میٹوخ

Marcus Joseph Mullen.

۴۱۰ - مرکن ملر

Nather, E. S.

۴۱۱ - ناٹھر

Naubhal, I.

۴۱۲ - نوبھال

Neele, W. H.

۴۱۳ - نیل

Seilem, J. B.

۴۱۴ - نیلیس

Siemana, A. K.

۴۱۵ - فیین

Sallino Carlo Alfonso.

۴۱۶ - نللینو

Abbot, B.

۴۱۷ - نبیسہ عبود

Niestas of Byzantine

۴۱۸ - نسطاس بازنطینی

Voltaire, F. M.

۴۱۹ - والٹیر

Wayriffe, V.

۴۲۰ - وارت

Wellhausen

۴۲۱ - ولہاؤن

Wells, H. G.

۴۲۲ - ویلز

Welzhofer, H.

۴۲۳ - ویلزوفر

Wensinck, A. J.

۴۲۴ - وینسنگ

William Monier.

۴۲۵ - ولیم

Woods Mathew.

۴۲۶ - وڈس

White Joseph Blanco.

۴۲۷ - وھائٹ

Wyborne, Joseph.

۴۲۸ - ویرن

Marcais, W.

۴۲۹ - ولیم مارسہ

Wright, W.

۴۳۰ - ولیم رائٹ

Frantz Woepeke.

۴۳۱ - وپکے

Johan. G. Wetzstein

۴۳۲ - وٹسٹین

Hottinger, J. H.	ا - ہانجر
Hallen	ا - ہالان
Hackspan.	ا - ہیکس پین
Hall, M. P.	ا - ہال
Hartman, M.	ا - ہارٹ مین
Hammer, P. J.	ا - ہیمر
Hauri, Joh.	ا - ہوری
Haurt, C. L.	ا - ہارٹ
Havet, Ernest.	ا - ہیوٹ
Hawkins, A. F. H.	ا - ہاکس
Herbelot d	ا - ہربیلوٹ
Hell, Joseph.	ا - ہیل
Herbal of de Molainville	ا - ہربل
Halphen, L.	ا - ہالفن
Hervelin, D.	ا - ہرملین
Higden Ranulf.	ا - ہیگین
Hondas, O. V.	ا - ہنڈاس
Hübner, F.	ا - ہبئر
Hughes, J. P.	ا - ہیوز

Nighon, William	۲۵۲ - نیوٹن
Newcomb Harvey.	۲۵۳ - نیوکمب
Prideantt Humphrey.	۲۵۴ - ہمفری
Dupaulis Thomas	۲۵۵ - یوپی نیوس
Eulogius Cordovan	۲۵۶ - یولوجیس قرطبی
Eugene Young.	۲۵۷ - یوہن یونگ

مقالات شبلی جلد ششم

یورپ میں اسلام، اسلامی روایات، اسلامی تاریخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و بابرکت اور تمام عالم کے لئے باعث رحمت زندگی کے مختلف پہلوؤں پر وہاں کے اسلام دشمن مستشرقین نے بہت افسوسناک غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں، مولانا شبلی آپنی زندگی بھر ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو رفع فرماتے رہے، اور ان کے رد میں محققانہ مضامین لکھتے رہے، ایک بڑی غلط فہمی انھوں نے کتب خانہ اسکندریہ کے خلاف پھیلا رکھی تھی کہ مسلمانوں نے فتح مصر کے بعد صدیوں کے اس بیش قیمت اور عظیم کتب خانہ کو جلا کر خاکستر کر دیا، مولانا نے ایک مضمون لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتب خانہ مسلمانوں کے مصر میں فاتحانہ داخل ہونے کے صدیوں پہلے جلایا جا چکا تھا، مقالات کی یہ جلد مستشرقین کے اعتراضات کے رد میں اسی قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۳ روپے

قیمت :-



علامہ برہان الدین مرغینانی

صاحب ہدایہ

عبد اللہ کوئی، ندوی، رفیق دارالہدایہ، مصنفین،

(۲)

- تصنیفات | امام مرغینانی کی تصنیفات میں سوائے کاشغہ تاسم بن قطلوبغا نے (تاج صفحہ ۳، ۹) کتابوں کا مولانا عبدالحی فرنگی علی نے (الفوائد صفحہ ۵)، اور اکتابوں کا انسائیکلو پیڈیا آت اسلام نے ذکر کیا ہے، مجھے تلاش وجہ جو کے بعد ۴ اکتابوں کا علم ہو سکا ہے، جو درج ذیل ہیں،
- ۱۔ ہدایۃ المبتدی۔ (اس متن کی تالیف، مختصر القدوری اور جامع صغیر کی روشنی میں کی گئی ہے۔
 - ۲۔ کفایۃ المنتہی۔ اس کا ذکر صاحب ہدایہ نے آغاز کتاب میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناتمام چھوڑ دی گئی، تلاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے کہ علامہ مرغینانی نے کفایۃ المنتہی کے نام سے ہدایہ کی ۸۰ جلدوں میں شرح لکھی۔
 - یہی بات تاسم بن قطلوبغا اور دوسرے مصنفین نے بھی لکھی ہے، مگر پھر بھی انسائیکلو پیڈیا کا تقابل نگار لکھتا ہے، کہ یہ شرح آٹھ جلدوں میں تھی،
 - ۳۔ ہدایہ (۲)، التفتیس والمیز (کشف الظنون نمبر ۳۵۲، ۵)، مناسک الحج (کشف الظنون

۶۔ مجمع الزوائد (کشف الظنون نمبر ۱۶۳) اسی کو غارات النوازل بھی کہا گیا ہے۔

۷۔ الفرائض (کشف الظنون نمبر ۱۳۳ء) فرائض عثمانی مابھی خلیفہ طیبی نے اس کا ذکر ایک مستقل تصنیف کے طور پر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا متن شیخ عثمانی کا تالیف کردہ ہے جس میں انھوں نے مسائل رد، ذوی الارحام اور حجتہ اور فروعی احکام کو نظر انداز کر دیا تھا، علامہ مرغینانی نے تصحیح کے علاوہ، مزید اضافوں کے ساتھ اپنے افادات بھی ذکر کر دیئے ہیں، وہ اپنے وفور علم اور پے شل شخصیت کی وجہ سے خود ہی اس موضوع پر مستقل تصنیف کے اہل تھے لیکن انھوں نے ازراہ تواضع اور شیخ عثمانی کے احترام میں، اس متن پر تصحیح و اضافہ کا کام انجام دیا ہے، فرائض عثمانی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے ایک شرح شیخ منہاج الدین ابراہیم بن سلیمان مدنی کی مفتاح الافعال کے نام سے ہے، جس کی تکمیل خوارزم میں ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ (۹) المیختہ۔ (۱۰) تاج الترجم ص ۳۱، قرشی نے (۱۱۳۱/۲، ۷۷۲) ۱۱۷۷ھ بمعجم الشیوخ کے نام سے بھی یاد کیا ہے، (۱۱) کتاب المتقی فی الفروع (کشف نمبر ۱۸۵۲)، (۱۱) نشر المذہب (کشف نمبر ۱۹۵۳)، (۱۲) شرح تاج العنبر لامحمد الشیبانی، (کشف نمبر ۵۹۹) انسائیکلو پیڈیا ص ۲۶۹، (۱۳) المزی فی فروع الحنفیہ (کشف الظنون نمبر ۱۶۹)، (۱۴) شرح کتاب الحیطان (تجنیس نسخہ قلمی ملوکہ دارالمصنفین ورق آخر)

مذکورہ کتابوں میں سے ہر ایک قدرتی کا اختصار ہے، ہر ایک کے متن کے طور پر موجود ہے، اس کے علاوہ بعض کتب خانوں میں الگ سے کتابی صورت میں اس کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں کتب خانہ آصفیہ میں اس کے دو نسخے ہیں، (دیکھئے فہرست آصفیہ جلد دوم ص ۱۰۷، نمبر کتاب ۲۶۳۲) کتب خانہ رام پور میں بھی (نمبر ۶۰ فقہ) ایک نسخہ موجود ہے، غارات مجمع الزوائد

۸۔ کشف الظنون ۲۴ نمبر ۱۲۵۱۔

۹۔ قرشی نے اسی طرح تاج العنبر کے ذیل میں صاحب ہدایہ کا بھی نام دیا ہے دیکھئے الجہر ج ۲ ص ۲۲۹

ایک نسخہ کتب خانہ رام پور، دو دیکھے فرست مملوہ سنہ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۳۶۔ نمبر ۵۲۰ کل صفحات ۳۱۵، میں پایا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، دیکھے فرست جلد دوم صفحہ ۱۰۵۴۔ نمبر کتاب ۲۵ کتابت مشرق دوم نسخہ رام پور میں (نمبر کتاب ۵، کل صفحات ۶۰۲، موجود ہے، اسی کتاب کا ایک قیم فوٹو قلمی نسخہ دستکتاب نامعلوم پراڈا میں کے کتب خانہ میں آجئیں والمزید کے نام سے موجود ہے، جس کا اسی مقالہ میں تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

کفایت المنتہی کے بارے میں کشف الظنون نے لکھا ہے کہ اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں، بقیہ تصنیفات بھی حوادث زمانہ کے ہاتھوں اور غالباً حملہ تاتار کے سبب برباد ہو چکی ہیں، البتہ معجم الشیوخ کے مختلف اقتباسات، قرشی نے الجواہر المضمیۃ فی طبقات الخفیہ میں نقل کئے ہیں، اور اس مقالہ میں جایگان سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کا بھی عمدہ سے کوئی نسخہ دستیاب نہیں، بہر حال مؤلف ہدایہ کی اب صرف چار ہی کتابیں پائی جاتی ہیں، ہدایہ مع ہدایہ، آئینہ و المرید، مختارات مجموع النوازل، ہم اپنے مقالہ میں فی الحال، آئینہ المرید، اور ہدایہ ہی کے بارے میں قدرے اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کریں گے۔

آئینہ و المرید | اس کتاب کا قدیم اوٹو قلمی نسخہ کتب خانہ دارالمصنفین میں موجود ہے، چپے کی تقطیع میں ۱۶۶ ورق ہیں، اور ہر ایک صفحہ میں ۳ سطریں ہیں، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے، الحمد للہ القدیم العلیم الخبیر ذی الایادی الظاہرۃ والنعم الباطنۃ والمظاہرۃ، حمد وثنا کے بعد فرماتے ہیں۔ "قال العبد الضعیف ابو الحسن علی بن ابی بکر راجن، عبد الحلیل غفر اللہ لہ ولوالدینہ"، پھر چند سطروں کے بعد اپنے ایک شیخ سے بسند متصل روایت حدیث کرتے ہیں۔

اخبرناہ الشیخ الامام الاجل الزاهد برہان الدین ابو الحسن علی بن الحسن

(و الحسین) بن عبد اللہ العزونی (و الغزوی) رحمہ اللہ قراؤ علیہ بعد اذ
سنة خمس و اربعین و خمس مائة قال الخ، شیخ ابو الحسن غزوی سے صاحب ہدایہ کے ہزار
میں ۳۵۲ھ میں استفادہ اور تلمذ کاظم، ان کی اسی تحریر سے ہوتا ہے، عبد القادر قرشی نے علامہ مرغینانی
کے سفر ۳۵۲ھ کا ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ ہمدان سے ہوتے ہوئے، اپنے وطن کی طرف
مراجعت فرمائی، یہ دہلی یعنی طور پر بندہ کی راہ سے ہوئی، جہاں انھوں نے شیخ غزوی سے
۳۵۲ھ میں استفادہ کیا۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں، "وقد ذکر فی المختصر" (ورق ۸۹ الف)، یہ اشارہ غالباً
ہدایہ کے متن البدایہ کی جانب ہے، وہ البدایہ کی طرح کتاب الفرائض بھی تھیں و المراد سے پہلے
ہی لکھ چکے تھے، چنانچہ اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "ذكر ناها فی کتاب الفرائض"
ورق ۱۶۶ اب (اس مسئلہ کا ہم نے کتاب الفرائض میں ذکر کر دیا ہے)، انھوں نے ایک جگہ
اپنی ایک اور تصنیف شرح کتاب المحيطان کا بھی ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ
یہ وہ مسائل ہیں جن کو ہم نے کامل تفصیل کے ساتھ شرح کتاب المحيطان میں ذکر کیا ہے
(ورق ۱۶۶ اب)

علامہ مرغینانی نے جس کتاب کی شرح لکھی ہے، یعنی کتاب المحيطان، اس کے بارے میں
حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ وہ "شیخ مرجئی یعنی حنفی کی تالیف ہے، چونکہ بقول ایک شامی (الرشید)
باغات، راستوں، دایروں اور ہندو مالوں کے مسائل کا شمار فقہ کے دسواں اور پچھواں مسائل میں ہوتا
ہے، اور اس موضوع پر ہی ایک کتاب لکھی گئی تھی، اس لئے قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ
دامناتی وغیرہ نے اس کی شرحیں لکھیں۔"

مذکورہ بالا وضاحت حاجی خلیفہ کی طرف سے کی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کی کتاب شرح کتاب المیطان الی کی نظر سے نہیں گذری، اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اس شرح کا ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ خود علامہ مرغینانی کی اپنی کتاب "تجنیس" میں اس کا ذکر موجود ہے کتاب التجنيس کی تالیف کا آغاز، دراصل صاحب ہدایہ کے استاد الصدر الامام الاجل الاستاذ الشہید حسام الدین نے کیا تھا، ان کے بعد، صاحب ہدایہ نے ترتیب و اضافہ کے ذریعہ اسکی تکمیل کی ہے، اور ابتدا میں اپنے مآخذ کا بھی ذکر کر دیا ہے، جو یہ ہیں :-

"فقیر ابو الیث کی التوازل اور عین الملأی، ابو العباس ناطقی کی التواتر، امام ابو یکر بن یغض کی فتاویٰ، ناطقی کی اجناس، امام ابو شجاع کی غیب اردو، شیخ نجم الدین عمر نسفی کے فتاویٰ، مسودہ کی مختلف شرحیں شیخ حسام الدین صدر شہید کی فتاویٰ صفری،" لیکن ان کے علاوہ صاحب ہدایہ کے پیش نظر دو کتابیں بھی تھیں جن کا ذکر کتاب کے مختلف مباحث میں جا بجا کیا گیا ہے۔

کتاب التجنيس فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق ہے، مگر اس کا آغاز باب العلم سے کیا گیا ہے، اس کے بعد مختلف موضوعات کے لحاظ سے کتاب ۹ حصوں میں تقسیم ہے، اور ان کے ذیل میں دیگر مباحث اور جزئیات کو باب اور فصل کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے، موضوعات کے لحاظ سے عنوانات کی تقسیم اس طرح ہے۔

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود، کتاب البیو، کتاب السرقة، کتاب اللقیط، کتاب اللقط، کتاب المفقود، کتاب الآبق، کتاب الغصب

۱۔ کہ تینا ذرا پور کی فهرست کتب مطبوعہ ۱۲۹۱ھ نمبر ۷، میں التجنيس والمزید کا سنہ تالیف ۷۲۵ھ درج کیا گیا ہے، (دیکھئے فهرست صفحہ ۱۶۲)

کتاب الادب، کتاب الماریہ، کتاب التزکیہ، کتاب الصبر، کتاب اللہ، کتاب
 باطنیہ، کتاب الوقت، کتاب الہیۃ والصدقۃ، کتاب الصبر، کتاب اللہ، کتاب
 الشفیعۃ، کتاب القسۃ،

مذکورہ بالا موضوعات اور ہدایہ کے مباحث میں ترتیب و تالیف کے انداز اور بحثوں کی
 نوعیت میں بھی نمایاں فرق ہے، تجنیس کا موضوع صرف اجتہاد اور تخریج یا ترجیح کے مسائل ہیں۔
 پیش آمدہ مسائل کے بارے میں حنفی مسلک کے اہول و فروع، اور روایات ائمہ و فقہاء کی
 روشنی میں رہنمائی اور کسی ایک پہلو کی ترجیح واضح کی گئی ہے۔ ہدایہ کے پیش نظر تمام مسائل کا
 استقصاء ہے، اکثر فروع اور نظائر و امثال کے ذریعہ ورنہ اہول و کلیات دیکر تاکہ غیر مذکور
 جزئیات کے سلسلہ میں، ان اہول و کلیات کی روشنی میں حکم کا استخراج اور تعین کیا جاسکے، لیکن
 کتاب تجنیس لے روایات و اہول کی روشنی میں پیش آنے والے اہم جزئیات ہی سے بحث کی ہے،
 ہدایہ، دیگر فقہی کتاب فکر (شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ) اور حنفی مسلک کے مسائل اور دلائل پر
 جامعیت کے ساتھ مکمل بحث کرتی ہے، اور کتاب تجنیس نے فقہ حنفی کے مختلف ائمہ کے آثار
 و افکار کی روشنی میں جزئی واقعات پر تخریج اور ترجیح آراء کی حد تک اپنے مباحث کو محدود رکھا
 ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

یہ کتاب انہی جزئیات کی تشریح کے لئے ہے، جن کو متاخرین نے متنبہ کیا ہے اور متنبہ میں
 نے ان کی وضاحت نہیں کی الا یہ کہ کہیں کوئی شاذ قول ان سے ہدایت کر لیا گیا ہو۔

بہر حال مذکورہ خصوصیات کی بنا پر، فقہ سے شغف رکھنے والوں اور بالخصوص حنفی کتب
 فکر کے فقہاء کے لئے، اجتہادی، صلاحیت کے استعمال اور تخریج و ترجیح کے اہول کی وضاحت کی

لے کشف الظنون نمبر ۳۵۲ تجنیس کے نسخہ نقلی ملوکہ دارالمصنفین میں یہ عبارت نہیں ہے،

امطالعہ بڑی اہمیت اور اعلیٰ درجہ کا حامل ہوگا۔

ہن کے نسخہ قلمی میں کہیں کہیں کتابت کے اخلافا ہیں، ضرورت ہے، اگر دوسرے سے اس کا ایک صحیح نسخہ تیار کیا جائے۔
بہ انجمن کی آخری سطریں یہ ہیں :-

کتاب بجد اللہ تعالیٰ وعونه وحسن توفيقه والحمد لله رب العالمين
لستامه على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين
انه ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم (اس کے بعد لاکھڑا
نسخہ کا اضافہ کر دیا ہے، والحمد لله وحده وكان الفراغ من وقت الحج،
الکہ ولمن قرأ فيه ونقل فيه ودعائه بالمغفرة والحمد لله رب

نسخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کی وہ تصنیف ہے، جس کے مطالعہ سے علمائے
لف ومرت میں اضافہ ہوا، اور متاخرین علماء کے لیے اس میں اشتغال وانشا کا
کاسبب بنا، ہر دور میں اور سب ہی جگہ، اہل علم نے درس و تدریس کے ذریعہ
رکھا، اس لئے کہ وہ دقیق مباحث پر عادی، اور اہم حقائق کی جامع ہے، مفتی بہ
ل، احکام کے اسرار و مصاح سے آراستہ اور تمام جزئیات کا احاطہ کرنے والی
سائل کے جواب میں تسلی بخش، اصول و قواعد، ابواب و فصول، مسائل و دلائل، تفسیر
انتخاب اور جملوں کے درجہ دست کے لحاظ سے قابل قدر، پسندیدہ اور ہر طرح حیرت انگیز
انٹے ہیں۔ یہ کتاب ہے، جس کی وجہ سے صاحب ہدایہ کو، ان کے شیوخ و اقران

اس سبقت اور امتیاز حاصل ہوا۔ اور اپنے ہر تصنیف سے آج تک فہم منی بلکہ تالیف
لائی کے ماہرین، فقہاء و محدثین کے یہاں، یہ کتاب مقبول اور متداول رہی۔

تہذیب کا سبب | علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ میں نے ہدایہ المبتدی کی تمہید میں یہ وعدہ کیا تھا
کفایۃ المنتہی کے نام سے اس کی ایک شرح بھی لکھوں گا، جب یہ وعدہ، ایضاً کی منزل
آیا، اور قریب تھا کہ میں اس سے فارغ ہو جاؤں، کہ اچانک مجھے اس میں اطمینان کا
سلسلہ ہوا، اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اطمینان کی وجہ سے، کفایہ سے لوگ صرف
رد کر لیں، لہذا میں نے قلم کی باگ، ہدایہ کی طرف موڑ دی اور
ہدایہ کی شرح کفایہ تو واقعی، کم ہو گئی، حاجی خلیفہ علی نے لکھا ہے کہ کہیں دستیاب نہیں
ہو، ہدایہ، اپنے دور اول سے لیکر آج تک مقبول چلی آتی ہے،

از تحریر | شیخ الاسلام مرغینانی نے ہدایہ کی تالیف کا آغاز بروز دو شنبہ بوقت ہلزدی قعدہ
۱۰۷۵ھ میں کیا، اس وقت وہ ۶۲ برس کے تھے، تیرہ سال، ہدایہ کی تالیف میں صرف ہوئے
بعت نے اس دوران میں روزہ کا التزام کیا، کوشش کرتے کہ کسی کو ان کے روزہ کی خبر نہ ہو، خادم
ایلا کہ رکھ جاتا، شیخ الاسلام اس کے جاننے کے بعد کسی طالب علم یا بہان کو کھلا دیتے، خادم
برتن خالی پاتا تو یہ سمجھتا کہ شیخ نے کھانا تناول فرمایا ہے،

نبولیت | تالیف ہدایہ کے زمانہ میں، تیرہ برس کے اس پر مشقت اہتمام بلکہ تصنیفی اعکاف کا
یہی اثر ہے، کہ یہ کتاب نظر اعتبار سے دی گئی، اور اہل علم میں مقبول ہوئی، صاحب کشف
ظنون نے ایک شعر جو ہدایہ کے حق میں زبان زد تھا، یہ نقل کیا ہے کہ

۵ الجابر ج ۱ ص ۳۴۸ ملاحظہ فرمائیے (دیباچہ) ص ۲۷۸ سے کشف الظنون ۲۰۳۸ سے مقدمۃ اللہ ص ۳۰

۶ کشف الظنون نمبر ۲۰۳۷ سے ایضاً ۳۰ مقدمہ ص ۳۰

ن الهدایۃ کا لفظ ان قد فحنت
ماضفوا قبلہا فی الشرح من کتب
فاحفظ قواعدہا واسئلک مسائلکما
یسلم مقالک من زینج ومن کذب
۱۔ ہدایہ کی مثال قرآن مجید ہے، کہ جس نے شریعت کی سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے،
۲۔ اس لئے اس کے احوال و قواعد کو یاد کر لو اسکی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو اس طرح
تھاری بات غلطی اور کجی سے محفوظ رہے گی۔

اور امام عماد الدین بن شیعہ الاسلام مرغینانی، ہدایہ کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:-
کتاب الہدایۃ یعدی الہدی
فی حا فظیہ ویجلی
فلا زمرہ وحفظہ یاذا حجی
فمن نالہ نال اقصى المنی
۱۔ کتاب ہدایہ اس کے یاد کرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے، اور تاریکی کو دور کرتی ہے۔
۲۔ پس اسے عقلمند اسے مضبوطی سے پکڑو اور اس کو یاد کر لے اس لئے کہ جس نے اسے
پالیا اس نے گویا، اپنی سب بڑی تنہا پوری کر لی۔

حفظ ہدایہ | ابتدا اے اسلام میں احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیۃ) کے حفظ کا
دستور عام تھا، بعد میں فقہی کتابوں کے حفظ کا بھی رواج ہو گیا، چنانچہ قدوری اور مسودا کے حفظ
کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں ہدایہ کی تالیف کے بعد جب اس نے عالمگیر شہرت پائی تو اہل علم نے
اس کو بھی حفظ کیا، چنانچہ ماوراء النہر، خراسان، شام، سوڈان اور ہندوستان میں بہت سے
طلبہ اور اہل علم اس کو زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔

حلب (شام) کے نقباء میں محمد بن حسن حلبی نے اپنے بچپن ہی میں ہدایہ کو حفظ کر لیا تھا،
وہ ایک بارسہ محفل میں علامہ ابو حفص عمر بن الوردی کے سامنے پیش کئے گئے، اور لوگوں نے انکی

حیرت انگیز یادداشت کا شاہد کیا، اس موقع پر علامہ ابن الجوزی نے درج ذیل سنہ تحریر لکھا۔

فاضل بیسب شمس الدین محمد بن حسن خفانی نے میرے سامنے ہدایہ کے مختلف حصے اول و آخر اور درمیان سے زبانی پڑھ کر سنائے وہ بڑی روانی، صفائی، اور حسن ادا کے ساتھ پڑھ رہے تھے، وہ بڑی عجیب اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے حامل نظر آئے، جو ان جیسا بنے اس پر ظلم و زیادتی کا امکان نہیں، اللہ انہیں کتاب کے مندرجات پر علم و عمل کی توفیق دے، محمد بن حسن کے بارے میں کچھ عجیب نہیں کہ آئندہ وہ اعیان و اکابر میں شمار کئے جائیں یہ تحریر نصف شعبان ۷۲۲ھ میں لکھی گئی ہے۔

ایک اور نقیبہ شیخ ابو الحسن علی بن نوح ابوی، جن کا زبیر (بین) میں ۷۱۵ھ میں انتقال ہوا ہے، سوڈان کے رہنے والے اور مؤلف نصب الرایہ امام زلمی کے شاگرد ہیں ان کے بارے میں بھی یہ تصریح ملتی ہے کہ

وہ اپنی یادداشت کی مدد سے کتاب ہدایہ زبانی سنا دیا کرتے تھے۔

شیخ عثمان بن داؤد طناتی (م ۷۳۵ھ گجرات)، خواجہ نظام الدین اولیاء کے اہل خلفاء میں تھے، محمد تفلک شام نے جب دوت آباد منتقلی کا فیصلہ کیا تو انھوں نے دہلی سے منتقل ہو کر، گجرات میں سکونت اختیار کر لی، فقہ، اہول اور تصوف کے بڑے زہد دست عالم تھے، ہدایہ اور اہول ہزدوی وغیرہ انھیں حفظ تھیں۔

ہدایہ سے یہ تعلق صرف دس دہریس کا شغل رکھنے والے علما ہی کو نہ تھا، بلکہ سلاطین بھی اس امر خاص میں علماء کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آتے ہیں، مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا کہ

لے الجاہل پڑنے کا کتاب المستودع النورانی ۷ ص ۷۷ - مؤلف شیخ علی بن الحسن غزالی مطبوعہ مصر ۱۹۱۳ء

سے لایا، نحو اطر ۲ ص ۷۶ - بحوالہ بحر فخر۔

سلطان محمد تغلق (۱۳۹۹ء تا ۱۴۱۲ء) کلام پاک اور ہدایہ کا حافظ تھا۔

ہندوستان اور ہدایہ | شیخ برہان الدین غنی (۱۳۸۷ء تا ۱۴۱۲ء) سلطان غیاث الدین بلبن کے

کے اکابر علماء و فضلاء میں تھے، سلطان ہر جگہ کو بعد نماز ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور دینک ان کے پاس بیٹھا وہ فقہ حنفی کے امام متقی اور کامل الفہم استاد تھے، انھوں نے اپنے بچپن میں علامہ مرغینانی کا دیدار کیا تھا، اور علامہ نے ان کے متعلق اپنی فراست ایمانی سے چند باتیں بھی ارشاد فرمائی تھیں، تعجب کی تفصیل اسی مقالہ میں گزر چکی ہے۔

فقہ وحدیث و سنت کے مشہور امام، حسن بن محمد صفائی لاہوری دہلوی مشارق الانوار کے بارے میں علامہ دہمبہ نے اپنی کتاب تاریخ الاسلام میں یہ تصریح کی ہے کہ ان کو صاحب ہدایہ کے فرزند شیخ الاسلام عمر بن علی مرغینانی سے تلمذ کا ثبوت حاصل تھا۔

شیخ وجیہ الدین پاٹلی، دہلی کے المذہبن میں شمار ہوتے تھے، انھوں نے نوسو جی سے، نوسو جی نے حمید الدین الفروہ سے، انھوں نے کردری سے اور کردری نے برہادرست علامہ مرغینانی سے حصول علم کیا تھا۔

شیخ وجیہ الدین کے ایک شاگرد، سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد ابو حفص تھے، ان سے ابوالہر المصنف کے مؤلف الامام المحدث عبدالقادر محمد قرشی مصر (دم ۷۹۵ھ) کو بھی تلمذ کی نسبت حاصل تھی، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرون ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند،

۱۔ History of - پر دینیس ایٹوری پرشاد کی کتاب۔

۲۔ The Oranah Turks in India - Part ۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ -

مصر جیسے مرکز میں بھی فخر اور خصوصاً ہدایہ جی کتاب کی اشاعت کا ایک ذریعہ ہندوستان کا تھا
سراج الدین نور علی صاحبی کے تلمذ ہدایہ کی سند ہے، ابوالقاسم نور علی، عمید الدین نصر علی
علی مکروری، عمی صاحب ہدایہ ہے

”الاجامۃ العلامۃ“ رکن الدین بدایونی بھی ہدایہ کی تدریس میں خصوصی شہرت رکھتے تھے۔
شیخ وجیب الدین ہائی کی طرح ان کو بھی امام نووی، حمید الدین ضریرہ کی طرف سے واسطوں سے
صاحب ہدایہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔

سرزمین ہند کو علامہ مرغینانی سے ایک اور نسبت بھی حاصل ہے، اور وہ یہ کہ علامہ قاضی عبد السمیع
حقی اندجانی جو فلسفہ و حکمت کے مشہور علما میں تھے، مولانا احمد چندی سے تعلیم حاصل کی اور مثل بادشا
اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آئے تو بادشاہ نے ان کو قضا، اکبر کے منصب پر فائز کیا وہ ہدایہ کے
مؤلف علامہ مرغینانی کی نسل سے تھے، اور شرح مواقف، شرح مطالع اور ان کے حواشی کی
تدریس میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔

دوس ہدایہ کا ایک | شیخ نظام الدین اولیاء کے یہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین یکجا ہوتے
عجیب واقعہ | ان میں ایک مولانا فخر الدین زراوی بھی تھے، خواجہ میر غور و میر لاویا
کے مؤلف جنہوں نے اپنی اس کتاب میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے حالات
و واقعات درج کئے ہیں، کے والد نے خانقاہ سے متعلق ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا۔ خواجہ میر غور
کہتے ہیں کہ ہاشم کی ناز کے بعد مولانا فخر الدین ہدایہ کا درس دیا کرتے تھے،

ایک دن عالم ربانی مولانا کمال الدین سامانی جو مشاہیر علما میں تھے، سلطان المشائخ کی زیارت کو

سے الجواہر ص ۳۳۳ سے ایضاً ص ۳۳۳ سے نزہۃ الخواطر ص ۴۷، بحوالہ مفت تعلیم مؤلف

تشریف لائے وہاں سے جب واپس ہوئے تو اس قلعہ کی وجہ سے جو انہیں مولانا فخر الدین سے تھا، اس مجلس میں حاضر نہ ہوئے، (سیرالاولیا و ص ۲۶۸)

یہ مولانا کمال الدین غالباً کوئی غیر عقیق عالم تھے، ان کی آمد پر مولانا فخر الدین نے ہدایہ پڑھانے کا طریقہ بدل دیا، میر خور و گھتے ہیں کہ جب انھوں نے مولانا کمال الدین کو دیکھا تو چون خدمت مولانا کمال الدین دید جب انھوں نے مولانا کمال الدین کو احادیث مسکات ہدایہ وائرک دیوہ۔ دیکھا تو احادیث ہدایہ سے استدلال ترک

(سیرالانلیا، ص ۹۳) کردیا۔

یعنی حقیقی مسلک کی تائید میں صاحب ہدایہ جن حدیثوں کو عموماً پیش کرتے ہیں مولانا فخر الدین ان حدیثوں سے استدلال ترک فرما کر اور ہدایہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر صحیحین کی حدیثوں سے استدلال فرمائے لگے۔

ہدایہ کی جن حدیثوں کے نیچے ارباب حاشیہ "غریب جدا" تاجربہ کے الفاظ لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غرابت و ندرت صرف لفظ کی حد تک ہے ورنہ اگر الفاظ سے قطع نظر کر لیا جائے تو انہی حدیثوں کے مفہوم اور مفاد کو اکثر و بیشتر صحاح کی حدیثوں کے الفاظ سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

ہدایہ کے مآخذ و مصادر | علمائے متقدمین کے یہاں، اپنے مآخذ کا حوالہ دیتے وقت بالعموم تصنیفات کے بجائے ان کے مصنفین کے ناموں کے ذکر کرنے کا رواج تھا، اس سلسلہ میں جن فقہاء و محدثین کے حوالے، ہدایہ میں مصادر اور مآخذ کے طور پر مذکور ہیں، ان میں سرفہرست تو امام اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) ہیں یہی چارہ بود و آواہما جو تالیف کتب صلیحہ کے مولفین ہیں، علاوہ ہدایہ میں جن علماء و مؤلفین سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں،

۱۵۶ نظام تعلیم و تربیت ۱۳۵۶ء

فقیر ابو جعفر بن فضل کداری بخاری، ابو جعفر بن محمد بن ہدائی (دم ۳۶۶ھ)، ابو جعفر ابوبکر احمد،
 بن جعفر (دم ۳۱۵ھ)، قاضی عبد الحمید بن عبد العزیز (دم ۳۹۲ھ)، موسیٰ بن سلیمان جوہرانی
 (دم بعد ۳۲۵ھ)، ابواللیث سمرقندی (دم ۳۳۲ھ)، ابو منصور ماتریدی (دم ۳۳۲ھ)،
 قاضی بن ابی یعلیٰ (دم ۳۴۱ھ)، ابن سناء (دم ۳۳۳ھ)، ابن خیرمہ (دم ۳۴۳ھ)، امام
 اوزاعی (دم ۳۵۵ھ)، حسن بن زیاد لؤلؤی شاگرد امام ابو حنیفہ، جنھوں نے ۱۲ ہزار
 حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، (دم ۳۴۳ھ)، ابو بکر احمد بن عمرو دمشقیانی انھصاف
 (دم ۳۶۱ھ)، خلیل بن احمد فراہیدی ازوی (دم ۳۸۵ھ)، خواہر زادہ (دم ۳۶۳ھ)، امام
 زعفرانی الشافعی (دم ۳۹۵ھ)، امام زہری (دم ۳۸۴ھ)، شمس اللہ بخاری (دم ۳۹۲ھ)،
 شمس اللہ حلوانی (دم ۳۹۹ھ)، امام طحاوی (دم ۳۹۱ھ)، امام فخر الاسلام علی بن محمد ہندی
 (دم ۳۸۷ھ)، امام ابو الحسن احمد بن محمد قدوری (دم ۳۹۶ھ)، امام ابو الحسن عبید اللہ کرنی
 (دم ۳۹۴ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (دم ۳۹۱ھ)، ابن السکیت (دم ۳۹۴ھ)، اصمعی
 (دم ۳۹۶ھ)، محمد بن شجاع طحطاخی (دم ۳۹۶ھ)، مسلم بن منصور رازی (دم ۳۹۱ھ)، ابوالعباس
 احمد ناطفی مؤلف الواحات (دم ۳۹۶ھ)،

ہدایہ کی خصوصیات ۱۔ جامعیت اور حسن بیان ۲۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ اگر فقہ
 کے آثار کی تشریح، حسن بیان، واضح اور فصیح طرز تحریر اور دقیق مباحث کی اہمیت ان بخش تشریح
 و ترمیم کے لحاظ سے چاروں فقہی مسالک میں ہدایہ جیسی کوئی دوسری کتاب موجود نہیں، وہ فرماتے
 ہیں کہ دیباؤں کی روانی، اس کی موجوں اور لہروں یا کسی چین زار کی موج و توصیف پھولوں
 اور باغات کے منظر کو دلکش اور خوبصورت انداز میں بیان کرنا کوئی بڑی اور انوکھی بات
 نہیں، انشا پر وازی کا کمال، اور ادب کا جمال تو درحقیقت اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ

بچیدہ مباحث اور دقیق مسائل کو آسان اور رواں اسلوب میں بیان کر دیا جائے، اور فصاحت و بلاغت کے ادب سے بھی سرمو اخراج نہ کیا جائے، مولانا کشمیری فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک صاحب علم نے یہ پوچھا کہ، کیا آپ فتح القدیر جی شرح لکھ سکتے ہیں، میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے کہا کہ ”اور ہدایہ جی کوئی تصنیف؟“ میں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، میں ہدایہ کی طرح چند سطریں بھی لکھنے پر قادر نہیں۔“

۲۔ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ | صاحب ہدایہ نے مسائل فقہیہ کے لیے سب سے پہلے قرآن شریف صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال، کی آیات اور پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں۔ وہ امکانی حد تک قرآن و حدیث کے نصوص ترک نہیں کرتے۔ یعنی امکانی حد تک اس بات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کے نصوص ہی سے استدلال کریں، جب وہاں کوئی نص نہیں ملتی تو جیسا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت معاذ بن جبلؓ سے گفتگو ہوئی اور آپؐ نے، قرآن و حدیث میں کسی مسئلہ کے بارے میں وضاحت یا رہنمائی نہ پانے کی صورت میں اجتہاد کی راہ بتائی، یہی راہ صاحب ہدایہ بھی دوسرے تمام ائمہ و فقہاء کی طرح اختیار کرتے ہیں، وہ ایسے اجتہادی مسائل میں اصول استنباط اور شریعت کے قواعد کلیہ کو اپنا مستدل بناتے ہیں، اور اس بارے میں، عقلی، انوی، عرفی دلائل و قرائن سے بھی مدد لیتے ہیں، دراصل ہدایہ کے مباحث کا یہی حصہ علامہ مرغینانی کے مذاکر میں شمار کیا گیا ہے، جس میں وہ حنفی مسلک ہی نہیں بلکہ دیگر فقہی مسلکوں کے مؤلفین کے مقابلہ میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں، اور ان کی علمی، عقلی اور اجتہادی صلاحیتوں کی آماجگاہ یہی مباحث ہیں، انھوں نے جن کثرت اور التزام کے ساتھ ہر ایک

ملہ مقدمہ نصب الرایہ ص ۱۴، ملخصاً، ملہ التبیانہ ص ۱۳۵ ملہ مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء و الخوف،

مسک کی پوری روایات اور حقیقی مسک کی مسئلہ احادیث پیش کی ہیں، ان کی وجہ سے صحیح بخاری کی طرح ہدایہ فقہ حدیث کا ایک قیمتی ماخذ بن گئی ہے، اور ذوق اجملہ اور طبع مستہلا کے تعارف میں ان کے اس طریق کار سے بڑی مدد ملتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب نے مصر و رجال فقہ کی کہیں بلکہ محدثین کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے،

احادیث ہدایہ کی تخریج | اکابر محدثین ابتدائے علم تالیف ہدایہ سے ہی ہدایہ کی پیش کردہ روایات پر اپنی صلاحیت صرف کرتے رہے ہیں، چنانچہ ہدایہ کی بیان کردہ روایات و احادیث کی تخریج کے سلسلہ میں خاص طور پر درج ذیل کوششیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔ شیخ محمد الدین عبدالقادر قرطبی مصری نے ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی اور العنایہ کے نام سے ۱۲۸۵ھ میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کے علاوہ ادوام الہند کے نام سے بھی متعدد ایک کتاب تصنیف ۲۔ شیخ علاء الدین علی بن عثمان (معروف بہ ابن الترمکانی مارونیم ۱۲۵۵ھ) نے دو جلدوں میں الکفایہ فی تخریج احادیث الہدایہ تالیف فرمائی۔

۳۔ امام جمال الدین یوسف زلمی (م ۱۲۶۲ھ) نے دو جلدوں میں نصب البرایۃ لاحادیث الہدایہ مرتب کی۔

۴۔ امام زلمی کی نصب البرایۃ کی تفسیر، حافظہ حدیث علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م ۱۲۸۵ھ) نے البرایۃ فی منتخب احادیث الہدایۃ کے نام سے لکھی جس میں وہ لکھتے ہیں کہ امام زلمی نے، صاحب ہدایہ کی بیان کردہ تمام ہی احادیث و آثار کا احاطہ کر لیا ہے، پھر یہاں میں مخالفین کے دلائل بھی ذکر کر دیے ہیں، وہ بہت زیادہ انصاف پسند شخص ہیں، جو کچھ انھیں، دستیاب ہوا، بے تکلف بیان کر دیا، اسی لئے ان کی کتاب تو بہ خاص کام کر بن گئی۔

۵۔ ابوالبہاس مروی ہے النبی فی شرح الحدایہ میں اور مصر کے قاضی القضاۃ ابوحنیف

عمر بن اسحاق غزنوی نے توفیح الہدایہ میں بھی احادیث ہدایہ کی تخریج کا التزام کیا ہے۔

۶۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا نے جو علامہ ابن حجر عسقلانی کے معروف اور مایہ ناز شاگرد ہیں۔

منیۃ الالمی فیما فات من تخریج احادیث الحدایہ، لکھی، لیکن اس کتاب کا کمال نسخہ

دستیاب نہیں، شیخ زاہد کوثری نے سنہ ۱۹۵۰ء میں مصر سے جو تمام نسخہ شائع کیلئے وہ کتاب

الطہارۃ سے کتاب الوصیۃ تک ہے، اور آخر میں فہمہ کے طور پر شیخ قاسم بن قطلوبغا کے وہ حواشی

بھی شائع کر دیے ہیں جو انھوں نے "الدرایۃ" کے ایک نسخہ پر بطور استراک جابجا اپنے قلم سے تحریر

فرمائے تھے، یہ الدرایہ جلد اول کا نسخہ ہے جو محدث شہر مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کی تلاش اور

اور توجہ کے نتیجہ میں سامنے آیا، اندازہ یہ ہے کہ اسی طرح کے حواشی الدرایہ حصہ دوم پر بھی تحریر کیئے

ہوں گے مگر اس کے بارے میں کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں، حصہ اول کے حواشی میں ۲۹ احادیث

کی نشاندہی اور ان پر بحث کی گئی ہے،

ہدایہ کی بعض روایات میں غلطی | ہدایہ میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں، جن کے بارے میں امام زلیعی اور

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "غریب" ہونے کی صراحت کی ہے، لیکن کسی روایت کے غریب ہونے کا یہ

مطلب نہیں ہے کہ اب وہ روایت ناقابل اعتبار یا ضعیف قرار پائی ہو۔ اور اس سے مسائل و

احکام میں استدلال کرنا درست نہ سمجھا جائے، شافعی علماء میں امام رافعی صف اول کے لوگوں

میں بلکہ ان میں بھی مرفرت سمجھے جاتے ہیں، ان کی ذکر کردہ احادیث کی، علامہ ابوحنیف عمر بن

الملقن نے تخریج کی ہے اور انھوں نے بھی امام رافعی کی مسئلہ کچھ روایات کو غریب قرار دیا،

ہے۔ دراصل ایک روایت غریب ہوتے ہوئے بھی صحیح یا حسن ہو سکتی ہے، اور ایسی صورت میں

ابن نقہ کے یہاں اس سے استدلال کیا جائے گا۔ علم حدیث کی فنی زبان میں "غریب" ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو اردو کے مفہوم میں مشتمل نہیں ہوا، بلکہ حدیث کی سند کے اعتبار کو ایک خاص قسم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، راوی کے حالات اور مزید قرآن کے پیش نظر، ایک غریب روایت مقبول ہو سکتی ہے، اور اس سے استدلال بھی کیا جاسکتا ہے۔

امام ابو اسحاق نے ہند میں اور امام الحرمین نے نہایت ہی ضعیف روایات سے بھی استدلال کیا ہے، اور امام بیہقی، امام نووی اور امام منذری نے کئی موقعوں پر اس بات کو تسلیم بھی کیا ہے، احادیث کی وہ قسم جسے موقوف یا مرسل صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، احادیث کے یہاں اسے بھی قیاس پر مقدم سمجھا جاتا ہے، امام کک کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے اگر کہیں صحیح و حسن کے علاوہ حدیث کی دوسری اقسام سے استدلال کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیگر ائمہ احادیث کی طرح، ان مختلف اقسام کی موجودگی میں جب کہ صحیح اور حسن روایات نہ ہوں، قیاس کا سہارا نہیں لیتے بلکہ ممکن حد تک احادیث ہی کو اپنا استدلال بناتے ہیں۔

ہدایہ کی بعض روایات کے بارے میں امام زلیعی یا علامہ ابن حجر نے عدم علم یا عدم وجود کی بھی صراحت کی ہے، اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان دونوں حضرات یا ان میں سے کسی ایک نے جن روایتوں کے بارے میں "لا اصل لہ" یا "لم اجده" وغیرہ بھیجے الفاظ درج کئے ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد کی شیخ فاسم بن قطلوبغا نے نشانہ ہی کی ہے، یا جن روایات کے بارے میں ان حضرات نے غریب ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ان کی متابعت روایات بھی

سہ دیکھئے، ذہبہ النظر فی شرح تہذیب الفقہ ص ۳۵۱ نیز تہذیب راوی اور اصول حدیث پر

لکھی گئی، دیگر کتابیں سہ مقدمہ شرح النقایہ ص ۲۱۵ سہ ایضاً

شیخ قاسم نے درج کردی ہیں اور بتایا ہے، کہ وہ، دوسری اسناد کے ساتھ کہاں اور کن کن کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

۱۔ حدیث الخمار طیب حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی (لم اجدها)

شیخ قاسم نے بتلایا ہے کہ طبرانی کبیر میں یہ روایت موجود ہے، (تعلیقات نمبر ۱۰۰ غنیۃ المعنی ص ۱)

۲۔ حدیث اور ذوالحدود ہاں شہادت حافظ لکھتے ہیں کہ یہ روایت نہیں ملی، حالانکہ حارثی نے

اپنی مسند میں ابن عباس سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، (تعلیقات نمبر ۱۰۰ امینہ ص ۶۲)

۳۔ امام زلیعی لکھتے ہیں کہ انہی ملی اللہ علیہ وسلم کان عند فقد المسوالک بعلاج بالاصح

یہ روایت غریب ہے، حالانکہ مسند احمد نے حضرت علی سے اور طبرانی نے حضرت ابو ایوب سے اسی

روایت کو نقل کیا ہے، (المنیۃ ص ۱۱ حدیث نمبر ۵)

۴۔ باب صلوة الکسوف، پانچویں حدیث کے بارے میں بھی امام زلیعی نے غریب کا حکم

لگایا، لیکن شیخ قاسم لکھتے ہیں کہ محمد بن الحسن نے بھی اس روایت کو کتاب الاصل میں نقل کیا ہے

اس لئے یہ حدیث غریب نہیں ہے، (المنیۃ ص ۳۲)

امام زلیعی کی نصب الراية پر شیخ کے استدرکات یا علامہ ابن حجر کی الدرر پر ان کے

تعلیقات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہر ایہ میں نقل کردہ بعض روایات

پر لا اصل لہ، لاجدک، یا غریب اور فیہ غرابۃ جیسے الفاظ، صاحب ہر ایہ کے ہائے

میں تنقید کا حرف آخر نہیں ہیں، پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ

۵۔ امام مرغینانی نے جو روایات درج کی ہیں ان کا ماخذ، حدیث کی مشہور و متداول

کتب کے علاوہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، انصاف، جصاص، رازی اور

کوئی دوسرا بھی نہیں، بلکہ یہ وہ احادیث تھیں، جو اپنے سلسلہ استوار سے روایات کا ایک

دائرہ ذخیرہ رکھنے کے لیے

صاحب ہدایہ کے مآخذ میں ایک نام امام حسن بن زیادہ اللؤلؤی کا بھی ہے، جو امام کے شاگرد تھے اور انھوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس میں بارہ ہزار حدیثیں تھیں۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے مصادر بھی صاحب ہدایہ کے پیش نظر تھے، چنانچہ صاحب ہدایہ میں فقہاء محدث کی دو گونہ صفات لکھا ہو گیا ہے، یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے صاحب ہدایہ نے استدلال کی غرض سے جو روایات جمع کی ہیں، ان میں بقدر استدلال حضور انھوں نے اکتفا کیا ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ نے بھی تراجم و ابواب کی مناسبت سے احادیث سے اجراء ہی جا بجا نقل کئے ہیں، پھر کہیں کہیں صاحب ہدایہ یکایاد اختصار کی غرض سے روایت بالمعنی ہے لیے ہیں اور پوری روایت یا اس کے تمام الفاظ کی تلاش و جستجو کا کام، قاری ہدایہ پر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن تفصیلی گفتگو کے بعد، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صاحب ہدایہ نے کہیں کہیں بعض ایسی روایات حدیث استدلال کیلئے، جن کے مقابلہ میں ان ہی مسائل کے استدلال کے لیے، موجودہ ذخیرہ احادیث میں صحیح روایات موجود ہیں، چنانچہ ہدایہ کے شارحین نے ان روایات کی نشاندہی کی ہے، علامہ عینیؒ انہی شرح البناء کی ایک خصوصیت یہ قرار دی ہے کہ

”اس میں احادیث صحاح کو استدلال کیلئے پیش کیا گیا ہے بعض مجروح روایات جن سے ہدایہ میں اخذ مسائل کے لیے مدد لی گئی ہے انکی وضاحت کرنے کے ساتھ ہی ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایات کے ذکر کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی ہے۔“

تسلیات | ہدایہ، فقہ کی دوسری کتابوں اور خاص طور پر قدوری کی ترتیب کے مطابق مرتب ہے لیکن جرت انگیزات یہ ہے کہ اس میں باب الفرائض و وراثت کی تقسیم سے متعلق مسائل کا باب ہے

مکن ہے، صاحب ہدایہ کو سہو ہو گیا ہو یا پھر اس کی اس وجہ یہ ہو کہ وہ اس سے قبل خاص فرائض ہی کے موضوع پر ایک مستقل کتاب، کتاب الفرائض کہہ چکے تھے، اس سے انھوں نے ہدایہ میں اس باب سے متعلق گفتگو کرنی مناسب نہ سمجھی ہو، ہدایہ میں دیگر تمام عظیم مصنفین کی کتابوں کی طرح چند تسامحات بھی ہیں، چنانچہ شیخ محمد الدین عبد القادر قرشی حنفی مصری نے اپنی شرح السنایہ بمعرفۃ احادیث الدایہ میں، صاحب ہدایہ کے تسامحات کا تفصیل اور التزام کے ساتھ ذکر کیا ہے، الجواب المفیض ج ۲ صفحہ ۴۳۸ اور ۴۳۹ میں بھی انھوں نے تسامحات کی تین مثالیں درج کی ہیں، مولانا عبدالحی فرنگی محلی السنایہ، فتح القدر، السنایہ وغیرہ مختلف شرحوں کی مدد سے ہدایہ اول دوم میں گیارہ اور سو سو چارم میں ۹ غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، نیز مذیلۃ الدرایہ کی فصل المذکورین میں مزید دو کا اضافہ کیا ہے، جس میں ایک مکرر ہے، اس طرح تسامحات کی تعداد ۲۱ ہو جاتی ہے، اس میں چند تو واضح طور پر سو کتابت کا نتیجہ ہیں، چند میں اسرار رواۃ کی ترقیب بدل گئی ہے، اور چند وہ ہیں، جن میں بعض ائمہ فقہ کی طرف وہ قول منسوب ہو گیا ہے، جس کے وہ کبھی قائل نہیں رہے، چونکہ یہ تسامحات لفظی ہیں یا خالص طالب علمانہ، اس لئے اس مقالہ میں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ہدایہ کی طرح دوحاشی [کشف القنون نے (۲۰۳۲ سے ۲۰۴۲ تک) ہدایہ کی جن مکمل شرحوں یا اس کے مختلف اجزاء کی شروح اور تعلیقات دوحاشی کا ذکر کیا ہے، ہم یہاں صرف ان کے ناموں ہی پر اکتفا کریں گے، ان کے علاوہ جن مزید شرحوں کا علم ہو سکا ہے جو اجابات کے ساتھ وہ بھی درج فرست کی جا رہی ہیں، تخریج احادیث ہدایہ کے ذیل میں جن کتابوں کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

۱۔ السنایہ - حسام الدین صفحانی (مستمسک) علامہ سیوطی کی رائے کے مطابق یہ ہدایہ کی سب سے پہلی شرح ہے،

۲۔ الکفایہ - حمید الدین علی بن محمد الفریہ بخاری (دم ۷۷۷ھ) بعض لوگوں کی رائے کے مطابق یہ پہلی شرح بھی ہے۔

۳۔ معراج الدرایۃ الی شرح البدایہ - قوام الدین محمد بن محمد کاکلی بخاری (دم ۷۴۹ھ) ۲۱ محرم ۷۷۲ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی۔

۴۔ غایۃ البیان و نادرۃ الاقران - قوام الدین امیر کاتب الاتقانی (دم ۷۵۵ھ)

۵۔ الکفایہ - محمود بن عبید اللہ بن محمود تاج الشریعہ مولف الوفاۃ،

۶۔ فتح القدیر - کمال الدین محمد بن ہمام (دم ۷۶۱ھ) یہ ہدایہ کی سب سے بہتر شرح ہے جسے مولف نے کتاب الوکالہ تک تحریر کیا تھا۔

۷۔ تکرر فتح القدیر - ذکر یابن بیرام المقتی (دم ۷۷۱ھ) مولف نے فتح القدیر کے باقی ماندہ حصوں کی ۷۹۲ھ میں تکمیل کی۔

۸۔ نہایت - الکفایۃ فی درایۃ البدایہ - تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ الاول عبید اللہ المحموبی

۹۔ الغایہ - قاضی ابوالہاس احمد بن السروی (دم ۷۸۷ھ) یہ شرح نامکمل رہی تھی، اور

قاضی سعد الدین محمد دیری (دم ۷۸۷ھ) نے کتاب الایمان سے کتاب الرد تک شرح لکھ کر اس کی تکمیل کی۔

۱۰۔ شرح ہدایہ - حافظ الدین ابوالبرکات عبد بن احمد نسفی (دم ۷۸۷ھ)

۱۱۔ ۱۲۔ شیخ سرماج الدین عمر بن اسحاق غزنوی ہندی (دم ۷۸۷ھ) نے دو شرحیں لکھیں۔

شرح کبیر جس کا نام تو فیح ہے، اور شرح صغیر جو چھ جلدوں میں ہے اور بحث و جدل کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

۱۳۔ حلیۃ - اکمل الدین محمد بن محمد باری حنفی (دم ۷۸۷ھ) مولف نے قوام الدین

۲۵۔ غلامۃ النہایہ۔ تافہی القضاء محمود بن احمد بن مسعود قزوینی دمشقی معروف بابن السراج یہ

صفحات کی شرح ہدایہ کی تفسیر ہے۔

ذکورہ کتابوں کے علاوہ مزید شافعیین کے نام یہ ہیں۔

۲۶ تا ۳۱۔ شیخ نقی الدین ابو بکر بن محمد حسنی (م ۳۵۳ھ) شیخ خداداد دہلوی، شیخ تاج الدین ابو محمد

احمد بن عبدالقادر حنفی (م ۳۵۳ھ) سید علی بن محمد جعانی (م ۳۵۳ھ) ابراہیم بن علی دمشقی (م ۳۵۳ھ) عبدالکلیمن محمد معروف بہ انجی زادہ (م ۳۵۳ھ)

ناما مکمل تشریحیں ۱۔ ۱۔ نہایۃ النہایہ۔ محمد الدین محمد معروف بہ ابن الشرحہ حلبی (م ۳۵۳ھ)

فضل الغسل یک بائج جلدیں ہیں ۲۔ شرح ہدایہ۔ شیخ حمید الدین مخلص بہ ابن عبداللہ ہندی دہلوی (م ۳۵۳ھ) کشف الغنون نے المخلص بن عبداللہ نام درج کیا ہے۔

اجزاء ہدایہ کی تشریحیں ۱۔ ہدایہ کے مختلف ابواب کی بھی تشریحیں لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ جو۔

۳۔ دیباچہ ہدایہ کی شرح۔ احمد بن مصطفیٰ معروف بہ طاش کبریٰ زادہ (م ۳۵۳ھ)

۴ تا ۶۔ مولیٰ عطاء اللہ، علی بن قاسم زیتونی، صاری کر ز زادہ محمد (م ۳۵۳ھ) قرۃ العقب

بن ادیس رومی (م ۳۵۳ھ) اور احمد بن سلیمان ابن کمال پاشا (م ۳۵۳ھ) نے کتاب الطہارۃ والذکاء والصوم اور کتاب النکاح والبیوع کی شرح لکھی۔

۹۔ شرح کتاب الحج۔ ابن کمال۔

۱۰۔ شرح مختصر کتاب البیوع یک، علی بن محمد معروف بہ مصنفک (م ۳۵۳ھ)

۱۱۔ نہایۃ الامجاد (شرح کتاب الجہاد من البدایہ) مولیٰ ابو سعود۔

تعلیقات و حواشی ۱۔ ۱۔ ترغیب الیبیب۔ ابن کمال، ایک مقالہ کی صورت میں جو جس میں

ہدایہ کے مشکل مباحث کی تشریح اور دقیق مضامین کی شرح کی گئی ہے۔

۲۔ حاشیہ۔ جمال الدین عمر بن محمد خاوری اہلکۃ الفوائد کے نام پر محمد بن محمد قزوینی نے مذکور حاشیہ کی تکمیل کی، اصحاب حاشیہ کے مزید اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۳۔ سراج الدین عمر بن علی کتانی معروف بہ قاری ہدایہ (م ۸۲۹ھ)

۴۔ محمد بن علی معروف بہ برکی (م ۸۵۰ھ)

۵۔ بابا زادہ محمد قرمانی (م ۸۹۲ھ) ۶۔ محی الدین محمد بن مصطفیٰ معروف بہ شیخ زادہ (م ۸۹۰ھ)

۷۔ نجم الدین ابو الظاہر اسحاق بن علی حنفی (م ۸۸۸ھ) و جلد ۲،

۸۔ ہمسر قندی الحمیدی نے سلطان محمد فاتح کے لئے نکات الودی کے نام سے مختصر حاشیہ لکھا جو کتاب التوفیق

۹۔ سیف الدین احمد (م ۸۶۲ھ) نے لوہی ہدایہ پر حاشیہ لکھا جو اسکے مولف امام سعد الدین تھانزانی کے پوتے ہیں

۱۰۔ محمد بن محمد بن احمد ابو عوبہ مولانا زادہ اقسرانی حنفی (م ۸۵۹ھ)

۱۱۔ مصطفیٰ بن شعبان مروزی (م ۸۶۹ھ) احادیث ہدایہ کے بارے میں تفصیلی بحث بھی کی ہے۔

۱۲۔ عبد الرحمن بن سیری علی (م ۹۳۳ھ) ابتدا میں توحید البیہ کے نام سے ایک مقدمہ بھی ہے۔

۱۳۔ علی بن علی بن ابی طالب (م ۸۵۰ھ) یہ حاشیہ صرف کتاب الزکاة تک ہے۔

۱۴۔ ابو السعود بن محمد علوی (م ۸۵۲ھ) صرف کتاب البیع پر حاشیہ ہے۔

ہدایہ کی تحریر و اختصار مسائل ہدایہ کو اسکے عقلی و نقلی دلائل مباحث سوا لگ کر کے، علم و حکما کرنے کی بھی کوشش کی گئی

ہے اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں،

۱۔ الکفایہ۔ ابن الترمذی مادی (م ۸۵۰ھ) یہ غالباً ہدایہ کا اولین اختصار ہے۔

۲۔ سلاۃ الدیاد۔ ابو ایوب بن احمد موصی اس اختصار کا زمانہ تصنیف ۸۵۰ھ کے بعد ہے۔

۳۔ الرعاۃ فی تحریر مسائل الدیاد۔ ابو اللیث محمد بن عثمان معروف بہ ابن اقرب (م ۸۵۰ھ)

۴۔ عدۃ اصحاب الدیاد و النہایہ فی تحریر مسائل الدیاد۔ کمال الدین محمد بن احمد، ایک جلد ہے۔

مولف نے حادی الآخرۃ ۸۵۲ھ میں اس کتاب کی تکمیل کی۔

۵۔ علامہ تہذیبی فوائد الہدیہ۔ ارد۔ انگلہ۔ صفحہ ۱۸۱۔ دونوں کتابیں ایک ایک جلد میں ہیں جو علامہ

قاضی القضاۃ محمود حسن قزوینی مشقی معروف بہ ابنہ السراج۔

۶۔ مختصر الہدیہ۔ شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ دہلوی۔

۷۔ تطہیر الاحوال بحروف و عطریہ یہ فتح محمد کھنوی، مسامحات خصوصاً مالی امور کے مباحث اوقاف سلسلہ میں ہے

کچھ نون کی تشریح و کتب لکھتی ہیں نیز عرف اند زمانہ کی تبدیلی ہے جہتہ دی امور میں جو تفسیر واجبہ اسکی تشریح کی ہے۔

قدوری کا یہ ہادیہ کے زوائد علامہ مریضانی نے صریحت کی جو کہ ہادیہ کا متن بنیادی طور پر قدوری سے ماخوذ ہے لکھی یہ بھی

واقعہ جو کہ ہادیہ میں قدوری سے زیادہ مسائل و جزئیات پائے جاتے ہیں پانچ سو مسائل و جزئیات جن کا قدوری پر اضافہ کیا

ہے، شیخ نذیر الدین علی بن نصر (م ۹۷۵ھ) نے ان کو ایک جلد میں یکجا کر دیا۔

ہندوستان میں ہادیہ کی مستقل شروحوں کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے حواشی بھی لکھے

گئے ہیں، ہم ذیل کی سطحوں میں ان حواشی کی ایک فہرست درج کرتے ہیں، جنہوں نے ہادیہ پر اپنے اپنے زمانہ میں حواشی لکھے۔

(۱) شیخ حسین غیاث پوری بن عمر (م ۹۷۵ھ) (۲) محمد نسیر اشرف سمنانی کچھ بھڑوی (م ۱۰۸۵ھ) (۳) شیخ اردو

چھ پوری (۴) شیخ رحیم الدین طوی گجراتی (۵) مفتی عبدالسلام غازی دیوبند (۶) شیخ محمد نعیم چوہدری (۷) شیخ جبار محمد چوہدری کھنوی

(۸) شیخ ولی اللہ کھنوی (۹) شیخ عبدالحکیم کھنوی (۱۰) مولانا عبدالحکیم کھنوی (۱۱) سید عبداللہ حسینی بکرائی محلہ اہل احمد (کتاب الہدیہ

سے کتاب الشفیعہ) (۱۲) مولانا عبدالحق فزنگی کھنوی (۱۳) مولوی محمد حسن نسیمی

ترجمے ان کو ذرا حواشی کے علاوہ ہندوستان میں ہادیہ کے دو فارسی ترجمے بھی ہوئے ہیں ایک ترجمہ شیخ عبدالحق سرہندی نے کیا تھا

۱۴۔ درود سر اور ترجمہ قاضی غلامی نے بھی بہدی نے کسی انگریز افسر کی ایسا کر کیا تھا اور بعد میں شیخ محمد راشد بردوانی اس ترجمہ کی

تصحیح کی اس کو دوبارہ مرتب کیا۔

مولانا سید میر علی کھنوی (طبع آبادی سابقہ ستم و شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کھنوی) کا ہادیہ کا ایک

اردو ترجمہ، نو کشتہ پریس سے پہلی بار شائع ہوا تھا، اسکے مقدمہ میں مولانا نے فقہ و مول فقہ کے علاوہ، ہادیہ بھی کے

چند بنیادی اصول بھی دیے ہیں وضاحت سے بیان کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

از

جناب شمس بدایونی صاحب، بدایوں

ڈاکٹر محمد ایوب قادری سے میری دیرینہ ملاقات تھی، جب جب کراچی جانے کا موقع ملا، وہ بہت ہی عزیزانہ طور پر ملے، ہر ملاقات میں پہلے سے زیادہ اپنی بھلائی بہت شرف ملیح، غر اور انکسار کا ثبوت دیتے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہوتے، جیسا کہ حسب ذیل مضمون سے ظاہر ہوگا، انکے قلم میں بڑی برق و شہی، کسی کتاب کو کھنڈیا اور جھکنا شروع کرتے تو بڑی کم مدت میں یہ کام ختم کر دیتے، وہ جن بلند مرتبہ کے مصنف تھے اپنے عجز و انکسار کی بدولت اس سے اپنے کو کم ہی ظاہر کرتے، وہ اپنی ہر کتاب دار المعنیین فرود بھیجتے اور اس کو یہ راقم شوق سے پڑھتا، جب انہوں نے کراچی کے قیام میں شاہ خاں کی تصنیف آثار الامراء کی تین جلدوں کے ترجمے پر یہ کیے، تو یہ تینوں جلدیں میری میز پر برابر رہیں، اور جب کبھی ان میں سے کسی اقداس کو اصل فارسی سے لایا، تو انکو ہر طرح صحیح، سلیس اور فصیح پایا، اس سے ترجمہ کرنے میں ان کی مہارت اور قدرت کا معترف ہوا، جب وہ طبقات الہری کا ترجمہ کر رہے تھے تو ان سے یہ گفتگو آئی کہ کہتر کا ترجمہ ایک انگریز نے انگریزی میں کر دیا ہے، لیکن یہ بڑی مذمت اور شرم کی بات ہے کہ اب تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہو سکا، گو یہ بہت مشکل کام ہے، لیکن جب اس کا

ترجمہ انگریزی میں ہو سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو میں نہ ہو سکے، جناب ایوب قادری صاحب نے کہا کہ طبقات اکبری کے ترجمہ کے بعد انشاء اللہ اکبر نامہ کی طبقات کا ترجمہ کر کے لوگوں کی خدمات کو دور کر دوں گا، اس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی کہ

نومبر میں میرے قیام کراچی ہی میں ان کی المناک وفات ہوئی، وفات سے ایک روز پہلے ان کا تیلی فون آیا کہ ہم ان کے مسافرات کو کھانا کھائیں، جس روز یہ دعوت ملے تھی، اسی روز خبر ملی کہ وہ اللہ کو پیارے ہوئے، اس عظیم سانحہ سے بڑا دکھ ہوا چپکٹا کے تمام اخباروں میں ان کا بڑا ماتم ہوا، تمام مشاہیر کے تعزیتی بیانات شایع ہوئے، ان پر اخباروں میں اچھے اچھے مضامین بھی لکھے گئے، جس سے پتہ چلا کہ وہ اپنے علمی رتبہ کی وجہ سے دہاں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان سے جو علمی تعلقات تھے اس بنا پر برابر خیال رہا کہ ان پر ایک طویل مضمون لکھوں، لیکن اپنی مشغولیت کی

وجہ سے یہ حق ادا نہ کر سکا، جس کا بڑا افسوس ہے، لیکن وہ برابریا دآتے ہیں اور اکثر یاد آتے رہیں گے، ان کے چھوٹے بھائی جناب نعمت اللہ قادری عرف ابو معاذ صاحب کو بھی دارالصفین سے بڑا تعلق رہا، انہوں نے تو اس کی زیارت کرنے کے لیے یہاں آنے کی رحمت بھی گوارا رکھی، وہ اس کی مطبوعات کے بڑے قدر دان اور اس کی اشاعت کیلئے برابر فکر مند رہتے، ان کی وفات بھی شریک ہی پر ہوئی، موٹر سائیکل کے حادثہ میں وہ جان بحق ہوئے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں بھائیوں کو اپنی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز کرے، آمین! "ص - ح"

ہندو پاک میں مستند علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے، اور اس قلیل تعداد میں بھی ہر ایک عالم و محقق پر تکیہ نہیں کر سکتے، بلکہ ان میں بھی بعض اعلیٰ اور بعض اعلیٰ ترین، نبی

ہستیوں میں ایک نام ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا بھی ہے، جو ۲۵ جون ۱۹۸۳ء سے مرحوم کے اضافے کے ساتھ لکھا اور بولا جانے لگا ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا نام اردو دنیا میں ایک ممتاز محقق، مولف اور مترجم کی حیثیت سے متعارف ہے، انہوں نے بعض ایسے علمی موضوعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو اباب علم نظر انداز کیے ہوئے تھے، اور بعض ایسی کتابوں کو اردو دنیا سے متعارف کرایا جو نادرو کیا تھیں، قادری مرحوم کا موضوع تاریخ، سوانح، ادب، فن، اسماء الرجال اور حوالہ جاتی ادب تھا، اس میں وہ شبلی اسکول سے بڑی حد تک قریب نظر آتے ہیں، ان موضوعات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، ان پر وہی قلم اٹھایا گیا جس نے خود کو علم و ادب کے لیے وقف کر دیا ہو، یا تلاش جستجو میں کامیاب ہو، اور جس کی زندگی کا مقصد و مدعا بھی محض علم و ادب کی خدمت ہو، مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

”قادری صاحب گزشتہ ربع صدی علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں، ان کی علمی لگن کو دیکھ کر وہ علمائے سلف یاد آجاتے ہیں، جنہوں نے ہر طرح کی آسائشوں سے بے نیاز رہ کر خدمتِ علم ہی کو اپنا اصل کام سمجھا، قادری صاحب کے میرے مرہم تقریباً چھبیس برسوں سے ہیں، میں نے اس دوران میں انہیں علمی و ادبی موضوعات کے علاوہ کبھی کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ جب بھی ملے کسی نہ کسی علمی کام کی لگن میں سرشار ملے، کبھی کسی قدیم مطبوعہ کتاب کا ذکر ہے، تو کبھی کسی مخطوطے کا، کبھی کسی گننام مصنف کے حالات کی تلاش ہے، تو کبھی کسی معروف مصنف کے کم معروف پہلو پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، خدا انہیں تادیر سلامت رکھے کہ ان سے مل کر یہ خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا معاشرہ ان ”دیوانوں“ سے ابھی خالی نہیں ہوا جو ہمیشہ ”بکارِ علم“ ہشیار رہتے ہیں۔“ (مشفق خواجہ، دیباچہ، کاروانِ رفیعہ، کراچی ۱۹۸۳ء)

کیت محمد باقی سب سے بہتر ہے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے
 مستند و معروف کتب پر ہندوستان کی تاریخ اور اس کے خاص واقعات
 کے بارے میں، ان میں نے کثیر سرمایہ چھوڑا ہے،

تصہ اولہ ضلع بریلی کا ایک تاریخی قصبہ ہے، جو قنوج کے اس کی تاریخی قدامت کی ہماری
 اثر پر دیش کا کوئی شہر نہیں کر سکتا، یہ حکومت دو ہیلہ کا پہلا دار الحکومت تھا، اور اس حکومت کے
 پہلے فرماں روا نواب علی محمد خاں (ف ۱۷۹۷ء) تھے، ان کی وفات کے بعد حافظ رحمت خاں
 ان کے جانشین ہوئے، جنہوں نے بریلی میں سکونت اختیار کر لی، نواب علی محمد خاں اور حافظ الملک
 حافظ رحمت خاں کے ابتدائی عہد میں روہیل کھنڈ کا صدر مقام آنولہ ہی رہا، اور اس دور میں یہاں
 غیر معمولی ترقی ہوئی، مولوی حکیم عبدالغفور لکھتے ہیں:

”روہیلوں کے زمانے میں شہر آنولہ علماء، فضلاء، شعراء، حکماء اور اہل اللہ کا مرکز
 بن گیا، نواب علی محمد خاں کے فرزند نواب محمد یافغان تیر کے دربار سے قدرت اللہ
 شوقی، مصطفیٰ، قائم چاند پوری اور ندووسی لاہوری، جیسے مشاہیر شعراء وابستہ تھے،
 مصطفیٰ نے آنولہ کی یاد بڑی درد مندی سے کی ہے، چنانچہ وہ اپنے تذکرے ”ہندی گویا“
 میں قائم کے ذکر میں لکھتے ہیں ”واللہ کرایاں صحبت داغ ناکامی بروں درد مندی گزرا“
 حکیم فخر الحسنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:

”آنولہ نواب علی محمد خاں کے عہد میں دارالاسلام تھا، اور نواب محمد رح نے
 بڑی کوشش کے ساتھ اس کی آبادی میں ترقی دی تھی، قلعہ اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں

لے سوانحیات المسافرین آنولہ ص ۱۲ (فلس مملوکہ قائم الخروف) مؤلف مولوی حکیم عبدالغفور (مروم)

آؤدہ کی دیندہدی پر بعد ہمام گور شکستہ

مافظ رحمت خاں کے برائی منتقل ہونے اس کے شہانہ سلسلہ کے بہتوں تلمیذ

ہوئے پر بھی اس کی رونق اور عظمت رفتہ کے کچھ نقوش نصف صدی تک قائم ہے جن کی طرف

ڈبلیو فریش نے "سٹری آف شاہ عالم میں اشارہ کیا ہے،

یہی وہ تاریخی قصبہ ہے جو ایوب قادری کا آبائی وطن تھا، ان کے مورث اعلیٰ دہیلوں کے

مدین آنولہ آئے، نواب علی محمد خاں مالی رسول کھٹہ نے حضرت شاہ زوری غازی کی زیارت کے بعد

جوڑی راضی وقف کی تھی، اس کے متولی حکیم حمدا اللہ تھے، جو اپنے دور کے نامور عالم اور خطیب تھے، ان

کے صاحبزادے حکیم حبیب اللہ تھے، جو عالم فضل میں ممتاز تھے، ان کے فرزند حکیم عظیم اللہ قادری تھے جو

علم انفس اور تجوید میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، معارف الیراث، کاشف الحقائق، تفسیر سورۃ ولعمر

ان سے یادگار ہیں، انہوں نے بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے، ۱۲۸۸ھ میں وفات پائی،

حکیم عظیم اللہ قادری کے چار صاحبزادے حکیم الہی بخش، حکیم سعید اللہ، میاں وحید اللہ اور حافظ

امام الدین تھے، حکیم سعید اللہ ۱۲۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱۹ھ میں وفات پائی، خاندانی پیشہ

کرتے تھے، ۱۳۵۸ھ میں خان بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خان کی فوج میں بھرتی ہو کر

لگرا دھلیجہ بڑیوں اور کنبہ فرخ آباد میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور بعض

کتابوں پر قیمتی حواشی بھی لکھے ہیں، حکیم سعید اللہ کے ایک فرزند مولوی رحیم بخش (۱۸۵۵ء-۱۹۲۰ء) تھے،

جنہیں فن خطاطی میں کمال حاصل تھا، ان عربی کا خاص مطالعہ کیا تھا، عربی ادب پر بھی گہری نظر تھی، ان کے

ایک فرزند مولوی مشیت اللہ (۱۸۸۹ء-۱۹۵۹ء) تھے، اور یہ قادری مرحوم کے والد ماجد تھے، فقہ

میں بہت اچھی قابلیت تھی، تاریخ اور انساب پر بڑی گہری نظر تھی، ڈاکٹر حسین الدین عقیل ان کے متعلق

لے اخبار الصنادید، جوالہ سوانحات المتاخرین آؤدہ، لے سوانحات المتاخرین آؤدہ ص ۲۶-۲۷ لے ایضاً ص ۲۷

ترجمہ انگریزی کے موضوعات تحقیق یوں تو بہت کچھ تھے لیکن میں نے صرف ایک ہی موضوع پر بحث کی ہے کہ
 کیت محلہ جاتی ادب اور علمائے ہندوپاک کے مستند سماج، مسلم سرگودھا اور علمائے
 مستند اگر غیر معروف کتابوں پر جس مذہب سے دلائل تحقیق دی ہے، ان کے کتابوں میں موضوعات
 کے جاسکتے ہیں، ان ضمن میں انھوں نے کثیر سرمایہ چھوڑا ہے،

قصبہ آنولہ ضلع بریلی کا ایک تاریخی قصبہ ہے، بجز قلعہ کے اس کا کوئی شہادت کی ہسری
 اثر پرورش کا کوئی شہر نہیں کر سکتا، یہ حکومت روہیلہ کا پہلا دار الحکومت تھا، اور اس حکومت کے
 پہلے فرماں روا نواب علی محمد خاں (ف ۱۷۸۷ء) تھے، ان کی وفات کے بعد حافظ رحمت خاں
 ان کے جانشین ہوئے، جنھوں نے بریلی میں سکونت اختیار کر لی، نواب علی محمد خاں اور حافظ الملک
 حافظ رحمت خاں کے ابتدائی عہد میں روہیلہ کھنڈ کا صدر مقام آنولہ ہی رہا، اور اس دور میں یہاں
 غیر معمولی ترقی ہوئی، مولوی حکیم عبدالغفور لکھتے ہیں:

”روہیلوں کے زمانے میں شہر آنولہ علماء، فضلاء، شعراء، علماء اور اہل اللہ کا مرکز
 بن گیا، نواب علی محمد خاں کے فرزند نواب محمد یا خاں تیسرے درجہ سے قدرت اللہ
 شوق، مصطفیٰ، قائم چاند پوری اور فدوسی لاہوری، جیسے مشاہیر شعراء وابستہ تھے،
 مصطفیٰ نے آنولہ کی یاد بڑی درد مندی سے کی ہے چنانچہ وہ اپنے تذکرے ”مندی گواہ“
 میں قائم کے ذکر میں لکھتے ہیں ”واللہ کرایاں محبت داغ ناکامی ببول درد مندی گزرتا
 حکیم غلام الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:

”آنولہ نواب علی محمد خاں کے عہد میں دارالاسلام تھا، اور نواب محمد ج نے
 بڑی کوشش کے ساتھ اس کی آبادی میں ترقی دی تھی، قلعہ اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں

لے سوانحیات المسخرین آنولہ ص ۱۲ (قلی مملوکہ قائم الحروف) مولوی حکیم عبدالغفور (مروم)

آؤر کی دیندہی پر جہادِ اسلام کو رشک تھا۔

ما نظرِ رحمتِ خاں کے برائی منتقل ہونے اور اس کے شجاعِ اسلام کے بہتوں تکلیف پہنچا
ہونے پر بھی اس کی رونق اور عظمت رفتہ کے کچھ نقوش نصف صدی تک قائم رہے جن کی طرف
ڈبلیو فریگل نے "سٹریٹ آف شاہ عالم" میں اشارہ کیا ہے۔

یہی وہ تاریخی نصب ہے جو ایوب قادری کا آبائی وطن قحمان کے مورتی اہل روہیلوں کے
مدین آنولہ آئے، نواب علی محمد خاں عالی رتیل کھنڈ نے حضرت شاہِ غفری قادری کی زیارت کے بعد
جو بڑی رافضی وقف کی تھی، اس کے متولی حکیم احمد شاہ تھے، جو اپنے دور کے نامور عالم اور خطیب تھے
کے صاحبِ جزائے حکیم حبیب اللہ تھے، جو علم و فضل میں ممتاز تھے، ان کے فرزند حکیم عظیم اللہ قادری تھے جو
علمِ انفرادی اور تجویز میں اعلیٰ دستِ نگاہ رکھتے تھے، معارفِ الیث، کاشفِ الحقائق، تفسیرِ سورۃ و طہ
ان سے یادگار ہیں، انہوں نے بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے، ۱۳۴۷ھ میں وفات پائی،

حکیم عظیم اللہ قادری کے چار صاحبِ جزائے حکیم انسی بخش، حکیم سعید اللہ، سید وحید اللہ اور حافظ
ام الدین تھے، حکیم سعید اللہ ۱۳۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۷ھ میں وفات پائی، خانہ دانی پیشہ
کرتے تھے، ۱۳۵۷ھ میں خان بہادر خاں نیرہ حافظہ الملک حافظہ رحمت ظنی کی فوج میں بھرتی ہو کر
لکڑہ ضلع بدایوں اور کسبہ فرخ آباد میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا، انھوں نے کئی کتابیں لکھیں اور بعض
کتابوں پر قلمی حواشی بھی لکھے ہیں، حکیم سعید اللہ کے ایک فرزند مولوی رحیم بخش ۱۳۵۷ء و ۱۳۶۲ء تھے،
جنھیں فنِ خطاطی میں کمال حاصل تھا، ابن مولیٰ کا خاص مطالعہ کیا تھا، عربی ادب پر بھی گہری نظر تھی، ان کے
ایک فرزند مولوی مشیت اللہ ۱۳۸۷ء و ۱۳۹۷ء تھے، اور یہ قادری مرحوم کے ولید اجد تھے، ان کی
بہت اچھی قابلیت تھی، تاریخ اور مناسب پر بڑی گہری نظر تھی، ڈاکٹر حسین الدین عقیل ان کے متعلق

لے اخبارِ اصناف، جو اسوانحاتِ المتاخرین، آؤر لے سوانحاتِ المتاخرین، آؤر ص ۴۶-۴۷، ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوئے۔

”تیلیغ دین اور مناظرہ سے خاص دلچسپی میں مختلف مقامات پر خصوصاً بمبئی ۱۹۳۱ء

سے ۱۹۳۳ء کے دوران قیام میں مناظرے کیے، تبلیغ سرگرمیوں میں معروف ہے اور

کئی غیر مسلموں کو مسلمان کیا، تحریک پاکستان کے زبردست مؤید تھے ۱۹۴۷ء میں ہجرت

کر کے پاکستان آئے، دادو (سندھ) میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کیا، تاریخ و نسب

اور رد آریہ اور رد شیعہ میں ان سے بعض کتابیں یادگار ہیں، پروفیسر قادری کے علاوہ

عبدالقیوم، عنایت اللہ اور نعمت اللہ ان کے فرزند ہیں،

اس فائداقی تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قادری مرحوم کا فائدان شروع سے علم

و ادب کا گوارہ رہا ہے، تاریخ، نسب اور علوم دینیہ سے دلچسپی اس کا نمایاں وصف رہا ہے، اول

قادری مرحوم کو برجزی علمی وراثت میں ہیں،

محمد ایوب نام قادری نام کا جزو ہے، ۲۸ جولائی ۱۹۲۶ء / ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ بمطابق

برفربہ قصبہ آنولہ میں پیدا ہوئے، قصبہ کے ایک بزرگ مولوی حکیم عبدالغفور (ف ۱۹۶۲ء) نے

ان کے کان میں اذان دی، اور ”چرخ علم“ سے تاریخ پیدائش نکالی، رواج کے مطابق ابتداً قرآن

حافظ عبدالماہد احمد حافظ عبدالغنی سے پڑھا، پھر مدرسہ تعلیم المؤمنین آنولہ میں مکتبہ تعلیم پائی، ۱۹۳۹ء

میں پرائمری کے امتحان درجہ اول میں کامیاب ہوئے، اور وظیفہ کے مستحق قرار پائے، ۱۹۴۲ء میں مدخل

امتحان میں بھی درجہ اول میں کامیاب ہوئے، ۱۹۴۳ء میں الہ آباد بورڈ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ

ڈویژن سے پاس کیا، اسی دوران میں انھوں نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے

پڑھیں، فارسی کی کچھ کتابیں مولوی اسد علی خاں اور حکیم عبدالغفور سے پڑھیں، ۱۹۵۰ء میں انٹر

اسلامیہ کالج پراویس سے کیا، اواخر اپریل ۱۹۵۱ء میں ان کے والد ماجد نے پاکستان کو ہجرت

کے حکم پر معین الدین تحصیل: قنات غالب اور ضلع خٹک، گراچی ۱۹۸۳ء،

کی، قادری مرحوم سے والد کی جدائی بجاٹ نہ ہوئی، چنانچہ وہ بھی مئی ۱۹۵۱ء میں پاکستان پہنچے۔ ابتداً والد کے ساتھ دادو (سندھ) میں ہی قیام کیا، تلاش روزگار میں کراچی پہنچے اور پھر تادم زندگی وہیں کے ہو رہے۔

ستمبر ۱۹۵۱ء سے پہلائی اینڈ ڈویلپمنٹ (فڈاریٹ صنعت) محکمہ (سرد و تر قیادت) سے ملازمت کا آغاز کیا، جو مئی ۱۹۵۶ء تک قائم رہا اس دوران میں تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۹۵۶ء میں اردو کالج کراچی سے بی۔ اے کیا۔

جناب سید الطاف علی بریلوی نے ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی احوال پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی، ایک رسالہ ”اعلم“ بھی جاری کیا، اسی دوران میں سید صاحب کی ملاقات قادری مرحوم سے ہوئی، انہوں نے ان کے جوہر ذاتی کو پرکھ لیا، ”اعلم“ کے لیے ان سے کثرت سے مضامین لکھوائے اور شائع کیے، ۱۹۵۶ء میں قادری مرحوم کی پہلی تصنیف ”مولانا فیض احمد بدایونی“ شائع ہوئی، جو اگرچہ بہت مختصر تھی، لیکن اس سے انکی تحقیقی و تصنیفی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، ہسٹاریکل سوسائٹی کے معتمد ڈاکٹر معین الحق نے اپنے ادارہ میں معاون تحقیقی اور ریسرچ افسر کی حیثیت سے بلالیا، ملازمت کا یہ سلسلہ مئی ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۳ء تک قائم رہا، پروفیسر حبیب اللہ خاں غصنفہ کے مشورہ پر چین کا ساتھ ہسٹاریکل سوسائٹی میں رہا تھا، انہوں نے ۱۹۶۳ء میں کراچی یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا، اور یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی، ایم۔ اے کی ڈگری سے ان کو یہ فائدہ ہوا کہ ہسٹاریکل سوسائٹی کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ان کو اردو کالج کراچی میں جزوقتی لکچرار کی حیثیت سے رکھ لیا گیا، ستمبر ۱۹۶۳ء سے ۴ مارچ ۱۹۶۳ء تک انہوں نے اس طرح تدریسی خدمت انجام دی، ۵ مارچ ۱۹۶۳ء سے اسی کالج میں مستقل لکچرار کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے، کچھ دنوں بعد صدر شعبہ کے منصب پر فائز کر دیئے گئے، ڈاکٹر معین الحق

”اس عرصہ میں انہوں نے اپنی علمی و فلسفی حیثیت کے سبب ۱۹۱۷ء میں اردو کالج کی جانب سے ”ہلال اردو و تمدن“ کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی طرف سے سائنس میں ان کی ایک تیار شدہ ڈسٹریکٹ اور ایسوسی ایشن کی تعلیمی بورڈ کی جانب سے، اسی سال قائد اعظم کی صد سالہ تقریبات کے تعلق سے ”تمدن قائد اعظم“ حاصل کیے پھر اس عرصہ میں انہوں نے متعدد قومی اور بین الاقوامی مذہبی، تاریخی اور ادبی کانفرنسوں میں بھی مندوب کی حیثیت شرکت کی۔“

۱۹۱۷ء میں انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا، ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع ”اردو و نشر کے اعتبار میں علماء کا حصہ“ (شمالی ہند میں ۱۹۱۷ء تک) تھا، افسوس ۲۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک کارڈ کی سیڈینٹ میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، قادری مرحوم ہمیشہ انسان بڑی خوبیوں کے مالک تھے، سادہ مزاج تھے، اور نام نہادوں سے بے نیاز، صاف دل اور صاف گو ہونے کے ساتھ ساتھ وہ غفلت بھی تھے مصلحت کو شے، نام نہانی اور مذہب پروری سے کوسوں دور، علماء کی عزت اور اہل فن کی قدر کرنا ان کا شعار تھا، یہی وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ان کا احترام پیدا کر دیا تھا، بقول شاعر سے صرف باتوں سے تو ہوتی نہیں عزت دل کی

قادری مرحوم نے تصنیفات و تالیفات اور تراجم وغیرہ کی ایک بڑی تعداد اپنے پیچھے چھوڑی تصانیف ۱۔ مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا فیض احمد ستار ۱۹۵۵ء کے مجاہدین میں تھے، انہوں نے قوت سیف و قلم دونوں سے بڑے کام کرائے نمایاں انجام دیے، کبھی وہ پادری فٹنس سے متاثر کرتے

لے ڈاکٹر معین الدین عقیل، تعارف غالب اور عمر غالب (کراچی ۱۹۵۴ء)

نظر آتے، اور کبھی بہادر شاہ ظفر کی عدالت کے حاکم، کبھی انگریزوں سے برسرِ پیکار رہے، کبھی شعراء سے شغل کرتے۔

غرض ان کی خدمات گوناگوں تھیں، قادری مرحوم نے اس کتاب میں ان کی متنوع شخصیت اور گوناگوں خدمات کا تعارف تاریخ و تحقیق کی روشنی میں کرایا ہے، یہ کتاب پاک اکیڈمی کراچی سے ۱۹۵۵ء میں شایع ہوئی۔

۲۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت: یہ کتاب تحقیقی انداز پر ترتیب دی گئی ہے، حضرت مخدوم کو ایک مافوق الفطرت ہستی کی حیثیت سے پیش کرنے کے بجائے انہیں ایک عالمِ عامل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے ادب و تحقیق و تصنیف کراچی نے ۱۹۶۳ء میں شایع کیا، اس ادارہ کی بنیاد ۱۹۶۲ء میں رکھی گئی تھی، ایوب قادری اس کے بنیادی رکن اور مستند اعزازی تھے، اس ادارہ کی طرف سے شایع ہونے والی یہ پہلی کتاب تھی، ۳۔ مولانا محمد حسن نانوتوی: یہ کتاب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل دو سہیل کھنڈ لٹریچر سوسائٹی کراچی سے ۱۹۶۶ء میں شایع ہوئی۔

۴۔ اباب فضل و کمال بریلی: ۱۹۷۰ء میں کراچی سے شایع ہوئی، ۵۔ تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ: ۱۵۲ صفحات پر مشتمل مکتبہ معاویہ کراچی سے ۱۹۷۱ء میں شایع ہوئی۔

۶۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں: یہ کتاب قادری مرحوم کی وسیع کتابوں میں شہرہ کی جاتی ہے، ۱۹۷۶ء میں پاک اکیڈمی کراچی سے شایع ہوئی۔

۷۔ غالب اور عصرِ غالب: یہ کتاب غالب سے متعلق نو تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، مضامین کے عنوانات یہ ہیں: غالب الہی بخش خاں معروف کا غیر مطبوعہ کلام، غالب اور سرسید محمد خاں

غالب اور عیاض، لغات، غالب سے معاصرین کی ادبی چیز بھڑا، غالب اور مارہرو، غالب کے چند شاگرد، غالب اور دہل کھنڈ، مطاببات غالب، قطعات تاریخ انتقال مرزا غالب، یہ مضامین غالبیہ میں مفید اور وقیع اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں، ان مضامین سے نہ صرف یہ کہ غالبیات بلکہ کلاسیک ادب کی تاریخ و تہذیب کے چند باب بھی واضح ہوتے ہیں، تعارف ڈاکٹر طبعین الدین قصیل نے لکھا ہے، ۱۹۸۲ء میں کراچی سے شایع ہوئی،

۸۔ کاروانِ رقتہ: چھبیس شخص اور سو انجی مضامین پر مشتمل ہے، یہ مضامین مرحومین سے متعلق ہیں، جن میں علمی و ادبی اور مذہبی شخصیات شامل ہیں، ۱۹۸۳ء میں مکتبہ اسلوب کراچی سے شایع ہوئی، دیباچہ جناب مشفق خواجہ نے لکھا ہے،

ترجمے | ۱۔ تذکرہ علمائے ہند: جناب مولانا رحمان علی صاحب کی تصنیف ہے، اس کا ترجمہ ۱۹۶۶ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے شایع کیا،

۲۔ مجموعہ وصایا اربعہ: حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے، اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے ۱۹۶۲ء میں شایع ہوا،

۳۔ آثار الامراء: مصمصام الدولہ شاہ نواز خاں کی تصنیف کردہ تین جلدوں کا ترجمہ مرکزی اردو بورڈ لاہور سے بالترتیب ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۰ء میں شایع ہوا، یہ ترجمے قادری رحیم کی محنت و صلاحیت کے غماز ہیں، تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب کی طرف متوجہ ہونا اور پھر فارسی سے اردو کا جامہ پہنانا ان ہی کا حصہ تھا،

۴۔ فرحت الناطقین: محمد اسلم انصاری پسر وی کی کتاب کا ترجمہ ۱۹۷۲ء میں شایع ہوا،

۵۔ سیر العارفین: شیخ فضل اللہ جالی کی مشہور تصنیف ہے، اس کا ترجمہ ۱۹۷۶ء

میں اشاعت پذیر ہوا،

یتیم و حواشی | حسب ذیل کتابوں کو مرتب کیا، امدان پر حواشی لکھے :

(۱) علم و عمل (وقایع عبدالقادر قانی جلد دوم) (وقایع عبدالقادر قانی) (۳۰) تواریخ عجیب
رف کا لاپانی (محمد جعفر تھانیسری) (۴) عمدہ نگارش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ (تاریخ فرخ آباد)
نولہ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (۵) مقالات یوم عالمگیر (۶) تذکرہ نوری (مفصل حالات
بہسین نوری اور ہمدی) (۷) مرقع شبابی (حالات مفتی انتظام اللہ شہابی) (۸) جنگ نامہ
اصف الدولہ نواب رامپور (خلیفہ محمد معظم عباسی)

ان کاوشوں کے علاوہ بعض کتابوں میں وہ شریک مؤلف بھی رہے ہیں، اس قسم کی کتابوں
میں ”خط و خطاطی“ علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں“ اور نقوش سیرت“ خاص اہمیت رکھتی ہیں،
ان مستقل تصنیفات و تالیفات کے علاوہ انہوں نے تقریباً ڈھائی سو سے زیادہ علمی و تحقیقی
مقالے لکھے، جو ہندوپاک کے معیاری رسائل میں شائع ہوئے، تقریباً تیس کتابوں پر مقدمے لکھے،
علمی و ادبی صحافت میں بھی ان کا دخل رہا، سماجی بصائر (گراچی) کے اعزازی مدیر اور
ماہنامہ سرحد کے نگراں رہے، اردو کالج گراچی کے مجلہ ”برگ گل“ کے بھی ایک عرصہ تک نگراں
رہے، ان کی نگرائی میں اس مجلہ کے کئی اہم نمبر شائع ہوئے، سرسید نمبر، تعلیمی پالیسی نمبر، قائد اعظم نمبر
محمد علی جوہر نمبر وغیرہ، ”اعلم“ گراچی کا غالب نمبر بھی انہوں نے ترتیب دیا تھا، یہ تمام کام انہیں
گواہی کا سراپہ ہیں، لیکن مستقبل کے لیے یہ ایک ورثہ کے طور پر محفوظ رکھی جاسکتی ہیں،
راقم الحروف کے ان سے بڑے تعلقات تھے، اکثر خط و کتابت رہتی تھی، خططیں اپنی
سرگرمیوں پر بھی کبھی کبھی روشنی ڈال دیتے تھے، چنانچہ سلسلہ میں انہوں نے مجھے لکھا،
”مغلیہ عہد کے ایک مودخ نظام الدین احمد بخش کی مضمین تاریخ طبقات اکبری“
سے عنقریب تاریخ خواہوں، مرکزی اردو بورڈ لاہور اسے شائع کر لیا۔“

ایک اور خط میں تحریر کیا تھا کہ غزنوی حمد کے ایک عربی نثر و قبیلتہ بعلم
پل رہی ہے خدا کرے کہ یہ کتابیں بھی جلد شایع ہوں۔

قادری مرحوم نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ غالباً اشاعت کے لیے زندگی
پبلشر کے سپرد کر دیا ہوگا۔ اس کا موضوع ”اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ“ رشتہ
تک تھا۔ اس کے متعلق انہوں نے اپنے ایک اخباری انٹرویو میں بتایا کہ اردو نثر کی
فہم و لیم کا کج سے شروع ہوتی ہے، پھر اس کے بعد غلطو غالب کا ذکر آتا ہے۔
اس کے بعد عصر۱۷ میں نثر کا سلسلہ شروع ہوا، جس کو سر سید احمد خا
بخشی، فہم و لیم کا کج اور غالب کے درمیانی دور میں اردو نثر پر کافی کام ہوا، اس دور
دنیوی تعلیم کی حدود آج کی طرح علم و نہ نہیں تھیں، اس لیے علماء نے اس میدان میں خا
اور علماء کی تصانیف نے اردو نثر کے دامن کو فاصلہ لالہ کیا، مگر سوئے اتفاق کہ ادبی
علماء کے کام کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، وہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے فوراً
ابتدا کرتے ہیں، اور پھر غالب سے جست لگا کر سر سید احمد خاں پر پہنچ جاتے ہیں، اور
کی کمانت کی تاریخ اس مثلث پر قائم ہے، اسی بنا پر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ علماء کی نثری
اس اعتبار سے جائزہ لینا چاہیے، چنانچہ میں نے اس موضوع پر مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ علماء
کے میدان میں اتنی ہی توفیق کا رنا سے سر انجام دیے ہیں، اور میرے خیال کے برعکس یہ میا
وسیع معلوم ہوا، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شیخ مراد علی سبکی کی تصنیف ”تذکرۃ
۱۷۱۷ء کی تالیف“ اور وہ اردو نثر کا سہل اور سلیس نمونہ ہے،

۱۷۱۷ء غالب سوکات ہے، کیونکہ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ غالب کی خطبہ نگاری کا آغاز
ہوتا ہے، اور قادری مرحوم اس سے واقف نہ ہوں گے، و اللہ اعلم۔ شمس بیابانی۔

مقتدی ہیں، کیا کسی علمائے کی ایک سو باون تصانیف میری تحقیق کا موضوع رہی ہیں، جن میں سے پچاس غلطی کتابیں، بقیہ مطبوعہ کتابیں (جو گرچہ نایاب نہیں تو کیا ب خود ہیں) ہیں، یہ معاملہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، اس کا پہلا باب شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادگان ان کے ہم عصر علمائے کی تصانیف سے متعلق ہے، اس باب میں آٹھ علمائے کی گیارہ تصانیف ہیں، ان میں شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین، اور حکیم شریف خاں کا نام تو ادبی تاریخ میں مل جاتا ہے، باقی حضرات کے نام اودان کی تصانیف انکشاف کی حیثیت رکھتی ہیں،

دوسرے اہد تیسرے باب میں سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے شری کارناموں کا جائزہ لیا گیا، سید احمد شہید کو ہم نے اردو نثر کے مصنف کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے، سید صاحب کے رفقاء میں مولوی سید عبداللہ بن بہادر علی حسینی کی علمی سرگرمیوں کا خاص حصہ سے تعارف کرایا ہے کہ انھوں نے کلکتہ میں مطبع احمدی قائم کر کے اردو زبان کی نشر و اشاعت کا بڑا کام کیا۔ ان دونوں ابواب میں چودہ علمائے کی سینتالیس تصانیف پر انھما خیال ہے، ان میں تقویۃ اور تنبیہ الغافلین کا تو ادبی تاریخ میں ذکر ملتا ہے، باقی مصنفین اور کتابیں ایک نوع سے پہلی مرتبہ متعارف ہوئی ہیں،

چوتھا باب شاہ اسحق دہلوی کے تلامذہ اور رفقاء کی تصنیفات پر مشتمل ہے، اس میں تیسروں علمائے کی پچیس کتابوں پر بحث کی گئی ہے، ان میں مفتی صدر الدین آزاد، نواب قطب الدین خاں مفتی عنایت احمد، شاہ احمد سعید، مولوی محمد شاہ اور قاری عبدالرحمن جیسے علمائے حکیم نعم اللہ خاں دھمال، نعم علی ممدو جیسے شاعر اور مولوی شیخ عبداللہ جیسے مبلغ شامل ہیں،

پانچواں اور چھٹا باب علمائے ردِ ہند کی تصنیفات کے جائزہ پر مشتمل ہے، ان دونوں ابواب میں پچیس علمائے کی پانچ تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے، اس جائزہ میں سید شاہ حقانی کی

”تفسیر حقایق“ کے تالیف پر، اسی طرح مولوی شاہ عبد المجید بدایونی نے ”سیرت رسول“ پر ایک کتاب ”محافل المآلہ“ اردو میں سب سے پہلے لکھی۔
ساتواں باب علامہ اودھ کی علمی کاوشوں پر مشتمل ہے، ان میں تیرہ علماء کی شہرہ و نام کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

آٹھویں اور آخری باب میں بنگال اور بہار کے علماء کی کتابوں کو متعارف کرایا گیا ہے
باب میں چھ علماء کی گیارہ تصانیف پر اظہار خیال کیا گیا ہے،

حیاتِ شبلی

یہ کتاب محض علامہ شبلی مرحوم کی سادہ سوانح عمری ہی نہیں ہے، بلکہ ان کی وفات تک ہندوستان کی مذہبی، علمی، تعلیمی اور اصلاحی اور ان کے دور کی ادبیت سے متحرکوں اور ان کی مفصل تاریخ ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، ادبیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی خدمات پر تبصرہ ہے، اس کے بعد مقدمہ ہے، جس میں ہندوستان کے علمی و فکری سلاطین کے عہد سے انگریزی حکومت کے آغاز تک موصلاً گرد و اودھ خصوصاً اسکے شمالی اضلاع بنارس، غازیپور، جوینو، اعظم گڑھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کے ساتھ ہر دور کے ارباب فضل و کمال اور اصحابِ درس و تہذیب مثلاً علامہ فضل جوینوسی، دیوان عبدالرشید، محمود جوینوسی صاحب شمس باز، مولانا کریم علی حقانی، محمد فیض غازیپوری، مولانا سخاوت علی جوینوری، اور ان کے مشہور تلامذہ وغیرہ کے حالات و سوانح ان کے علمی کارنامے بڑی تلاش و جستجو اور تذکرہ و تاریخ کی کتابوں کے ہزاروں صفحات کچھ مطالعہ کے بعد کیے گئے ہیں، جس کی صفحات مع مقدمہ، دیباچہ اور مرثیہ اور قطعاتِ تاریخ کے (۸۵۰) صفحے ہیں،
مؤلفہ: مولانا سید جان ندوی، قیمت ۸۴ روپیہ۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی عمر

۱۸

جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

حضرت سلمان فارسیؓ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں ممتاز قبلاً و ذہلاً ہیں۔ ان کے بڑے مناقب و فضائل ہیں، قارس کے مقام اصغر ان یا امام ہر جن، یا جے کے رہنے والے تھے، صحیح دین کی تلاش و طلب میں مدتوں سرگرداں رہے، مختلف دیار و اصعار کا چکر کاٹا، متعدد بار غلام بنائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر مسلمان ہو گئے، غلامی کی وجہ سے ابتدائی خردت میں شریک نہ ہو سکے، حتیٰ کہ عہد میں پہلی بار خود خندق میں شریک ہوئے، اس کے بعد عسکریات کے تمام خردات میں حصہ لیتے رہے، عہد قاروتی میں عراق و مدائن وغیرہ کی فتوحات میں بھی برابر شریک رہے، آخر میں مدائن کے قاضی اور والی بنائے گئے، اور اسی دور میں وہیں سلسلہ کے تخریبات سے کی ابتداء میں استعمال کیا، بعض مورخین نے ان کی وفات ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں بتائی ہے۔

حضرت سلمانؓ کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے یعنی وہ طویل العمر صحابہ میں سے ہیں، مام طوے تو خیرین و خیرین کے یہاں سے سوا سو، اور ڈیڑھ سو سال تک کے عمر دار لوگوں پر نعمت کا اطلاق ہوتا ہے، بعد میں ایک بن گئے بغیر کچھ سندھ جملہ کے بتایا کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ تیس سو سال تک زندہ رہے اور ان کے ڈھائی سو سال تک زندہ رہنے میں تو شک ہی نہیں ہے، ان کے بعد آنے والے تقریباً تمام مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں نے حضرت سلمانؓ کے ذکر میں اس قول کو باقاعدہ نقل کر دیا، حتیٰ کہ انھوں نے صدی میں امام ذہبیؒ نے حضرت سلمانؓ کی عمر تحقیق کے صورت اتنی سال بتائی، اور نویں صدی میں مالکی جرج نے امام ذہبیؒ کے اس قول کو باندھ کر ساڑھے تین سو، یا ڈھائی سو سال والے قول کی صحت کا انکار کیا۔

ترقی یافت اور کجی کے طور پر ظاہر کیا۔

۱۶ میں سین میں مذکور بالا باتوں کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اور آخر میں اپنی رائے پیش کریں گے، اہل علم سے اس بارے میں مزید تحقیق کی گزارش ہے

ابن سعد متوفی ۲۴۰ھ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات محمد عثمانی میں مدائن میں بتائی ہے، اور ان کی عمر کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے

خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے ان کی وفات ۲۳۹ھ میں لکھی ہے، عمر کے متعلق کوئی بات نہیں لکھی ہے، امام بخاری متوفی ۲۵۵ھ نے نہ سنہ وفات بتایا ہے اور نہ ہی عمر کے بارے میں کچھ لکھا ہے، ابن قتیبہ متوفی ۲۶۹ھ پہلے موتخ ہیں، جنہوں نے حضرت سلمانؓ کو طویل العمر بتایا ہے، اور دوام طور سے ان کی درازی عمر کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

حضرت سلمانؓ نے طویل عمر پائی اور خلافت عثمانی کی ابتداء میں فوت ہوئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ خلافت فاروقی میں فوت ہوئے،

ہمارے علم میں علامہ ابن قتیبہؒ پہلے موتخ اور تذکرہ نگار ہیں، جنہوں نے حضرت سلمانؓ کو طویل عمر بتایا ہے، ابن ابی حاتم متوفی ۲۴۳ھ نے امام بخاریؒ کی طرح ان کے سنہ وفات اور عمر کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے، ابن عبد البر اندلسی متوفی ۴۶۳ھ نے حضرت سلمانؓ کی عمر کے سلسلے میں کچھ نہیں لکھا، مذکورہ بالا ان تمام قدیم وثقہ محدثین اور مستند مؤرخین میں سے کسی نے حضرت سلمانؓ کی درازی عمر کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، حالانکہ ان کی وفات کے امتداد میں کو مفصل بیان کیا ہے، البتہ ان میں ابن قتیبہؒ نے ان کی طولانی عمر کی پہلی بار تصریح کی ہے، مگر اس کی مدت بیان نہیں کی ہے،

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۳۱۹، بیروت، ۲۔ تاریخ خلیفہ ج ۱، ص ۱۷۱، ۳۔ تاریخ کبیر ج ۲، قسم ۲، ص ۱۳۶، ۴۔ المطالع ص ۱۱، ۵۔ البحر والقیل ج ۲، قسم ۱، ص ۲۹۶، ۶۔ الاستیعاب ج ۲، ص ۴۷۷،

بعد کے مدعوں اور ان کے واسطے کہ اس میں خطیب بغدادی کے بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت

کی عمر کے بارے میں ایک نقل کیا ہے، مگر اس پر کوئی نقد و نظر نہیں کی بلکہ اس کے آخر میں ”وکان من
المعتبرین“ کہہ کر گویا اس قول کی تضعیف کر دی جیسا کہ ان کے شیخ حافظ ابو نعیم اصفہانی کا یہی قول
ہے، ہم یہاں خطیب بغدادی کا پورا بیان پیش کرتے ہیں

”جعفر بن احمد بن فارس کا بیان ہے کہ میں نے عباس بن یزید کو محمد بن نعمان سے یہ کہتے ہوئے
سنا ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے اور ڈھائی
سو سال میں شک ہی نہیں کرتے ہیں، وہ ستم ترین میں سے تھے، کہا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت
عیسیٰؑ کے وحی کا زمانہ پایا تھا، اور وہ لگے پچھلے ادیان کے عالم تھے اور انھوں نے دونوں کتابیں
(انجیل اور قرآن) پڑھی تھیں“

عباس بن یزید کو بزرگ ہیں، یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا، خطیب بغدادی نے حافظ ابو نعیم
عباس بن یزید بن ابو حبیب بخرانی متوفی ۳۵۷ھ کا ذکر کیا ہے جو عباسویہ کے لقب سے مشہور ہیں،
اور یحییٰ بن سعید القطان اور ابن عیینہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، یہ صاحب تصانیف کثیرہ محدث ہیں
ان کے بارے میں دارقطنی کا قول ہے کہ تکلموا فیہ (محدثین نے ان کی ثقاہت میں کلام کیا ہے)،
ان ہی کا دوسرا قول ہے وہ ثقہ امین ہیں، انھوں نے اصفہان، بغداد، ہمدان اور سمرامین حد
کا درس دیا ہے، حافظ محمد بن اسحاق مسوقی اصفہانی کا بیان ہے کہ میں طلب حدیث کے لئے بصرہ
گیا تو وہاں کے محدثین نے کہا کہ تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا طلب حدیث کے لئے، انھوں نے
کہا تمہارے یہاں (اصفہان میں) عباس بن یزید بخرانی ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس پر انھوں نے کہا
کہ تب تم ہمارے یہاں رہ کر کیا کر سکتے ہو؟ ہو سکتا ہے کہ یہی عباس بن یزید ہوں جن کا یہ قول حضرت

سلمانؓ کے بارے میں جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے بعض میں بھی نقل کیا گیا ہے۔
یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ نے اسے تقریباً سب سے زیادہ کہہ دیا ہے۔
چنانچہ ابن جریر متوفی ۵۴۰ھ نے معۃ الصفوة میں لکھا ہے:-

”علاء بن ریحان نے کہا ہے کہ حضرت سلمانؓ متوفی میں سے تھے، حضرت عیسیٰؑ کے دو گانا زاد
پایا تھا، اور اٹھائی سو سال تک زندہ رہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ مدت
زندہ رہے۔“

ابن اثیر جزیری متوفی ۷۰۰ھ نے قال العباس بن یزید: قال اهل العلم مکرری
قول نقل کیا ہے اور اس کے بعد حاتم الباقیم کا قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ متوفی میں سے تھے اسی
کے ساتھ یہ قال مکرر لکھا ہے کہ انھوں نے خود حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے، جب کہ
خطیب اور ابن جوزی نے بھی عیسیٰ کا نام لیا ہے۔

مالف ابن جریر متوفی ۵۴۰ھ نے تہذیب التہذیب میں ابوہریرہؓ کے حوالے سے عباس بن یزید
کا حرف قول نقل کر دیا ہے، اور اس کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔ مگر اصحاب میں کراختہ اس کو
محکم بتایا ہے، پہلے انھوں نے اہم ذہبی متوفی ۵۴۰ھ کی یہ تحقیق پیش کی ہے،
”ذہبی نے کہا ہے کہ میں نے حضرت سلمانؓ کے سوا کسی کے متعلق تمام اقوال دیکھے ہیں، ان سب سے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر اٹھائی سو سال سے تجاوز تھی، اور اختلاف اس سے زائد میں
ہے، پھر تحقیق کے بعد میں نے اس سے رجوع کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ان کی عمر اسی سال سے
زیادہ نہیں تھی۔“

پھر اس قول پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی ہے اپنے اس قول کی بنیاد اور سند نہیں بیان کی ہے میرا خیال ہے کہ اس قول کی وجہ حضرت سلمانؓ کی وصال نبوی کے بعد فتوحات میں شرکت اور قبلیہ کے ایک بھرتے شادی و دیہوتہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی زندگی میں تھا اور کتاب و توان کی کچھ قدیریں باقی تھیں، لیکن اگر اس کی مدد کی عمر کا قول ثابت ہوگا تو یہ ان کے حق میں کرامت ہوگی، اور اس کے ثبوت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ اہل بیتؑ نے طبقات الامم میں میں عباس بن یزید سے روایت کی ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہا اور ڈھائی سو سال میں تو شک ہی نہیں کہتے ہیں؟

مذکورہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تیسری صدی تک حضرت سلمانؓ فارسیؓ کی دہائی عمر کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی ہے، ابن سعد، خطیب بن خیاط، امام بخاری، ابن ابی حاتم رازی، ابن عبد البر اندلسی، عماد نے ان کے حالات میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت سلمانؓ کو طویل عمر دی گئی تھی، ابن تمام ائمہ حدیث و تاریخ اور علمائے اہل روایت کے مقابلہ میں خطیب بغدادی نے ایک عالم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے اور ڈھائی سو سال میں تو شک ہی نہیں ہے خطیب کے بعد امام مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں اس قول کو نقل کر کے خاموشی اختیار کی، اکثر نے اسی کے ساتھ "وکان سلمان من المعمرین" لکھ دیا، اور مذکورہ روایت پر نقد و نظر کے لئے آنا ہی کافی سمجھا، ان میں صرف امام ذہبیؒ نے اس بارے میں تحقیق و تلاش سے کام لیا اور ان کی عمر صرف اسی سال بتائی ساڑھے تین سو سال یا ڈھائی سو سال والی روایت بوجہ قابل نظر ہے، تین چار صدی گزرنے کے بعد ایک عالم دھندلنے اپنے ایک دوست یا تلمیذ سے یہ بات کہی جسے ایک راوی نے سنا اور اس کی روایت کی، عباس بن یزید، محمد بن نعمان اور جعفر بن احمد بن قاسم کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشرین ہیں

ان کا کیا مقام مرتبہ ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اس قول کی سند قابل اہل العلم یا اہل العلم کا ہونا
 (اہل علم نے کہا ہے، یا اہل علم کہتے ہیں) بالکل بھول دیر مستند ہے، اتنی بڑی اور اہم بات کہنے والے
 اہل علم کے نام، حالات اور مبلغ علم کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس بارے میں دلائل گویا کا انداز غیر خیر
 ہے، پھر اس قول کا انداز بھی غیر ذمہ دارانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے جیسے ان اہل علم کو اپنے قول پر خود اعتماد
 نہیں ہے، اور ساڑھے تین سو سال کہہ کر فوراً ہی گھٹا کر ڈھائی سو کر دیا اور اس کو شک و شبہ سے
 بالاتر بتایا، حالانکہ کھلے طور سے ڈھائی سو سال میں کمی زیادتی کا احتمال ہے، کیونکہ حضرت سلمان کی وفات
 ۳۳۵ھ، ۳۳۶ھ، ۳۳۷ھ، ۳۳۸ھ، ۳۳۹ھ میں سے کسی ایک میں بتائی گئی ہے،

ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں حضرت سلمانؓ کا صرف نام لیا ہے، نہ ان کا سنہ وفات
 لکھا ہے اور نہ ہی عمر کے متعلق کچھ لکھا ہے، مگر عیا کہ ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے، انھوں نے اپنی تحقیق
 سے حضرت سلمانؓ کی عمر صرف اتنی سال بتائی ہے، اور حافظ ابن حجر نے اسی سے اختلاف کرتے ہوئے
 اسے بے سند بتایا ہے، حالانکہ اس کی سند میں وہی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کو ابن حجر نے اپنے خیال
 کے مطابق نقل کیا ہے، کیونکہ ڈھائی سو سال کی عمر میں فتومات میں شرکت اور نکاح کوئی معنی نہیں
 رکھتا ہے، وصال نبویؐ کے بعد ان میں اتنی طاقت و توانائی تھی کہ وہ ان کاموں سے بخوبی عذر برا
 ہوتے تھے، ہمارے خیال میں ذہبیؒ کے یہ دلائل عباس بن یزید کی دلیل، قال اہل العلم سے زیادہ
 قوی ہیں جس کو حافظ ابن حجرؒ نے کراہت زیادتی عمر کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ
 کلام ذہبیؒ کا قول اس سلسلہ میں قول فیصل ہے، بلکہ اس سے بھی اختلاف کی گنجائش ہے، امت عمر
 کی تعیین کے بغیر حضرت سلمانؓ کو سترین میں شمار کرنا احوط ہے جس کا اطلاق سو سال یا اس سے دائرہ دو گوں پر ہوتا
 ہے، صاحب مشکوٰۃ نے الکمال میں وکان من المعمرین لکھ کر قیل کے بعد ڈھائی سو سال اور ساڑھے تین
 سو سال لکھا ہے، اور اول الذکر کو بلا دلیل اصح بتایا ہے،

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم

ان

جناب شیخ نذیر حسین، مدیر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
معارف (مارچ ۱۹۵۷ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم
پر ایک مذاکرے کی کارروائی پڑھنے کا اتفاق ہوا، چونکہ مجھے بھی درس نظامی کی بعض چھوٹی اور بڑی
کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، اس لئے میری گزارشات بھی پیش خدمت ہیں،

جہاں تک تبدیلی نصاب کا تعلق ہے، میری اقصائے میں قرآن مجید اور صحاح ستہ کا متن قائم
قیامت شامل نصاب ہے گا، ان کو مستثنیٰ کر کے باقی سب مضامین اور کتابوں میں تبدیلی کی گنجائش ہے
ان کے علاوہ فقہ میں ہدایہ نہایت جامع اور مفید ہے اور ہدیوں سے دینی مدارس کے نصاب کا جزو اعظم
بنی ہوئی ہے، ادب کی تعلیم کے لئے دیوان احکامہ ضروری ہے، قرآن مجید کے ادبی اور اعجازی محاسن کی
تفہیم و تعلیم کے لئے دلائل الاعجاز (عبد القادر الجرجانی) بے نظیر ہے جو کہ رد علی شامی کے الفاظ میں صحیفۃ
من ادب العالی (ادبی شاہکار) ہے، اسی طرح اسرار شریعت میں شاہ ولی اللہ کی جرحۃ اللہ البانۃ لاثانی
ہے، مومنوالذکر دونوں کتابیں ندوہ کے نصاب تعلیم کی اہم الامتیاز کتابیں ہیں، لہذا ان کو بھی نصاب
میں شامل رہنا چاہئے،

درس نظامی میں غیر اہم اور ناقابل لحاظ مضمون علم التفسیر رہا ہے، جس میں صرف دو کتابیں جلالین
اور بیضاوی شامل نصاب ہیں، جلالین کے الفاظ قرآن مجید کے الفاظ کے برابر ہیں جبکہ تفسیر بیضاوی
کے دھاتی پاسے پڑھائے جاتے ہیں، ہمارے ہاں (پاکستان) تو جلالین کے بعد بیضاوی کا صرف ایک

ادارہ تبرک کے طور پر چھایا جاتا ہے اور اس کا ایک مکتبہ دوسرے اداروں تک قسیر میں ملک شکر آباد
کتاب پڑھائی جاتی تھیں،

حدیث کی تعلیم حاجتی مسجد کے تحت دی جاتی ہے اور وہ بھی سرسری، درس حدیث میں مقلد
فی نفسی مسائل (آئین مدنیہ) اور رکعت تراویح و جمعہ کی تعداد کی تفہیم میں کئی کئی دن بحث ہوتی رہتی
جیکہ اخلاقی مباحث کا سرسری ذکر ہوتا ہے، اس کے علاوہ میری تجویز ہے کہ حدیث کی جو بھی کتاب پڑھائی جائے
وہ کامل اور پوری پڑھائی جائے تاکہ حریر کی طرح مختلف کتب حدیث سے مختلف ابواب منتخب کر کے ان کا
تعلیم نہ دی جائے، حدیث کے بونی اصولوں پر شاید کسی کی نظر پڑتی ہو تاکہ ایک خوب دہانے عربی زبان کا
دہانے کے لئے حدیث کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا ہے، مشورہ ادیب اور نقاد ادیب خلیا، الدین، ابی الاثیر
امثل اس آئین کے ہے کہ اس نے صرف مکتبہ اشاعت کے لئے صحاح ستہ کا دس برس تک لگاتار
کیا ہے، کردلی شامی نے نہ کرات میں اپنی انشاپر حاضری کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس نے لایہ تہذیب کے
معمین (جماری و سلم) کا بار مطالعہ کیا ہے،

اگر قدیم فلسفہ کی ایک آدھ معیاری کتاب (مثلاً امام غزالی کی مقادیر الفلاسفہ) شامل فہرست
ہے تو مضائقہ نہ ہوگا۔

عربی صرف و نحو کی تعلیم میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔ اب عربی قواعد سیکھنے کے لئے فارسی کتب اور
تقریر مضمون لکھ کر اعلیٰ علم العینہ ہند سب ہیں آج کو نو نظریں پیشتر مولوی و جلالہ فریزمین مرحوم نے ادب اللہ
حوالہ کیا ہے کچھ مضمون غزن (اور وہیں کہ اتصال کتب و نحو کے بارے میں ان کا کچھ تاشات کا حوالہ دیا
مجھے اپنے ملک کے نصاب تعلیم پر بھی کچھ کتاب ہے، سو میں کے دیتا ہوں، بلا دعوے میں صرف
و نحو کی تعلیم کے لئے ہندوستان کے کتابیں مفید ہیں۔ جبرو میہ، لایہ لافعل، ابی جلیل
شرح الفیہ قطر منیٰ یا شند و رالذہب، اور اگر کسی کو خاص شوق ہو تو اتویح لابن

پیشہ و مضمونِ تعلیم، بسم اللہ! کیا خوب اور سادہ کتابیں ہیں، صاف الفاظ میں تو
 سمجھا کر مثالوں میں ان کو رواں کر دیتی ہیں، جو کو کا اصل مقصد تھا، مگر ہمارے یہاں
 تو جو ناموں کی موٹنگیاں، بسم اللہ کی غیر متناہی ترکیب، کافیہ کے جملہ الکلمۃ لفظ
 و وضع معنی مفرد، میں مفرد کے صورت گانہ، مسئلہ الکحل، مسئلہ الحسن الوجہ
 پھر شرح جامی کا مسئلہ حاصل و معقول جو در حقیقت علمِ خوبی سے کچھ سروکار نہیں
 رکھتا، اعتراضات حقہ رضی بر کافیہ، جوابات بارہ مولوی جامی، یہ سب نیکو کے اٹھنا
 رتبہ قرار دیئے گئے ہیں، جن کو اصل نیکو کچھ ایسی غائب ہو گئی کہ سات آٹھ سال تک بھی
 طالب علم کو اس کا سراغ نہیں ملتا، پھر اب ایسا غوجی سے قاضی مبارک علیہ السلام شخصِ باذ
 تک تقریباً ان تیس درسی کتابوں کا ذکر کیجے جو قریباً ہر گرانمایہ کے چھ سات سال لیتی ہیں او
 طالب علم کو اس قابل بنادیتی ہیں، کہ کسی کا کمانہ مانے، اور ہر بات میں بال کی کھال نکلنے کی کوشش
 کہے اور اپنی زندگی کا حاصل اور ساعی غیر مشکور کا محصول انہی چند اعتراضوں یا جوابوں
 کو گردانے جو اس نے اپنے اساتذ یا کتاب کے برخلاف نہایت دقت آفرینی و دماغ سازی سے

(مخزنِ حوالہ ۱۹۲۰ء)

تیار کئے ہیں۔

مولانا مین مرحوم و مغفور نے یہ تاثرات آج سے چونتیس برس قبل لکھے تھے، میرا آج بھی یہ تجربہ اور
 شاید ہے کہ ہمارے یہاں کے نوے فی صد فارغ التحصیل طلبہ عربی کی عبارت کو صحت و اعراب کے ساتھ
 نہیں پڑھ سکتے، ایک طالب علم متنبی کا دیوان پڑھ لیتا ہے، لیکن اُس کو پتا نہیں چلتا کہ متنبی کون تھا، اور اُس
 کا کیا نام تھا، اُس کے کلام پر نقد و تبصرہ تو ادنیٰ بات ہے،

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے عربی میڈرین لکھو اگر قابلِ تحسین کا نامہ انجام دیا ہے، ان میں مولانا محمد راجہ ندو

کی مشورات ثانوی درجات میں عربی ادب کی تعلیم کے لئے نہایت مفید ہے۔ اگر اس کتاب میں چند صفحات عربی

اسلامیہ دیوانہ، اسلامیہ دینان اہم شاعری اور کتاب الادب (حاشہ) کے بھی شامل کرنے جائیں تو یہ کتاب جامع اور مفید تر ثابت ہو سکتی ہے۔

اس زمانے میں عربی میں تقریر و تحریر کی اہلیت اور ضرورت واضح ہے، لیکن ہماری غرض مقصود تفسیر، حدیث اور فقہ میں معرفت اور مہارت ہونی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے بیروت کے صیائی ایڈیٹور و ادب (ابراہیم یازجی، لوئیس شیخو اور لوئیس معلوف اور میٹائل فیم کو کسبی اہمیت نہیں دی، پہلے یہاں تو مفتی محمد عبدہ، سید محمد رشید رضا، قاضی احمد محمد شاگر، اور دوسرے علماء ہی مقبول و محترم رہے ہیں عربی کا دامن قیام قیامت تک اس کام بند حاشہ کا، جس سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ بڑے طلبہ کو عربی اخبارات و رسائل میں ضرورت سے زیادہ انماک کے بجائے علوم اسلامیہ کی اہمات کتب، یعنی حقیقی مصادر و مآخذ سے متعارف کرایا جائے اور ان میں علمی تحقیق کا شوق پیدا کیا جائے،

سائنسی معلومات کی ضرورت جتنی آج ہے، اس سے پیشتر کبھی نہ تھی، اس لئے طلبہ کو علوم روز *day Science* سے بھی واقف کرانا ضروری ہے، یعنی وہ سائنسی معلومات بھی کہ روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

عربی کی اعلیٰ تعلیم صرف ان طلبہ کو دی جائے جو اس کے اہل و قابل ہوں، عام طلبہ کو قرآن مجید کا ترجمہ، مشکوٰۃ اور ایک دو فقہی کتابیں پڑھا کر فارغ کر دیا جائے، ہنگامی کے اس دور میں بدشوق اور کند ذہن طلبہ کی بھیر لگانی بے سود ہے، کت ابی تعلیم دینے کے علاوہ طلبہ کو تہذیب نفس کی تعلیم دی جائے انہیں سادہ زندگی، قناعت، سیر شہری اور محنت و مشقت کا مادی بنایا جائے اور انہیں سیاسی جلوں اور جلوں میں شرکت سے روکا جائے، آخر میں ایک اور ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں، یعنی ہر مینے میں ایک دو بار بڑے طالب علموں کو مدرسہ کے گرد و فواح کے موضوعات اور قصبات میں بھیجا جائے تاکہ وہ اپنے بے علم مسلمان بھائیوں کو موٹے موٹے فقہی مسائل سے واقف کرائیں،

جسے بھی زیادہ دنوں کے لئے نہیں روکے، مدد اس میں مشفق کام کرتے رہے، اور وہ اس کے لوگوں نے ان کی علمی صلاحیتوں سے پورا استفادہ کیا،

اسلام میں دارالاضفیہیں پھر چلنے لگے، اس وقت تک ان کے علم میں بڑی وسعت اور گہرائی پیدا ہو چکی تھی جس کو موضوع پر لکھنے والوں پر اپنی غیر معمولی علمی ترقی، ادبی اور مذہبی مشغولیت کا گہرا اثر پیدا کرتے، بعض اوقات جی چاہتا کہ وہ بولتے رہتے اور ہم لوگ سنے رہتے، ان کی گفتگوئیں قلم بند کر لی جاتیں تو وہ بڑی جواہر رہنے پہنچتے وہ اپنے مالی انصاف کو بڑی خوبی سے بولتے وقت یاد کر دیتے اور اس کے لئے ان کے پاس، الفاظ کے ہر طرح کے ہونے، لیکن یہ قلم و فن کی بڑی عروسی رہی کہ جب وہ کسی موضوع پر لکھنے بیٹھے تو لکھتے چلے جاتے، اور ان کے قلم کی روانی کیسے نہیں رکھی، یہاں تک کہ ایک موضوع پر دو ڈھائی سو صفحے تک لکھ جاتے جس میں اپنی بڑی پناہ معلوم ہوتا بنا پر موضوع سے ہٹ کر بہت سی غیر متعلق باتیں آجاتیں، وہ جو کچھ لکھتے اس سے خوب مطمئن رہتے، پھر اس میں کھنڈ چھانٹ کر لکھتے، یہ لکھ کے اپنے دو ساتھیوں کی تحریروں کو چاہیں یا اس مضمون میں قلم بند کر دیتے یہ اختصار بھی ان پر نہ آتا اور طویل لکھتے کہ یہ اتنا مختصر ہو گیا کہ بہت سی مفید باتیں اس میں نہیں آسکیں، اس سے بد دل ہو کر ان مضمون کو ادھر ادھر ڈال دیتے جو بعد میں تلاش کئے تو ان کو خود نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کہاں لکھے ہوئے ہیں اس طرح معلوم نہیں ان کی کتنی علمی تحریروں ضائع ہو گئیں دارالاضفیہ کے قیام میں کبھی ایسا بھی موقع آیا کہ وہ جو کچھ لکھتے ان کو یکسر پتہ مرتب کر دیا جاتا اور وہ معارف میں شائع ہو جاتا، ان کے ذہن کی اس منتظر پندی اور قلم سبکے پناہ کا وہ پن کی وہ کسی موضوع پر کوئی خاص کتاب نہ لکھ سکے، لیکن ان کی جو بھی تحریر معارف میں شائع ہوتی، اس پر اہل فن کی ضرورت اٹھتی معارف میں ان کے ایک مضمون کو پڑھ کر پیرس ڈاکٹر محمد رشید نے لکھ بھیجا تھا کہ دارالاضفیہ کے علمی افروز پر یہ کمالیہ درخشندہ ستارہ بطور ہوا ہے،

دارالاضفیہ کے دوبارہ قیام کے زمانہ میں معاذ میں ان کی حسیں بل تحریروں میں بھی مشرقی المار کا ذکر آتا ہے (نمبر ۳۹۳، ۱۰۰ حدیث ماثوما (اگست ۱۹۸۳ء) ۳) تو ان کا دل جو لانی شمس کے بار بار لکھ لکھتے شمس دارالاضفیہ

اسامی کے لائی سسٹم حضرت ابوبٹاگت و تبریکت ہنگ شلم اکتوبر ۱۹۱۷ء تاریخ پیم کی ایک سٹوکیو
کتابت حسن غراب پئی سسٹم تاریخ باطلہ لائی سسٹم اروت و اروت گت سسٹم تاریخین کا ایک درن کو
و نمبر سسٹم اتان ٹیل اہل تدم سے ایک صفحہ کی روایت تاریخ سسٹم صاحب لاخرو و لائی سسٹم صاحب
کا واقعہ اور اس کی تاریخ اکتوبر ۱۹۱۷ء اسی زمانہ میں حضرت ہمد صاحب ان کا اعلام القرآن پر ایک کتاب لکھ کر
لما لیکن وہ مکمل نہ کر سکے، اسی میں سے کچھ حصے مذکورہ بالا معنایں کی شکل میں شائع ہوئے، ان کو کتابت پیم میں
غیر معمولی مارت حاصل تھی، لکھنے کی زبان کا اور لکھنا ہی پیچیدہ اور گنگناہتا تھا اس کو ضرور پڑھ لیتے، اسی سلسلہ میں جگر
اور دوسری زبانوں میں بھی دسترس حاصل کی، ان کے اس وصف پر لوگ تعجب کرتے، اور اس وصف کی بنا پر وہ اس صنف
میں کیا، بلکہ پوری دنیا میں بڑا نام حاصل کر سکتے تھے، مگر نام و نحو کی فکر ان کو بالکل نہیں رہی، دنیا کے ہنگاموں کو دور
ایک گوشہ عافیت میں ٹھیکہ خود ہی اپنے علم و فضل سے لذت اٹھاتے تھے، اور اس کی ان کو کبھی فکر لاحق نہیں ہوتی کہ
ان کو کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا نہیں ہو سکے، طبیعت میں بڑی خودداری تھی کہ عارض میں بڑی تنگی رہی، چولہے قائم کر لیتے،
اس دنیا کی کوئی قوت ان کو ہراس نہیں پہنچتی تھی، ہندوستان میں جب تک بے آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تحریکوں کی مدد
رہے، اور اپنی اس حاجی کی بنا پر نقصانات بھی اٹھائے، لیکن وہ سود و لیاں ہلاتر ہو کر زندگی بسر کرنے کے مادی ہو گئے
تھے، اس لئے لوگ ان کو کیا سمجھتے ہیں اس کبھی پریشان نہیں ہے اپنی دنیا الگ بنا کر اسی میں آباد رہ کر خوش ہے،
ان کی تین ریلیں تھیں، ایک دلا دھڑہ بھی تھی، ان ریلیوں کی شلو کی کاپی میں ہو گئی، تو وہ بھی کاپی منتقل ہو گئے
جہاں وہ کبھی کبھی ملی رسائل میں مضامین لکھ کر لکھتے تھے، مگر جو ادارے تقریباً وہ ہزار کتابت پیم کر دیاں لوگوں کی
مدد کی، لیکن وہاں کی سرز میں سے اپنے علم و فضل کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، یہناں کہ رجب کاپی جاتا تو ان کی خدمت میں
حاضر ہوتا، اور ان کی ملی گفتگو سے استفادہ کرتا، کوئی موضوع چھڑا دیتا تو وہ بولتے چلے جاتے، رکے کا نام نہیں لیتے،
گزشتہ اپریل میں ان کی خدمت میں ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا تھا، انکھوں کی بینائی بہت ہی کم ہو گئی تھی، کھنے
پڑھنے سے بالکل معذور ہو چکے تھے، ان کی بڑی تمنا تھی کہ کوئی ایسا آدمی مل پاتا کہ جو کچھ ان کے سینہ میں تھا اس کو

بول کر شیخ میں قتل کر دیتے، لیکن ان کی یہ تیار پوری نہ ہو سکی، یہ غائبانہ جہان کے پاس پہنچا تو ان کے غصے میں
 کلام پاک کی ایک آیت کا ذکر آگیا تو اس کی تفسیر بیان کرنے لگے، اس کو سن کر یہ خیال ہوا کہ یہ ان کے غیبت کے جہیز
 قبلہ ہونے کی وجہ سے غائب ہو کر رہے ہیں، کراچی کے باقیات کا کچھ نہ پرنسپل جناب سید فراخ حسن صاحب نے ان کو
 قہر نہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی گفتگو کی روانی کا ساتھ جناب سید فراخ حسن کا قلم نہ دے سکا، ان سے رخصت ہوا تو پھل
 آیا اور ظم غفلت کی تعبیر کا ایک مجبورہ کراچی کے ایک گرام گوشت تنہائی میں مقید ہو کر رہ گیا، اور ان کے بعد وہ ساری
 چیزیں بھی ان کے ساتھ پُردغا ہو جائیں گی، اور جب ان کی وفات کی خبر ملی تو ان کی آخری ملاقات برابر یاد آ رہی
 ہے، وہاں ہمارے خیال آتا ہے کہ دنیا سے کیا ہو کر ان کو رخصت ہونا چاہئے تھا، اور کیا ہو کر رخصت ہوئے، دل سے دھبہ کا کٹہر
 تھا، لیکن قرآن پاک اور حدیث مقدسہ میں ان کی نکتہ دہی اور دیدہ وری کی بدولت، ان کو اپنی آخری رخصت میں لے کر کر وٹ
 کر وٹ جنت نعیم عارفانے، آمین!

ڈاکٹر عبداللطیف مرحوم

کراچی سے جناب غلام اللہ صاحب کلاک تارک کہ ان کے والد بزرگوار جناب ڈاکٹر عبداللطیف اللہ کو پائے ہو گئے
 اس خبر سے انتہائی دکھ ہوا کہ کثرتِ املاق، مروت، اخلاص، امان، نڈری اور کارِ فر کا ایک مجتہد باہل ہے جہاں
 ایک روز سب کو ہانکے، ان کا آبائی وطن تو مدھیہ پر دیش تھا، مگر تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان چلے گئے، پیش کے لگا
 سے وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے، پاکستان سے وہ کویت چلے گئے، جہاں تقریباً پچیس سال مقیم رہے اور اپنے طبی فن کی
 وجہ سے بڑی اناموری حاصل کی، اور خدا جلے تختی دولت پیدا کی، دولت سے تو ان کو لگا دکم ہوا، لیکن کاخیر کرنے سے بڑی
 محنت رہی، وہ ہوتا زیادہ کمانے، اس سے زیادہ اس پر مصفر کیا، بلکہ دینکے مختلف حصوں کے دینی مدرسوں اور اداروں
 کی خدمت کرتے، اور جتنی زیادہ خدمت کرتے، اتنی ہی زیادہ ان کی دولت میں برکت ہوتی، کاخیر کرنے میں ان کو جو
 لذت تھی، وہی ان کا سراپا زندگی بنتی رہی، علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ان کے پیروں کی بطریق

دوران کے بڑے تھکاوٹ میں رہے، دارالافتن کی ساری کتابیں اپنے یہاں جمع کر رکھی تھیں، اعلان کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کرتے، معارف پہنچنے میں تاخیر ہوتی تو بچپن میں جوتے، اگلی مہینہ نہیں پہنچتا تو تاریخ کو منگواتے، کراچی میں بڑی مالیتان کوٹھیاں بنا رکھی تھیں، لیکن خود ان کی ذاتی زندگی بڑی سادہ رہی، سادہ لباس پہنتے، اور اپنی گفتگو میں اس کا اظہار نہ ہونے دیتے کہ وہ کیا ہیں، عمر، انکسار، توفیق، خلق، سخاوت اور فیاضی کا بھرپور گواہ زندگی گزار دیتی تھیں کتابیں پڑھتے، اور مذہبی باتیں سننے کے لئے بے چین رہتے، یہ خاک رجب جب کراچی گیا، تو قیام گاہ پر آکر بڑی شفقت و محبت سے ملے، اپنے دولت کدہ پر بلاتے اور دیر تک بیٹھائے رکھتے اپنے لئے دالوں کو بھی بلاتے اور دیر تک مذہبی گفتگو کو موضوع بنائے رکھنے میں اپنی زندگی کا اس لال سمجھتے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور کارِ خیر کے بے پناہ جذبات کی بدولت ان کو اپنی رحمتوں کے کوثر اور برکتوں کی تسنیم سے سیراب کرے، آمین ثم آمین

آہ! شاہ نصر احمد پھلواری مرحوم

معارف کا یہ رسالہ چھپ رہا تھا کہ اخبار کے ذریعہ شاہ نصر احمد کی استثنائی المناک وفات کی خبر ملی اس سانحہ کی خبر سننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، ان کی عمر مشکل سے تیس چوبیس سال ہی ہوگی، یہ تحریر لکھتے وقت ان کا چہرہ یاد آ رہا ہے، جس پر مصومیت طہارت، مذہبیت، محبت، مروت اور اخلاق کے جلتے آثار ہو سکتے تھے، ان سب کے انوار ان پر جھلکتے نظر آتے تھے، وہ خانقاہ مجیبہ پھلواری شریف کے جناب مولانا شاہ عون احمد قادری کے بڑے صاحبزادے تھے، اس تعلق کے علاوہ وہ دارالافتن میں بھی آکر دو سال رہے اپنی نیکی اور اخلاص کا جو نقش یہاں کے لوگوں پر چھوڑ گئے ہیں وہ مدتِ مدید تک یاد رہے گا، وہ یہاں اس غرض سے آئے تھے کہ یہاں رہ کر کچھ سیکھیں لیکن اپنی کم سنی کے زمانہ میں انھوں نے معارف میں علمِ بحر میں پر تین قسطوں میں جو مضمون لکھا، اس پر برصغیر کے تمام اربابِ فن کی نظر اٹھی، اور ان کا خیال تھا کہ یہ کسی تجربہ کار اہل قلم اور دیدہ و عالم کا لکھا ہوا ہے، لیکن جب ان کو بتایا جا تا کہ اس کے لکھنے والے کی عمر کیا ہے، تو ان کو یقین نہیں آتا، اس مضمون سے اندازہ ہو گیا تھا کہ

آئندہ علم کی ایک بے پناہ قوت ہندوستان کی علمی دنیا میں ابھر کر رہے گی، لیکن ان کو خود خیال رہا کہ ان کی یہ بات کچھ کی رہ گئی ہے، اس لئے اس کو پارا کر کے لے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء مزید تعلیم کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے تین سال رہ کر وہاں کی تعلیم کی تکمیل کی اور ادب میں تخصص کیا، اسی زمانہ میں ان کی شادی بھی ہو گئی۔ جب وہ گلشن علم میں نیم قیام پزیر ہوئے کہ ہر طرف پھیلتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مصلحت کی بنا پر ان کو اپنے پاس بلایا، وہ اپنی ٹیکسوں اور غریبوں کی بہ دولت اجنت الفردوس کی سیر ضرور کریں گے، لیکن ان کے لئے پھلوں کی شریف کاتہ تیار ہو گیا، خدا جانے کب تک سوگوا اللہ ہے گا ان کے والدین پر اس سانحہ سے جو کچھ گزر رہا ہوگا، اس میں والد اعزین کے رفقا بھی ہر طرح شریک غم میں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل کی توفیق دے، اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں وہ ساری نعمتیں حاصل ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاکیزہ بندوں کو حاصل ہوا کرتی ہیں آمین

(ص ۷۸)

بزم رفتگاں

یہ مصنف کے بعض بزرگوں، دوستوں، معاصر دانشوروں، ادیبوں، مصنفوں اور سیاسی رہنماؤں کی وفات حسرت آیات پر تاثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن سے ان کو دالمانہ محبت اور عقیدت تھی، جس کا انہوں نے اپنے والد مرحوم جناب سید محمد الدین رحمہ اللہ اور اپنی والدہ محترمہ جناب سلمہ خاتون رحمہما اللہ کے نام معنون کیا ہے،

حصہ اول میں جو مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مولانا سید طیبان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالسلام ندوی جیسے وقت کے ارباب کمال کی وفات پر مضامین ہیں، اور حصہ دوم میں مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت نہرو، ذاکر صاحب ہایوں کبیر، فخر الدین علی، مولانا عبدالماجد دیوبادی، ماہر لکھنؤ ڈاکٹر یوسف حسین خاں، پروفیسر سنٹی کار چٹرجی، ڈاکٹر محمد اسحاق وغیرہ جیسے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مشاہیر و اکابر کے انتقال پر محال پر مضامین ہیں،

ازید صباح الدین عبدالرحمن جداول ۱۷ روپیہ جلد دوم ۱۷ روپیہ

مطبوعات جدیدہ

تذکرہ مصطلحات الامت مرتبہ مولانا محمد قمر زمان صاحب، متوسطہ تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت

بہتر صفحات تین سو تیس، مجلد قیمت تیس روپے ہے۔ (۱) مکتبہ عزیزہ عثمانی، نجفی آباد، الہ آباد

(۲) مکتبہ انصاریہ، محمد علی روڈ، بجلی سٹا (۳) ادارہ علم و حکمت دیوبند،

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی ذات بلند و تربیت کا ایک شرف و امتیاز تھا۔ ان کے ایک بڑے شیخ طریقت تھے، جو

سکین کی طرح تربیت میں اپنے مرشد حضرت مولانا تھانوی کا منشی تھے، الہ آباد و قعاً وقتاً بمبئی میں قیام کے زمانہ میں ان کا

دائرہ فیض بہت وسیع ہو گیا تھا، ان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ان کے لیے ہر جہد تھا، یہ کتاب مولانا کے حالات و سوانح پر مشتمل

ہے، میں حکماء و دانشمندان کی تعلیم مرشد تھانوی سے ملتی، اصلاح و تربیت کے طریقے اور اس سلسلہ میں انکی متعدد تبلیغ و ارشاد

کی مجملہ، اصلاحی تقریریں، سلوک تصوف کو بارہ میل ہم خیال و مدد مرہ اشغال و مشغولت اور ان کے خلق عظیم و لطف عظیم کی

تصویر کھینچی گئی، ان کے علاوہ وفات کی تفصیل، علبدن کی گئی، سوانح مرتب نے مولانا کے پسندیدہ عربی، فارسی اور اردو اشعار

بھی نقل کئے ہیں، ان کے پسندیدگان، خلفاء و تصنیفات کی فہرست بھی دی ہے، ان میں بعض تخریقی خطوط و برج ہیں جن سے

ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے، مولانا درس و تدریس کے مشغلہ سے بھی وابستہ رہے، اور آخر تک بعض کتابیں

کتب کا درس دیتے رہے، ان کی سرپرستی میں الہ آباد میں ایک عربی مدرسہ بھی قائم ہوا تھا، وہ نصاب کے بارہ

میں قدامت پسند نہ تھے، بلکہ مدوۃ العلاء کی تحریک اصلاح نصاب سے متاثر تھے، جس کے نصاب کی بعض

کتابیں ان کے مدرسہ میں داخل ہیں، وہ اس کے شاکی تھے کہ مدارس میں جتنی توجہ احادیث کی طرف دی جاتی

ہے، اتنی توجہ قرآن مجید کی طرف نہیں دی جاتی، اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا اور کتب تفسیر کو بھی کم پڑھایا جاتا ہے،

اس کتاب میں خود مولانا کی تحریروں اور مخطوطات کی روشنی میں ان کی تعلیمات و ہدایات اور سلوک عرفان

کے متعلق ان کے پاکیزہ خیالات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل اکابر شارح کے

مسئلۃ الذہب کی ایک کڑی اور حضرت تھانوی کی پکی یادگار تھے، اس نے مروجہ رسمی تصوف سے

پڑا اور اس قصہ و داستان کے دافعی تھے جو دین و شریعت میں مطلوب ہے، وہ شیخ کے بیان کے مطابق
کو مقصود بنانے کی تحقیق کرتے تھے (ص ۲۴۱) ان کے نزدیک قصوں کوئی مستقل شے نہیں (ص ۲۴۲) بلکہ
اصل چیز تو کتاب و سنت ہے (ص ۲۴۳) ان کے خیال میں کتاب و سنت کے بولے و اقوال مثلاً کوسید
دباطل بنانے سے نظام دین و دہم پر ہم چکے ہیں (ص ۱۱) وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ کشف کوئی دلیل شرعی نہیں
ہے (ص ۹۹) اور طریقت کو شریعت سے الگ چیز قرار دینا جمل ہے (ص ۹۹) وہ کہتے ہیں کہ قصوں
ایک مستقل فن ہو گیا اور اس کی صورت جوگ کی سی ہو گئی (ص ۱۲۹) مصنف نے یہ کتاب بڑی عقیدہ مندی
سے لکھی ہے اور اس سے دین و شریعت اور سلوک و تصوف کے متعلق ایسی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں جن
روح میں بالیدگی اور قلب میں اپنی اصلاح کا دایہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ کوئی مضبوط و مرتب سوانح عمری نہیں
ہے، مضامین میں انتشار کے علاوہ مکررات بھی بکثرت ہیں۔

الانصاف فی حکم و الاختلاف :- مرتبہ مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب
تقیح متوسط، کاغذ، کتاب و طباعت بہتر، صفحات ۶۶، قیمت دس روپے، ناشر شعبہ تصنیف
علیہ السلام، اصفیہ دار المسافریں، دیوبند، یوپی۔

دارالعلوم دیوبند کے افسوسناک اختلاف کی وجہ سے وہاں کے دو گروہوں میں طعن و تشنیع
و شتم اور اشتہار بازی وغیرہ کا سلسلہ شخ احمدیٹ حضرت مولانا محمد زکیا صاحب کی زندگی ہی میں شروع
ہو گیا تھا، جس کا انھیں خاص طور پر بہت دکھ اور ملال تھا، یہ کتاب حضرت کے ایک مرید باصفانے
اسی اختلاف کے پس منظر میں بڑی دردمندی سے لکھی ہے، جس میں مشہد و منفی دونوں پہلوؤں سے
اہل ایمان کے اوصاف و خصائص بیان کر کے دکھایا ہے کہ سخت کشمکش اور شدید نزاع کی صورت میں بھی
اہل حق اور علمائے ربانی کا فیوہ کیا ہوتا ہے، مصنف نے باہمی اتفاق، مومن کی غیر خواہی اور اس کے
حسن خلق اور خوش گمانی کی تاکید اور اس کی پردہ دری و عیب جوئی، توہین و تحیر، غیبت و بدگویی،

بدگمانی اور بدسلوکی اور تفرقہ و انتشار کی مذمت سے متعلق آیتوں اور حدیثوں کے علاوہ حضرت شیخ کی تحریروں کے اقتباسات بھی دیے ہیں، جو بہت موثر اور مفید ہیں۔

صلیبیں مرے درپے میں :- از جناب فیض احمد فیض صاحب، توسط تقطیع، کافہ
کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۱۲۲، جلد مع گرد پوش، قیمت سو روپے، ناشر مغربی بنگال

اردو اکاڈمی علی سندری موسیٰ ایچ، کلکتہ ۷۷

جناب فیض احمد فیض موجودہ دور کے مشہور و مقبول شاعر ہیں، ان کی فرمانروائی نظم کی طرح شریعہ بھی ہے، حکومت پاکستان نے اسے ۱۹۵۷ء تک انہیں قید و بند میں رکھا، اس اسیری کے زمانہ میں انہوں نے اپنی بیوی کو انگریزی میں جو خطوط لکھے تھے ان کا اردو ترجمہ خود فیض صاحب ہی نے مرزا مظہر صاحب کی فرمائش پر کیا تھا اور وہ پہلی دفعہ ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر اسے میں شائع ہوا تھا، اب مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے ادبی خدمت کے جذبہ سے اس کا نیا ادیشن شائع کیا ہے، تاکہ بعض صاحب کے ہندوستانی قند داں بھی اس کا مطالعہ کر سکیں، ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مکتوب نگاری کی گرفتاری پر ان کی اہلیہ بہت طول اور افسردہ تھیں اس لئے ان کی گھبراہٹ اور اضطراب دور کرنے کے لئے ان خطوط میں جیل کی بے کیف، صبر آنا اور پر مشقت زندگی کو بھی خوشگوار بتایا گیا ہے، اس سے مکتوب نگار کے عزم، استقلال اور مضبوط قوت ارادی کا پتہ چلتا ہے، ان خطوط میں فیض صاحب کے مطالعہ کی کٹنگ اور ان کے مندرجات اور بعض مشہور ادیبوں کا ذکر بھی آگیا ہے اور کہیں کہیں انہوں نے اپنی نظم کی تحریروں پر تبصرہ کیا ہے اور انہیں زندگی کے عام اور مسائل کے بارہ میں مشورے بھی دیے ہیں، اس مجموعہ میں زنداں کے ماحول، عام حالات، موسم، پھولوں اور باغبانی وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے بعض تاثرات، محسوسات، خیالات اور تجربات بھی تحریر کئے ہیں، گو ان خطوط میں نہ تو نظم و ادب کے اہم امور و مسائل پر بحث و گفتگو کی گئی ہے اور نہ یہ بہت غور و فکر سے لکھے گئے ہیں، تاہم ان میں بیاضنگی، روانی اور بے تکلفی بھی ہے اور

میں کہیں محبوب نگار کے طرز و سرائے کی چاشنی بھی ہے، اس نے ان میں قافیوں کی دہری کاساں بھی ہے اور ان سے قیاس صاحب کے سواغ نگار کو بھی مدوٹے گی، مگر زبان و بیان کے معاملہ میں وہ زیادہ محتاط نہیں ہیں اور یہ غلطیاں تو خود ان کے بقول قلم برداشتہ کئے گئے ہیں اور منہ زبانی ان کا ترجمہ کیا گیا ہے اس کی زبان کی کوتاہی کی ذمہ داری انھوں نے مرزا ظفر احسن صاحب کے سر ڈالی ہے، اس قسم کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ آئندہ ادبیات میں قصحوق کر لی جائے اور بہت سی غمت اور تلاش کے بغیر انھیں اردو میں منتقل کرنا میسر ہے (مصلحہ) محبت ہی خوش دل جمع ہے (مصلحہ) جو بھی دوست ہاتھ لگے اسے سلام پہنچا دینا (مصلحہ) ہمتھارے خاپے سے زیادہ بٹاش معلوم ہوتے ہیں (مصلحہ) میری کوٹھری کی سلاخوں پر دھوپ اور ہما کی ہلی ہلی پھوار پڑ رہی ہے (مصلحہ) آج من کی کیفیت بتر ہے اور شاید جلد ہی کچھ لکھا جائے در دہ کے بلکے سے آثار محسوس ہو رہے ہیں (مصلحہ) اسی دوران میں اماں اور آپا ہاں آئے تھے (مصلحہ) مندرجہ ذیل جملوں میں غالب اپنی بیوی لالی کا اثر اور ہم نے بہت احسان مند محسوس کیا (مصلحہ) جمیل خانے میں اس کیفیت کے لئے آدمی کچھ احسان مند محسوس کرتا ہے (مصلحہ) اور دل و زوں کے لئے احسان مند محسوس کرتا ہے (مصلحہ) بلکہ نفسیاتی الجھنوں سے ایسا طبی کا وہ شدید جلد ہی سمجھ میں آتا ہے (مصلحہ) تمھارے سواغ کا سن کر بہت خوش ہوئی (مصلحہ) تمھارے نیگرو شاگرد کا سن کر خوش ہوئی (مصلحہ) حسیط کی نظم کا سن کر خوش ہوئی (مصلحہ) اس طرح کے جملے متعدد ہیں، بارشیں (مصلحہ) شایں (مصلحہ) صبیح (مصلحہ) صبحوں (مصلحہ) روشنیاں (مصلحہ) وغیرہ جمع کا استعمال بھی گراں معلوم ہوتا ہے، اگرچہ بعض مفسرانہ نگار شاعر اور اخبار نویس اس قسم کی جمع بہ تکلف استعمال کرنے لگے ہیں اور بعض ثانوی کے یہاں بھی ایسی جمع استعمال ہوتی ہے، مثلاً عشق کا ایک شعر ہے

کی عرض کہ بابا ہوں عجب رنج و بلا میں گردوں نے دکھائیں نئی صبیح نئی شایں

لیکن قصداً ایسی جمع لکھنے سے احتراز کرتے ہیں، لامتناہی کو کوئی جگہ لامتناہی لکھی ہو شاید کتابت کی غلطی ہو، "ض"

ہندستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام

کسی فرماں روا یا خاندان یا فرماں روا اشخاص کی غفلت و شرانہستی و تنزل کا اندازہ ہمیشہ
مکمل فتوحات اور فوجی طاقت سے کیا جاتا رہا ہے اور اسی حقیقت ہے ان کی آرائیں بھی لکھی جاتی تھیں
خود ہندوستان کے مختلف فرماں روا خاندانوں کی آرائیں بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں اور ان میں ان
کی فتوحات اور جنگوں کی تفصیل لکھی گئی، جنہوں نے بارہے نے کر ظفر شاہ تک چار پانچ سو برس اس
ملک پر حکومت کی اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور اپنے مقبوضات کا دائرہ واس گہری سے
ہرات اور کابل تک پہنچا دیا، ان کی تاریخ بھی مرثیہ ان کی جنگوں کی اور فتوحات کی تاریخ ہو لیکن
اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا کہ ان کا فوجی نظم و نسق کیا تھا، ہندوستانی کے طریقے کیا تھے، کس قسم
کے اسلحے استعمال ہوتے تھے، میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب کیا ہوتی تھی، ان کی مختلف کمپنیوں کے
نام کیا ہوتے تھے، پھر ان کی ذمہ داریاں کیا ہوتی تھیں، وغیرہ وغیرہ، جب سید صباح الدین مجددی
صاحب دارالمنہجین کی رفاقت میں آئے، اہل انگریزی کا شعبہ دیا گیا، تو سید صاحب نے ان کو یہی
لکھی موضوع دیا، جس کے لئے مواد کا تلاش کرنا پڑا، جسے شیر لانے سے کم نہ تھا، انھوں نے
دس بارہ سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے نہ صرف منہجین کے عہد کے بلکہ ہندوستان کے پورے
عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام پر ایک ضخیم کتاب تیار کر کے پیش کر دی، اس میں عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام
آلات حرب، آئین اسلحہ، بحری بیڑے، فوج کا کورج، صف آرائی، ترتیب، میدانِ جنگ، چھاؤنی
کیمپ گاہیں، مختلف فوجی عہدہ داروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل نہایت بچھڑا
میں بیان کی گئی ہے، یہ اپنے موضوع چار دو میں منفرد کتاب ہے، قیمت ۱-۲۲ روپیہ

مرتب ہے

”فیہر“

سید صباح الدین عبد الرحمن

تجہ الاسلام مولانا شبلی کی بعض اہم تصنیفات

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کے سوانح و سیرۃ اللہ کے جہات، استاذ فقہ و مسائل، اردو	سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کے سوانح و سیرۃ اللہ کے جہات، استاذ فقہ و مسائل، اردو
عقیدہ کی خصوصیات (زیر طبع)	کافضل اللہ اس پر تبصرہ، قیمت: ۲۹ روپیہ
سوانح مولانا دوم، مولانا بطل الدین دہلوی کی مفضل سوانح، مولانا کی شاہجہاد تصنیف	سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہؒ کے سوانح و سیرۃ اللہ کے جہات، استاذ فقہ و مسائل، اردو
شریف پر مبدع تبصرہ، (زیر طبع)	مقتل بیان، قیمت: ۱۰ روپیہ
مہاراجہ انیس دہرہ شہرہ شریف، مولانا کی شاہجہاد پر دیوہ اور مولانا بیروہ ان کا سوانح	الغار وق حضرت عمر فاروق کی مفضل سوانح
زیر طبع	ادانہ کے جہات، مولانا کی مفضل سوانح
کلیات فارسی، مولانا کے فارسی کلام کا مجموعہ	شبلیہ کے علم کی شاہجہاد کتاب، جس پر مفضل کو بھی
قیمت: ۱۱ روپیہ	ناز تھا، قیمت: ۲۲ روپیہ
کلیات اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جو انہوں نے مسجد کا پورا جنگ طرابلس	الغزالی جو الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی
غزوہ بلقان، مسلم لیگ، مسلم لیگ، دہلی کے مستقل لکھیں، قیمت: ۹ روپیہ	سوانح مولانا کے علم کا ناموں کی مفضل سوانح کی
مکاتیب شبلی: مولانا کے دستوں غزویں اور فکر و فکر کا مجموعہ، مولانا کے سوانح و سیرۃ	تمام تصانیف پر ایک جامع تبصرہ، قیمت: ۱۱ روپیہ
۹ روپیہ	الماعون خلیفہ مامون الرشید کی سوانح و سیرۃ
	کے علاوہ اس کے عہد حکومت کے سیاسی علم کا نام
	اخلاقی تمدنی حالات، جس سے دولت جاریہ ہزاروں
	عروج و کمال کا پورا تاریخ نگاہوں کے ساتھ آجائے
	قیمت: ۱۱ روپیہ

دسمبر ۱۹۵۷ء

پروفیسر محمد رفیع



معارف

مجلد المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

..... ﴿عُرْبُكُمْ﴾

ستہ صباغ الدین عبد الرحمن

..... ﴿﴾

قیمت تین روپے سالانہ

درختی ریل مصنفین اعظم کلا

(۱۵۶-۲۴۶)

مجلس ادارت

- ۱۔ مولانا تیرا بواکس علی ندوی
 - ۲۔ ڈاکٹر تیزرا احمد علی گڑھ
 - ۳۔ مولانا حشیر الدین اسلامی
 - ۴۔ سید صباح الدین عبد الرحمن
- مسلمان مکارفوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک بیس کتا بون تک پہنچ چکا ہے، اس کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان مکارفوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں مثل بعد سے پہلے کے مسلمان مکارفوں کی مذہبی رواداری فراخ دلی اور انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

جلد دوم

اس میں مثل فرمانہ دہا بڑا ہاویوں سیدی خاندان کے شیرشاہ اور اسلام شاہ، پھر مثل شنشاہ اکبر، جانیگرا اور شاہ جہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے بہترین واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

جلد سوم

اس میں دہلی کے گریب عالمگیر، اس کے بعد کے مثل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، قیمت :- ۱۰ روپے

..... (مترجم)
..... (مترجم)

سید صباح الدین عبد الرحمن



جلد ۱۳۲ ماہِ رَجَبِ الاول ۱۴۰۲ھ مطابق ماہِ دسمبر ۱۹۸۲ء

مضامین

۲۰۲-۲۰۳

سید صباح الدین عبدالرحمن

شذرات

مقالات

- ✓ تاریخ ارض القرآن اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات، حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی، ۴۳-۴۵
- ✓ علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت تنقید نگار، پروفیسر عبدالغنی، پٹنہ یونیورسٹی، ۴۳۸-۴۴۱
- ✓ ہندوستانی جامعات میں عربی کی درس دینے، جناب فیضان اللہ فاروقی، ۴۵۲-۴۵۹
- ✓ لکچر شعبہ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد

وفیات

- ✓ آہ! مولانا عبدالرحمن پروازِ اصلاحی، ضیاء الدین اصلاحی، ۴۵۵-۴۵۶

بایں تقریظ و اہانتقاد

- ✓ "تاریخ محمدی" ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی یونیورسٹی، ۴۶۶-۴۶۹

ادبیات

- غزل پروفیسر گل ناگہ آزاد، جوں یونیورسٹی، ۴۶۰-
- غزل ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر بھینڈی، بمبئی، ۴۶۰-
- غزل جناب وارث ربانمی صاحب

ایم۔ اے۔ مغربی جبارن ۴۶۱-

۴۶۲-۴۸۰

"ض"

مطبوعات جدیدہ

معذرت

اس ہینہ میں ملک کی انتخابی ہم کی
مجھے یہ رسالہ خلاف توقع دیر کر کے روانہ
کیا جا رہا ہے، جس کے لیے ادارہ معذرت
خواہ ہے، کاغذ طے میں تاخیر ہوئی، بلیک اور
ڈاکٹرنے بھی بند رہے،

فتیہ شریعت

اس ذیل محترم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی ولادت نومبر ۱۸۸۲ء میں ہوئی تھی۔
۱۹۰۷ء میں ان کے عقیدت مندوں اور پیروکاروں نے مختلف جگہوں پر ان کی صد سالہ سالگرہ
کی تقریب منائی۔

پیر سے کمری المحترم جناب ڈاکٹر محمد رشید اللہ نے اطلاع دی کہ وہ ان ۱۰ نومبر کو حضرت سید محمد پران سے
ٹیلی وژن پر ایک تقریر کرنے کو کہا گیا ہے، اگرچی سے جناب سید فخر الحسن صاحب پرنسپل ہفت علی خاں ڈگری
کالج نے خبر دی کہ ان کے کالج کے زیر اہتمام جلسے پیمانہ پر یہ تقریب منائی جا رہی ہے، مگر محمد نسیم نے بھی کراچی
سے لکھی کہ وہ اپنے بیٹے سید ایمن کی طرف سے بھی یہ منعقد ہو رہی ہے، ان تقریبات کی تفصیلات ابھی موصول نہیں
ہوئی ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اردو کی طرف سے بھی ایک سمینار ۲۴-۲۵ نومبر کو ہوا، پھر ۲۰-۲۱
دسمبر کو بہار اردو اکیڈمی پٹنہ کی طرف سے بھی ایک باوقار اجتماع ہوا، دانشمندی کی طرف سے بھی دارالعلوم
دعوتہ اعلیٰ کے تعاون سے یہ صد سالہ سالگرہ جلد ہی منائی جاتے ہوئے ہیں، اس کی تفصیلات طے ہو جائیں تو
ماریخوں کا اعلان کیا جائے گا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سمینار کے متعلق یہ خیال تھا کہ پٹیوڑی کے پیمانہ پر ہوگا، لیکن یہ وہاں کے شعبہ
اردو کی ایک عمدہ و درباریہ اسباب کی بنا پر اس کی قیام کر رہی ہیں، روزیہ خاں صاحبہ کی شریعت کی علی گڑھ میں پٹنہ
وہاں کے تہذیب و اخلاق کا اندازہ ملتا ہے کہ انہوں نے جو کام دیئے ہیں، اسکے ایک مضامین کی طرف سے بھی، سیرۃ النبی جلد اول
دوم کا مصنف لکھنا، ہاشمی بنی ہاشمی یا مولانا سید سلیمان ندوی، اس کو دیکھتے ہیں ایک صد برس کے پیل جلاؤ
والی عمر کا ہے، سمیع شریعت ہونے سے پہلے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سید حامد کی قیام دہلی کے کچھ
دعا ۱۱ سالہ کے مریخوں میں اس مرضی سے ان کی تکلیف ہوئی، عجب سمینار کا افتتاح جلاؤ صاحب پیر رحمان خان

لے گئے اور مولوی کا مخاطب بھی خودی سے کیا گیا تھا، عداوت جہاں کے بہت ہی محبوب ہر دلعزیز بادشاہ اور
نہا گوشت جناب، طلاق حق تعالیٰ کی تھی، خموی مان حضرت مولانا جو حسن علی ندوی تھا، کو حضرت سید مرتضیٰ
عہد الدائمہ عقیدت محبت اور شفقت تھی، اس کا انداز ان کی تقریر کی سیروہ بیان اور شہس گفتماری میں پورے طور
پور تھا، جس کو سن کر پورا مجمع سرور اور غمزدہ تھا، پروفیسر عبدالقوی دینوی سیٹھ کالج بھوپال نے یادگار بیان
یہ نام بھی مننت سے ایک کتاب تیار کی ہے، جس کا اجرا حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی کے دست مبارک
ہا، یہ حضرت سید صاحب کے سوانح حیات اور ملی کارناموں کی بھی مفید سیلوگرافی ہے، اس سے ان کو سمجھنے اور
ن پر کوئی حقور لکھنے میں براہ مدد ملتی رہے گی۔

اس سید میں جتنی بات چہ گئے، ان کے عنوانات ہی ہے، اسکے ملی سنگ کا انداز ہو گا، (۱) مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت
نیز گاندھ پروفیسر علیہ الشیخ پٹنہ یونیورسٹی (۲) مولانا سید سلیمان ندوی کی شہسکاری، پروفیسر ولایت شرفی (۳) علامہ
سید سلیمان ندوی طرز انشا پر داز، انڈیا کریمینٹری (۴) علامہ سید سلیمان ندوی، محقق ختمہ مجزا، انڈیا کریمینٹری (۵) علامہ سید سلیمان ندوی، پر حیثیت محقق از
انڈیا کریمینٹری (۶) علامہ سید سلیمان ندوی، پر حیثیت سانی محقق از انڈیا کریمینٹری (۷) علامہ سید سلیمان ندوی، پر حیثیت محقق از
انڈیا کریمینٹری (۸) مولانا سید سلیمان ندوی، پر حیثیت شاعرانہ، پروفیسر مرتضیٰ احمد شہ (۹) تاریخ اقصی القرآن میں مستشرقین کے اعترافات
لے جو بات از حلقہ امیر الصدیق اعظم گڑھ (۱۰) مولانا سید سلیمان ندوی کے افکار و اسالیب از ڈاکٹر شیخ فرید سیدی
۱۱ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی سہرت شکاری از مولوی ضیاء الدین، احادیث اعظم گڑھ (۱۲) حضرت مولانا
سید سلیمان ندوی اور عداوت کے شذرات از مولوی ابوالقاسم ندوی، اعظم گڑھ (۱۳) حضرت مولانا سید سلیمان
ندوی اپنے کچھ خطوط کے آئینے میں از پروفیسر سید حسن پٹنہ (۱۴) مولانا سید سلیمان ندوی کی شاعرانہ از پروفیسر
بدالقوی دینوی (۱۵) مولانا سید سلیمان ندوی اور دینی اداس کے نصاب میں تبدیلی کی کوشش از جناب شہباز
سین دہلی (۱۶) مولانا سید سلیمان ندوی کی سانی خدمات از ڈاکٹر خلیق انجم دہلی (۱۷) ایسا کہاں سے لائیں کہ
یہ سا کہیں جیسے از غار ک اس نام۔

اس عینہ میں سہ ماہی کے غلط، مسودات تصنیف سے تصدیق ہوئی تھی۔
لیکن ترتیب دی گئی تھی۔ پھر یہاں کی خیار حضرت سید صاحب کا ہونا چاہیے تھا۔
یہ اس کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ بلاشبہ، اس قدر مافی صاحب راجہ جی کے ہونے کے نتیجے میں
ہے جس کا ساری اور ہنسار کی ہے۔ پھر اس کا گہرا نقش دلوں پر پڑا۔

اس سفر میں پٹنہ پر نور شہر کے اردو ام۔ اسے کلاس کے طلبہ کو ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر
نثار احمد فاروقی کے ساتھ مخاطب کرنے کا موقع ملا۔ پٹنہ پر نور شہر کے شعبہ انسیات کے سابق
پروفیسر جناب ڈاکٹر محمد من کے ساتھ ان کے گھر پر ایک بہت اچھی شام گزری، ان کی ذاتی
گلی اور اولیاء غریبوں کے تعلق سے کراں لے کے یہاں اتفاقاً وہ اس وقت ممتاز ماہرین انسیات
میں شمار ہوتے ہیں، ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں دواؤں کے کام سے وابستہ ہاتھی ہیں۔
اپنی دونوں تصانیف انسیاتی زادہ اور سعادت میں مثلاً ایک انسیاتی تجربہ، تجھے کے طرز
دیے، جن پر سعادت میں جلد ہمارے ہو چکا۔

اس سفر میں پھلاری شریف بھی جاننے کا اتفاق ہوا، جہاں ملت شریعی کی نئی عمارت کمر
جیت خوش ہوئی، اس کے ناظم مولانا نظام الدین صاحب نے ہر طرح کی تفریح کی جتنی
کامیابی کے ذریعہ سے جو باب ہے۔ اس کی حیثیت پر سے ہندوستان کے اندر مشغول ہو
جاسکتا ہے، اس میں جو دنیا جہاں اور خاص نظر آئے، ان میں ہندوستان کے ہر گوشہ میں مکمل طور
معاذہم بیسیہ میں بھی حاضری دے کر جناب حضور حضرت شاہ ولی اللہ کی دست بوسی کی اور جناب شاہ
محمد احمد صاحب کے صاحبزادے شاہ نصر احمد صاحب کی عمارت پر پوری غمناکی کے ساتھ تشریف
لی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی غریبوں کی بدولت جنت نعیمہ اور والدین کو صبر
جلیل مرحمت فرمائے۔ آئین مبارک کے شہر شاہو جناب جو ہر نظام کی سہولت اپنا جو کام مفرد و سہیا
عطا کیا ان کی کرم فرمائشوں کا بھی ممنون ہوا۔

مقالات

تاریخ ارض القرآن

میں

مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

ادھلظہ غیر الصدیق دریا بادی ندوی رفیق دارالمنین

تاریخ ارض القرآن مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، مگر علم و نظر اور تحقیق و تنقید کی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے اس کا شمار ان کی شاہکار تصنیفات میں ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں عرب کی قدیم قوموں مثلاً عاد، ثمود، مدین، سبا اور قوم تبع وغیرہ کا ذکر بار بار آیا ہے، پیغمبروں اور ان کی قوموں کے ساتھ ان کے علاقوں اور بستیوں کا بھی ذکر ہے۔ قدیم مفسرین کا اصل مقصد جزائی اور تاریخی اکتشافات کی تحقیق نہ تھا، اس لیے ان سے بعض اسرائیلی روایات کے نقل کرنے میں کچھ تسامع ہوا، اور ایک زمانہ کے بعد جب مستشرقین یورپ کے سامنے جدید جزائی و تاریخی حقیقتیں آئیں تو ان کی کلیسا نہ فطرت کو مسلمان مفسرین و مورخین پر حتیٰ کہ خود قرآن مجید کے بیانات پر شک اور اعتراض کرنے کا

موقع ہاتھ آیا، ان کی ظاہری ملی سنجیدگی نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کو بھی کچھ حد تک متاثر کیا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے پیش نظریہ سارے حقائق تھے، چنانچہ ارضِ قرآن میں جہاں عرب کے قدیم جزائریہ اور تاریخ کی تحقیق ہے وہاں مستشرقین کے بعض اعتراضات کے جوابات بھی ہیں، سیرۃ النبیؐ کی تالیف میں بھی اسی جذبہ کی خاص کار فرمائی تھی، ارضِ قرآن کی سیرۃ النبیؐ کا دیا چھ سمجھنا چاہیے، جیسا کہ خود سید صاحبؒ نے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ لکھنؤ میں دفتر سیرت نبویؐ کے جب وہ اسٹنٹ تھے تو اس موضوع کا خیال آیا، بلکہ اصل میں سیر نبویؐ کے دیا چھ ہی کے طور پر اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی، (دیا چھ ج ۱، ص ۶، اڈیشن ۴۵۵ء) لیکن جیسے جیسے سید صاحبؒ آگے بڑھتے گئے میدان زیادہ وسیع اور کشادہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ یہ بالکل مستقل ایک تصنیف بن گئی۔

سیرۃ النبیؐ کی طرح سید صاحبؒ کا طرزِ تحریر اس کتاب میں بھی مناظرانہ نہیں بلکہ محققانہ ہے، اس میں جہاں مستشرقین کے غلط اور باطل نظریات و تصورات کی نشاندہی کی گئی ہے وہاں ان کی محنت و کاوش کی داد بھی دی گئی ہے، البتہ جب ذاتِ رسالتؐ پر کسی نے انگشت نمائی کی کوشش کی ہے تو سید صاحبؒ کے قلم میں ایک شدت ضرور پیدا ہو گئی ہے، اس کتاب میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات جواہرینوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، اس مضمون میں ان کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس طرح اس کتاب کے صرت ایک پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے، ورنہ درحقیقت اس کتاب کی علمی افادیت اور تاریخی اہمیت کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے، مولانا مناظر حسن گیلانی نے لکھا تھا کہ اس کتاب میں ایک خاص پہلوئے قرآنِ فہمی کے معیار میں فکری انقلاب پیدا ہو گیا (حوالہ مضمون تاریخ ارضِ القرآن از مولانا مناظر حسن گیلانی، تجارت سلیمان نمبر ۱، ص ۶۱)

سید صاحب نے شروع میں ایک بڑی قیمتی مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں اس کتاب کے وضع اور اس کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے کہ مقصد یہ ہے کہ قدیم و جدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالات کی اس طرح تحقیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور متعرضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے۔

قرآن مجید نے عبرت کے طور پر عرب کی کئی قوموں اور ان کے انبیاء کے حالات بیان کیے ہیں، چونکہ عرب کی قوم تصنیف و تالیف سے آشنا نہیں تھی، اس لیے ان نبیاء و اقوام اور ان کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جزائی حالات کی تفصیل میں مسلمان مصنفوں نے غیر متعاطف و بے رحمی پر زبانی روایات کا کام لیا، جبکہ اہل یورپ نے اس کے برخلاف یونانی و رومی سیاحوں کے تحریری بیانات اور عرب کے آثار قدیمہ اور نقوش و کتبات کو دلیل میں پیش کیا، سید صاحب لکھتے ہیں :

”اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں

عرب کی بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں، جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے

نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں، اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس

میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود

مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انھیں انسانی

کہنے کی جرات ہوئی۔ (تاریخ ارض القرآن ج ۱، ص ۴، ایڈیشن چہارم ۱۹۵۵ء)

سید صاحب کو مستشرقین کی محنت و کاوش اور جانفشانی و کوشش کا بخوبی احساس تھا وہ ان جنس، فرانسسی، آلمین اور انگریز مستشرقوں کے کام سے واقف تھے کہ ان لوگوں نے یونانی و رومی تصنیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پر تھیں، ان کا انتخاب خلاصہ کیا

قرآن مجید نے ہی آجوں اور بستیوں کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا ان لوگوں نے شکر کیا، ان کے کتبات کو مل گیا اور پھر ان سے عجیب و غریب نتائج کا استنباط کیا، مگر سید کے سامنے حقیقت بھی تھی کہ یہ مشرقِ مسلمان نہیں، یہودی یا عیسائی ہیں اور ان لوگوں کی نہایت بے دردی سے قرآن مجید کے فوائد کو پامال کیا ہے، سید صاحب لکھتے ہیں کہ ”بعض متعصب مشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے، اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارٹر نے عرب کا تاریخی جغرافیہ لکھا، جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب و غریب نمونے پیش کیے، جن کو پڑھ کر کبھی نہی اللہ کبھی روناتا ہے، لیکن کیا کیجیے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقت تاریخی کا سیارہ ہے.....“

..... فوائد کی نے اللہ و عباد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، دلگت اور دہڑنس اسٹوٹن عرب کے ادماے نسب کا انکار کرتے ہیں عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر یورپ کے بعض سبک منز معنفین جذات کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزار درجہ بہتر تھا، لیکن ایک فرانسیسی مشرق سینٹ پلیر نے اس کا عمدہ جواب بھی دے دیا کہ اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تنہا و تہذیب کے عام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم عورات نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا

(ایضاً، ص ۵)

سید صاحب نے ارض القرآن کی تاریخ و تحقیق کے لیے چار آخذ کو سامنے رکھا ہے اسلامیہ (۲) ادبیات اسرائیلیہ (۳) ادبیات یونانیہ و رومانیہ اور (۴) اکتشافات اثریہ ڈسکوویز (۵) اس سلسلہ میں انھوں نے چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کو مشرقین دیکھا ہے، مثلاً ابنِ کثکبہ ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس تھے، ان کی دو کتابیں ’صفہ‘

در اکلیل ہیں، پہلی کتاب عام جزیرہ عرب کا جزائیہ اور دوسری کتاب الاکلیل صرف یمن کی تاریخ ہے، یوڈپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ پرنس میوزیم لندن اور رائل لائبریری برلن میں موجود ہے ان کے علاوہ سید صاحب نے کئی اور کتابوں کا ذکر کیا ہے (ایضاً ص ۱۷-۱۹)

انساب اور مستشرقین | فن انساب، عرب کا ایک محبوب فن تھا، غزوہ ہات کے اظہار کے لیے عرب کا بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا، شعرائے عرب اکثر قبائل کے سلسلہ انساب کو محفوظ رکھتے تھے اور ان کے لیے یہ اس لیے ضروری تھا کہ مدح و جوح کے موقعوں پر اس کا ذکر کر سکیں، زمانہ جاہلیت میں بھی اور اسلام کے بعد بھی، عرب میں بڑے بڑے علمائے انساب گزرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہر قبیلہ کے شاہیر کے نسب سے واقف تھے اور جب دوسرے علوم کی تدریس کا کام شروع ہوا تو یہ فن بھی مدون ہوا، اور علمائے انساب اس فن میں کئی کتابیں لکھیں، وغفل بکری ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، افانہانی، زبیری، زبیر بن بکار، اصمعی، ابو عبیدہ ابن ہشام، مبرد، اذرتی، بلاذری، سحانی، ابن خرم اور قلعشندی وغیرہ اس فن کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، ان میں سے بعض کی روایات میں کمزور اور یقینی صحت میں کتر درجہ کی بھی ہیں، لیکن روٹسن اسمتھ اور نولدکی ان روایات سے آگے بڑھ کر اس پورے فن کا ہی انکار کرتے ہیں، نولدکی لکھتا ہے :

”اب علمائے عرب کے لیے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پس پشت ڈال دیں جو چاہتے ہیں

کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محمد کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گھڑ لیا ہے، ان میں تاکہ باہم قبائل عرب قدیم و جدیدہ کے تعلقات تحقیق و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں، کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی تیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں، وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہیں یعنی تیس کی، جو سب سے کچھ پہلے تھا، اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ

قرآن مجید نے بھی قوموں اور بستوں کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا ان لوگوں نے شہار کیا، ان کے کتبات کو مل گیا اور پھر ان سے عجیب و غریب نتائج کا استنباط کیا، مگر یہ صاحب کے سامنے حقیقت بھی تھی کہ یہ مشرق مسلمان نہیں یہودی یا عیسائی ہیں اور ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن مجید کے فوائد کو ہمال کیا ہے، سید صاحب لکھتے ہیں کہ:

”بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال

کیا ہے، اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارڈ نے عرب کا تاریخی جغرافیہ لکھا، جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب و غریب نمونے پیش کیے، جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی اور کبھی رون آتا ہے، لیکن کیا کیجیے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقت تاریخی کا حصار ہے..... نوآبادی کے ۴ لاکھ دہائی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، دلکھ اور روڈرٹسن استغراب کے ادعا سے نسب کا انکار کرتے ہیں، عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر یورپ کے بعض بک منہ معنفین حرات کے ساتھ لکھتے ہیں کہ قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزاروں سال بہتر تھا، لیکن ایک فرانسیسی مشرق سینٹ پلیر نے اس کا عمدہ جواب بھی دے دیا کہ اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تین دہائیوں کے نام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم عوامات نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا“

(ایضاً، ص ۵)

سید صاحب نے ارض القرآن کی تاریخ و تحقیق کے لیے چار آخذ کو سامنے رکھ لیا ہے (۱) ادبیات اسلامیہ (۲) ادبیات اسرائیلیہ (۳) ادبیات یونانیہ و رومانیہ اور (۴) اکتشافات اثریہ (۱) لکھا لکھل ڈسکوینر) اس سلسلہ میں انھوں نے چند سی کتبوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کو مستشرقین نے نظر سے گزر دیکھا ہے، مثلاً ابن الکثکب ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس تھے، ان کی دو کتابیں ”مصدقہ جغرافیہ عرب“

اور اکیلی ہیں، پہلی کتاب عام جزیرہ عرب کا جغرافیہ اور دوسری کتاب الاکیلی صرف یمن کی تاریخ ہے، یورپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ برٹش میوزیم لندن اور رائل لائبریری برلن میں موجود ہے، ان کے علاوہ سید صاحب نے کئی اور کتابوں کا ذکر کیا ہے (ایضاً ص ۱۷-۱۹)

انساب اور مستشرقین | فن انساب، عرب کا ایک محبوب فن تھا، غزوہ ہجرت کے اظہار کے لیے عرب کا بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا، شعرائے عرب اکثر قبائل کے سلسلہ ذات کو محفوظ رکھتے تھے اور ان کے لیے یہ اس لیے ضروری تھا کہ مدح و جوح کے موقعوں پر اس کا ذکر کر سکیں، زمانہ جاہلیت میں بھی اور اسلام کے بعد بھی، عرب میں بڑے بڑے علمائے انساب گزرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہقبیلہ کے مشاہیر کے نسب سے واقف تھے اور جب دوسرے علوم کی تدریس کا کام شروع ہوا تو یہ فن بھی مدون ہوا، اور علمائے انساب نے اس فن میں کئی کتابیں لکھیں، وغض بکری ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، فاکہانی، زبیری، زبیر بن بکار، صمعی، ابو عبیدہ ابن ہشام، مبرد، ازرقی، بلاذری، سحرانی، ابن خرم اور قلعشندی وغیرہ اس فن کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، ان میں سے بعض کی روایات میں کمزور اور یقینی صحت میں کمتر درجہ کی بھی ہیں، لیکن روڈرئس اسمتھ اور نولدکی ان روایات سے آگے بڑھ کر اس پر اسے فن کا ہی انکار کرتے ہیں، نولدکی لکھتا ہے :

”اب علماء کے لیے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پس پشت ڈال دیں جو چاہتے ہیں

کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محض کلی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گھڑ لیا ہے، مان لیں تاکہ باہم قبائل عرب قدیم و جدیدہ کے تعلقات تحقیق و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں، کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ تمام قبائل بنی تیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں، وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں یعنی تیس کی، جو مسیح سے کچھ پہلے تھا، اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ

در حقیقت اپنے اس پید ہونے سے واقف نہیں ہیں کی طرف وہ منسوب ہے (ایضاً ص ۲۱)
 رد برٹن اس کا خیال بھی یہی ہے کہ :

”یہ تحقیق یہ چاہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی تاریخی شخص کی طرف منسوب نہ تھے“
 (ایضاً، ص ۲۱)

سید صاحب نے ان دونوں مستشرقین کی رائے کو نقل کر کے ان سے دریافت کیا ہے
 کہ آخر اس بے اعتباری کے دلائل کیا ہیں؟ وہ لکھتے ہیں کہ :

”عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لیے فردی تھا کہ دوستوں کی مدد اور دشمنوں کی ہجو کے لیے
 انساب محفوظ رکھے، عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر بد کی طرف انتساب کرتا وہ عرب میں حقیر و ذلیل
 سمجھا جاتا، اور بطور نشانِ طاعت کے اس کا نام لیا جاتا، شر اسے عرب مختلف مواقع کے لیے
 انساب کے زبانی یاد رکھنے پر مجبور رہتے تھے، کیا ان واقعات کے بعد بھی اس عام بے اعتباری
 کی کوئی مناسب وجہ ہے؟ بنو قیس کی طرح چھ سو برس کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے
 چند بلوں و قبائل کا پیدا ہونا کوئی حال امر نہیں۔“ (ایضاً ص ۲۱)

سید صاحب اس کے بعد ان مستشرقین کے اعتراض کی اصل وجہ بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :
 ”یورپ کے ان اعلیٰ توہم پرستوں کے انکار انساب کی بنیاد مسئلہ طوطیت (ٹوٹزم) پر ہے،
 طوطیت اس کا نام ہے کہ اشخاص و قبائل کا اپنے کو دیویوں، ستاروں، حیوانوں اور
 درختوں کی طرف منسوب کرنا“ قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا، جب کوئی بڑا شخص
 پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولایت سے نکل کر دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا، وہ دیویاں
 خواہ تار سے ہوں یا چھانٹا ہوں یا درخت ہوں، ہندوؤں میں سورج بنسی اور
 چند بنسی وغیرہ قبائل تھے، جو اپنے کو انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و مہتاب کے بیٹے

کہتے تھے، اس لیے سورج اور چاند کے متعلق یہ نہیں لکھا چاہیے کہ وہ اس قبیلہ کے مورث اول
کا نام ہے، بلکہ وہ اس قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔

۵۔ قبائل عرب میں بھی بنو ثمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں، اور حیوانات کے نام تو کثرت
آتے ہیں، جیسے بنو اسد، بنو فہد، بنو ثعلب، بنو کلب، بنو نخل، بنو عجل وغیرہ، نظریہ طوطیت
کے مطابق شمس اسد، فہد، ثعلب، کلب، نخل، عجل اشخاص تاریخی نہیں ہیں، اور نہ ان
قبائل کے مورث اول کے نام ہیں، بلکہ یہ ان ستاروں اور جانوروں کے نام ہیں جو کہ
پریش وہ قبیلے کرتے تھے اور ان ہی کی طرف اپنے کو منسوب سمجھتے تھے، لیکن یہ بعض علمی توہم پر مبنی
ہے، عرب میں کبھی اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہوا، اس خیال کی پیدائش عراق، ہندوستان
مصر اور یونان کی میتھالوجی (علم الاصنام) میں ممکن ہے، اس قسم کے نام عرب میں صرف
چند ہیں اور جو ہیں ان میں کلب (کتا)، نخل (جینڈی)، ثعلب (لوٹری) کون سی گاتھی در
ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ہو اور یہ اس قسم کے نام ہیں جن سے
اس زمانہ روشن کا طبقہ متحد بھی خالی نہیں، تم نے بعض انگریزوں کے نام بہم (لوٹری)
بل (Maul) بیل سے ہوں گے، کیا یہ بھی طوطیت ہے؟ (ایضاً ص ۲۱، ۲۲)

سید صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے فولد کی اور ان کے ہم نواؤں کے اعتراضات

کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟

ادبیاتِ رومانیہ کا | سید صاحب نے ادبیاتِ یونانیہ و رومانیہ کے زیر عنوان ایک باب قائم
ایک جغرافیہ نویس | کیا جس میں ان یونانی و رومانی مورخوں اور سیاحوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے
جو قرآن کی مذکورہ قوموں کے معاصر یا قریب العصر تھے، ان میں بطلمیوس اسکندریہ کا مشہور
ہیئت داں و جغرافیہ نویس تھا، اس نے خود قوطب کی سیاحت نہیں کی تھی، تاہم اسکندریہ میں

عرب تہذیبوں سے جو تعلق رکھتا تھا، ان تہذیبوں اور دوکانداروں سے دریافت کیے گئے۔ اس نے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا تھا، اور اس میں عرب کے مشہور قبائل، شہر، گاؤں، پہاڑ، سرائے، تجارتی منازل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا تھا، عرب آبادان میں اس کے بیان کے مطابق ۱۱۴ آبادیاں تھیں، لیکن سید صاحب لکھتے ہیں کہ چند ناموں کے سوا اب ان قبائل و منازل کے نام فارغ از فہم ہیں، جرمی مستشرق اسپرنگر کی کتاب قدیم جغرافیہ عرب و عربیہ میں شائع ہوئی تھی، اس میں بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا گیا تھا اور بطلیموس کے مذکورہ ناموں کی صحت ثابت کی گئی تھی، لیکن سید صاحب اسپرنگر کی اس تحقیق و تطبیق سے متفق نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ ”حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق بہ تکلف ہو سکتی ہے،

اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جا بجا ملیں گی، اور ہم شکایت مسعودی اور یاقوت حموی تقریباً آٹھ سو برس پہلے کر چکے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قبائل عرب زیادہ بدویانہ زندگی کے عادی تھے، اس لیے ان کے مقامات کی تعیین نہایت مشکل ہے، پھر بطلیموس کی قافلوں اور کاروانوں کی زبانوں سے ان کی تحقیق اور یونانی حزن و لہجہ میں ان کی تعبیر اور پھر انقلابات و حوادث روزگار کا تو اثر، کتابوں کی جہات اور ناآشنائی فن، ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ایک لفظ اپنے صحیح مخرج سے کہاں کہاں جا پڑا ہوگا۔“ (ایضاً ص ۲۸، ۲۹)

<p>اکتشافات اثویہ اور مستشرقین</p>	<p>اکتشافات اثویہ (ص ۳۱) کے زیر عنوان سید صاحب نے قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاروں کی بازیافت کی ہم میں علاقہ یورپ کی کوششوں کی تعریف کی ہے، کتبات اور نقوش زیادہ تر حمیری، سبائی، آرمی</p>
--	---

اور پہلی خط میں ہیں، ان کتب کو مل کر سنہ ۱۰۰۰ء کے فن کو مستشرقین نے بے حد ترقی دی اور اس شہنشاہ میں بے انتہا بزرگ و بار پیدا کر کے اس کو مستقل ایک فن بنا دیا، لیکن سید صاحب کی تحقیق کے مطابق بہر حال اولیت کا سہرا ان کے سر نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں :

"دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہد از حیثیت رکھتا تھا ان آثار کی تحقیق کی گئی اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اس عہد کے علماء واقف تھے، ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے، مصر کے خطا برآلی (پیر و گلفی) پڑھتے تھے، حمیری محقق علامہ ہمدانی نے صنفہ جزیرۃ العرب اور اکیلل میں تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں اور ان کے تفصیلی حالات کے لیے اپنی کتاب اکیلل کا حوالہ دیا ہے، قلندہ اعط جو سلاطین نے پیاد کی چوٹی پر بنایا تھا، اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے، وہب ابن نمبرہ (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا، ہمدانی کے علاوہ مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں، یثوت نے اپنی معجم میں، نویری نے اپنے جزائیر میں اور فردوسی نے اپنی آثار البلاد میں اسی قسم کے آثار و کتب کا ذکر کیا ہے۔" (ارض القرآن ج ۱ ص ۳۲، ۳۳، ۳۵)

لیکن سید صاحب نے فراخ دلی سے اس کا اعتراف کیا کہ یہ بہر حال ادھوری کوشش تھیں، علمائے یورپ نے ان کو بہت ترقی دی، اس کے بعد سید صاحب نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مذکور مختلف سیاحوں مثلاً نیو بھر، ہزبرگ، ہیمپرچ، ارناؤ، ہالوسے، وریڈے، ہرش، برکھارڈ، بیڈے ایچ، چارلس ڈوٹے اور میو بر کی تحقیقات و اکتشافات کا ذکر ایجاز کے ساتھ کیا ہے، جو بزرگ تحقیقات کو وہ عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ میو بر کو عرب کی آدھ لوجی اور ڈپلو گرافی کا محسن سمجھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۴)

تاریخ قدیم کے بعض اصول | سید صاحب نے تاریخ قدیم کے بعض اصول کے تحت مختصر مگر نہایت عالمانہ

بحث کی ہے، تاریخ قدیم کی ترتیب و تدوین میں سب سے بڑی وقت اور دشواری جو پیش آتی ہے وہ زمانہ کی تعیین اور ناموں کے اتحاد و اختلاف کی ہوتی ہے، سید صاحب نے اس ضمن میں چند اصول مقرر کیے ہیں، مثلاً اصول تعیین زمانہ یعنی جدید طرز تاریخ کی رو سے قبائل کے دور اور عہد کی تعیین کی جائے، عام طور سے کسی مجہول العہد قوم کے زمانہ کی تعیین اس طور پر کی جاتی ہے کہ اسی قوم کی ہمعصر قوم یا کسی شخص کے زمانہ سے اس کا تیاں کیا جاتا ہے، ایک اصول یہ بھی ہے کہ تاریخی اشخاص اور ان کے مقامات سکونت کے ناموں کا یا دو قوموں کی زبان، اشخاص اور دیوتوں کے ناموں کی آپس میں تطبیق دی جائے جس سے مقامات سکونت اور اتحاد قومیت کی طرف اشارہ مل سکتا ہے، استشراق فارسٹرنے اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر اپنی کتاب عرب کا تاریخی جغرافیہ میں چند نتائج پیدا کیے، سید صاحب ان نتائج کو کارآمد قرار دیتے ہیں، گو بعض مقامات پر فارسٹر صاحب کے استنباطات سید صاحب کی رائے کے مطابق وہم وطن سے آگے کا علم نہیں بخنتے اور کہیں علم کے بجائے وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں، فارسٹر کے اخذ کردہ اصول کے متعلق سید صاحب لکھتے ہیں کہ :

”اس اصول کے اجراء میں دو بہت بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، پہلی یہ کہ زمانہ کے امتداد، قوموں کے انقلابات اور زبانوں کے تغیر سے نام کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، اس لیے مقامات اور باشندوں کے ناموں میں تطابقی کے بجائے کچھ صرف تشابہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے، دوسری دقت جو پیچھے سے سہل تو ہے یہ ہے کہ سامی زبانوں میں باہم اور نیز یونانی زبان میں جس میں قورات کا قدیم ترجمہ ہے اور اب زیادہ تر وہی پھیلا ہوا ہے، جب ایک نام ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو بعض حروف کا خصوصیت زبان

کی وجہ سے مبادلہ ہو جاتا ہے، مثلاً آجر اور ہاجر، اسمائیل اور اسماعیل، تمہود اور شہود، حصار موت اور حصار موت، اضحاک اور اسحاق، حدر موت اور

حضر موت، ابی رہام اور ابراہیم وغیرہ۔ (ارض القرآن ص ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴) اس کے بعد سید صاحب نے اصول اتحاد اسماء والسنہ کو اس بحث میں سب سے مفید اور کارآمد قرار دیا ہے کہ ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے، جس میں اس کی نوعیت کا امتیاز پوشیدہ ہوتا ہے، اسی طرح اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو یہانی سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں قومیں حقیقت میں متحد الازل ہیں، یہی حال مذہبی اعتقادات کے تشابہ اور زبان کے الفاظ کی مماثلت کا بھی ہے، سید صاحب کی نظر میں اقوام کے اتحاد نسل کی یہ بھی ایک دلیل ہے، گو مبہم ہے۔

جزائریہ عرب اور فارسی اوپر بطلمیوس کا ذکر آچکا ہے، جس نے عرب کی جزائی تقسیم کو مرتب کیا، اور اس کی یہ ترتیب سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ ہوئی، اس نے اپنے جزائریہ میں عرب کے ۵۴ قبائل، ۱۶۴ مقامات، ۵۰۰ کوہستانی سلسلے اور ۴۴ دریاؤں کا ذکر ہے، لیکن بطلمیوس کے مخالفوں کو ان ناموں کے تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے، ان کا کہنا ہے کہ ان ناموں کا وجود و مصداق بطلمیوس کے دماغ کے سوانحارج میں کہیں نہیں ہے، لیکن بطلمیوس کے معتقدین اس الزام سے برہم نظر آتے ہیں، ان کی نمائندگی فارستر کرتے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں ۵۴ ناموں کی تحقیق کی ہے، سید صاحب اس تحقیق کو عالمانہ جہالت سے تعبیر کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ :

”غریب فارستر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے، ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے، وہ بطلمیوس قبائل کے

ناموں کو حدوث کے برعکس موجودہ قبائل سے تطبیق دیا ہے، اس کو نہیں معلوم

کہ اب قدیم قبائل کے نام بالکل نئے ہیں۔ (ارض بحرین ص ۷۱)

بطلمیوسی جزائیر کے تحت تین قبیلوں کو سب سے زیادہ اور پر زور اور طاقت ور بنایا گیا ہے، یہ قبائل ہیں: بنی زومین (۲) سیدی بنی اور (۳) بنو بری، ان تینوں قبیلوں کو بحر کے ساحلی علاقوں میں خلیج عقبہ سے عسیر تک حجاز و تہامہ میں متوطن ظاہر کیا گیا ہے، لیکن سید صاحب پوچھتے ہیں کہ ان کے اصلی اور صحیح نام کیا ہیں؟ کیونکہ ان ناموں کا قبیلہ عرب میں تو موجود نہیں لیکن ریفلڈ فارسٹر بغیر کسی شک و سوال کے یقینی انداز میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بنی زومین بنی مراد ہیں، سیدی بنی قبیلہ جنبہ کا نام ہے، اور بنی بری یہ کنویں والا قبیلہ ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بطلمیوس کے دو ہزار برس کے بعد یورپین سیاحوں برکھارٹ اور نیو بھرنے انہی مقامات میں مذکور قبائل کو دیکھا ہے، سید صاحب اس دلیل کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

”صاف ظاہر ہے کہ زومین خزیمین ہے، سیدی بنی سید مین ہے اور بنو بری

بنو برہ ہیں، فارسٹر کی حوی، انی ملاحظہ ہو کہ عربی میں جو کہ کنویں کو برکتے ہیں اس لیے

انھوں نے بری کے معنی بھی کنویں کے ہی سمجھ، خزیمہ حجاز میں، سیدین اور برہ دیگر

اطراف میں مشہور قبائل ہیں، (ص ۷۱)

اس کے بعد سید صاحب نے بطلمیوسی قبائل کے ناموں کی ایک فہرست دی ہے، جس میں یونانی تلفظ انگریزی و فارسی رسم الخط میں دیا گیا ہے، پھر فارسٹر کی رائے دی ہے اور اس کے مقابل انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، مثلاً ڈیبائی کو فارسٹر زبید کہتے ہیں، لیکن سید صاحب اس کو فسبہ کہتے ہیں، الاٹھاری کو فارسٹر بنی یا م اور سید صاحب بنو عیلام قرار دیتے ہیں، مانی ٹائی اور کیتھی بانی ٹائی کو فارسٹر اٹلی ٹائی اور بنو قحطان سمجھتے ہیں، لیکن سید صاحب

عین (دابق عین) اور قنابین (قناب دابق عین) قرار دیتے ہیں، ایک نام و آخری غوغائی ہے، اس کو فاسٹر واد القرامطہ (دابق بحرین) سمجھتے ہیں، سید صاحبؒ اپنے خاص انداز میں لکھتے ہیں کہ :

”غریب مستشرق کو معلوم نہیں کہ بحرین میں قرامطہ کا وجود بطریقہ جس کے آٹھ سو برس

بعد ہوا ہے۔“ (ارض القرآن، ص ۱۰۱)

ریٹنڈ نا رسٹر کو صرف اسی پر اصرار نہیں ہے کہ بنی زوین بنی عمران ہیں اور یہ کہ ان کا مسکن حجاز نہیں ہے بلکہ خلیج عقبہ ہے، اور اس اصرار کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسیحؑ سے سولہ برس پہلے سسلی کے ڈائڈورس نے لکھا تھا کہ بنی زوین کے ملک میں ایک معبد ہے جس کی تمام عرب عزت کرتے ہیں، اس معبد کو ان علمائے یورپ نے جو کہ ریٹنڈ یعنی پادری نہیں ہیں انھوں نے بھی کعبہ سمجھا ہے، ظاہر ہے کہ کعبہ حجاز کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سید صاحبؒ نے اس نکتہ کو بھی محسوس کیا، اور اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی بحث وہ الگ کریں گے۔ اہم سامیہ کا مسکن اول | اس عنوان کے تحت سید صاحبؒ نے نہایت معقضانہ بحث کی ہے، جس کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس بحث میں سید صاحبؒ نے مستشرقین کی ایک جماعت کے خیالات کو قبول کیا ہے، بحث یہ ہے کہ زمانہ تاریخی سے پہلے جو سامی قومیں الگ الگ لیکن متصل مقامات میں آباد تھیں اور صرف چند کنہوں میں تقسیم تھیں تو ان کا مسکن کہاں تھا؟ عرب کے مورخین کے پاس تو اس کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا مسکن عرب تھا، لیکن یورپ کے علماء و محققین نے اس سوال کے جواب میں چار نظریے پیش کیے، ان کا پہلا نظریہ یہ ہے کہ ان سامی قوموں کا پہلا مسکن افریقہ ہے، جہاں سام کے بھائی عام کی اولاد زمانہ تاریخی میں آباد ملتی ہے، ان محققین کی دلیل یہ ہے کہ

سامی اور حامیوں میں بہت مشابہت ہے نیز یہ کہ سامی اور حامی اور جنوبی جنوبی
سامیوں اور حامیوں (جیشی) کے بعض اعضاء میں مکمل مشابہت پائی جاتی ہے، لیکن شیکا
اس دلیل کی پرزور تردید کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ دلیل نہایت عجیب ہے، دو جہازوں میں اگر مشابہت پائی جاتی ہے اور

ایک افریقہ میں رہتا ہو تو کیا ضرور ہے کہ دوسرا بھی افریقہ ہی میں پہلے رہتا ہو، یہ کیوں
نہیں فرض کیا جاسکتا کہ خورد حامی پہلے سامی خاندانوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ایک
مدت کی کجائی کے بعد ان سے الگ ہوئے، اسی کجائی و اجتماع و تکانسل کے بقیہ

آثار دونوں میں موجود ہیں“ (ارض القرآن ج ۱ ص ۱۰۷)

جنوبی جگ کے سامیوں اور حامیوں میں مشابہت کی دلیل سے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:

”جنوبی عرب (یمین) اور حبشیوں میں یقیناً تشابہ ہے، لیکن اس کا سبب بالکل ظہر
ہے، حبش کی کوئی مستقل آبادی نسل نہیں ہے، بلکہ وہ یمنی عربوں کی ایک نوآبادی ہے
اور ان کی نسل کا غلط حصہ ہے، اسی لیے عرب ان کو حبش (مخلوط) کہتے ہیں، اور
اسی بنا پر قدیم مورخین، یمن و حبش کو دو مستقل ملک نہیں قرار دیتے ہیں، بلکہ ایک ملک

ملک (ایتوبیا) کے ان کو دو ٹوکڑے سمجھتے ہیں“ (ایضاً ص ۱۰۷، ۱۰۸)

مستشرقین کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا وطن آرمینیا اور کردستان ہے،

لیکن سید صاحب کا خیال ہے کہ اس تھیوری کی صحت پر تورات کے چند الفاظ کے علاوہ
اور کوئی دلیل نہیں ہے، خود نولدکی بھی اس نظریہ کو صحیح نہیں مانتا۔ (ایضاً ص ۱۰۸)

تیسرا نظریہ ایک اطالوی مستشرق پروفیسر گیدی کا ہے، ان کا خیال ہے کہ سامیوں کا
مکمل اول فرات کا نیشی حصہ تھا، پروفیسر گیدی نے اپنے اس دعویٰ کو ان مقدمات پر قائم

کیا ہے کہ ابتدائی زبان میں سب سے پہلے ابتدائی ضروریات اور اگر روپوش کی چیزوں کیلئے الفاظ پیدا ہوں گے اور اس لیے یہ الفاظ علماً مختلف خاندانوں اور زبانوں میں تقسیم ہونے کے بعد بطور ترکہ، موردِ وثق کے مشترک طور پر باقی رہیں گے، سامی زبان میں اس قسم کی چیزوں کے لیے جو مشترک الفاظ ہیں مجموعی طور پر ان کا وجود جہاں پایا جائے گا وہی اہم سامیہ کا سکن اول ہوگا، اس حیثیت سے جو مشترک چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ان کی شہادت ہے کہ وہ فزات کے حصہ زیریں کی پیداوار ہیں۔“ (ارض القرآن ج ۱ ص ۱۰۸)

پروفیسر گیلڈی کی ان رائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان سے پہلے اسی قسم کی دلیل وان کریم نے قائم کی تھی اور ان کا خیال یہ تھا کہ سامی قوموں کا ابتدائی مسکن ایشیائے وسطیٰ میں نہر تیگرس و فرات کے پاس ہے، سید صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

”ایک ہی قسم کی دلیل سے دو مختلف نتائج کا ظہور، دونوں کے ابطال کی دلیل ہے۔“ (ص ۱۱۸)

چوتھی دلیل اس بحث میں یہ ہے کہ بنو سام کا مسکن اول ملک عرب ہے، سید صاحبؒ کی رائے میں یہ دلیل قرین صواب اور باعتبار دلائل مستحکم ہے، مستشرقین کی ایک بڑی جڑت بھی اسی رائے کی موید ہے، ان لوگوں میں ڈی فوئی، شریڈر، اسپرنگر، فولد کی، روبرٹسن سمیت سوال لے آنگ، ولیم رائٹ اور راجرس وغیرہ شامل ہیں، سید صاحبؒ نے ان لوگوں کی دلیلوں کو تلخیص کے ساتھ نقل کیا ہے، بالخصوص انھوں نے فولد کی کے ساتھ خاص اکتفا کیا ہے، ان کی رائے کو نقل کرنے سے پہلے ان کو موجودہ یورپ میں مشرقی زبان و تاریخ کا سب سے بڑا فاضل کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، ہم یہاں فولد کی کی رائے کو نقل کرتے ہیں کہ اس کی افادیت کا یہی تقاضا ہے، فولد کی کی عبارت یہ ہے:

”بعض مشہور محققین خیال کرتے ہیں کہ جن سامی کا مولد عرب ہو سکتا ہے، بہت سی چیزیں ہیں

جو اس شخص کا تائید کیا کرتی ہیں، تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب کے دیگستان سے قبائل نکل نکل کر قریب کے سرسبز ملک میں آباد ہوتے رہے ہیں، اسی طرح عربی زبانوں میں بہت سے ایسے نشانات پائے جاتے ہیں، جن سے ابتدائی خانہ بدوشانہ حالت پائی جاتی ہے اور عرب کاشال حد محاصرے مابین شام و عرب، خانہ بدوش قبائل کا مسکن ہے، اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکڑاپے خاص رنگ میں باقی بچھا جاتا ہے اور ان کی زبان قریب ترین اصل زبان ہے۔

”ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ یہ پیوری کہ عرب ام سامیہ کا مسکن اول ہے، کئی مہنی

سے غیر معقول نہیں ہے۔“ (ایضاً ص ۱۱۲)

سید صاحبؒ اس بحث کے آخر میں اسی فیصلہ کا اعلان کرتے ہیں کہ عرب کے سوا قدیم زمانہ سے کوئی قوم اس کی مدعی نہیں ہے کہ ان کا ملک بنو سام کا مسکن اور ام سامیہ کا مسقط الرأس ہے، عرب عام طور پر اس کے مدعی ہیں اور حق یہ ہے کہ شواہد و قرائن کی شہادت کے ساتھ جب کوئی دوسرا مدعی موجود نہیں تو مقدمہ ان ہی کے حق میں فیصل ہونا چاہیے، اس کے بعد سید صاحبؒ نے ابن قتیبہ اور یعقوبی کی دو تحریروں کو پیش کیا ہے، اور آخر میں یہ طبعی فقرہ بھی سہرہ تحریر کر دیا کہ:

”ان مقدمات پر ایک دندہ کا اور اضافہ کرو کہ قرآن کہہ کہ ام القریٰ

(آبادیوں کی ماں) کا خطاب دیتا ہے، لَنْتَذَرَامَ الْقُرَى وَمَنْ

حَوْلَهَا“ (ص ۱۱۵)

(بانی)

علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت تنقید نگار

از: پروفیسر عبدالغنی صدر شعبہ انگریزی، پٹنہ یونیورسٹی،

بحیثیت ایک مورخ اور محقق یا عالم کے علامہ سید سلیمان ندوی عصر حاضر کی چند اہم ترین شخصیتوں میں ایک ہیں، اور ان حیثیتوں سے ان کے قلم کی فتوحات عالم گیر ہیں، ہندوستان اور مشرق وسطیٰ سے آگے بڑھ کر یورپ کے مستشرقین تک انہیں ایک سزا مناتے ہیں، اس کے علاوہ داراللمصنفین اعظم لکھنؤ کے نگران، ندوۃ العلما لکھنؤ کے سرپرست، معارف اعظم لکھنؤ کے مدیر اور قومی دلی مجلس کے خطیب کی تنوع حیثیتوں سے وہ اپنے وقت کے ایک نمایاں ترین رہنما تھے، واقعہ یہ ہے کہ علمی اور ملی ذہنوں جہتوں سے وہ اپنے مشہور عالم اسلام علامہ شبلی نعمانی کے بہترین ہاشین تھے، علامہ شبلی اردو کے عظیم ترین نقاد تھے، اور ان کی معرکہ آرا تنقیدی کتاب شعرا لجم، کا کوئی جواب اب تک کی اردو تنقید میں نہیں ہے، ان کی دوسری تصنیف موازنہ انیس و دبیر بھی اردو میں علی تنقید کی بہترین کتاب ہے، بلاشبہ یہ دونوں عظیم تصنیفات مشرقی انداز تنقید کا نایمذہ اور نمونہ ہیں، لیکن مشرقی انداز تنقید بھی ایک مستند انداز تنقید ہے اور جہاں تک فن کی تنقید کا تعلق ہے، یہ وجہ مغربی انداز تنقید سے بہتر ہے، اس لیے کہ مشرقی طریقہ ادب کی نصاحت و بلاغت کی تشریح اور تجزیہ کا ہے، جو عناصر فن کی تفہیم و توضیح کا سب سے موثر اور مفید طریقہ ہے، جب کہ اس کے برخلاف عصر حاضر میں مغرب کی تنقید کے جو نمونے سامنے آئے ہیں، ان میں سارا زور موشگافی اور لفظ بازی اور تراکیب کی موندنہ نہ بلکہ مبہم تشریح پر ہے، اسی طرح بہت ادب کی ترکیب کا

جو تجزیہ عام طور پر مغرب میں کیا جاتا ہے، اس میں چند مفروضات کی بنیاد پر پہنچنا کہ مسطورہ بیان کیا گئے کھانے کا میلان زیادہ ہے اور پوست کندہ حقائق کی دریافت کا رجحان کم، چنانچہ اس کے بعد کہ چند مشہور مغربی نقادوں نے اپنی تشریحات و مطالعات کی بنا بعض جدید علوم کے نکشائے پر مبنی و مقبولہ ہوئے، ان کے بیان سے زیادہ کی علم ہی کی ہے، اور وہ بالعموم اس مفروضے پر کام کر سکتے ہیں کہ ان کے منتخب کردہ ادبی نمونے اپنی دنیا آپ پیدا کرتے ہیں، لہذا وہ مستقل بالذات وجود ہی میں تشریح الابدان پر توجہ مرکوز کر کے ان کے عناصر وجود اور جمالیاتی اثرات دونوں کا سراغ لگایا جاسکتا ہے، لیکن مشرقی تنقید کے وہ اعلیٰ نمونے جن کا حوالہ ابھی مشیل کے سلسلے میں دیا گیا ہے، ایک طعن اپنے موضوع کا پورا اعلیٰ احاطہ کر کے اس کے تمام تعلقات کا سراغ لگاتے ہیں، اور دوسری طرف ادب کے سالم کارناموں کی بالکل فنی و جمالیاتی تشریح پر سارا زور صرف کرتے ہیں، لہذا جو لوگ کسی ادبی موضوع کے متعلق اعلیٰ پایے کے مشرقی مطالعات سے جوتی ہے وہ مغربی مطالعات سے کم ہی ہوتی ہے، اب یہ دوسری بات ہے کہ تنقید یا ادب کو مشرقی و مغربی دو حصوں میں تقسیم کرنا ہی نامناسب ہے، ادب و تنقید کا کارنامہ و مطالعہ خواہ مغرب میں ہو یا مشرق میں دونوں کی اہمیت ہے اور ان کی قدر و ثمنی کے لیے بلا امتیاز و تعصب ایک اصولی و آفاقی معیار سے کام لینا چاہئے۔

اس معیار سے جب ہم علامہ سید سلیمان ندوی کے تنقیدی کاموں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وصف و وزن کے اعتبار سے ان کی کاوشیں اپنے وقت کے کسی بھی اردو تنقید نگار سے کم نہیں اور ان کا ایک کام تو ایسا ہے کہ اپنے موضوع پر دنیا کے تنقیدی ادب میں ایسی طرح بے نظیر ہے جس طرح ان کے استاد علامہ شبلی کی شعرا جمع ہے، یعنی خاتم پر علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق و تنقید، اس کے علاوہ ان کے مشہور مجموعہ مضامین نقد و نقوش سلیمانیہ میں ان کی تنقیدی

بصیرت مندوں اور متفکرانہ شعور سے آشکار ہے، جو انہوں نے متنوع موضوعات پر تحریر کیے ہیں، ان موضوعات میں غزل، نظم، مرثیہ، مکتوب نگاری، طرافت نگاری جیسی اصناف ادب شامل ہیں، اور جس صنف پر بھی انہار خیال کیا گیا ہے اس کے فنی مضمرات پر بڑی فکر و انگریز بخشش کی گئی ہے، جن سے ہادوثِ ظاہر میں کے علاوہ خود نقادانِ ادب فائدہ اٹھا سکے ہیں، اس لیے کہ یہ ایک ایسے عالم کی کلمۂ سنیاں ہیں، جس کی تنقیدی حیثیات کثیر اور غایر مطالعہ ادب سے ابھری ہیں، اور وہ اپنی ہر بات بہت جانچ پرکھ اور ناپ تول کر پیش کرتا ہے، اردو کے ہر تیرے موجودہ ناقدین کی طرح قطعاً اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور ذہنی تعصبات یا نفسیاتی میلانات کی بنا پر فتوے صادر نہیں کرتا حالانکہ خوب و ناخوب کے درمیان قطعی فیصلہ کرنے میں اس کے اسلوب کی محکمگی کسی بڑے سے بڑے ناقد سے کم نہیں۔

مثال کے طور پر سب سے پہلے میں علامہ سید سلیمان ندوی کے دوز بردست ادبی سرکوں کا ذکر کرتا ہوں جو میرے خیال میں تاریخِ تنقید کے اہم کارنامے ہیں، اور ناقد کے کمالِ فن کا ثبوت پیش کرتے ہیں، شادِ عظیم ہادی کے متعلق مختلف دفتروں میں مختلف قسم کی باتیں اردو کے تنقیدی ادب میں کی گئی ہیں، اگر کج سے جو غلطی سال قبل علامہ سید سلیمان ندوی نے شاعر کی غزلیات کے مرتبہ پورے دو سو اشعار پر مشتمل ایک غیر منتخب اور نامرتب مجموعہء کلام کے مقدمے میں جو کچھ لکھا تھا اس پر اردو تنقید آج تک کوئی اضافہ نہ کر سکی، بلکہ اس بصیرت انگیز مطالعے کا اتباع بھی نہ کر سکی اور بعض وقت تثلیثِ غزل، وغیرہ کی لائینی مبالغہ آرائیوں میں الجھ رہی، اس مقدمے کی روح حسب ذیل پیرا گراف میں جلوہ گر ہے۔

”شاد کا خاندان دلی سے عظیم آباد آیا تھا، لیکن ان کی صحبت اور ان کا تعلق زیادہ تر کنھنوی کے اربابِ کمال سے رہا، تاہم یہ امر تعجب انگیز ہے کہ ان کی شاعری پر

کھنڈے بہت زیادہ ملے گا رنگ نمایاں ہے، ان کے کام پر کسی کسی کھنڈے کے مسائل بہت کھنڈے بھی مل جاتا ہے، مگر شاعری کھنڈے، مضامین، سوانحیات، سنجیدگی، متانت، ہر چیز دلی کا پتہ دیتی ہے، اس کے ساتھ جو چیز خواہ کھنڈے کی نظر آتی ہے وہ الفاظ کی صحت، محاوروں کا تبحر اور فادسی ترکیبوں کا حصول کے ساتھ استعمال ہے، اس طرح ہم عظیم آباد کے حضرت شاد کو نقلی حیثیت سے کھنڈے کا اور مفنوی حیثیت سے دلی کا کہیں گے۔ (نقوش سلیمانی ص ۳۹)

شاد کے فنرل کی خصوصیت اور اہمیت پر اس سے بہتر تنقیدی تبصرہ ممکن نہیں، اور اس تبصرے کی خوبی یہ ہے کہ صرف چند چھٹے لفظوں میں پوری وضاحت اور تعلیقت کے ساتھ عصر حاضر کے ایک عظیم غزل گو کے امتیازی اوصاف کی نشان دہی کر دی گئی ہے، اس نشان دہی میں تاریخی و عمرانی نکات کے ساتھ ساتھ فاضل سانی و ادبی اشارات بھی ہم آئیں ہیں، یہ ایک عالمانہ تنقید ہے جو اعلیٰ ذوقِ ادب کے ساتھ کی گئی ہے، اور سرسرا صداقت پر مشتمل ہے، اس میں افراط و تفریط کا کوئی مبالغہ نہیں، ذاتی پسند و ناپسند اور نفسیاتی الجھن کا کوئی شائبہ نہیں، ایک بالکل معروضی و متوازن مطالعہ و تجزیہ ہے۔

اس کے علاوہ شاد کی جو خصوصیت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے واضح کی ہے وہی حقیقت اردو ادب میں عظیم آباد کے کتب شاعری کا امتیازی نشان دلی اور کھنڈے کے مکاتیب کے مقابلے میں ہے، اور اس سلسلے میں شاد کی حیثیت ایک پورے دہان کے نمونہ و معیار کی جو جاتی ہے، چنانچہ دبستانِ عظیم آباد کا بانی شاہو جی جو اردو غزل میں اس کے سب سے بڑے نمایندہ شاعر عظیم آبادی اور اس دہان کو ایک تنقیدی جہاد فراہم کرنے والے علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں، یقیناً یہ ہماری ادبی تنقید کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔

شاد کے مطالعے میں علامہ نے ایک بہت ہی اہم عصری نکتہ ان کے مزاج تغزل کے متعلق اٹھایا ہے، اور اس نکتے کی تشریح کرتے ہوئے شاد کو عصر حاضر کا تیر قرار دیا ہے، زیر نظر مقدمے میں ان کا بیان ہے۔

تغزل گوئی کے لگاؤ سے شاد میں تیر کے بہت سے انداز پائے جاتے ہیں جن دمشق کی داستان سرائی میں وہی سادگی اور مناسبت ہے، بھونٹے بھونٹے الفاظ میں سادہ ترکیبیں ہیں، بیان میں وہی رقت ہے، تیر ہی کے انداز و بحر میں وہی انداز کلام ہے، وہی غیرانہ صدا ہے، اس لیے شاد کو اس دور کا تیر کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔
(نقوش سلیمانی، ص ۳۹۹)

ہماری تنقید میں عام طور پر تیر کا ہاشین غلی کو قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ کی رائے مختلف ہے، اور نہ صرف یہ کہ شاد کو تیر کی جانشینی کے معاملہ میں قافی پر تقدم حاصل ہے، بلکہ علامہ کی رائے کو بھی دوسرے ناقدین کے خیالات پر تقدم ہے، افاد کے کلام نے قافی کے اشعار سے پہلے انداز تیر کی عکاسی کی اور علامہ نے دوسرے ناقدین سے قبل دور جدید کے تیر کو رد یافت کیا، اس سے بھی زیادہ اہم تنقیدی نکتہ یہ ہے کہ علامہ نے اپنے تنقیدی مطالعے میں تیر کی پوری ادبی شخصیت اور اس کے فنی اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے جب کہ دیگر ناقدین محض تیر کی قنوطیت کو سامنے رکھتے ہیں، اور ان کے اسلوب کو نظر انداز کر دیتے ہیں، میر کے تغزل میں قنوطیت سے زیادہ بھی کچھ تھا، اور ان کے اسلوب میں وہ شوکت نہیں جو غالب کی خصوصیت اور جس کا عکس قافی کے انداز بیان پر نمایاں ہے بیان میں رقت، اور غیرانہ صدا، کی جن خصوصیات کا اشتراک علامہ سید سلمان ندوی نے تیر اور شاد کے درمیان دکھایا ہے، وہ دونوں شاعروں کے مزاج تغزل کے متعلق سچے کی بات ہے جس کا سراغ علامہ کی تنقیدی بصیرت ہی لگا سکی، جب کہ دوسرے ناقدین اگر بڑی محاورے میں صرف

جھاڑیاں پیٹتے رہے۔
Beating about The bush

علامہ سیلابان ندوی کی تنقیدی بصیرت کا دوسرا اہم سرکہ شعلہ طور کا خاکارت کرنا ہوئے ایک نونا بدشاہ جگر مرود آبادی کی قد رشتہ سی ہے، جس کے پہلے محمد اکرام پورہلی مبصرانہ تنقید ہے جس میں اردو غزل کی بساط پر ایک تازہ وار دکا ایسا شان دار استقبال کیا گیا ہے، جو عصر حاضر میں اردو غزل کے مستقبل کے ایک روشن پہلو کی نشاندہی کرتا ہے آج سے نصف صدی پیشتر جگر جیسے غزل گو کی یہ قد رشتہ سی تنقید کی دور بینی بلکہ پیش بینی کا ثبوت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس سے ایک بار پھر معلوم ہوئے کہ علامہ کا ذوق ادب کتنا اعلیٰ اور تنقیدی شعور کتنا اگر تھا، اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ تابلو ذکر یہ حقیقت ہے کہ جگر کی شاعری کے جو اوصاف علامہ نے تقریباً چھاس سال قبل بیان کیے تھے، وہی اردو کے اس منفرد ممتاز غزل گو کی حقیقی توصیف کرتے ہیں اس توصیف کی انصاف پسندی ملاحظہ ہو۔

” جگر کی شاعری کے معنوی خیالات بہت مختصر ہیں، وہ انھیں الٹ پلٹ کر دہراتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ کہتے ہیں تو سننے والوں کو وہ بات نئی معلوم ہوتی ہے، ہر فطری شاعر کا رنگ نہ ان ہی ہوتا ہے، کیونکہ وہ وہی کہتا ہے جو محسوس کرتا ہے وہ نہیں کہتا جو وہ سرے محسوس کرتے ہیں، اور جس طرح ہر شخص کا فطری رنگ طبیعت خاص ہوتا ہے کہ وہی اس سے تراش کر رہتا ہے، اسی طرح شاعر کا فطری رنگ بھی ایک ہر گاہ ہر جگہ یکساں ہی ظاہر ہو گا۔“ (نفوسِ میلانی، ص ۳۳)

ان سادہ اوصاف جہوں میں جگر کی تعریف ان کی شاعری کی اصلیت کے مطابق ہے، جسے ہلکے دمکاست بیان کر دیا گیا ہے، یہ اصلیت فطری شاعری کی ہے، جس میں تمام حقیقی شاعروں کو شریک در فنیق بتایا گیا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں علامہ نے جگر کو حافظ اور خیام کے مشابہ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں۔

دہریت غزل کا بہترین نمونہ حافظہ کا کلام ہے، مگر اس کو ہر صاحب نظر محسوس کرنا ہو گا کہ حافظہ کے خیالات میں نیرنگی نہیں، طرز بیان میں نیرنگی ہے وہی جذبہ ہے جوئے خیال میں جو حافظہ کی ہر غزل میں ظاہر ہوتے ہیں، مگر ہر غزل اپنے طریق اظہار اور طرز تعبیر میں الگ ہے، ایک ہی خیال سو سو طرح اس میں ادا ہوتا ہے مگر ہر جگہ اس کی شان نرمی اور طرز نئی ہے، یہی حال خیام کی رباعیوں کا ہے، چند خیالات ہیں جو ہر دفعہ نیا قالب بدل کر اور نئی شکل میں جلوہ گر ہو کر سامنے آتے ہیں۔

حافظہ و خیام سے جگر کا یہ موازنہ علامتہ تینوں شعرا کے احوال و کیفیات کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے، واقعہ یہی ہے کہ مستی و مرشاری میں اگر کسی اور دو شاعر کا کلام حافظہ و خیام کے مقابل قرار دیا جاسکتا ہے، تو وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جگر ہی ہیں، علامہ خود فرماتے ہیں: ”وہ جگر، مست ہے اور اسی مستی میں کسی نادیدہ کا سراپا مشتاق نظر آتا

ہے، وہ اس کے حجابات کو اپنے رشتہ دار ہاتھوں سے ہار ہار اٹھا دینا چاہتا ہے مگر نہیں اٹھا سکتا، وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے مگر نہیں دیکھ سکتا، اس کی تمنا کی آنکھیں اس کو کبھی بے حجاب دکھا دیتی ہیں، تو وہ ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہتا ہے مگر وہ تصویر نگاہوں سے غائب ہو جاتی ہے“ (نفوس سیلیانی، ص ۲۳)

پہلے دو میں تاریخی تنقید کا ایک بہترین نمونہ ہے، اس میں علامہ کی تنقیدی نگاہ شاعر کے دل کی گرائیڈ میں اوجھاتی ہے، اور اس کے تغزل کی تہوں میں غوطہ لگا کر اس کا گوہر آب دار نکال لاتی ہے، پھر اس گوہر کی آب و تاب کو دیے ہی درخشاں الفاظ میں بیان کرنے کے لیے ناتھ کاظم گویا شاعر کاظم بہا جانے، یہ درحقیقت روح شاعری میں حلول کر کے اس کے عین ترین مضمرات کی تشریح کا کمال ہے، اس تشریح کی مکمل حسب ذیل جہلوں سے ہوئی ہے۔

”جگر مستی ازل ہے، اس کا دل سرشارِ مست ہے، دو جگت کا مست ہے
 اللہ شوقِ حقیقی کا جو پار، وہ گار دکھار اے حقیقت کی منزل تک اور تھکان کی لگی ہے
 کعبہ کی شاد راہ کو اور غم خانہ کے بادۂ کیف سے خود فراموش ہو کر بزمِ ساقی کوڑ
 تک پہنچنا پاتا ہے۔“ (نغمہ سلفانی)

یہ الفاظ، فعلہ طور سے زیادہ آتش لگی، کے شاعر کے ذہن کی تصویر پیش کرتے ہیں اور
 مطلب یہ ہے کہ تادمِ پختے ہی مجبور کلام کے متعدد اشعار کے اشادات سے سمجھ گیا کہ آگے چل کر
 کی منزل کیا ہوگی، جس کا نقشہ واقعی دوسرے مجبور کلام کے اشعار سے بالکل نمایاں ہوتا ہے اور
 شاعری کی کیفیات کا رخ جان لینا یقیناً ایک زبردست تنقیدی بصیرت کا ثبوت ہے اس معا
 میں سب سے لطیف نکتہ یہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے جب یہ الفاظ لکھے تھے تو وہ یہ سم
 جھتے تھے کہ ممکن ہے، از خود نگلی میں شاعر کو خود معلوم نہ ہو کہ وہ کہہ رہا ہے، چنانچہ اس سلسلے
 میں علامہ کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

”جگر بہ ظاہر سرشار“ مگر وہ حقیقت بیدار ہے، اس کی آنکھیں پر خوں گس کا دل
 ہنسا رہا ہے، اور کیا عجب کہ خود جگر کو بھی اپنے دل کی خبر نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اس کے
 کلام میں اثر نہ ہو۔ (ایضاً)

یہ ایک بے خوف نظری شاعر کا تنقیدی مرقع ہے، اور اس سے جگر کے سرور انگیز اور معنی آفر
 نازل کی وہ حقیقت آشکار ہوتی ہے، جس کے فہم سے ان کے متعدد محاصرین قاصر رہے، خاصاً
 نیاز فتح پوری کے تو تنقیدی حواس ہی جگر کے کلام سے غفلت ہو گئے، اور انہوں نے اپنے وقت کے
 ایک رئیسِ منتظرین کی تحقیر و تمسخر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، لیکن جگر کی شاعری ہم
 ادب میں اپنا مقام پا چکی ہے، جب کہ نیاز فتح پوری کی تنقید اب گویا کسی کو یاد بھی نہیں۔

اکبر آبادی کے قریب کلام پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور اس سلسلے میں نقادوں نے بڑی
افراط و تفریط کی ہے، اور کم ہی ایسے ہی جنہوں نے اکبر کے فکر و فن کے عناصر و حقائق پر جامع بحث
کی ہو، علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اس موضوع پر بھی ایک قول فیصل ہے، ملاحظہ ہو

” میر صاحب دیر اکبر حسین، کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے سیدی ابن مبین
اور خدام کے مترجم کو آیت کے الفاظ میں اور سید انشا کی بولی میں اس طرح ادا کیا
کہ وہ نہ صرف تفریح طبع اور ماہِ ماہ کا سامان رہا، بلکہ اس کی تہ میں ہندو معنویت
اخلاقی تعلیم، سیاسی نکتے، فلسفیانہ امرار، مذہبی مسائل، اجتماعی مباحث بھی نظر
آنے لگے، سید انشا کے زمانہ کی سرکاری زبان فارسی اور ترکی تھی، وہ اسی شیرہ اور
قوام سے اپنا ضربت تیار کرتے تھے، اب انگریزی سرکاری زبان ہے، میر صاحب
اسی مادہ فرنگی کی آمیزش سے ذوق کلام کو نطفہ دیتے ہیں۔ (نقوش سلیمانی ص ۱۶۵)

یہ نکات دبی شخص پیش کر سکتا ہے جو بہ یک وقت اردو و فارسی ادبیات کی پوری تاریخ کو
آگاہ اور اکبر کے عظیم شاعرانہ آرٹ کا ادراک ہو۔ یہ ایک بہت ہی باخبر اور صاحب نظر
تنقید نگار کے نکات ہیں، اور ذوق و شعور کے رسوخ و رسائی کا بہترین نمونہ، اس سے اکبر کے ذہن
اور فن دونوں کے پیچ و خم بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔

مستدس حاتی پر اردو تنقید کا ایک پورا سرمایہ جمع ہو چکا ہے، اب دیکھیے کہ ۱۹۳۵ء
میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو فکر انگیز جائزہ اس طویل تاریخی نظم کا لیا ہے، اس میں خاص
شعریت کے پر بصیرت افراد دیکھنے انہوں نے پیش کیے اور اس طرح موضوع کے ساتھ ساتھ
اسلوب کی اس تاثیر کا بھی راز کھولا جو مستدس حاتی کی مقبولیت کا سبب ہوئی۔
”اس نظم کے لیے نکتہ شناس شاعر نے مستدس کا رنگ اختیار کیا، مستدس

اس نواز میں دو سو شش کے لیے ہزار لوگوں کی کرام کے دل و ذہن صاحبِ اندیشہ کے
کے دل و فکر و سوانح کے بیان کے لیے ایک گروہ مخصوص ہو کر نظم و علم کی داستانِ مریخی
کے لیے خاص ہو چکا تھا، اس لیے شاعر کو جب اپنی قوم کے زہر و گدازِ قائم کا خیال
آیا تو اس مدرس سے زیادہ موزوں اور بہتر نظم کی کوئی صفت نظر نہیں آئی جس کا
وزن ہی گویا درد و غم اور تادم و قائم کے لیے ہو چکا تھا۔ (نقوشِ سلیمانی ص ۴۴۹)
ایک مدرسہ کی سادگی و بڑکاری پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ رقم طراز ہیں۔

”اس سادگی اور بے تکلفی کے باوجود مدرس کی نظم میں ایسی سلاست و روانی اور
جستگاری ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف و شفاف نہ کسی عموماً قوائی میں آہستگی سے
بہت ہی چلا جا رہی ہے، نہ کہیں رکاوٹ ہے، نہ لفظ میں گرانی ہے نہ قافیہ کی چٹکی ہے،
زبان میں گھلاوٹ، بیان میں غلاوٹ، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں

لطافت ہے، ہماری زبان میں سہل منتخ کی بہترین مثال ہے۔“

یہ تو شاعری کے سہل منتخ کا بیان ہوا، اگر تنقید میں بھی کسی سہل منتخ کا خیل قائم کیا جائے
تو علامہ سید سلیمان ندوی کے نہ کوہِ بالا جلتے نثر میں تنقید کے سہل منتخ کی بہترین مثال ہے آسانی
قرار دے جاسکتے ہیں، یہ تو اسلوبیات پر سید صاحب کی پر مغز مکتبہ سخی کا ایک نمونہ ہوا، اب
اسی مدرس کے سلسلے میں اجتماعی نفسیات پر علامہ کے تبصرے کا اندازہ ملاحظہ ہو۔

”مدرس میں شاعر نے اس عظیم الشان قوم کے حادثہِ مرگوت کے اسباب
اس تفصیل سے بیان کیے تھے جن کو سن کر ان بے خبروں کو چون کو دفعتاً ۱۸۵۷ء
کے حادثہِ خونیں کے وقت ہی سب سے پہلے اس صحت کا حال معلوم ہوا، اس
حسرت ناک انجام پر سخت جبرت تھی، شاعر نے موت کے طبی اسباب سے

ان کی حدت کو دور کیا اور بتایا کہ ان اسباب کے موجود ہوتے ہوئے موسیقی نہیں،

زندگی قلوب انگیر تھی۔ (نقوش سلیمانی، ص ۴۶-۴۷)

یہ تنقید کی جامعیت ہے کہ ادب کے موضوع اور اسلوب دونوں کو مد نظر رکھ کر کسی فنون ادب کی ایسی تشریح و توصیف کی جائے جس سے فکر و فن کی باہمی ترکیب اور ہم آہنگی کے عناصر اندازہ مضمرات اور اثرات واضح ہوں، یہ جامعیت ہی اچھی اور بڑی تنقید نگاری کا جوہر اصلی ہے، جو بہت کم پایا ہے، اور چند عظیم ناقدین ہی اس کے مایہ دار ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی اپنی قوت تنقید کے لحاظ سے انہی میں ایک ہیں۔

علامہ کا نظریہ تنقید ان کے متعدد مضامین میں نمودار ہوا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص نقطہ نظر سے ادیبوں اور شاعروں کے کارناموں کا تجزیہ، موازنہ اور فیصلہ کرتے ہیں، یہ ایک مرکب و متوازن نقطہ نظر ہے، جس میں فن کی جمالیات کے ساتھ ساتھ فکر کی اخلاقیات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے، اور بالکل اصولی طور پر متنوع ادبی تخلیقات کی منصفانہ قدر فحسی کی گئی ہے، ایک غیر معروف اور دو شاعر محمود اسماعیلی کے مجموعہ کلام ضیا ہاں، پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی نے شاعری کے متعلق اپنے محنت و تصورات کا اظہار کیا ہے، ان کے مطالعے سے علامہ کی تنقیدی فکر کے چند اہم نکات ہمارے سامنے آتے ہیں، یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فردوسی نے محمود کو پیدا کیا، میں سمجھتا ہوں کہ محمود نے فردوسی کو

پیدا کیا، اگر محمود کی توار یہ ہنگامہ آفریں جہد یہ کہ کئی نور ستم و سہراب اور کیا کوس و

افراسیاب کے بوسیدہ ڈھانچوں میں یہ جان نہیں چسکتی تھی، اور نہ رزم و جنگ کی

یہ رجز و نسیب، تمواروں کی یہ جھلکار اور داو شجاعت کے یہ افسانے فردوسی کی زبان

و قلم سے ادا ہو سکتے تھے۔ (نقوش سلیمانی ص ۵۵)

ہر شاعر کے لیے ہر عشق کی ضرورت ہے اس سے مقصد و صورت ملتی اور محض میں
 عشق ہی نہیں ہے یہاں عشق اپنے وسیع معنوں میں بولا جا رہا ہے، اس سے قلب کی وہ
 واقعی کیفیت مراد ہے جو عالم اور اور اسے عالم کی ہر چیز سے لگاؤ پیدا کر سکتی ہے،
 ملاحظہ فرماتے ہیں عشق ہو سکتا ہے دھرم اور ملک سے عشق ہو سکتا ہے، کسی بلند مقصد
 اور اہم سطح نظر سے عشق ہو سکتا ہے، کسی مقدس ذات اور مقدس کام سے عشق
 ہو سکتا ہے، اور اس میں سے ہر عشق شاعری کے ساز کو پھیر کر اس کو دہن بوسیف
 بنا دیتا ہے، (نفوس سلیمانی صفحہ ۴۵)

۳۔ ملک اور دین کی خدمت میں جو تضاد بعض کم سوادوں کو نظر آتا ہے، اس کی
 گہری نگاہ میں وہ منطقی معاملہ کے سوا کچھ اور نہیں، غرض اس باب میں اس کے خیالات
 و تعلیمات بے حد سنجیدہ ہیں، یعنی مذہب و سیاست اور دین و وطن کے جذبات
 کی معتدل آمیزش، مشرق سے صحیح عقیدت اور مغرب کی صحیح تنقید (نفوس سلیمانی صفحہ ۴۶)
 ان اقتباسات کی روشنی میں علامہ سید سلیمان ندوی کے نظریہ تنقید کے متعلق جن چند اور
 پروزہ روایا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں۔

اول، ادب اپنے مخصوص تکنیکی مفہوم میں بجائے خود اور براہ راست کوئی تہذیب اور
 نظام اقدار پیدا نہیں کرتا، لہذا وہ نہ اپنا محرک آپ ہو سکتا ہے نہ اپنا مقصد و آپ یعنی ادب
 اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے، اور اپنے معاشرے کے عکاس یا تاریخ ادب کے ساتھ نہیں ملتی،
 ادب تاریخ کے ساتھ چلتا ہے، شاعری "انسان و خدا، مادی و معنوی، تنقید بھی اصناف ادب کو
 محرک اس اجنبی نفا سے ملتی ہے، جس میں کوئی ادیب یا شاعر سانس لے رہا ہوتا ہے،
 لہذا فن کار کی عظمت اس امر میں مقرر ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے حقائق کو پوری طرح محسوس

کر کے اس کی اہم حیرت انگیزی کہے، تاکہ اس کا فن رعب عصر کا آئینہ دار اور ترجمان ہو، سہلج میں اس کی قدر و قیمت ہو اور تاریخ میں اس کی جگہ بھالے، اس لیے کہ ادب کا ہر نمونہ کسی روایت کے پس منظر میں رہنا چاہتا ہے، اور وہ اپنی کوئی روایت اسی وقت بنا پاتا ہے، جب درختے میں بی ہوئی روایت کو طوطا رکھتے ہوئے اس میں کچھ توسیع و اضافہ کرے اور اسے ترقی دے۔

دوم، ادب کا موضوع بہت وسیع اور رنگارنگ ہوتا ہے، ادبی کوشش میں کامیابی کے لیے شرط اس موضوع سے ذہنی وابستگی، اس کا فہم و احساس اور اس کے اظہار کے لیے ایک جذبہ بے اختیار ہے، عشق محض ذات کا نہیں، کائنات کا بھی ہوتا ہے، اور کائنات بہت وسیع ہے، فرد، معاشرہ، قوم، ملت، دین، تہذیب اور فطرت سبھی اس میں شامل ہیں، لہذا ادیب و ناقد دونوں کی نگاہوں میں وسعت اور قلب میں کشادگی ہونی چاہیے حسن کی تعریفیں بھی بہت ہیں اور ظاہر بھی افراد، جن کو ہر رنگ میں دیکھنے کی صلاحیت ہی ایک شاعر یا ادیب کے ذہن کی سب سے بڑی پونجی ہے، اور یہی اس کے احساسِ جمال کی کسوٹی بھی۔

سوم، ادب زندگی کے لیے ہے، اور تمام مسائلِ حیات اس کا مواد، سیاست اور مذہب دونوں اس کے دایرے میں ہیں، اور مشرق و مغرب دونوں سے اس کی یکساں دل چسپی ہونی چاہیے، چنانچہ ادب کے ذریعے دین اور وطن دونوں کی خدمت ایک ہم آہنگی سے کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ وطن دوستی اور دین داری کے درمیان اصلاً کوئی تضاد نہیں ہے، یہ ایک قسم کی وسیع تر انسانی یک جہتی ہے، جو ہر قسم کے تفرقوں پر عادی ہے، اور زندگی کو ایک رخ دینے والی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہ ادبی تصورات تنقیدی شعور کی بلند ترین منزل کے نشانات ہیں، جن کا اتباع کر کے ہماری جدید تنقید متعدد گم راہیوں سے نکل کر راہِ مستقیم پر گام زن ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم علامہ کو عصر حاضر کا ایک مصلح تنقید کہہ سکتے ہیں، اور ان کے ادبی رہنما ہونے میں

دو کوئی چیز ہی نہیں۔ اس کی اس ادبی و علمی کی سب سے بڑی حد سحر و اور اور میں تحقیق و تنقید
 دونوں کا سنگ میل ان کا شاہکار خیام ہے۔ ادبی تحقیق کی صفت میں خیام سے بہتر کوئی کتاب
 آج تک اردو میں نہیں لکھی گئی۔ اور یہ تحقیق تنقید کی بہترین سمجھ کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس میں ایک
 طرف تمام متعلقہ اہل ادب و شمار اور جملہ ضروری حقائق کا احاطہ ہے یہاں تک کہ موضوع سے متعلق دنیا کی
 تمام زبانوں میں پیش کیے گئے تازہ ترین مواد کا جائزہ ہے۔ جب کہ دوسری طرف سماجیات خیام
 کی تشریح و تفہیم اعلیٰ تنقیدی انداز سے کی گئی ہے اور ان کی صحیح قدر و قیمت کی تعین کے لیے ایک
 بے خطا اور بے مثال تجربے سے کام لیا گیا ہے۔

”خیام“ دومہ آخری کتاب ہے جس نے فارسی کے س مشہور رہائی گو کے متعلق مشرق
 و مغرب دونوں کے پھیلائے ہوئے تمام غلط تصورات کو مٹا دیا، اور اہل ادب و شمار کی فراوانی کے
 ساتھ ساتھ تجزیہ کی طاق سے اپنے صحیح نقطہ نظر کا لوہا منوایا، یہاں تک کہ علمائے عصر کو
 اقرار کرنا پڑا کہ خیام پر اس سے بہتر کتاب نہ پہلے کسی دنیا کی کسی زبان میں لکھی گئی، نہ آئندہ ہوتی
 ہے۔ اس لیے کہ اس کے مباحث نے موضوع کے تمام مغزات کا استقصا کر کے ایک قول فیصل
 پیش کر دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے خیام کو بحیثیت ایک عظیم فلسفی صوفی کے نئی زندگی عطا
 اور اس کی رباعیات کی حقیقت و اہمیت پہلی اور آخری بار مکمل طور پر واضح کر دی، اس سلسلے
 میں خود رہائی گو کی اصابت کا سراغ لگا کر علامہ نے دکھایا ہے کہ خیام جس نے صحیح معنوں میں اس ہیئت
 سخن کا بہترین استعمال کیا اور اس کے دونوں اساسی عناصر غنہ و نقوت کو باہم ترکیب ہے کہ
 ایک دوسرے سے بالکل ہم آہنگ کر دیا، جس سے رہائی گو کے مفہوم میں یہ یک وقت بڑی اور
 گہرائی دونوں آگئی، جب ذیل مختصر اقتباسات سے زیر نظر تصنیف کے گونا گوں مکالمات کا کچھ نمونہ
 ”وہ خیام کہہ رہا ہے جس نے اقاعدہ اس دور رہائی سے فلسفہ و حکمت کے بیان کا

کام لیا، اور اس کے بعد اس کے طبقہ نے اس کی تقلید کی، میرے نظریے کے مطابق
ربا کی پہلی اہل مروجہ کے یہاں آئی، ان کے یہاں سے صوفیہ کی مجلس سماع میں اور
وہاں سے گلہ کے طلقہ مدرس میں، اور خاتم بہا طلم شاعر ہے، جس کی رباعیوں کی
قدر ہوئی اور وہ اس کی شہرت کا ذریعہ ہوئی۔ (صفحہ ۱۵۵)

صوفیوں نے اس (خاتم) کی رباعیات میں صوفیانہ رباعیوں کی آمیزش کی،
اور زہدوں نے ابائی خیالات اور مستی و رندی کی رباعیاں پڑھائیں، چنانچہ جن ملک
رباعیات میں انہی دو قسموں کی رباعیاں کثرت سے ملیں گی ایک سو صوفی، صافی یعنی
نہ ہی صوفی ثابت کرتا چاہتا ہے، اور دوسرا نہ لایا ہوا، مگر وہ حقیقت خاتم نہ یہ تھا،
نہ وہ، بلکہ وہ حکیم متشفت تھا، اور اس کا تعارف اگر تھا تو حکیمانہ تصوف تھا،
نہ ہی صوفیانہ نہیں۔ (صفحہ ۲۱۱)

”خوب حافظ کی طرح دنیا میں کتنے خوش قسمت بادہ پرست ہیں جن کی شراب
کو لوگوں نے شراب معرفت سمجھا ہے، لیکن ایک بد قسمت خاتم ایسا ہے کہ اس کی
شراب کو دوست و دشمن سب ہی بھیڑی والی شراب سمجھتے ہیں، اور انہوں نے یہ
تصور کیا ہے کہ وہ ایک نذیر اور تھا، جو ہمیشہ مست و مرشار رہتا تھا، جس کے ادھر
اُدھر ٹوٹی مڑی اور پھوٹے پیالوں کے ٹکڑے پڑے رہتے تھے، مگر کیا واقعہ ایسا
ہی ہے؟ (نفوس سلیمانی صفحہ ۳۳۱)

یہ فیصلہ مشکل ہے کہ خاتم جس شراب کا مست لایا تھا، وہ کون سی شراب ہے، اس کے
ساتھ اس مقدمہ کو بھی خال کیجئے کہ خاتم کے جہاں قدر قدیم اور مستند سوانح نگارین ان میں
سے کسی نے خاتم کی بادہ پرستی و مینواری کا ذکر کیا تھا، اشارہ ایک نہیں کیا ہے.....

میں خوش ہو ایک اور گتہ ہے، میں کا نام رکھا ضرور ہے، یہ میرا گتہ ہے۔
 ایسی چمک ہوتی ہے، کہ میں مذاق کا آدمی میں خیال کو دل میں رکھ کر پڑھ رہا ہوں
 مطابق معنی اس شعر میں اس کو نظر آتے ہیں، خواہر حائقہ کے ایک ہی شعر میں ایک
 میوہ کو زندگی کی تعلیم، اور ایک پیر طریقت کو زہر و ترک کا سبق ملتا ہے، یہ حال
 خبیث کی ان رباعیوں کا ہے۔ (نقوش سلیمانی ص ۳۵)

ان تحقیقی و تنقیدی مباحث کے بعد کتاب کے آخر میں سید صاحب نے رباعیات کے علاوہ
 خاتم کے بعض عربی و فارسی ملی رسائل کی مایع و ترتیب انہی رباعیوں میں کی ہے، جب کہ مباحث
 کے دوران وہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی نسخہ کے حوالے کثرت سے دیتے ہیں اور خیامیات کے
 تمام علم کی راہوں پر پورے اعتماد و استناد کے ساتھ ماکہ کر کے، اپنے غلطی یا غلطے صاف کرتے ہیں،
 کسی ادبی موضوع پر ایسی سو کر اگر کتاب شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں لکھی گئی ہو، اور دقیقاً غرض قسمت
 ہے کہ اس کے سراپے میں تحقیق و تنقید کا یہ ناہ و نا یاب جوہر پایا جاتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا اسلوب نگارش صاف، صریح، پُر معنی اور شگفتہ ہے، جیسا عموماً
 بالا اقبہا ساعد سے مترشح ہے، عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم ہونے کے باوجود سید صاحب
 کی عبارت میں ثقاہت معنی بھی جو، ثقاہت لفظ نہیں، ان کے الفاظ دقیق نہیں، اور نیز میں ان کے
 جملہ عجیبہ نہیں، حاشیہ ہیں، ان کے بیانات پُر پچ نہیں سلیس ہیں، ان کی ترکیبوں میں کوئی افراط
 نہیں اور تشبیہیں اشکال سے خالی ہیں، فقرہ کی در و بسع چست ہے، اور استعارات و کنایات
 نہایت واضح، سید صاحب کی نثر کا رنگ شستہ اور آہنگ رواں ہے، اس طرز تحریر میں شاید کسی بھی

دہشتی بھی ہے۔ یہ سب کچھ ہے کہ وہ برکت ایک خفّی انداز سے اور ہر وقت طور پر
 پیش کرتے ہیں، اپنی بات شادوں سے دوسرے سے بہت کرتے ہیں، بلکہ خفّی طور پر
 اسے ہمازی کی قارونی کا سہا ہر نہیں کرتے، بلکہ ایک خوش مزاج صوفی کی طرح ہر حال پر
 اسلوب سے اپنے مرتفع کردار کی کہ بے دل نشین نہ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خفّی کی ساری شکی
 ادب کی شادابی میں بدل جاتی ہے، اور تنقید کی صلابت ایک لطافت کے ساتھ آشکار ہوتی
 پشتملی کے دبستان تنقید کا ایک امتیازی جوہر ہے، جس کو عصر حاضر میں علامہ سید سلیمان
 ندویؒ کے ساتھ ساتھ اور کتنا چاہئے کہ ان کے زیر سرگردگی عبدالسلام ندویؒ نجیب اثرن
 ندویؒ، ابو الحسن علی ندویؒ، شاہ معین الدین احمد ندویؒ اور اب سید صاحب الدین عبدالرحمان
 نمایاں کرتے رہے ہیں، یہ ایک سلی دبستان ہے، مگر تنقیدی حیثیت اور ادبی محاسن کا بھی مایہ دار ہے،
 یہی وجہ ہے کہ ان کی ادبی موضوعات پر اس دبستان کے عابدین نے قلم اٹھایا ہے اس کی جمالیات و اخلاقیات
 دونوں کا ایک ایسا مرتفع قرار کر دیا ہے، جس سے معلومات کے حصول کے ساتھ احساسات
 کی تحریک کا بھی سامان ہوتا ہے، اور موضوعات کی تمام بہترین روشن ہو جاتی ہیں۔ یہ محض تنقید کا
 خام مواد نہیں، وہ پختہ دہلیہ کا رنامہ ہے، جس نے کئی ادبی نسلوں کے ذوق کی پرورش اور
 شعور کی تربیت کی ہے، پشتملی و سلیمان اور ان کے رفقاء نے اردو ادب میں مستند متین اور موثر
 افکار و خیالات کی ایک فضا مانی ہے، جس سے وقت کے ادباء و شعرا نیز عام قارئین نے
 بہ کثرت استفادہ کیا ہے، پشتملی کی شعرا بجم کے ساتھ ہی اس سید سلیمان ندویؒ کی خام نے
 اپنے معاصر اردو ادب میں فارسی شاعری کے ساتھ اہل ذوق کے شغف میں اضافہ کیا اور
 انھیں اس کے مطالعے کا زیادہ سے زیادہ شوق دلایا، یہ اردو شاعری کی بنیادی روایات
 کو زندہ و تابندہ رکھنے کا کارنامہ تھا، اور جدید اردو ادب نے جس حد تک اس کو بے اعتنائی

برقی ہے، اپنا اتنا ہی نقصان کیا ہے،

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ شبلی و سید سلیمان ندوی کے تنقیدی کمالات کی تاریخی عظمت کے علاوہ ان کی عملی اہمیت کو بھی سمجھا جائے، اور ان سے مثلاً ان پریش استفادہ کر کے جدید اردو ادب و تنقید کی راہیں ہموار اور ان کا رخ درست کیا جائے، یہ وہ حقیقت اپنی تنقیدی روایات سے قوت حاصل کر کے انفرادی تجربات کے راستوں پر مضبوط قدموں اور روشن نگاہوں کے ساتھ کام زن ہوتا ہے، آج کے ادب میں مشرق کی بازیافت کے لیے شبلی و سید سے بہتر کسی مصنف و ناقد کی تحریریں نہیں ہو سکتیں، اس معتبر بازیافت سے مغرب کا بھی صحیح مصروف دریافت ہو گا، ادبی توازن کے قیام اور متوازن ترقی کے لیے یہ بازیافت و دریافت دونوں ہی ضروری ہیں۔

نوٹ۔ یہ مضمون حضرت سید صاحب کی مدد سالہ سا لکھنے کی تقریب میں مبارکباد کا نامی میں پڑھا گیا۔

بزم رفتگان

یہ مصنف کے بعض بزرگوں، دوستوں، عزیزوں، معاصر دانشوروں، اسیروں، مصنفوں اور سیاسی و قومی رہنماؤں کی وفات پر تاثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن سے ان کو محبت اور عقیدت اور گونا گون مراسم و تعلقات تھے۔

حصہ اول میں جو مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے، مولانا حبیب الرحمن خان شروانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالسلام ندوی جیسے حلقہ، شبلی کے ارباب کمال و اصحاب قلم پر مضامین ہیں، اور حصہ دوم میں جو معارف پریشاں عظیم گدھ میں چھپا ہے، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مشاہیر و اکابر پر مضامین ہیں۔

ان۔ سید صاحب الدین عبدالرحمن۔

قیمت۔ ٹی اترتیب، مارچ

ہندوستانی جامعات میں عربی کی درس و تدریس ایک مطالعہ

از جناب فیضان اللہ فاروقی کچھرا شعبہ عربی سنٹرل انسٹیٹیوٹ آف ٹیگش اینڈ ٹارن یسٹو کچھرا خیبر آباد۔

ہندوستان میں عربی زبان کب اور کیسے آئی، یہ ایک تاریخی بحث ہوگی، ہماری بات وہاں سے شروع ہوتی ہے، جب یہاں عربی زبان آچکی تھی۔

اہل ہند نے اسے ایک مذہبی زبان کی حیثیت سے قبول کیا تھا، چنانچہ اسلام کی زیادہ تر تعلیمات مثلاً فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ کی تعلیم عربی پر منحصر تھی، کیونکہ یہ تمام علوم عربی میں تھے، اور یہ بھی تھا کہ عربی پڑھنا پڑھانا حدیث کی رو سے باعث اجر و ثواب سمجھا جاتا تھا، جو بلاشبہ ایک حقیقت ہے، لیکن اس کا اردو ادراکیت پر ہے، فارسی زبان بحیثیت سرکاری زبان کے حکمران تھی، کیونکہ دہلی سلطنت کے تمام حکمران ایران و افغانستان کے باشندے تھے، اور فارسی انکی مادری زبان تھی، (عموماً ایسا ہی تھا، بعد میں ان نوواردین کا لکھنؤ جول جب مقامی لوگوں سے ہوا تو ایک تیسری زبان نے جنم لیا جسے بعد میں اردو کہا گیا، اردو مقامی زبانوں کی نسبت فارسی اور عربی سے زیادہ متاثر ہوئی، لیکن عربی کا اثر فارسی کی نسبت زیادہ، اس طرح رہا کہ فارسی نے ایران پر تسلط کے بعد عربی الفاظ کثیر تعداد میں اپنے اندر جذب کر لئے تھے، چنانچہ اردو نے فارسی سے جو کچھ اخذ کیا وہ یہی دراصل عربی ہی کے سرچشمے سے تھا، لیکن جو الفاظ فارسی کے توسط سے آئے وہ فارسی قواعد اور ایرانی تہذیب کے پس منظر میں لے گئے اور وہ الفاظ جو براہ راست

خام کے ایک ذرا کھنکھاہٹ کی جتنی نہیں ہے، صاحبِ ادب کا تذکرہ اور کلام
 کہ وہ یکساں قیمت کی چیز ہے، (نفوس سلیمانی ص ۳۵)
 اس وقت ہر ایک اور کتبہ، جس کا نام نہ لکھا ہو، شاعر کے شعری
 ایسی چمک ہوتا ہے، کہ جس مذاق کا آدمی میں خیال کو دل میں رکھ کر پڑھتا ہے اس کا
 مطابق معنی اس شعر میں اس کو نظر آتے ہیں، خواجہ حافظ کے ایک ہی شعر میں ایک
 نیا اور نرندی کی تعلیم، اور ایک پیر طریقت کو ذہن و ترک کا سبق ملتا ہے، یہی حال
 خبثت کی ان راہیوں کا ہے۔ (نفوس سلیمانی ص ۳۵)

ان تحقیق و تنقید کی مباحث کے بعد کتاب کے آخر میں سید صاحب نے رباعیات کے علاوہ
 خاتم کے بعض عربی و فارسی غلی رسائل کی تالیف و ترتیب انہی دہانوں میں کی ہے، جب کہ مباحث
 کے دوران وہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی تافذ کے حوالے کثرت سے دیتے ہیں اور خیالات کے
 تمام علم کی راہوں پر پورے اعتماد و استناد کے ساتھ چلے کر کے، اپنے غلطی سے معاف کرتے ہیں،
 کسی ادبی موضوع پر ایسی محرکات کتاب شاید ہی دنیا کی کسی دہان میں لکھی گئی ہو، اور یقیناً خوش قسمت
 ہے کہ اس کے سرمایے میں تحقیق و تنقید کا یہ نادر و نایاب جوہر پایا جاتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا اسلوب نگارش صاف، صریح، پر معنی اور سگفتہ ہے، جیسا محترم
 والا اقتباس سے مترشح ہے، عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم ہونے کے باوجود سید صاحب
 کی عبارت میں ثقاہت جتنی بھی ہو، ثقافت بالکل نہیں، ان کے الفاظ قیمت نہیں، اور نیز ان کے
 جملہ عجیبہ نہیں، واضح یہ ہیں، ان کے بیانات پر پچ نہیں سلیس ہیں، ان کی ترکیبوں میں کوئی اغلاق
 نہیں اور تشبیہیں اشکال سے خالی ہیں، فقرہوں کی درجہ بہت چست ہے، اور استعارات و کمالات
 نہایت واضح، سید صاحب کی نثر کا رنگ شستہ اور آہنگ رواں ہے، اس طرزِ تحریر میں شاید کسی

اور پاشنی بھی سید صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر نکتہ ایک منطقی انداز سے اور مدق طور پر پیش کرتے ہیں، انجمنیات مثالوں اور حوالوں سے ثابت کرتے ہیں، لیکن تنقید شمر کی طرح لنت ہائے جہازی کی قارونی کا مظاہرہ نہیں کرتے، بلکہ ایک خوش مزاج صوفی کی طرح بڑے دل چاہے اسلوب سے اپنے موقف کو قاری کے پیچھے دل نشین بنادیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تحقیق کی ساری خشکی ادب کی شادابی میں بدل جاتی ہے، اور تنقید کی صلابت ایک لطافت کے ساتھ آشکارا ہوتی ہے۔

پیشگی کے دبستان تنقید کا ایک امتیازی جوہر ہے، جس کو عصر حاضر میں علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھ ساتھ اور کتنا چاہئے کہ ان کے زیر سرکردگی عبدالسلام ندوی، نجیب اثرن ندوی، ابو الحسن علی ندوی، شامعین الدین احمد ندوی اور اب سید صاحب الدین عبدالرحمان نمایاں کرتے رہے ہیں، یہ ایک سلی دبستان ہے، مگر تنقیدی حیات اور ادبی محاسن کا بھی مایہ دار جو، یہی وجہ ہے کہ ان ادبی موضوعات پر اس دبستان کے حامیوں نے قلم اٹھایا ہے اس کی جمالیات، اخلاقیات دونوں کا ایک ایسا مرقعہ تجار کر دیا ہے جس سے معلومات کے حصول کے ساتھ ساتھ احساسات کی تحریک کا بھی سامان ہوتا ہے، اور موضوعات کی تمام بہترین روشن ہو جاتی ہیں۔ یہ محض تنقید کا خام مواد نہیں، وہ پختہ دہالیدہ کا رنامہ ہے، جس نے کئی ادبی نسلوں کے ذوق کی پرورش اور شعور کی تربیت کی ہے، شملی و سلیمان اور ان کے رفقاء نے اردو ادب میں مستند، متین اور موثر افکار و خیالات کی ایک فضا مانی ہے، جس سے وقت کے ابداد شعرا نیز عام قارئین نے بہ کثرت استفادہ کیا ہے، شملی کی شعرا لہجہ کے ساتھ ہی سید سلیمان ندوی کی خیمائے اپنے معاصر اردو ادب میں فارسی شاعری کے ساتھ اہل ذوق کے شغف میں اضافہ کیا اور انھیں اس کے مطالعے کا زیادہ سے زیادہ شوق دلایا، یہ اردو شاعری کی بنیادی روایات کو زندہ و تابندہ رکھنے کا کارنامہ تھا، اور جدید اردو ادب نے جس حد تک اس کی بے اعتنائی

برقی ہے، اپنا انسانی نقصان کیا ہے،

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ٹیلی و سید سلیمان ندوی کے تنقیدی کمالات کی ہماری عقل
 کے علاوہ ان کی علمی اہمیت کو بھی سمجھا جائے، اور ان سے ٹیلی و پٹیل استفادہ کر کے
 جدید اردو ادب و تنقید کی راہیں ہموار اور ان کا رخ درست کیا جائے، یہ وہ حقیقت
 اپنی تنقیدی روایات سے قوت حاصل کر کے انفرادی تجربات کے راستوں پر مضبوط
 قدموں اور روشن نگاہوں کے ساتھ کام زن ہوتا ہے، آج کے ادب میں مشرق کی بازیافت
 کے لیے شبلی و سید سے بہتر کسی مصنف و ناقد کی تحریریں نہیں ہو سکتیں، اس معتبر بازیافت
 سے مغرب کا بھی صحیح مصرت دریافت ہو گا، ادبی توازن کے قیام اور متوازن ترقی
 کے لیے یہ بازیافت و دریافت دونوں ہی ضروری ہیں۔

نوٹ۔ پمضون حضرت سید صاحب کی صد سال سالگرہ کی تقریب میں بآواز و کلاوی میں پڑھا گیا۔

بزم رفتگان

یہ مصنف کے بعض بزرگوں، دوستوں، عزیزوں، معاصر دانشوروں، ادیبوں، مصنفوں
 اور سیاسی و قومی رہنماؤں کی وفات پر تاثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن سے ان کو محبت
 اور عقیدت اور گونا گون مراسم و تعلقات تھے۔

حصہ اول میں جو مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے، مولانا حبیب الرحمن خان
 شروانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مہر الحسن گیلانی، مولانا عبدالسلام ندوی جیسے حلقہ
 شبلی کے اہل کمال و اصحاب قلم پر مضامین ہیں، اور حصہ دوم میں جو معارف پریں اعظم گڑھ میں
 چھپا ہے، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مشاہیر و اکابر پر مضامین ہیں۔

از۔ سید صاحب الدین عبدالرحمن۔

قیمت۔ علی الترتیب ۱۴ روپے

ہندوستانی جامعہ میں عربی کی درس و تدریس

ایک مطالعہ

از جناب فیضان اللہ فاروقی کچھڑا شعبہ عربی سنٹرل انسٹیٹیوٹ آف ٹیگمش اینڈ فارن لینگویجز خیر آباد۔

ہندوستان میں عربی زبان کب اور کیسے آئی، یہ ایک تاریخی بحث ہوگی، ہماری بات وہاں سے شروع ہو رہی ہے، جب یہاں عربی زبان آچکی تھی۔

اہل ہند نے اسے ایک مذہبی زبان کی حیثیت سے قبول کیا تھا، چنانچہ اسلام کی زیادہ تر تعلیمات مثلاً فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ کی تعلیم عربی پر منحصر تھی، کیونکہ یہ تمام علوم عربی میں تھے، اور یہ بھی تھا کہ عربی پڑھنا پڑھنا حدیث کی رو سے باعث اجر و ثواب سمجھا جاتا تھا، جو بلاشبہ ایک حقیقت ہے، لیکن اس کا اردو ادراکیت پر ہے، فارسی زبان ہمیشہ سرکاری زبان کے حکمران تھی، کیونکہ وہی سلطنت کے تمام حکمران ایران و افغانستان کے باشندے تھے، اور فارسی انکی مادری زبان تھی، عموماً ایسا ہی تھا، بعد میں ان نوواردین کا لیل جول جب مقامی لوگوں سے ہوا تو ایک تیسری زبان نے جنم لیا جسے بعد میں اردو کہا گیا، اردو مقامی زبانوں کی نسبت فارسی اور عربی سے زیادہ متاثر ہوئی، لیکن عربی کا اثر فارسی کی نسبت زیادہ، اس طرح رہا کہ فارسی نے ایران پر تسلط کے بعد عربی الفاظ کثیر تعداد میں اپنے اندر جذب کر لئے تھے، چنانچہ اردو نے فارسی سے جو کچھ اخذ کیا وہ یہی دراصل عربی ہی کے سرچشمے سے تھا، لیکن جو الفاظ فارسی کے توسط سے آئے وہ فارسی قواعد اور ایرانی تہذیب کے پس منظر میں لیے گئے اور وہ الفاظ جو براہ راست

وہلے لئے گئے ہیں اس حالت میں وہاں کے اور زبان کے تقاضوں کے تحت مقامی رنگ
دیدیا گیا۔ آسانی کے لیے اس کی کچھ مثالیں دی گئے۔

لفظ	عربی استعمال	فارسی استعمال	اردو استعمال
غریب	عربی ۔ مسافر	اجنبی	مغس
شراب	پینے کی چیز	مئے ۔ شراب	خرباب ۔ مئے
تشریف	عزت افزائی کرنا	تشریف بحیثیت	ایضاً
دولت	بحیثیت مصدر متعدی غلبہ گھومنے والی چیز یعنی حکومت	اسم جام ریاست ۔ جائیداد	مال
تسکین	غیر متحرک بنادینا آباد کاری	دلاسا ۔ اطمینان	ایضاً
تعریف	توضیح ۔ شناخت کر دینا	تعریف ۔ معنی	تعریف بمعنی
انتقال	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا	وصیف ۔ مدح مرئی	مدح اور شناخت
تعلق	چپک جانا (ربط)	لگاؤ ۔ نسبت	مرجانا ۔ سفر آخرت ایضاً
اخبار	خبر کی جمع	خبر نامہ	روز نامہ
خط	لائ	معنی مکتوب ۔ کبر	چٹھی
مجال	جوانگاہ (دائرہ کار)	طاقت جوصلہ ہمت	طاقت
جہرم	حملہ	بھیڑ ۔ اڑدھام	بھیڑ

لفظ	عربی استعمال	فارسی استعمال	اردو استعمال
علم	لڑکا	غلام - عبد	عبد - ذرغیہ
محل	اترے کی جگہ - مقام	قصر - جا	قصر
جہاز	آلہ - سامان	جہاز	جہاز
عورت	شرمگاہ	..	عورت (جنس)

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے الفاظ ایسے مل جائیں گے، جو اپنی اصل سے ہٹ کر استعمال ہونے لگے ہیں یہ تبدیلی فارسی کے توسط سے ہوئی ہے، یہاں آپ ڈکٹری کی بات اس نے ذکر کیا کہ میں کثرت استعمال کی بات کر رہا ہوں، مذکورہ الفاظ کے معنی اردو ڈکٹری میں عربی معانی کے ساتھ مل سکے ہیں، لیکن استعمال ہرگز ان تمام معنوں میں نہیں ہے، اس کے علاوہ کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جنہیں ہندوستانی زبانوں کا اثر ہے، بہر حال جو ایہ کہ عربی کا ہندوستانی طالب علم جب ان الفاظ کو عربی ادب میں دیکھتا ہے، تو اس کو خوشی ہوتی ہے کہ یہ لفظ وہ پہلے ہی سے جانتا ہے، لیکن جب وہ انھیں استعمال کرتا ہے، تو بالکل مقامی معنوں میں استعمال کر دیتا ہے، جنوبی ہند کی زبانوں پر عربی کا اثر کس حد تک ہے، یہ مجھے بہت کم معلوم ہے، لیکن شمالی ہند کے عربی طلبہ بنگال سے لیکر گجرات تک عموماً اردو جانتے ہیں، اردو کے توسط سے یہ غلطی کرتے ہیں، گجراتی زبان میں بجائے خود کم از کم چالیس فیصد (۴۰) الفاظ فارسی کے ہیں جو عربی سے آئے ہوئے ہیں۔

عربی زبان کی درس دہریس اور ترجموں میں سب سے زیادہ لغزش اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ شراب کے ہندوستانی ترجمے ہی نے ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر رہا ہے کہ جنت میں شراب ملے گی، حالانکہ قرآن نے جس شراب کا ذکر کیا ہے وہ خمر یا سے کے پے نہیں ہوا

بلکہ صرف ایک مغرب کے متنی میں ہے، الفاظ کا مقام استعمال صرف معانی کی حد تک نہیں ہے۔ بلکہ جنس پر بھی اس کا اثر ہے، بہت سے الفاظ عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، لیکن اردو میں مذکر ہیں، اور اس کے برعکس بہت سے مذکر مؤنث ہو جاتے ہیں، چنانچہ۔ کسی، قلم، کتاب، علم و عا، دوا، فیض، تعریف، توصیف، میزان، منزل، تخلیق، مخلوق، فکر، موعظہ، اسطر کے کتنے ہی الفاظ ایسے ہیں، جو اردو میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، جب کہ عربی میں یہ تمام مذکر ہیں، اور اس کے برعکس مدرسہ، کلمہ، مکتبہ، داخلہ، نکرہ، معرکہ، فاصلہ، فیصلہ، اخبار، انکار، وظیفہ، اخلاق، نفس وغیرہ، عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، اور اردو میں مذکر، عربی کا ہندوستان طالب علم دیریں مراد ان طلبہ سے ہے، جو اردو جانتے ہیں، یہاں بھی لغزش کرتا ہے، اور تہ کیروہینٹ کی ادنیٰ سی غلطی کر کے ایک عرب کے سامنے اپنی عربی دانی کی حیثیت مجروح کر لیتا ہے، ہمیں یہی بار وہ حدود کے استعمال میں لغزش کرتا ہے، حدود یعنی صلہ کا استعمال ہر زبان میں اہمیت رکھتا ہے، اور بہت نازک ہوتا ہے، اسی پر زبان کی بنیاد ہوتی ہے، عربی زبان صلات کے استعمال میں بہت شدت پختہ ہے، ادنیٰ سی لغزش معنی بدل کر رکھ دے گی، یہ ایک الگ بحث ہے، جسے کسی اور وقت چھیڑا جاسکتا ہے، یہاں اردو کے آثار عربی کے استعمال میں غلطی کرنے کی چند مثالیں دیتا ہوں۔

اردو حروف	اردو فعل	عربی فعل	عربی حرف	عربی حروف کے اردو معانی
سے	کیا	قال	ا	لئے
کا	جواب	اجاب	علی / عن	پر - سے
سے	بھر گیا	حفل	ب	ساتھ / سے
میں	ہل گیا	تحول	الی	تک طرف



اردو حروف	اردو فعل	عربی فعل	عربی حروف	عربی حروف کے اردو معانی
-----------	----------	----------	-----------	-------------------------

ہیں	ہل دیا	حل	الی	ایک / طرف
پر	حیرت کہیں	حیر	حارفی	بین
سے	پڑھا	درس	علی	پر
سے	پوچھا	سال	x	
	سوال کیا			
کی	نگرائی کی	تفرج	علی	پر
میں تقبیہ	تقسیم ہو گیا	انقسم	الی	ایک / طرف
سے	قصہ بیان کیا	قص	علی	پر
کا	ارادہ کیا	قصد	ابن	ایک - طرف
پر	ایمان لایا	آمن	ب	ساتھ - سے
کی	نا شکری کی	کفر	ب	ساتھ - سے
پر	اصرار کیا	الح	فی	میں
سے	مر گیا	مات	ب	ساتھ - سے
پر	ختم ہوا	انتهی	من	سے
سے	روایت کی	ردی	ا - عن	لے - سے
(غور سے)	سُنا	استمع	الی	ایک - طرف

میں میں اس طرح کی غلطی تعبیرات کی غلطی کا ایک جز ہے، جو اردو کی اس خصوصیت میں

آپ سہیہ کہنا بھی اور کہیں کسی دوسری زبان میں غلطی کا مکان ایک جیسا ہو گا۔ زبان عامہ کوئی بھی ہو، اور اردو میں انگریزی الفاظ بھی بکثرت در آئے ہیں لیکن اردو کا مزاج فارسی اور عربی سے بنا یا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی کے الفاظ ابھی اردو نے اپنے اندر جذب نہیں کئے ہیں، چنانچہ انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے ہم خوب سمجھتے ہیں، کہ یہ لفظ اردو کا نہیں ہے، اس لئے عربی اور انگریزی الفاظ کے اردو میں استعمال کی نوعیت ایک جیسی ہے۔ انگریزی الفاظ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ کبھی اپنی مادری زبان سے کلمہ عربی کی بنا پر استعمال کرتے ہیں یا کبھی اپنی زبان میں مفہوم کو ادا کرنے کے لئے مناسب لفظ کی عدم موجودگی کا سبب بنتی ہے، لیکن عام طور پر انگریزی کی ہمہ گیری اس کے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور کرتی ہے، بلکہ دیگر اپنی بات کو بہتر طریقے سے پیش کرنے کے لیے ہم انگریزی کا سہارا لیتے ہیں انگریزی کے ہمہ گیر اثرات سے انکار نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تحریری اردو زبان پر بھی انگریزی کا وہ اثر نہیں ہے، جو عربی کا ہے۔

انگریزوں کے اقتدار کے بعد جب یہاں مغربی طرز کی جامعات و کليات کا رواج ہوا تو امید تھی کہ عربی زبان و ادب کی درس و تدریس پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں، علماء کرام نے مذہب کے تحفظ کے پیش نظر اس پر اپنی گرفت سخت کر دی اور بد قسمتی سے ابھی ایک خاص پالیسی کے تحت یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی عام طور پر عربی زبان و ادب کا وہی نصاب رکھا گیا جو مدرسوں میں رائج تھا، سب سے متعلقہ، خاص مقامات تحریری وغیرہ کے علاوہ آپ مشکل ہی سے کوئی نام پائیں گے، جو یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں لکے، ان عصری جامعات کے عربی شعبے عمائد رسوں کی ایک شکل نظر آئیں گے کیونکہ طلبہ اور مدرسین کی اکثریت انہیں مدرسوں سے آئے ہوئے، افراد پر مشتمل ہوتی تھی، اور وہ

تاہیں جو وہ مدرسوں میں پہلے سے پڑھ چکے ہوتے تھے، انہیں دوبارہ پڑھ کر یونیورسٹی کی ڈگریاں درجہ سرکار کی ملازمت دونوں ہی مل جایا کرتی تھیں، اس صورت حال نے دو طرفہ نقصان پہنچایا، پہلی یہ کہ طلبہ اور مدرسین دونوں ہی آرام پسند ہو گئے، کیونکہ بغیر محنت کے انہیں متبادل بنیت سے ڈگریاں مل سکتی تھیں اور اساتذہ تدریس کی محنت شاد سے بچ گئے، دوسری طرف بری علوم سے یہ حضرات یکسر بے بہرہ ہوتے گئے اُس کی ضرورت بھی کیا تھی کیونکہ صرف ہول لازمیت مطمح نظر تھا، انصافی عربی میں اطمینان بخش صلاحیت اس کے لئے کافی تھی مقابلاً باپستی پر پرواز کو توڑ کر کس طرح ہدایاں اُتار دیتی ہے، اس کی ایک مثال ہماری جامعات میں عربی کی درس و تدریس میں ملتی ہے، یہ کہنے کا شاید مناسب ترین موقع نہیں ہے اگرچہ زبانِ عربی مذہب کا جادہ نہیں، لیکن عربی زبان کا مزاج مذہب سے بنایا گیا ہے، اور اس کے پڑھانے والے ہمارے ملک کی جامعات میں عموماً علماء ہی ہیں یا ایسے مسلمان جو کسی نہ کسی طرح مذہب سے وابستگی رکھتے ہیں، اور جب مذہب کی روح اس سے نکال لی جائے گی، تو باقی کیا رہے گا۔

سے ملاحظہ فرمائیں۔

کچھ طلبہ ایسے بھی تھے، جو عصری کلیات و جامعات کے ذریعہ آگے آئے، اور عربی کو کچھ مضامین کیساتھ بحیثیت ایک مضمون کے پڑھا، انہیں دوسری زبان میں خصوصاً انگریزی تو نسبتاً اچھی آگئی، لیکن عربی میں وہ مدرسوں سے آئے ہوئے طالب علموں کے برابر نہ ہو سکے، یونکہ مدرسوں سے آئے ہوئے طلبہ گورہ درسم شاہبازی بھول چکے تھے لیکن تھے تو شاہینِ نژاد، گریزِ غریبی زبانیں مثلاً فرنچ و جرمن وغیرہ کی درس و تدریس اور عربی میں ہی فرقت ہے کہ عربی پر مذہب اور مدرسوں کا پس منظر چھایا ہوا ہے، جب کہ دیگر زبانیں صرف عصری جامعات و کلیات ہی میں پڑھائی جاتی ہیں، اس لئے ان کے طلبہ اور مدرسین عصری علوم سے بھی آگاہ ہوتے ہیں جب کہ

عربی والے صرف عربی جانتے ہیں، اور اگر عصری علوم سے ان کی واقفیت ہے تو وہ بھی ان کی صلاحیت صفر سے کچھ ہی اوپر ہوگی۔ الاملاشاہ احمد، یہی موردِ حال تھا کہ ملک زمانے نے کر دیا بدلی اور عرب مالکِ قیل کی دوست سے الامال ہو گئے تو ایک دوپہر عربی کے چراغ میں قیل بھر گیا، زبان کی قیمت محسوس کی جانے لگی، اور نگاہیں باصلاحیت عربی فاش میں پھٹنے لگیں، ایسا عربی دان جو صرف مولوی نہ ہو بلکہ زمانے کے تقاضوں سے واقف ہو ایسی زبان استعمال کر سکتا ہو، جو روزمرہ کی عملی زندگی میں کام آنے والے سمانی و مفاسیم کا قیام کر سکے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا سمجھ لیا گیا تھا، کیونکہ اب تک تو ہم صرف فرسٹ کلاس میں پاس کرتے یا جوتے رہے ہیں، راتوں رات اسکا کرپید کر لکھنے شروع کر دیں، مزید وضاحت کے لیے ہمیں ہندوستان کو پس بھوڑ کر عرب مالک پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔

عرب مالک میں فکری انقلاب کی ابتدا ۱۹۱۷ء میں مصر پر نیپولین اعظم کے حملے سے ہوتی ہے، لیکن ہم بات مختصر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد مالی صورتِ حال تیزی سے بدلتی گئی، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں غیر معمولی رفتار سے ترقی ہوئی، عربی زبان کی ہمہ گیری اور دوست سے انکار نہیں، لیکن اب زمانے کی باڈر مغرب کے ہاتھ میں تھی، ایجادات و اکتشافات وہاں ہو رہے تھے، ان ہی کی زبانوں میں نئے نام اور اصطلاحات کا وجود ہو رہا تھا، دوسری زبانوں کے لیے صرف دوام راستے تھے یا تو وہ اپنے اندر وسعت پیدا کریں یا پھر سہل پسندی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر ملکی ایجادات کو مع ان کے ناموں کے قبول کر میں جیسا کہ ہمارے یہاں اردو نے کیا۔

ظہورِ ردِ عمل ساری دنیا میں عرب میں فکری انقلاب کے ساتھ ہی دہر دست سانی انتفا آگیا، اس کا دائرہ کار نہایت وسیع تھا، فروع میں نئے نئے تجربے جن کا تعلق ہیئت اور فکر

دو دنوں سے تھا، اسکا طرح تشریح نئے اسالیب و انداز سامنے آئے ہم یہاں صرف لغت سے بحث کریں گے، جدید عربی لغت کے پس منظر میں دو الگ الگ نظریے سامنے آئے ایک یہ کہ زبان میں جو بھی اضافہ ہو وہ خالص عربی کے اپنے مادے سے ہو اور عجمی الفاظ سے عربی کو پاک کرنا ضروری ہے، یہ نظریہ شام اور لبنان میں بہت مقبول رہا، چنانچہ زبان کی وسعت اور عجیت سے تحفظ کے پیش نظر اکیڈمی اور دارالترجمہ قائم کئے گئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ مغربی زبانوں سے آئے ہوئے جدید الفاظ و اصطلاحات کے لیے عربی الفاظ عربی کے اپنے مادے سے وضع کئے جائیں، یہ کام بہت تیزی سے شروع ہوا، عراق میں الجمع العلمي العراقي کے نام سے ۱۹۵۹ء میں شام الجمع علمی السوری کے نام سے ۱۹۶۱ء میں، اسکندریہ میں الجمع علمی المصری کے نام سے ۱۹۵۹ء میں اسی طرح مجمع اللغة العربیہ کے نام سے قاہرہ میں ۱۹۳۲ء میں دارالترجمہ انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کئے گئے،

ان سب سے پہلے محمد علی پاشا کے ہمد میں مصر کے اندر ۱۸۰۸ء میں تصریحی کے نام سے ایک دارالترجمہ قائم ہو چکا تھا، اس میں فرانسیسی اور اطالوی زبانوں سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اسے مشہور مصنف نبیہ غطاس کے الفاظ میں سنئے،

”چونکہ اصطلاحات اور الفاظ علمی باہمی انہام و تفسیر کا واحد ذریعہ ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے معانی قطعی ہوں، اور عربی دنیا میں اب تک یہ بات پیدا نہ ہو سکی، ادارہ سے متعلق جتنی اصطلاحیں ایجاد ہوئیں ان میں سے کوئی بھی ہر جگہ مساویانہ طور پر تسلیم شدہ ہے نہ ہی پورے معنی پر حاوی ہے، حتیٰ کہ خود ادارہ کا لفظ اب تک قطعی معنی کے لیے خاص نہ ہو سکا، اس کا مفہوم کوئی کچھ لیتا ہے، اور کوئی کچھ، بیسویں صدی کے نصف اول میں

توحید اصطلاحات کی بہت کوشش کی گئی اور ایسے الفاظ جن کے معانی بہت وسیع تھے انہیں محدود کرنے کی کوشش کی گئی، مثلاً ادارہ، تنظیم، الادارہ، انتظامیہ، مسقطہ، مسئولیت وغیرہ، لیکن بہت جلد مفہوم کے تعین میں اختلافات پیدا ہو گئے،

(دیباچہ قاضی الادارہ و مکتبہ لبنان بیروت ۱۹۷۷ء)

اس اقتباس سے خوب مالک میں عربی زبان کی ترقی کی رفتار اور اس کی سمتوں کا اندازہ ہوتا ہے، ساتھ ہی اس کے پیدا شدہ مسائل پر روشنی پڑتی ہے، زبانوں کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، عربی کے ساتھ بھی یہ واقعہ کئی بار ہو چکا ہے، ادنیٰ اسلام میں یہ لغوی انقلاب بڑے زور و شور سے آیا تھا، چنانچہ مسجد، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ، اسلام، ایمان اور اس طرح تمام وہ الفاظ جن کا تعلق اسلام سے بحیثیت مذہب کے ہے، مثلاً فقہی اصطلاحات وغیرہ ان تمام الفاظ کا استعمال اب لغوی معنی میں نہ ہو کر صرف دہی ہے، جو اسلام نے اصطلاحی طور پر متعین کر دیے ہیں، مسجد سے غیر اسلامی سجدہ گاہ، صلوٰۃ سے غیر اسلامی عبادت، زکوٰۃ سے غیر اسلامی ٹیکس وغیرہ مراد لیتا درست نہیں، اور اگر آپ اجازت دیں تو میں کہوں گا کہ لفظ اللہ کی شرح بھی اب صرف دہی ہے، جو اسلام نے متعین کر دی ہے، دوسری زبانوں میں اللہ کے مترادفات الفاظ مثلاً GOD یا ایسور وغیرہ کو اللہ کے معنوں میں استعمال کرنے کا میں قائل نہیں، اس کے بعد عند عباسی میں ہندو کے دارالترجے میں یونانی اور سنسکرت کی کتابوں کے عربی ترجمے کے وقت اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ ARISTOTLE کے لئے ارسطو تالیس PLATO کے لئے افلاطون RHITORIO کے لئے بطریقہ اور پھر خطابت اور پھر بلاغت اس طرح ARITHMATIC کے لئے ایشامطیق اور پھر حساب Geomety کے لئے جیو مٹریا، اور پھر ہندسہ اس طرح سنسکرت میں کون

پھول کے لئے قریض، درشا کالی سے درشمال اور پھر درشمال وغیرہ عربی الفاظ وضع کیے گئے۔
 دو افع جو کہ سنسکرت سے بنائے ہوئے یہ الفاظ عدا جہلیت میں بھی ملتے ہیں، اور اب ہسویں
 صدی میں مغربی آثار و تمدن نے ایک بار پھر عربی لغت کو تیزی سے نئے الفاظ وضع کرنے پر
 مجبور کر دیا ہے، لیکن آج کے طرز و وضع اور عہاسی دور کے طرز میں فرق ہے، اس فرق کو مشہور مصری
 مترجم اور محقق استاد اسماعیل منظر کی زبان سے سنئے۔

”لیکن یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ ان حضرات نے عربی کے مزاج سے ہم آہنگ
 الفاظ ترجمے کے لیے تراشے تھے، اس لئے آج مغربی الفاظ و اصطلاحات کے سلسلے
 میں بھی ہمیں یہ کرتا چاہئے کہ عربی اصطلاحات بناتے وقت لفظ کے معنی کو اس حد تک
 قریب کر دیں کہ وہ محدود اور متعین ہو جائے، جیسا کہ ماضی میں ہمارے اساتذہ نے
 فقہ، اصول فقہ، فلسفہ اور ریاضیات وغیرہ کی اصطلاحات متعین کرتے وقت
 کیا تھا، لیکن آج تعویب کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس میں ان امور کی رعایت
 نہیں کی جا رہی ہے، چنانچہ عامیہ کے الفاظ ادب میں داخل کر لینا، اسی طرح غیر عربی الفاظ کو
 بغیر نقل کر لینا عام ہو گیا ہے اس سے احتراز کرنا مناسب ہے،

(مقدمہ کتاب الفریذ فی المصطلحات)

یہ پہلا نظریہ ہے، جو زبان کے خالص کرنے پر زور دیتا ہے، لیکن خالص عربی کے ہمدرد
 سرچشک کر رہ گئے، جو ادبی جو ہر تھا، کیونکہ مغربی آثار و تمدن نے عربی کے سامنے ایسے ایسے
 مسائل رکھ دیئے، جو عربی میں پہلے سے تھے ہی نہیں، مثلاً سائنس، تکنولوجی، طب و نفسیات
 وغیرہ کے مسائل و مصطلحات یا یہ کہ عرب تہذیب میں وہ باتیں نہ تھیں، مثلاً یورپین مالک
 سے آئے ہوئے تہذیبی آثار اور یہ اضافات اس تیزی سے ہوتے چلے گئے کہ سوچنے کا وقت کم

تھا، اس لئے زبان کو عالم عرب کے قابل بنانے کے لیے، اہل عالم عرب کی ایک معتبر جماعت اس حق میں ہے کہ یہ دنیا کا نیا جینس عربی میں استعمال کر لے جائیں، یہ دوسرا نظریہ جو آپ عربی کا کوئی اخبار اٹھالیں فی صفحہ کم دیش پچاس لفظ ضرور ہے لہاں گے جو عربی عبارت کی ہادی میں ممان نظر آئیں گے، تکنولوجی، آٹومٹک، انٹریجن، ہوس، اسٹیشن، کمپیک، تلفزات، ٹیلیفون، الیکٹرونک، رادیو، بینک، وغیرہ سامنے کی مثالیں ہیں،

یہ تھا عالم عرب کا ایک سرسری جائزہ جس سے جب ذیل نتائج نکلتے ہیں،

۱۔ الفاظ کے معانی میں حیرت انگیز وسعت پیدا ہوتی جا رہی کس لفظ نے اب اپنا قدیم لباس اتار کر نیا لباس پہن لیا ہے، یہ دنیا اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ زبان پرسلسل نظر نہ ہو۔
مثالیں دیکھئے۔

لفظ	قدیم استعمال	جدید استعمال
اجازہ	اجازت	قطعی، رخصت، سند وغیرہ
اشارہ	اشارہ	نشان، علامت، ڈرین کا سگنل وغیرہ
اشاری	اشارے والا	سگنل میں <i>Signal man</i>
صفحہ	آسمانی کتابیں	روزنامہ
تصویرت	آواز مکان، آواز دینا	بذریعہ آواز ڈوٹ دینا
اقتراء	قرعہ اندازی	ڈوٹ بذریعہ طریقہ مردہ
مدمرہ	تباہ کن	تباہ کن جہاز
غواصہ	غوطہ خور (مونٹ کیلئے)	آبدوز
تشریح	تشریح کرنا، کھل کھل	پوسٹ مارٹم بیان کرنا

لفظ	قدیم استعمال	جدید استعمال
مترددا	شریعت کی طرف سے لگایا	پرو جیکٹ - اسکیم وغیرہ
عام	جانکاری	سائنس
عالم	جانکار	سائنس دان
محفوظ	حفاظت گاہ - بستہ وغیرہ	کیپ سول
اساذ	استاذ	پروفیسر (صرف)
حالیہ	غیبی آواز	ٹیلیفون پر بات

میں نے بالکل سانسے کی یہ چند مثالیں پیش کی ہیں، اور نہ حال یہ ہے کہ آپ خالص ادبی الفاظ کو چھوڑ کر کوئی لفظ دشتری میں دیکھیں اس کے کم از کم ایک درجن معانی اور مواقع استعمال اپنے دل جائیں گے جو زبان میں افسانے کی حیثیت کے ہوں گے، اور اس سے زیادہ نازک صورت حال یہ ہے کہ قدیم معانی اب عموماً متردک ہوتے جا رہے ہیں، چنانچہ علم اور عالم کے الفاظ اب سائنس اور سائنس دان کیساتھ تقریباً مخصوص ہو چکے ہیں، ویسے ہی اساذ سے اب صرف پروفیسر ہی سمجھا جاتا ہے،

۱۔ جدید اصطلاحات اور الفاظ ہر جگہ بالکل تسلیم شدہ نہیں ہیں، مثلاً ٹیلیفون سٹ کیلئے تلفاز، INTUITION کے لیے حدس، گرامفون اور فونو گرام کے لیے حرث FUSE، کے لئے ہارڈ، اسٹوڈیو کے لیے محفوت، سینٹی ریزر کے لیے آلات وغیرہ، طب اور سائنس کے مختلف شعبے اور تکنولوجی کی مصطلحات اسی ضمن میں آتی ہیں اس لیے لکھنا صاف بہت مشکل ہے کہ آپ نے جو لفظ جس مفہوم کے لیے استعمال کیا ہے، اس سے آپ کا

مخاطب بھی وہی سمجھ گا، اب اس شکل پر قابو پانے کے لیے یعنی ایسی اصطلاحات وضع کرنے کے لیے جو ہر ملک کے لیے یکساں طور پر تسلیم شدہ ہوں خاص تو بہر دیکار ہی ہے، رہا میں کہہ رہا ہوں انیسویں و تیرہویں کا تمام اس کوشش کی علی شکل ہے،

۲۔ مقامی بول چال میں استعمال ہونے والے الفاظ اور اس طرح کو رٹ، دفاتر، سرکاری نیم سرکاری اداروں کی اصطلاحات بھی ہر ملک میں الگ الگ ہیں، اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے جس لفظ کا عرانی استعمال کیا ہے، مصر میں اس کا دوسرا ہی مفہوم لیا جائے گا۔ محکمہ دفاع اور محکمہ قانون یعنی فوج اور عدلیہ کی تمام اصطلاحات اس ضمن میں آتی ہیں، مثال کے طور پر آپ صرف ۳ نقطہ ملاحظہ کریں۔ محکمہ اور ادارہ ہیں اور مصطلحات کی باہر کسی عام عربی انگریزی و کٹری میں ان الفاظ کے مواقع استعمال دیکھیں آپ کو مشکلات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا، اور اس طرح کے تغیرات موجودہ صدی میں عربی زبان میں کچھ اس کثرت سے ہوئے ہیں کہ آج کی عربی کا نام ہی جدید عربی رکھ دیا گیا ہے، زبان کے قواعد نہیں بدلے اصول جو تھے، وہ اب بھی ہیں اگر کوئی تبدیلی ہوئی تو وہ اب بھی غیر معیاری ہے، پھر جدیدیت نام کس کا جو جدیدیت صرف الفاظ و معانی کے انہی عظیم اثرات ان تغیر و تبدل کا نام ہے۔

اس درمیان میں مقدمہ کے بعد آئیے اب پھر وہاں ہندوستان چلے ہیں، یہ مسائل جن کا میں نے ابھی ذکر کیا، ان ممالک کے ہیں جہاں عربی بحیثیت مادری زبان کے بولی اور سمجھی جاتی ہے، جہاں ہندوستان جس کے عربی کی درس و تدریس کے مسائل ہوں ہی کیا کم ہیں۔ اس مزید اضافے کے بعد یہاں ہمارے طلبہ کا کیا حال ہو گا، ہمارے تمام عربی ادارے اور یونیورسٹیاں اب جدید عربی کی شدت سے ضرورت محسوس کرتی ہیں، اور جدید عربی سے ان کی مراد صرف ابلاغ کی زبان ہوتی ہے، دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ ہم جدید عربی پڑھنے

پڑھاتے ہیں، لیکن جوتا کیا ہے کہ اول تو ہمارے کم و بیش ۱۰ فیصد طالب علم زبان کی نحوی اور صرفی غلطیوں سے عمدہ برائیاں ہو پاتے ان میں وہ غلطیاں بھی شامل ہیں جن کی طرف اس مضمون کے ابتدائی صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے، چنانچہ ہمارے یہاں جو شخص عربی میں بے تکلف باتیں کرتا ہو، وہ ملک کے کامیاب ترین عربی دانوں میں شمار ہوتا ہے۔ طلبہ تو الگ رہے، ہماری یونیورسٹیوں کے اساتذہ میں پچاس فیصد ایسے نہیں، جو عربی میں بے تکلف باتیں کر سکتے ہوں بشرطیکہ موضوع صرف درس و تدریس نہ ہو ہادہ جو زبان پر قدرت رکھتے ہیں، ان میں اکثریت ان حضرات کی ہوتی ہے، جو مدرسوں کے توسط سے آتے ہیں، اس لیے ان کا مسئلہ انگریزی ہوتی ہے، بے چارے انگریزی نا آشنا ہوتے ہیں، اور اب جو انگریزی، سیکھنی شروع کرتے ہیں، تو آپ ہی بتائیں کہ عمر کے تیسرے دہے میں کھی ہوئی زبان پر وہ قدرت کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے، جو ابتدائی عمر سے سیکھنے والوں میں ہوتی ہے، اس لیے لاکھ کوشش کے باوجود جناب شیخ کی داڑھی مولوی مدن کی سی نہیں ہونے پاتی:- وہ حضرات جو محنت اور ذہن کی بدولت دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں ان کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ عرب مالک سے شائع ہونے والے حرائر و رسائل اور کتابوں کی درآمد معنی مشکل ہے کہ زبان پر مسلسل نظر رکھنی سخت دشوار ہے، میں نے عرب مالک میں زبان کی ترقی اور تہذیبوں کا جو ذکر اوپر کیا ہے، وہ اس تیزی سے ہو رہا ہے، اور اتنا ہمہ جہتی ہے کہ ان تغیرات اور اضافوں سے آگاہی اس وقت تک مشکل ہے، جب تک آپ ہر ملک سے شائع ہونے والے رسائل پابندی سے نہ پڑھتے ہوں ساتھ ہی مختلف عربی اکیڈمیوں سے شائع ہونے والی، مصطلحات کی میگزینیں آپ کے زیر نظر ہونی بھی ضروری ہیں لیکن ہمارے یہاں کتنے لوگ یہ کہتے ہیں یا کر سکتے ہیں، اس کا جواب ہم سب ملکر دیں،

تو یہاں سب ہو گا۔

نصاب تسلیم کیا جاتا ہے، طریقہ تعلیم میں کیا اصلاح ہونی چاہیے، ایسے وقت میں کس طرح پیدا کئے جاسکتے ہیں، ان تمام باتوں کا جواب دانشور اور ماہرین تعلیم دینگے، میں صرف یہ عرض کروں گا کہ جب تک طلبہ عربی کو اذیت دینے والے مضمون کی حیثیت سے پڑھتے رہیں گے، اور ہمارے اساتذہ اس گمراہ کن بلکہ تنگ رجحان کی عملاً حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے، ہماری یونیورسٹیاں صرف فرسٹ ڈیگریز میں پیدا کریں گی، اسکا لری پیدا کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔

تو سم کہ نہ رہی بہ کعبہ اسطواری
مکین رہ کہ تو یسوی بڑکتی

بزم تمجید پر یہ حصہ اول

بزم تمجید پر کاپیلاڈیشن تمام عظیم مغل سلاطین اور مغل شاہزادوں اور شاہزادیوں اور ان کے امراء و فضلاء و شعراء کے تذکرے اور ان کے علمی و ادبی و شعری کمالات پر مشتمل تھا، اس کے دوسرے اڈیشن میں اتنے اضافے ہوئے کہ اس کے تین حصے کر دیے گئے، اس پہلے حصہ میں شہرچ کے تین مغل سلاطین یعنی بابر، ہمایوں اور اکبر کے علمی ذوق اور ان کے دربار کے تمام قابل الذکر امراء و شعری و ادباء، فضلاء کے تذکرے کے ساتھ ان کے علمی کمالات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، خصوصاً دربار اکبری کا تو پورا مرقع نکلا ہوں کے ساتھ آگیا ہے۔

ازر سید صاحب المدین عبد الرحمن

قیمت - ۲۰ روپے

وفیت

آہ مولانا عبد الرحمن پرواز اصلاحی

از ماضیاء الدین اصلاحی

مولانا عبد الرحمن پرواز مرحوم دوا صنفین آئے اور تقریباً ساڑھے تین سال کے بعد یہاں کے لوگوں کے دلوں میں اپنی سیرت کی نیکی اور پاکیزگی، اخلاق کی طہارت و نترافت کی جوت چمکا کر اچانک دائمی جدائی اختیار کر لی، وہ ہم لوگوں کے دہلیں آکر میٹھے تھو کے خوبصورت چہرے سے عیاں ہوتا کہ لوگوں کی دلازاری اور ایذا رسانی کیا بلکہ ان کی دشمنی کا دوسرے بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوتا ہو گا، ان کی نورانی دائرہ سے ان کا علم و فضل ظاہر ہوتا رہتا تھا، انھوں نے راہ طریقت کے ایک سچے سالک کی طرح اس دنیا میں باہم و بے ہمہ کاسلک اختیار کر کے پوری زندگی گزار دی، انکا بڑا وصف یہ رہا کہ وہ اپنے نفس کو دبا کر بلکہ اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر اپنے گھر والوں اور غنے چلنے والوں کو آہام پہناتے ہی میں اپنی راحت و مسرت محسوس کرتے تھے، انھوں نے نبی کے تمام میں خود مملی مائی اور مفتی صدر الدین آذرہ کے تمام سے دوکتا میں لکھیں، جو علی حلقوں میں بڑے شوق سے پڑھی گئیں، دو ایہ صنفین آئے تو انھوں نے خود مفسر بن کر ہر ایک کتاب لکھنے کی خواہش ظاہر کی، خیال تھا کہ یہ

کتاب تہذیبِ تواریک کی مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی طرح علمی حلقے میں شہرت سے
 پڑھی جائے گی۔ مگر مصلحتِ خداوندی سے یہ اوصوری رہ گئی، ان کی اچانک وفات
 سے یہاں جو سرگوری اور غمتا کی کیفیت پیدا ہوئی ہے، اس سے یہ خاکسار متاثر ہو کر
 ان پر خود مضمون لکھنا چاہتا تھا، لیکن مولوی ضیاء الدین اصلاحی ان کے ہم وطن ہیں
 اور ایک ہی درس گاہ کے پڑھے ہوئے ہیں بیان کی زندگی سے بہت قریب تر ہے،
 اس لیے خیال ہوا کہ وہی ان پر اچھا تعویذی مضمون لکھ کر ہم لوگوں کے غمناک جذبات کی
 صبح توجائی کریں گے۔ اس لئے انکی یہ تحریر میری ہی تحریر تصور کی جائے، مرحوم چاچے
 لیکن وہ یہاں کی مجلسوں میں یاد آئیں گے، اکثر اور بہادر یاد آئیں گے۔ اور دل سے
 یہ دعائیں نکلتی رہیں گی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی نیکیوں اور خوبیوں کی بدولت
 ان کی روح کو اپنی رحمتوں کے پھولوں اور برکتوں کی خوشبودوں سے ہمیشہ ہمیشہ معطر
 رکھے۔ آمین! ”ص، ع“

یہ خبر ہایتِ افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۳۰ م دسمبر ۱۹۸۰ء کی درمیانی شب میں
 درہجے مولانا عبدالرحمن پر دواِ اصلاحی حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ رَاحَتًا یَدْلُوْہُ
 وَ اِنَّا اِلَیْہِ سَاجِدُوْنَ۔

وہ بظاہر بالکل ٹھیک تھے، اور انھوں نے دن بھر کے اپنے سارے معمولات بھی انجام
 دئے اُس لئے یہ سانحہ بالکل غیر متوقع طور پر پیش آیا جس کی وجہ سے دارالمصنفین کی فضا بہت غمناک ہو گئی
 یہ عجیب اتفاق ہے کہ انتقال کے وقت وہی تمام دارالمصنفین میں موجود تھے، راقم الحروف
 اور بعض دوسرے رفقا محترمی جناب سید مصباح الدین عبدالرحمن صاحبِ ناظم دارالمصنفین
 کی کمیست میں ہمارا رد و اکاؤنٹی کے دعوئے نامہ پر اس کے زیرِ اہتمام ہونے والی علامہ سید سلیمان ندوی

کی صد سالہ تقریبات ولادت میں شرکت کے لیے پٹنہ گئے ہوئے تھے، اس لئے ہم سب اپنی غیر
حاضری اور ان کی تجہیز و تزیین میں شرکت سے محروم رہ جانے پر سخت ملول، نادم اور دہرا غم
محسوس کر رہے تھے،

دو ہس قبل انھیں ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہوئی تھی مگر ہومیوپتھی کے علاج سے افادہ ہو گیا
تھا، اس کے بعد جناب سیٹھ عبدالعزیز انصاری صاحب کے اصرار پر وہ چکپ کے لیے ممبئی تشریف
لے گئے، وہاں سے آنے کے بعد ان کے ساتھ ہم لوگ بھی مطمئن تھے، ۳۰ نومبر کو جب ہم لوگ پٹنہ
کے لیے روانہ ہو رہے تھے، تو انھوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ سب کو رخصت کیا، میں نے
کاتب کو دینے کے لیے ایک مضمون ان کے حوالہ کیا، اس وقت انھوں نے مجھ سے کہا مجھے ایک
ضرورت سے گھر جانا تھا، مگر دارالمنصفین بالکل خالی ہو جائے گا، اس لئے میرا یہاں سے جانا مناسب
نہیں، میں سب لوگوں کی داپسی کے بعد ہی گھر جاؤں گا۔ کیا پتہ تھا کہ یہ اُن سے آخری گفتگو ہو رہی ہے
اور اب ہم ان سے اس عالمِ ناسوت میں ملنے کے بجائے ان کی قبر پر باجٹم غم حاضر ہوں گے۔

پٹنہ میں کئی حضرات نے ان کی خیریت دریافت کی، ممبئی سے ان کے دوست جناب شیخ
فرید برہانپوری اور ڈاکٹر غوثیہ نعافی تشریف لائے تھے، دونوں نے ان کو بار بار یاد کیا، اور
تاکید سے کہا کہ ان کا سلام ان سے کدیا جائے، خدا بخش خاں لاہوری کے ڈاکٹر جناب عابد رضا
بیدار نے ہم لوگوں کے ذریعہ ایک دعوت نامہ بھی ان کے پاس بھیجا مگر کیا خبر تھی کہ اس نامہ
دپیام کے وہ میان موت حائل ہو جائے گی۔

ان کا وطن عظیم گڑھ ضلع کا ایک گاؤں سیدہ حاسلطان پور ہے، جو یہاں کے مشہور اور
قدیم قصبہ مراے میر سے تین چار میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے، ان کا شجرہ نسب محفوظ
ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے

ہر سلطان بھول کر دھڑی کے زمانہ میں اتنا انسان سے ہندوستان آئے، جو نوپور کی کٹر سلطنت پر جب بھول کر دھڑی لے حملہ کیا تو وہ دشمنانہ ڈنچے والوں میں اس خاندان کے سالار خاں پیش تھے، اس کے صلے میں انھیں تیس گاؤں پیش کئے گئے، اسی بنا پر پہلے یہ گاؤں اس دور میں تھے جو آگے چل کر سیدہ حاسلطان پور کے نام سے موسوم ہوا، اس گاؤں کی بڑی آبادی ابھی سالار خاں کی نسل سے ہے۔

مولانا عبدالرحمن پورہاڑی اسی گاؤں کے ایک متوسط درجہ کے کھانے پیتے خاندان میں، اکتوبر ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے تھے، ان کا خاندان پیشہ ذراعت کے علاوہ علمی و ادبی حیثیت بھی ممتاز تھا، ان کے والد بزرگوار مولانا محمد شفیع مرحوم ایک جید عالم اور متورع و مقرب بزرگ تھے، جن کی تعلیم و ادب پر پڑنے کے ناریں گھاٹ کے ایک بڑے اہلحدیث مدرسہ میں ہوئی تھی جہاں ان کے چاچا خانقاہ قادریہ میں مرحوم ایک مدت سے تعلیمی خدمات پر مامور تھے، مولانا محمد شفیع صاحب نے یہاں مولانا سخاوت علی جوہر پوری کے تلمیذ رشید مولانا فیض اللہ موسوی سے درس لیا جو علامہ شبلی نعمانی کے بھی استاد تھے، اس کے بعد دہلی جا کر میاں سید نذیر حسین صاحب دہلی مدرسہ سے بھی حدیث کے چند اسباق پڑھے،

مولانا محمد شفیع صاحب درسیات کی تکمیل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آئے تو انھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور شرک و بدعات کے انہدام کے لیے انجمن اصلاح المسلمین کی داغ بیل ڈالی جس کے کاموں کا دائرہ آگے چل کر بہت وسیع ہو گیا، چنانچہ اسی سلسلہ میں انھوں نے علم دین کی اشاعت و فروغ کے لئے مدرسۃ الاملاہ قائم کیا، اور ماہنامہ النور کی خدمت کرتے رہے، انہی کی درخواست پر علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی نے بھی اس مدرسہ کی جانب توجہ کی اور مولانا فراہی کی بدولت اس مدرسہ نے بڑی ترقی کی، اور

اس سے مسالوں کو بڑا فیض پہنچا، اور اب بھی پہنچ رہا ہے۔

مولانا محمد شفیع مرحوم کے باپ صاحبزادے تھے، سب سے چھوٹے ڈاکٹر خلیل الرحمن عظمیٰ مرحوم، پڑا شہبہ اردو دینی گزرا، مسلم یونیورسٹی تھے، مولانا عبدالرحمن پرواز ان سے بڑے، اور باقی تین بھائیوں سے چھوٹے تھے، بڑے چاروں بیٹوں کی تعلیم درست الاصلاح میں ہوئی مولانا عبدالرحمن پرواز سلسلہ میں مدرسہ سے فارغ ہوئے، اس کے بعد وہ درس و تدریس کے مشغلہ میں لگ گئے، سلسلہ میں مشہور شاعر جناب احسان دانش مرحوم کی دعوت پر وہ لاہور چلے گئے، مگر ایک برس بھی یہاں نہیں گزرے تھے کہ تقسیم کی خبر سن کر وطن واپس آگئے اور قوٹے میں عرصہ بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ درجہ تک میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے، یہاں سے الہدیٰ کے نام سے ایک ہندو روزہ اخبار نکلتا تھا، جس کے ایڈیٹروں میں ان کا نام بھی تھا وہ ۱۹۵۰ء میں بیٹھے آگئے اور انجمن اسلام کے مختلف اسکولوں میں عربی کے استاد ہوئے، آخر میں احمد سیرہائی اسکول ڈسٹرکٹ روڈ سے وابستہ ہوئے اور یہیں سے ریٹائر ہو کر دایرہ مصنفین آئے۔

وہ بیٹھے کے قیام کے زمانہ میں مختلف اردو اخباروں سے بھی وابستہ رہے، روزنامہ ہندوستان، آئینہ کار، اردو ٹائمز اور انقلاب وغیرہ میں عرصہ تک مذہبی، علمی اور تاریخی کالم لکھتے رہے، گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر سے بھی ان کا تعلق رہا، اس ایک دفعہ ان سے ملنے کے لیے یہاں گیا تو بہت خوش ہوئے اور اس کے ڈاکٹر ڈاکٹر عبدالحق ریلوی اور حامد اللہ ندوی وغیرہ سے ملایا۔

اردو زبان و ادب اور اس کی تاریخ پر ان کی اچھی نظر تھی، ان کے والد اپنے تمام بچوں کو دینی کتابوں کے مطالعہ کی تلقین کرتے تھے، پرواز صاحب نے ان کی ترغیب سے غالب کے خطوط اور تہذیب، آزاد، ندیم، احمد، حاکمی اور مولانا شبلی کی اکثر تصانیف کا مطالعہ کیا اور مسدس حالی

سمت سماعت سے ہر کسی کے لئے تھے کہ اس کے تقریباً نصف اشعار مجھے زبان یاد ہو گئے تھے۔ فارسی کی استعداد بھی اچھا تھی، میں اس کی مشکلات میں جب ان سے رجوع کرتا تو وہ قلمی کر دیتے۔ اس کا ذوق بھی، نگہِ دل صاحب کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

دہلیۃ العروس و تذریس کے مشغلے وابستہ رہے، مگر تحریر و تصنیف کی جانب ہمیشہ رجحان رہا، مضمون نگاری کا شوق بچپن سے تھا، اور طالبِ علمی ہی کے زمانہ سے ان کے مضامین اخباروں اور رسالوں میں چھپنے لگے تھے، مختلف وقتوں میں ان کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

۱۔ مزدور اور اسلام (۲)، مومن، حیات و شاعری، (۳)، علم و ہدایت کے چراغ (۴)، نظام حق کے معمار (۵)، حضرت مخدوم علی ہاشمی، حیات آثار و افکار (۶) مفتی صاحب آذرہ، بمبئی کے قیام کے زمانہ میں انھیں پڑھنے لکھنے کا زیادہ موقع ملا، موخر الذکر دونوں کتابیں ہیں لکھی گئیں، اور یہ ان کی تلاش و تحقیق اور محنت و کدوش کا نتیجہ ہیں، ان میں سے ایک میں کوکن کے مشہور اور بڑے صوفی و عالم حضرت مخدوم علی ہاشمی کے حالات و واقعات زندگی کے علاوہ شروعات میں ان کے وطن ماہم اور خاندان نواریا کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے اور ان کے علمی کمالات، تصنیفات اور افکار و نظریات پر مسوہ بحث و گفتگو کی گئی ہے، اور تفسیر فلسفہ اور تصوف میں ان کا امتیاز دکھایا گیا ہے، مخدوم صاحب کے صوفیانہ افکار کی وضاحت کے ضمن میں نظریہ وحدت الوجود پر مفید اور اچھی بحث کی ہے، یہ موضوع بڑا نازک ہے مگر مصنف اس مرحلے سے اعتدال و سلامت روی کے ساتھ گزرے ہیں، اور اس کی اچھی وضاحت بھی کی ہے، اس کتاب کی وجہ سے وہ بمبئی میں پورے طور پر متعارف و مقبول ہو گئے تھے، اور علمی حلقوں میں بھی ان کا وزن محسوس کیا جانے لگا تھا۔

دوسری کتاب بھی علمی و تحقیقی حیثیت سے بلند پایہ اور اردو کے سوانحی ذخیرہ میں ایک اضافہ ہے، اس میں منلیہ سلطنت کے دور زوال کے نامور فاضل مفتی صدر الدین آزاد کے بارہ میں، پہلی مرتبہ اس قدر محنت و کاوش سے مراد و معلومات جمع کئے گئے ہیں، جس سے ان کے خاندانی و ذاتی حالات تفصیل سے معلوم ہو جاتے ہیں، اس میں ان کے فضل و کمال وغیرہ کے متعلق ان کے معاصرین کی شہادتیں بھی نقل کی گئی ہیں، اور ان کی قومی و مذہبی خدمات بھی بیان کی گئی ہیں، اور مصنف نے انکی فارسی و عربی تحریروں اور اردو، فارسی اور عربی کلام کے نمونے بھی دئے ہیں، اور ان کی تصنیفات کا تعارف دیدہ و ریزی سے کرایا ہے،

مولانا عبدالرحمن پرواز نے تاج رسول حضرت حسان بن ثابت کے حالات اور شاعری پر بھی ایک کتاب لکھی تھی، جس کے بعض اجزاء ماہنامہ برہان میں عرصہ ہوا چھپے تھے، مگر یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہو سکی، دُعا اور کتابیں بھی زیر ترتیب تھیں ایک حضرت امیر خسرو پر اور دوسری حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی پر ہے۔

دارالمصنفین میں انھوں نے ہندوستانی مفسرین کے موضوع پر کام شروع کیا تھا جس کے لیے وہ اپنا مطالعہ مکمل بھی کر چکے تھے، اور وہ اس کا تقریباً نصف حصہ مرتب بھی کر چکے تھے، اگر ان کی عمر دفا کر دے تو غالباً چند ماہ میں اسے مکمل کر لیتے۔

شروعی کاذوق خاندانی تھا، ان کے والد بزرگوار کو بھی عنفوان شباب میں شعور شاعری سے دلچسپی تھی، اور وہ شاہ محمد اکبر ابرو لدائی دانا پوری سے مشورۂ سخن بھی کرتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر خلیل الرحمن عظمیٰ تو موجودہ مبارکے بلند پایہ شاعر خیال کئے جاتے ہیں، پر وہ صاحب نے بھی موزوں طبیعت پائی تھی، بچپن ہی میں مشق سخن کر لے لگے تھے، اور ان کا کلام بھی اخباروں اور رسالوں میں چھپتا تھا، انکی مضمونوں میں اشعار سنانے بھی تھے، مگر مشاعروں میں پڑھنے کے عادی نہ تھے،

کئی کئی شاعروں کی مصداق بن گئے تھے، ان کی نظموں اور غزلیں نہایت پاک و بے غش تھیں اور ان کی سادہ و سلیس احساسات و جذبات کی ترجمانی بڑی تھی، مگر اب شہر و شاعری میں یہ رشتہ نہیں رہ گیا تھا، تاہم ایک دیوان یادگار بھجوا دیا ہے جو طبع نہیں ہو سکا۔

مدرسہ اصلاحِ سرگرمی سے ان کو بڑا تعلق و اخلاص تھا، یہ ان کے والد مرحوم کی یاد بھی ہے، اور ان کی از اول سے آخر میں تعلیم بھی ہوئی تھی، اس لئے وہ اس کی ہر خدمت کیلئے مستعد اور سرگرم رہتے تھے، اور اس کی ترقی کے لیے ہر ہر فکر و منہ بھی دیتے تھے، کئی برس سے وہ اس کی مجلس انتظامیہ کے ممبر بھی ہو گئے تھے، اور پابندی سے مجلس کے جلسوں میں شریک ہوتے تو، اور اس کی کارروائی اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے کاموں میں بڑا ہر کام کو حصہ بھی لیتے تھے، انکی دلچسپی کی وجہ سے مدرسہ کی نظامت بھی پیش کی گئی مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، بیسی میں مدرسہ کی ایک موقوفہ جائداد میں اس کے متولی عرصہ سے بجا تصرف اور ناجائز خورد و ہر کر رہے تھے، بالآخر پورا صاحب نے اس مسئلہ میں پوری دلچسپی لی اور منشی عبدالعزیز انصاری صاحب، مولانا مستقیم حسن اعظمی اور دوسرے خیر خواہان مدرسہ کے تعاون سے اسے ان کے تصرف سے نکلنے میں غیر معمولی جدوجہد کی، حال میں مجلس انتظامیہ کے ارکان نے قرآن مجید کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اور مدرسہ سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کی بنا پر انھیں اجلاس کا ناظم مقرر کیا تھا، انھوں نے اس کے لئے ابتدائی تک و دو بھی شروع کر دی تھی کہ خود ان کا وقت آخر لگ گیا۔

لی، قومی اور سیاسی سرگرمیوں سے انھیں نہ زیادہ دلچسپی تھی اور نہ وہ ان میں کوئی عملی حصہ لیتے تھے، تاہم مفید اور نیک کاموں میں تعاون سے وہ پین بھی نہ کرتے تھے، ان کے گاؤں میں عید گاہ کی تعمیر کا مسئلہ اٹھا تو انھوں نے اس میں نمایاں حصہ لیا، حال میں شہر کے

یعنی لوگوں نے ایک مسلم اپنل کی اسلم بنائی ہے، وہ اسے قوم و ملت کی ایک بڑی اور اہم ضرورت خیال کرتے تھے، اس لئے مسلم اپنل کے کارکنوں سے ہر اہر رابطہ رکھتے اور انھیں مفید مشورے بھی دیتے،

الحاکم والد ہر گوار اپنے دور کے مشہور صاحب دل بزرگ حضرت چاند شاہ ٹانڈوی (متوفی ۱۳۱۴ھ) سے پہلے بیعت ہوئے، ان کے انتقال کے بعد یادگار سلف حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی راے بریلوی (متوفی ۱۳۲۴ھ) کی جانب رجوع کیا اور حضرت سید صاحب سے خلافت و اجازت بھی حاصل کی، مولانا عبد الرحمن پرواز کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی، چند برس قبل وہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ملنے راے بریلی گئے تو اپنے والد کے مرشد کے وطن اور مسکن کی زیارت کے لیے نصیر آباد بھی تشریف لے گئے۔ ان کو تصوف سے محض نظر پائی دلچسپی نہ تھی، بلکہ وہ اس راہ کے سالک بھی تھے، آٹھ، دس برس قبل وہ اس دور کے نامور شیخ طریقت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ ان سے بیعت ہوئے، اس کے متعلق جب میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور نسبت مع اللہ پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ ان میں تقشف، اور گردہ پی عصبیت نہ تھی، طبیعت میں بڑا اعتدال اور نوس تھا، ہر طبقہ کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے، وہ طبیباً خاموش، سنجیدہ، حلیم، بردبار، بے ضرر اور مرخاں مریخ شخص تھے، نہ کسی کی ٹوہ میں رہتے اور نہ کسی کی غیبت و تنقیص کرتے، مردم آزاری اور ایذا رسانی کا ان میں کوئی مادہ ہی نہ تھا، طبیعت میں نرمی، مروت، ماطفت اور شرافت تھی، کسی کے رُپے سے تکلیف اور اس کے طرز عمل سے شکایت بھی ہوتی تو ضبط و تحمل سے کام لیتے، اور غصہ و ہرجی کا اظہار نہ کرتے، ان میں تواضع و خاکساری تھی، ان کی کسی اداسی و رعونت و ہر توہی کا

بہ نہ چلتا تھا، انہیں خود غنائی اور خود ستائی کی مطلق طاقت تھی، کبھی کوئی ایسا بہت نہ کرتے تھے۔
طو و پتہ اور ظاہر ہو گا، ہم و نمود، نمائش، ظاہر داری اور جادو سے نفرت تھی، خود غرضی دریا،
منافقت اور رشک و حسد سے ان کا دل پاک و صاف تھا، انکی زندگی نہایت سادہ اور مصلحت سے بے تھی
بڑے قناعت پسند تھے جو کچھ میر و سادہ کی کو کافی سمجھتے اور اسی میں ہنسی خوشی گزار رہے کرتے، نہ کسب و
کی ہوس ہوتی اور نہ کسی اعزاز و اکرام کی طلب، اس معاملہ میں ان کا مزاج بالکل صوفیانہ اور
درویشانہ تھا، طبیعت میں غیرت و خود داری تھی، اس لئے دوسروں سے کوئی کام لینا اور کسی چیز
کو طلب کرنا گوارا نہ تھا، اپنا ضروری کام بھی خود ہی کر لیتے تھے، خود چھلک اٹھاتے مگر دوسروں
کو آرام پہنچانے کی فکر رہتی، اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی اولاد نہ دی تھی، مگر اپنے عزیزوں اور متعلقین
کی خبر گیری سے غافل نہ رہتے، اپنے ایک عزیز کی بچی کی پردہ کی، جو کچھ کیا اس پر اور اس کے
بال بچوں پر صرف کر دیا اور اپنے لیے کچھ بھی باقی نہ رکھا۔

نہایت دھیمہ و شکیں، شاید اٹھادہاڑ شخص تھے، چہرہ بڑا پتھر تھا، اس سے متانت، سنجیدگی،
طہارت، پاکیزگی اور مصومیت بھی ظاہر ہوتی تھی، سادہ لوحی اور مصومیت کی بنا پر بعض معاملہ
کی گہرائی تک انکی نظر نہ جاتی، اور خود غرض قسم کے لوگ ان سے اپنا مطلب حاصل کر لیتے۔
کسی قدر جذباتی بھی تھے، اور چونکہ لاگ پیٹ اور دور رعایت کے عادی نہ تھے، اس لئے
دقتی طور پر طبیعت میں اشتعال بھی پیدا ہو جاتا مگر نہ اس کا اثر دیر پا ہوتا، اور نہ کسی سے
کینہ و کد درت رکھتے۔

اپنی نیکی، شرافت اور اخلاق و سیرت کی پاکیزگی کی بنا پر جہاں بھی رہے مقبول و ہر دور عزیز۔
نہ کسی کو ان سے اور نہ ان کو کسی سے کوئی شکایت ہوئی، خداوند اپنے اس نیک اور مقبول بندے کی
منفرت فرمادے اے اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین۔

مولانا عبدالرحمن پرواز کے غفلت و دستِ حکیم عبدالہاقی ہاشمی عظمیٰ کو ان کے انتہائی بہ بڑا طال ہوا۔ اور انہوں نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کیا۔

مدحیہ جو پرواز پناہ تکلف دست تھا اب چھوڑ کر یہ عالم رنج و غم جاتا رہا
جس سے قائم شام کا تھا لطفِ صحبت آلودہ اک ہندو دیرینہ در چشم زدن جاتا رہا
برپا نہ کیوں ہو حشر غم اب انجمن در انجمن ہیبت جو تھا رونق صدر انجمن جاتا رہا
اب بزمِ علم رونق نظر آئے نہ کیوں بے نوری جس سے روشن تھا چراغِ علم رونق جاتا رہا

میناب ہاشمی نے کہا یوں مصرع سال وفات

اب عالم دیں رونق افزائے سخن جاتا رہا

۴ ۸ ۱۹ ۶

دارالمصنفین کی نئی کتاب

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

(جلد سوم)

اس سے پہلے اس کتاب کی دو جلدیں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں، پہلی جلد میں منسل دو سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کے واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے لکھے گئے ہیں اور دوسری جلد میں اورنگ زیب سے پہلے کے منسل فرمانرواؤں اور سوری خاندان کے حکمرانوں کی مذہبی رواداری کے موثر واقعات درج ہیں۔

تیسری جلد میں منسل خاندان کے گل سر بہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بعد کے منسل بادشاہ کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی معاہدہ تاریخوں کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے اورنگ زیب نے مختلف مندروں کی مدد اور ہندو پیاریوں کو جاگیر دینے کیلئے جو فرمان لکھے تھے، انکا اڈیشنو اتھ مندر کے انہدام کا قصہ بھی اس میں لکھا ہے۔

قیمت ۱۔ ۳۰ روپے

مترجمہ، سید صباح الدین عبدالرحمن۔

بَابُ التَّقْرِیظِ وَالْمَنْقَذَةِ

تالیخ محمدی

امام شریف حسین قاسمی، شیعہ مذہبی یونیورسٹی مولیٰ

تالیخ محمدی مصنف میرزا محمد بن رستم غاٹب بہ معتمد غاٹب بن قباد غاٹب بہ دیانت غاٹب سارا
بخشی دہلوی ایک اہم تاریخی دائرۃ المعارف ہے۔ اس میں ہجری سال کے شروع سے ۱۱۰۱ھ
۱۱۰۲ھ تک کے چند ہزار اہم اشخاص کی وفات اور بعض تاریخی امور کا اجمالی ذکر ہے۔ یہی سال
قابا مصنف کی وفات کا سال ہے۔

اس تاریخی دستاویز کی جلد دوم کا چھٹا حصہ ہندوستان کے معروف عالم و محقق امین
علی عثمانی صاحب مرحوم نے تیار کیا ہے۔ بعد شیعہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع
کیا ہے۔ اس حصے میں مصنف نے اپنے معاصرین بارہویں صدی ہجری کے مختلف اہل علم
ذرا اور ان کے متعلقین کی وفات کا سال بسال ذکر کیا ہے۔ عثمانی صاحب مرحوم
نے ایک سو چالیس صفحات کے اس متن پر ستا بیس صفحے کے حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ ان
حواشی کی ترتیب میں چوراسے اہم منابع سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ اشاعت رضا
لائبریری راجپور کے اس نسخے پر مبنی ہے جو قبول مرتب خود مؤلف کا کتابت کردہ ہے۔
یہ کتاب جہاں مصنف کی دقت نظری اور اعلیٰ علمی کوشش کی مظہر ہے وہاں مرتب کے
تقریبی وسیع معلومات اور محققانہ جدوجہد کا بین ثبوت بھی ہے۔ تاریخ محمدی کا دو خط نسخہ
جو مرتب کے پیش نظر تھا ایک لحاظ سے ناقص ہے۔ اس میں چند جملے نسخے کی کرم خوردگی کی بنا پر

بڑے نہیں جاسکے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے مرتب نے دوسرے دستیاب منابع سے مدد لی ہے۔ اس کے باوجود ابھی بعض مقامات پر الفاظ و عبارات پر نہیں کی جاسکیں۔

راقم حدود نے حال ہی میں سیر المنازل کا فارسی متن مرتب کیا ہے۔ اس میں وہی کی مختصر تاریخ، جغرافیہ اور یہاں کی تاریخی عمارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے سنگین بیگ نے انیسویں صدی عیسوی میں تالیف کیا تھا۔ سیر المنازل کا یہ متن اور اس کا اردو ترجمہ ایک ہی جلد میں ایوان غالب نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ سیر المنازل کے حواشی کی ترتیب میں تاریخ محمدی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایک مقام پر خود مطبوعہ تاریخ محمدی میں ایک مفقود نام کی نشاندہی بھی سیر المنازل کی مدد سے ہو گئی۔ یہ نام عرشی صاحب خرم کے پیش نظر علی نسخے میں کرم خوردگی کی وجہ سے موجود نہیں۔ ان سطور میں اسی کی طرف اشارہ منظور ہے۔

مطبوعہ تاریخ محمدی کے صفحہ ۱۳۰ پر درج ذیل عبارت مرقوم ہے :

”..... بنت حسن بیگ فاطمہ بھف ٹکسن خاں، زوجہ معزالہ ولد حیدر قلی خاں بہادر

ظفر جنگ و والدہ پسرانش حیدر قلی خاں و جعفر قلی خاں، ادائی عشرہ نالہ صفحہ

شاہجات آباد فوت شدہ“

اس عبارت میں حسن بیگ فاطمہ بھف ٹکسن خاں کی لڑکی اور معزالہ ولد حیدر قلی خاں کی زوجہ کی تاریخ وفات دی گئی ہے لیکن اس خاتون کا نام موجود نہیں جس کی تاریخ وفات درج کرنا مؤلف کا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ محمدی کے درج بالا اقتباس میں حسن بیگ فاطمہ بھف ٹکسن خاں، معزالہ ولد حیدر قلی خاں بہادر ظفر جنگ حیدر قلی خاں اور جعفر قلی خاں کے نام ملتے ہیں۔

حسن بیگ فاطمہ بیگم کی خاں فرخ شاہ کے میرانش تھے۔ یہ فرخ سیرالمنان

کے درمیان ہونے والی جنگ کے دوران ۳۱ ذی الحجہ ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۲ء میں مارے گئے۔

معزالدولہ حیدر قلی خاں بہادر عفر جنگ کا یہ خطاب آکا محمد رضا اسفہانی کو دیا گیا تھا جو محمد شاہ کے میرانش تھے۔ یہ نہایت سخت گیر انسان تھے۔ اپنی بیوی کے ساتھ خسن خانہ میں سوتے ہوئے کسی وجہ سے آگ سے جل گئے اور کچھ مدت بعد پچاس سال سے زیادہ زخمی رہ کر شب جمعہ ۱۲ رمضان، ۱۱۳۴ھ/۱۷۱۶ء کو شاہجہان آباد میں فوت ہوئے۔ چاندنی چوک دہلی میں مسجد پوری کے نزدیک حویلی حیدر قلی آج بھی ایک محلے کا نام ہے۔ غالباً یہاں واقع حویلی انہی حیدر قلی کے نام سے موسوم رہی ہوگی۔

خود تاریخ غدی میں معزالدولہ کے دو لڑکوں کی وفات کا ذکر موجود ہے۔ ان کا ایک لڑکا محمد عسکری محمد شاہی امرا میں شامل تھا اور ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء کے اوائل محرم میں شاہجہان آباد میں فوت ہوا۔ ان کا دوسرا لڑکا محمد کاظم تھا۔ یہ بھی اپنے زمانے کا ایک امیر تھا اور فتح علی خاں بن ثابت خاں کے خلاف جنگ میں ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں مارا گیا۔ بہر حال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان دونوں میں بڑا کوئی تھا۔ تاریخ غدی کے درج بالا فارسی اقتباس میں معزالدولہ کے دو لڑکوں کے نام تحریر ہیں۔ ایک حیدر قلی خاں اور دوسرا جعفر قلی خاں۔ لگان غالب یہ ہے کہ تاریخ غدی میں ایک دوسرے مقام پر نہ کوہجہاں معزالدولہ کے دو لڑکوں کی وفات کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے اور درج بالا سطور میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے، معزالدولہ کے دو لڑکوں محمد عسکری اور محمد کاظم کو حیدر قلی خاں اور جعفر قلی خاں

۱۔ تاریخ غدی، ص ۳۱ سے تاریخ غدی، ص ۷۲ منتخب الباب ۱۷، ص ۹۳، ۹۴ سے آثارالامراء ج ۲

ص ۶۷، ۵۱۔ یہاں ان سے متعلق تفصیلی حالات تحریر ہیں اسیرالمنان ج ۱، ص ۱۲، ۲۵۹

کے خطبات سے نقل کیا ہے۔

وہابی میں علامہ مرتبیاں کھان کے عقب میں ایک سنی مجلس پورہ ہے۔ اس آبادی میں ایک مسجد واقع ہے۔ اس میں درج ذیل کتبہ کندہ تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

محمد و آلہ و صحبہ و عترتہ علیہم السلام
و نواب کاظم خان مرحوم۔ ہر کس کو نماز بخواند، نواب یاسین سہ اور اح بخشد و ہر کہ خدمت
ایمان قبول کند شرط این است: چہرہ یک در سال از اینجا پید شود، اول عرس نواب مغزالد
بکنہ چہارم رمضان المبارک و عرس بی بی ارجمند خانم بکنہ ہفتم ماہ صفر و عرس نواب
کاظم خان مرحوم ہفتم ماہ رجبہ اگر برین شرط قبول کند و در خدمت عمل کند، ہر دو طلاق است
و ہر دو زچہ و فخر و ہر شب جمعہ شیرینی لکھائی تا تھم کند و مالک این مسجد چاہہ میز
مہدی علی خان بہادر و نواب کاظم خان بہادر بن مغزالد و بہادر بی بی ریانت نسوان خانم
خانم میرزا مہدی علی خان، اخراج اخراجات ہر در بقع و تصرف اوشان است

تاریخ محمدی سے درج بالا اقتباس اور اس سے متعلق ضروری تشریحات کے پیش نظر
بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سیر المنازل میں منقول اس کتبہ کا تعلق آقا محمد رضا سفرائی
خاں بہ مغزالد و جیدہ علی خان بہادر نظر جنگ سے ہے۔ دیگر قابل توجہ امر یہ ہے کہ مغزالد
کی زوجہ کا نام بی بی ارجمند خانم تھا جو تاریخ محمدی کے مطابق ۱۱۵۰ ہجری میں صفر کے اوائل
حشرہ ثانیہ میں فوت ہوئیں۔ فارسی کتبہ کے مطابق ان کی قطعی تاریخ وفات ۱۱۵۰ صفر ہے
بہ حال مطبوعہ تاریخ محمدی میں مغزالد کی زوجہ کا نام کرم خدیوگی کی نذر ہو گیا ہے جو اس کتبہ کی مد سے معلوم
ہو جاتا ہے کہ علامہ کا نام بی بی ریانت خانم کے لڑکے میرزا محمد علی خان کے مرنے کا حکم ہی ہوتا ہے۔

آدیکیت

غزل

از پروفسر یگانہ آواز احمد شعیب اردو جوں پو پورٹی

بن کی خاک میں دل اس طرح جو زندہ ہے . شرارہ جیسے قلب سنگ میں متور رہتا ہے
 عجب جہوہ ہے جو ہو کر قریب نہ لگ جا بھی . نگاہوں کی رسائی ہے بہت ہی دور رہتا ہے
 خوشادہ دل کمال ہے فرقت کی دوت سے . وہی دل وصل کے عالم میں بھی ہر دور رہتا ہے
 تصویریں نہ آئے گا وہ جب تک کیسے جانوگا . مرے نزدیک رہتا ہے کہ مجھ سے دود رہتا ہے
 اب اس گیارہ زیادہ مرتبہ در کاہے لے لے . کہ تو ان کے حضور نہ کر بھی نامتور رہتا ہے
 صدف جب دے دیا ہے آنکھ کا پھر اور کیا ملے . ہمیشہ متیوں سے یہ صدف بھر پور رہتا ہے
 درون دل جہاں غلات کی دولت عطا کرے . وہیں غلات میں روشن چراغ طوبہ رہتا ہے
 بیاد من میں ہے دل اونا کا کبھی کیسی . کہ یہ وہ ملک ہے جس کا یہی دستور رہتا ہے
 خدا نے علم سے آزاد کو نا آشنا رکھا . عجب انسان ہے لیکن جبل پر مغرور رہتا ہے

غزل

از ڈاکٹر غفرانہ سلام ظفر رئیس ہائی اسکول، بھونڈی، بمبئی

ہر دم کے طلب گار ہم ہوئے . ہم جیسے جنسِ غم کے خریدار کم ہوئے
 شفیق ہوئے شفیق ہوئے محرم ہوئے . حیرت ہے پھر بھی لطف کے قابل نہ ہوئے
 ہوں گسٹو خواہ خواہ کہ ہم پر تو آج تک . جو بھی تم ہوئے وہ بنا ہم کرم ہوئے
 اسے سناؤ کہ ہمارا کہ رسوا نہ تو ہوا . بدنام بھی ہوئے تو زمانے میں ہم ہوئے

گردی نگاہان نہ بیچے و مانغ دول . تب جا کے لوگ صاحب لوح و قلم ہوئے
 سرے کفن جو بازو کے میدان میں لگئے . سر پہ کئے نہ ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
 پھر اعتبار اہل سیاست کا کر لیا
 لو پھر شکار و عدو فردا کے ہم ہوئے

غزل

از جناب وارث ریاضی صاحب ایم اے ہنر لچکان

آپ نے عزت کبھی بخشی کبھی رسوا کیا . شکریہ میرے لیے جو کچھ کیا اچھا کیا
 عقل و اہم کرد و حیل میں الجھ کر رہ گئی . عشق نے دشواری منزل کو ستر تنہا کیا
 اُن کی زلفوں سے بھی وہ پریچ پر تنہا کیا . جیسے جیسے گیسوے قسمت کو کھینچا کیا
 میری بدنامی کا چرچا ہر طرف ہونے لگا . اس دلِ خود و غرض نے جیسا کہا ویسا کیا
 داد و محبت میں میرا ہم سفر کوئی نہ تھا . اپنی بربادی کا منظر آپ ہی دیکھا کیا
 وہ جفا کر کے رہے پھر بھی رہے دل کے تڑپا . میں و فائوں پر نگاہِ لطف کو ترسا کیا
 ترکِ الفت پر وہ احساسِ شبیانی کے بعد . مجھ کو سمجھایا کیسے میں ان کو سمجھایا کیا
 اتناں گاہِ محبت میں مجھے اللہ نے . دورِ دل و دے کبریا سے اتناں پیدا کیا
 اس کی عقل و آگاہی پر ہے بہت حیرت مجھے . جو خدا کی خلق کو حاجت روا سمجھا کیا

میں نے ہی کھایا ہے ہر دم آشنائی کا فریب
 اُس نے تو وارث مجھے نا آشنا سمجھا کیا

مطبوعات جدید

الثقافة الإسلامية [مرتبہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، تقطیع کلاں، لاہور]
فی السند [مطبوعات محمد صفیات ۴۴، قیمت ۲۰ روپے، س. د. پتہ]

مجمع اللغة العربية، دمشق، شام

مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء کھنؤ کی نظر ہندوستان کے اسلامی
عہد خصوصاً مسلمانوں کی علمی تاریخ پر بڑی وسیع اور عمیق تھی، انہوں نے اس موضوع پر متعدد
کام کیے ہیں جس کو دوسرے ملکوں میں اکیڈمیاں اور متحدہ اشخاص مل کر انجام دیتے ہیں، ہندوستان
کے ہر ممالک اسلامی دور کے شعراء و مشائخ اور سلاطین و امراء کے متعدد تذکرے اور تاریخیں لکھی
گئیں ہیں، لیکن یہاں کے علماء و فضلاء کے تذکرے اور ان کے کارناموں پر مستقل کتابیں کم لکھی گئی
ہیں، مولانا نے اس کی کوپور کرنے کے لیے زہرہ انخواطر کی آٹھ جلدوں میں علمائے ہند کے تراجم
لکھے، اور اس کے مقدمہ کے طے پر یہ کتاب لکھی جو ہندوستانی علماء و مصنفین کی مختلف انواع و اقسام
کی ایک جامع فہرست ہے، انہوں نے اس میں صرف کتابوں کے نام درج کر دیے ہیں تاکہ انہیں
کیا ہے، بلکہ ہر علم کی تعریف اور اس کی مختصر تاریخ بھی تحریر کی ہے، اور دنیائے اسلام میں اس
موضوع پر جو مستند و معروف کتابیں لکھی گئی ہیں، پہچان کا ذکر کیا ہے، اور آخر میں ہندوستانی علماء
کی عربی، فارسی اور اردو تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، شروع میں ہندوستان کے قدیم نصاب و
کالکھ اور اس میں ہونے والی عہدہ عہد ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا ہے، اس اعتبار سے اس کی ادبی حیثیت
ہے جو ابن الندیم کی الفہرست، طائش کبریٰ زادہ کی مفتاح السعادة اور ملاکاتب علی کی کشف الظنون

کی ہے، اصحاب سے ہندوستانی مسلمانوں کی ملی تعلیمی اور ذہنی و فکری تاریخ بھی سامنے آجاتی ہے، یہ کتاب پہلے مرتبہ ۱۹۵۵ء میں المجمع اعلیٰ العربی دمشق سے شایع ہوئی تھی، جبکہ نام تبدیل ہو کر اب مجمع علماء العربیہ ہو گیا ہے، ۱۹۶۹ء میں مہینہ ۱۰ سے اس کا اردو ترجمہ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، کے نام سے بھی چھپ چکا ہے، اب اس کا دوسرا عربی ایڈیشن بھی دمشق سے شایع ہوا ہے، جس کے آخرین مصنف مرحوم کے لائق و فاضل فرزند مولانا سید ابوالحسن علی بن محمد نے مولای شمس تبریز خاں صاحب کے تعاون سے ایک ضمیمہ کا اضافہ بھی کیا ہے، اس میں ہندوستانی کتابوں کا ذکر ہے، جو مصنف کے بعد مرتب کی گئی ہیں، اس سے یہ کتاب ”اپ ٹو ڈیٹ“ ہوگئی ہے، اصحاب کا فائدہ بھی بڑھ گیا ہے،

صاحب حقہ طور پر مرتبہ جناب تاج پائی صاحب، کچر رشیدہ جغرافیہ اچ۔

ڈی، چین کالج آف، تقطیع خود، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۱۲۳۲،

مجلد مع خوبصورت گرو پوش، قیمت ۴۵ روپے، ناشر: اردو راسخون گلڈ،

لاہور آباد علی،

پروفیسر کلیم الدین احمد اردو کے مشہور ماہر بڑے تقاد بلکہ بہاریں فن تنقید نگاری کے نام سے جانتے تھے، مگر ان کی زندگی ہی میں ان پر سخت تنقیدیں ہونے لگی تھیں، یہاں تک کہ خود بہار کے بعض ادیبوں و نقادوں نے انہیں ہر اعتبار سے تنبیہ مایہ اور فن تنقید سے نااہل قرار دینا شروع کیا، اور انہوں نے ان کی تحریروں میں زبان و بیان کے اغلاط بھی دکھائے، اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ سہیل گیلنے ان کے متعلق ایک خصوصی شمارہ شایع کیا، جس میں بہار کے ایک برگزیدہ و باوقار اہل قلم پروفیسر سید محمد حسن سابق صدر شعبہ نفسیات پٹنہ یونیورسٹی کے کئی مضامین شایع ہوئے ہیں، جن میں ان کی ادبی و تنقیدی خامیوں، زبان و بیان کے اغلاط یہاں تک کہ غلطی کمزوریوں

کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جناب تاج پیری کا زیر نظر کتاب میں بھی کلیم الدین صاحب کا یہ
 نظریات کو مضحکہ خیز اور باطل قرار دیا گیا ہے، یہ کتاب ان کا زندگی ہی میں شائع ہو گئی تھی
 مگر اس پر تبصرہ کی گنجائش اب بھی ہے، یہ تیسرا مضامین پر مشتمل ہے، مادہ ہر مضمون میں کلیم الدین
 کے انتہا پسندانہ تنقیدی نظریات اعلیٰ و اعلیٰ شعراء، اردو شاعری خصوصاً غزل کے بارے میں
 ان کے الزامات کا تجزیہ کر کے کلیم صاحب کی غلطی بے باک و بے رحمی اور غیر وسعتی ثابت کی گئی ہے
 پچھلے مضمون کی حیثیت مقدمہ کی ہے، اس میں ان کی تنقید کو کسر تخریبی ثابت کیا گیا ہے، اس کے
 بعد کے مضامین میں ان کے مندرجہ ذیل اعتراضات پر بحث و گفتگو کر کے ان کی دلال تردید کی گئی
 ہے، اردو شاعری فارسی کی گویا نہ تقلید ہے، ہر لفظ، ہر بندش، ہر کافہ اور ہر صنعت کیلئے
 سند کا تلاش اور کی ترقی اور اس میں جدت طرازی کے لیے سرمایہ بنی، انسان کو ماحول کا
 پروردہ سمجھنا محض اختراع ہے، ادب کا معاشرہ میں تعلق نہیں، غزل پر بحث کے لیے سند
 کے سماجی، سیاسی، روحانی، انسانی وغیرہ پس منظر کو زیر بحث لانا غیر متعلق بات ہے، اردو شاعر
 محض قافیہ پیمانی کے مترادف ہے، اردو شعراء شاعرانہ خوبیوں سے نااہل ہیں، شیر، سودا،
 صد، موتی، ذوق اور غالب اگر نظمیں کہتے تو بزدل شعراء ہو سکتے تھے، سند میں حالی شہریت
 ابھی نثر سے خالی ہے، اگر نظمیں نہ کہنا اور اپنا وقت مفرد شعراء اور شعروں کے قطعوں پر
 بباؤ کرنا اور جوش کا الفاظ کا کھوکھلا ماحول نہ بنانا اور شعراء کی کردار کشی یعنی
 کلیم الدین کا ان پر عشق سادہ رویاں، ہوس پرستی، ادب پاشی اور زندگی و میٹھواری کا الزام، اردو
 غزل میں کوئی خاص مسلسل مضمون نہ بیان کرنا، غزل کو غیر منہج، نیم وحشی اور مبتذل قرار
 صنف قرار دینا، اداس میں رعبا، اتقائے خیال اور مکمل تجربہ کا نہ ہونا، مصنف کے
 نزدیک کلیم الدین صاحب کے الزامات کا بنیادی اور اصلی سبب ان کی مغرب سے رجحانیت ہے

اس لیے جمہور کی تائید کے لیے انگریزی ادیبوں کے حوالے کثرت سے کیے ہیں، کلیم الدین مرحوم جو انگریزی ادب و شاعری کا اصل معیار سمجھے جاتے، اسی کی سوتیلی پر اردو شاعری کو بھی چلتے تھے، اس لیے مصنف نے خود انگریزی شاعری میں بھی اسی قسم کے قبول اور نقص دکھائے ہیں جو کلیم الدین صاحب کو اردو شاعری میں نظر آئے ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے اردو شاعری کو انگریزی شاعری کے مقابلہ میں فائق اور مہذب بھی ثابت کیا ہے، اس ضمن میں اردو شاعری خصوصاً غزل کی گونا گوں خصوصیات بھی تحریر کی ہیں، اور اس کی مدح مبنی، معنی آخر میں اللہ اس کے اعجاز و ایجاد کا کمال بھی دکھایا ہے، اردو زبان کے شہ پاروں اور اس کے ادیبوں اور شاعروں کو کمتر بنا کر پیش کرنے کی کلیم الدین صاحب کی کوششوں کا تحلیل و تجزیہ ہی نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مصنف نے جا بجا ان پر کوتاہ مبنی، حقائق سے چشم پوشی، ان کی علمی تہیائیگی اور تنقیدی صلاحیت کے فقدان کا الزام بھی عائد کیا ہے، مثلاً کلیم الدین احمد کا انگریزی ادب میں کوئی مقام نہیں (صفحہ ۱۱)، حاتی نے انگریزی زبان کی کتابوں کے ترجمہ سے جتنا کچھ حاصل کر لیا تھا، کلیم الدین انگریزی زبان کے پروفیسر ہو کر بھی حاصل نہ کر سکے (صفحہ ۱۱)، کلیم الدین احمد انگریزی ادب خاص کر اس کی روحانی شاعری کو چھوڑ کر دوسرے علوم و فنون سے قطعی واقف نہیں (صفحہ ۲۱)، وہ علم عمرانیات، علم نفسیات، علم جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ سیاسیات اور فلسفہ علم لسانیات سے بالکل نا آشنا ہیں (صفحہ ۲۱)، وہ انسانی تہذیب و تمدن، قوموں کے عروج و زوال اور زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے اسباب اور اثرات سے بھی بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں، جبکہ ایک ناقہ کو لیں ساری باتوں کا علم ہونا چاہیے (صفحہ ۲۱) ان کے اندر فہم و ادراک اور غور و فکر کی بھی کمی ہے، اور وہ انگریزی روحانی شاعری کے علاوہ دیگر علوم و فنون سے بھی قطعی واقف نہیں (صفحہ ۶۳)، انہوں نے ہمالیائی، تاریخی اور ادبی غلطیاں کی ہیں (صفحہ ۶۹)

کلیم الدین اور اپنی ذات کی بات سے بلند ہو کر کچھ نہیں سوچتے، اس لیے انھوں نے ہم
 قدم پر چڑھ کر یہ لکھا تھا، لوگوں نے انہیں ہنسنے کی کوشش بھی کی، مگر وہ کہنے پر ہر صبر
 رہے (ص ۱۳۱) انھوں نے اپنی تنقید کے لیے خود کوئی اصول وضع نہیں کیا، دوسرے ناقدین
 کے وضع کردہ اصولوں کو اپنی تنقید کے لیے بروئے کار لے لیا (ص ۱۳۱) عربی، فارسی اور
 اردو زبان کے ناقدوں کے ذریعہ وضع کردہ اصولوں کی طرف سے چشم پوشی ہی نہیں کی ہے
 بلکہ ان میں زبردستی کیڑے بھی نکالے ہیں (ص ۱۳۱) انگریزی اور فرانسیسی ناقدوں کے اصول
 کو پیش نظر رکھ کر تنقید کی ہے (ص ۱۳۱) وہ مغربی ناقدین کے خوشہ چیں رہے بلکہ انھیں بھی (ص ۱۳۱)
 وہ انگریزی شاعری ہی کو عید شاعری سمجھتے ہیں (ص ۱۳۱) وہ اردو زبان کے بڑے ناقد
 (ص ۱۳۱) وہ تنقید کے بنیادی اصول سے بھی واقف نہیں (ص ۱۳۱) ان کے اندھ قلم سے
 صلاحیتوں کا بھی فقدان ہے (ص ۱۳۱) ان کے اندر تنقیدی صلاحیت کا سنت فقدان
 ہے (ص ۱۳۱) کلیم الدین تنقیدی اصول جانتے ضرور ہیں مگر اس کی صحت سے نا آشنا ہیں (ص ۱۳۱)
 کلیم الدین کا تنقیدی شعور اتنا بالیدہ اور ترقی یافتہ نہیں کہ وہ شاعری اور قافیہ پیمانی میں
 امتیاز کر سکے (ص ۱۳۱) حالی، کلیم الدین کے مقابل میں تعمیری اور صالح تنقیدی شعور رکھتے
 تھے، انہیں نثر اور شعر کی پہچان کلیم الدین سے بہتر تھی (ص ۱۳۱) کلیم الدین کے یہاں تضاد
 کی کمی نہیں (ص ۱۳۱) انہوں نے سوائے اپنے والد عظیم الدین اور اپنی ذات کے کسی کو نہیں چھوڑا
 (ص ۱۳۱) وہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے ہیں اس لیے غیر ذمہ دارانہ فیصلہ صادر کر دیتے ہیں
 (ص ۱۳۱) وہ شعراء پر ان کا تن آسانی کا الزام لگانا حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے
 انہوں نے خود تن آسانی سے کام لیا، اور بغیر غور و فکر سے کام لیا ایک غلط بات کہی (ص ۱۳۱)
 حالی کے متعلق کلیم الدین کا یہ نام زمانہ جملہ خود کلیم الدین پر لفظ بہ لفظ صادق آتا ہے کہ خیالات

واقفیت سے، نظر سلی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ادنیٰ، داغ و شخصیت اوسط یہ سب
 کلیم الدین کی کمالات (صفحہ ۱) اور یہ سب محض دعوے نہیں ہیں، بلکہ پوری کتاب میں ان کی
 مفصل مدلل وضاحت ہے، جناب تاج پیاپی جغرافیہ کے لکچر میں، گرامر و شعر و ادب
 اور تنقید نگاری سے بھی ان کو کبھی ہے، اور انگریزی ادب پر بھی ان کی اچھی نظر ہے، انہیں اپنی
 بات کو مدلل طور پر منطق انداز میں پیش کرنے کا اچھا سلیقہ بھی ہے، مگر پتہ نہیں کیوں انہوں نے
 اس کی بار بار محضنت کی ہے کہ یہ کتاب ”میں نے کلیم الدین احمد کی مخالفت میں نہیں لکھی ہے، بلکہ اردو
 زبان، اس کے شعراء اور اس کی شاعری کی حمایت میں لکھی ہے“ نتیجہ کے لحاظ سے دونوں باتیں تو
 یکساں ہی ہیں، بعض لفظوں کا اطلاق و درج ہے، جیسے ہدی خوانی ص ۲ (مدی خوانی) اخترا
 و اختراع، توجیح ص ۱۲ اور ص ۱۳ (توجیہ) سلسلہ نصب ص ۱۴ (سلسلہ نسب) بزرگ خود ص ۱۵
 (بزرگ خود) مندرجہ ذیل جملہ میں ہندی کا خط کشیدہ لفظ اردو میں بالکل نامعلوم معلوم ہوتا ہے،
 ”ایک نہیں انیک معنائیں باندھے ہیں، کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے،“

سفر نامہ ہندو۔ مولانا محمد یوسف قریشی، تقطیع اوسط، کاغذ کتابت و طباعت
 معمولی، صفحات ۲۱۶، قیمت پندرہ روپیے، پتہ:۔ موملہ لوفین جامعہ اشرفیہ،

پشاور، پاکستان،

مولانا محمد یوسف قریشی شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ اشرفیہ پشاور ۱۹۸۸ء میں دارالعلوم
 دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کے لیے ہندوستان تشریف لائے تھے، یہ کتاب ان کے
 اسی سفر کی روداد ہے، اس میں اجلاس کی مختصر کارروائی بھی درج ہے، اور دارالعلوم دیوبند
 کے قیام، اس کی عمارتوں، اس کے اصول ہشتگانہ اور اس کی صد سالہ خدمات کا مختصر خاکہ بھی
 دیا ہے، اور دارالعلوم سے وابستہ مندرجہ ذیل حضرات کے حالات اور کارنامے بھی بیان

سیرت و شخصیت کے خفا و خال بھی نمایاں کیے ہیں، اور ان کی شاعری پر تبصرہ کر کے اس کی خصوصیات بھی لکھائی ہیں، اس کے آخر میں آصف کے کلام کا ایک مختصر انتخاب بھی درج ہے، جو خود انہوں نے قریب کے سابق مرتب کے حوالہ کیا تھا، یہ اٹھارہ غزلوں اور سات رباعی پر مشتمل ہے، آصف کا کلام طرز قدیم کا حامل ہے، اس لیے یہ موجودہ دور کی شاعری کہے بہ اعتدالی، ناہمواری اور ابتذال سے پاک ہے، اور اس میں زبان اور مادوں کی صحت کا لحاظ کرنے کے علاوہ مضمون آفرینی بھی کی ہے، ادبیہ لطف و شائستگی بھی خالی نہیں ہے، مغربی بنگال اور داکا ڈمی نے قدامت ادب کے بیسے یہ سرگزشت شایع کی ہے جس کے لیے وہ قابل ستائش ہے، ص ۲۵ پر دو جگہ باجمہ کو برا لکھا ہے، شاید یہ کتابت کی غلطی ہے،

محسوسات و معقولات، مرتبہ جناب محمد اللہ فرہی علیگ، متوسط تقطیع،

کاغذ کتابت جہاںمست، ہتر صفحات، ۶۸ قیمت آٹھ روپے پچتر پیسے چھ (۱) مسکین بکڈ

ایم ڈی ریفیجے پور (۲) جویم بکڈ پور، ۱۳۳۳-۸ ذکرنگو، جامعہ نگرا دکھلا، نئی دہلی

حکیم داکٹر محمد اللہ فرہی لکچر راجستھانی یونیورسٹی کالج جے پور ترجمان القرآن مولانا حمید الدین غفر

تے اور ذی صلاحیت نوجوان ہیں، انہوں نے طب یونانی کے فروغ، اس کی قدیم تحقیقات کو نئے انداز میں

کریری میں پیش کرنے طلبہ کے کورس کیلئے معیاری طبی کتابوں اور ایک طبی جدیدہ کی اشاعت کیلئے جے پور

سماج تنقذ طبی ریسرچ سنٹر قائم کیا ہے، یہ کتاب سنٹرل کونسل انڈین میڈیسن کے تیار کردہ

کے مطابق پری طب کیلئے لکھی گئی ہے، اس میں حکمت و منطق کی اہمیت اور ان کے مبادی و مصطلحات

حرف و توضیح مثالوں کے ذریعہ کی گئی ہے، اور چونکہ کتاب طب کے طلبہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے،

مثالیں بھی عموماً اسی کی دی گئی ہیں، یہ موضوع خشک ہے لیکن نوجوان مصنف نے اس کو ترچہ

نہ بھی کی ہے، اور تنقذ کا جدید طریقہ اور روشیں انداز اختیار کیا ہے، اور جدید اور انگریزی اصطلاحیں

مکتبہ اسلامی، معصومین کی یہ پہلی کتاب ہے، مکتبہ کی دعوت پر پہلی مرتبہ اس کے
 مطالعہ کے لیے ہے، اس سے ان کے بچے، نوجوان، بزرگ، کمیت کے بزرگان، کمیت کے
 اسلامی انقلاب، مرتبہ جناب سید علی صاحب ترمذی، مکتبہ اسلامی،
 مخالف قوتیں اور مسلمان { طباعت عمدہ، صفحہ ۱۲۰، قیمت پانچ روپے }
 پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی،

اس کتاب میں اسلامی انقلاب کی موجودہ لہر اور اس کی مخالفت و مخالفت کا جائزہ لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں
 ایران کے انقلاب پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے غم و افسانہ میں جہادوں کی سروروشی کا حال بیان کیا گیا ہے
 صنف مکتبہ کی مسلم ملکوں میں اسلامی تحریکوں اور مسلمانوں کی اسلام کی سرپرستی کے لیے جدوجہد کا تذکرہ کیا
 اور یورپ کے ملکوں میں بھی مسلمانوں کی دینی بیداری کا ذکر کیا ہے، اور جن گوشوں سے اور جو عناصر اسلامی انقلاب پر
 رخنہ انداز رہے ہیں، ان کی نشاندہی کی ہے، ایران کے جائزہ میں شاہ ایران کی بے تدبیری، اسلام شناسی اور اسلام کی
 نوازی وغیرہ کا ذکر کیا ہے جس کے نتیجے میں عوامی بیداری اور اسلامی تحریک برعکس گدائی، انقلاب کے بعد کا
 کا ذکر کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ ہر انقلاب کی طرح اس انقلاب کے بعد بھی مسائل و مشکلات پیدا ہونے لگیں گی
 کی کوشش کی جا رہی ہے، مگر اسلام دشمن عناصر اس کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں پاکستان
 کے دہریہ جناب ضیاء الحق سے قبل کے بتر حالات اور ان کی اسلام کو غالب کرنے کی محالہ نہ جدوجہد ان کی راہ کی ننگاؤں
 کا جائزہ لیا ہے، پھر افغانستان میں جہادین کی انقلابی سرگرمیوں اور روسی مخالف کا ذکر ہے، اسلامی انقلاب کے خلاف
 ہونیوالی سرگرمیوں اور خطرات سازشوں کے سلسلہ میں کمیونزم، مغرب کے سامراجی نظام اور یہودی مہینہ
 ذکر کیا ہے، ہندوستان کی جماعت اسلامی کی مخالفت میں کمیونسٹ اور بعض دوسری پارٹیوں کے کارروائیوں کا تذکرہ
 کے کشاکش مسلمانوں کے رویے پر بھی بحث کی ہے، اور آخر میں بتایا ہے کہ اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا
 رویہ ہونا چاہیے، یہ کتاب دوسری اور اسلام کی ترقی کے لیے جو یہ سچائی گئی ہے، مگر اس کا اندازہ بجا بنیاد میں ہو گیا ہے،
 ض

720145

[illegible]

1994

شیخ محمد بن علی بن ابی طالب

